خطوط وقار الملک

مرتبہ

مشتاق احمد [illegible]

[illegible]

خطوطِ وقار الملک

مُرتبہ و مؤلفہ

مشتاق احمد ایم۔ اے (آکسن) بار ایٹ لا

سر سید ہاؤس سیریز نمبر ۱

ڈائرکٹر: پروفیسر خلیق احمد نظامی

پیش لفظ

سرسید کے رفقاء میں نواب وقار الملک کی شخصیت اپنی سیرت کی دلنوازی، اخلاق کی پاکیزگی، اصولوں کی پختگی، اور قومی کاموں میں بے لوث اور پُر خلوص انہماک کے باعث ایک امتیازی شان کی حامل ہے۔ وہ سرسید کی تعلیمی تحریک کی اخلاقی پشت و پناہ تھے ان کی وفات پر مدیر معارف نے لکھا تھا:۔

"نواب محسن الملک کی وفات پر ہم نے تدبر و سیاست کا ماتم کیا۔ مولانا نذیر احمد کے مرنے پر سحر نگاری اور بزم آرائی کا مرثیہ پڑھا مولانا شبلی کی موت پر ہم نے علم کے فقدان پر نوحہ کیا، مولانا حالی کو رخصت کرتے ہوئے ہم نے سخن وری اور دقیقہ سنجی پر نالہ کیا، لیکن وقار الملک کی رحلت پر ہم قوم کا ماتم کرتے ہیں اور اولوالعزمانہ اخلاق کی گم شدگی پر فریاد۔ وہ ہمارے کارفرما قافلہ کا آخری مسافر تھا، اس کے بعد وہ دور جو انقلاب ہند کے بعد شروع ہوا تھا ختم ہو گیا۔"

اور اسمیں کچھ مبالغہ نہ تھا۔ وقار الملک کے ساتھ حقیقتاً تاریخ کا ایک دور ختم ہو گیا۔ وہ ہماری تہذیب کی بہترین قدروں کے امین اور آئینہ دار تھے۔ انھوں نے سرسید کی تحریک کا دائرہ اثر و نفوذ پھیلانے میں جو بے پناہ جدو جہد کی تھی وہ علی گڑھ تحریک کا کوئی طالبعلم فراموش نہیں کر سکتا۔ انھوں نے قدیم اور جدید نقطہ ہائے نظر میں ایک توازن پیدا کیا اور مشرقی تہذیب کے ان عناصر کو جو جدید تعلیم کے شانہ بہ شانہ چل سکتے تھے، نہ صرف ابھارا بلکہ ان کی افادیت اور برتری کو ثابت کر دکھایا۔ ایم اے او کالج کے ایک مشہور پرنسپل مسٹر آرچبولڈ

جن کی نواب صاحب سے کبھی نہ نبھ سکی تھی، یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ "مجھے کبھی کسی دوسرے ہندوستانی شخص سے ملنے کا موقع نہیں ملا جو اس درجہ مضبوط کیر کٹر کا ہو۔"

نواب زادہ مشتاق احمد صاحب نے جن کو باپ کی بہت سی خوبیاں ورثہ میں ملی ہیں، یہ خطوط بڑی محنت سے مرتب کئے ہیں۔ ان خطوط سے وقار الملک کی شخصیت اور کردار کے کتنے ہی پہلو اجاگر ہو گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وقار الملک کی حیات اور کارناموں کے مطالعہ کے لئے یہ خطوط ناگزیر ثابت ہونگے اور ان سے نہ صرف نواب صاحب کے سیرت نگار ہی فائدہ اٹھائیں گے بلکہ علی گڑھ تحریک اور مسلمانوں کی تعلیمی اور سماجی جدوجہد کے مورخ بھی اس بیش بہا ذخیرہ سے مستفید ہوں گے۔

نواب وقار الملک میرٹھ کے قریب ایک موضع سراوہ میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے تھے تعلیم کے بعد ابتدائی زمانہ میں محرر اول انکم ٹیکس، اطلانویس، واصل باقی نویس وغیرہ ملازمتوں پر فائز رہے اور مشاہرہ ۱۵ روپے ماہانہ رہا۔ ۱۸۶۵ء میں علی گڑھ میں صدر الصدور کی عدالت میں سررشتہ داری پر تقرر ہوا۔ یہاں سرسید کی نظر کیمیا اثر ان پر پڑی اور ان کی صلاحیتوں کے لئے سونے پر سہاگا کا کام کیا۔ سرسید نے ان کی سردس بک میں ۸ اگست ۱۸۶۷ء کو اندراج کیا:

"نہایت لائق، نہایت ہوشیار، نہایت محنتی، اور نہایت کارگزار اور نہایت فہیم اور نہایت رودنویس وخوش خط یہ افسر ہے۔ اس افسر کی دیانتداری پر مجھ کو ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ اپنی موت پر۔ حقیقت میں جناب مسٹر بریلی بہادر کا اس محکمہ پر بہت بڑا احسان ہے جو ایسے لائق اور دیانتدار شخص کو اس محکمہ کی افسری کے لئے مقرر کیا۔ جس عہدہ پر یہ شخص نوکر ہے اس سے بہت زیادہ بڑے عہدہ کی نہایت عمدہ لیاقت اس میں موجود ہے۔"

سرسید کی جوہر شناس نظر نے جن صلاحیتوں کا اندازہ ۱۸۶۷ء میں کر لیا تھا، وہ بالآخر نواب وقار الملک کو حیدرآباد میں ایک بڑے عہدہ پر پہونچا کر رہیں۔ اور ان کی قابلیت، سچائی، انصاف پسندی اور اصول کی پابندی کا شہرہ سارے ملک میں ہو گیا۔ سرسید نے سر سالار جنگ کو ان کی سفارش کرتے ہوئے لکھا تھا:

"میں دعوی سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کا تقرر ریاست کے لئے فائدہ کا باعث ہوگا اور حضور والا کو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ مشتاق حسین کے متعلق میں نے جو کچھ کہا ہے اس میں مبالغہ سے کام نہیں لیا۔"

وقار الملک کی شخصیت عبارت تھی ان اصولوں سے ـــ احساس فرض، سعی مسلسل دیانت اور ڈسپلن۔ ان کا خیال تھا کہ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی دونوں میں آئین کی پابندی سے استقامت اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔ وہ اصول کی خاطر بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کر سکتے تھے۔ دل کے صاف، زبان کے سچے اور ارادے کے پکے تھے۔ ۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۰۷ء کو وہ ایم اے او کالج کے سکریٹری مقرر ہوئے اور ساڑھے چار سال تک کالج کی باگ ڈور ان کے بوڑھے مگر مضبوط ہاتھوں میں رہی۔ ان کے انتخاب پر مبارکباد کا جو جلسہ ہوا اس میں انھوں نے نہایت صفائی لیکن پوری دل سوزی کے ساتھ فرمایا:

"میں اس وقت وعدہ نہیں کرتا کہ میں کیا کروں گا اور کیا نہ کروں گا اور میرے کام کرنے کے نتائج کیا ہونگے۔ البتہ مجھ کو اپنے احباب، ٹرسٹیوں اور کالج اسٹاف سے اُمید ہے کہ وہ اور میں مل جل کر کام کریں گے اور وہ مجھے پوری طرح مدد دیں گے اور اس طرح قوم کی جو خدمت مجھ سے بن آئے اس کے لئے میں ہمہ تن حاضر ہوں۔"

پھر فرمایا:

"مجھ کو یہ بھی بیان کر دینا ضرور ہے کہ بہت عرصہ سے ہم یہ سنتے چلے آئے ہیں

کہ فلاں معاملہ پر اس لئے زور دینا مناسب نہیں ہے کہ کہیں یورپین اسٹاف بددل ہو کر کالج نہ چھوڑ دے اور اب طلبار کی اس حال کی شورش سے ہمارے لئے ایک تازہ دھمکی یہ پیدا ہوئی ہے کہ کہیں طلبار اسٹرائک نہ کردیں۔ اس قسم کے حالات کے لحاظ سے میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم کو اپنا انتظام کافی احتیاط اور غور کے ساتھ منصفانہ اور صحیح اصولوں پر قائم کرنا چاہیئے اور ہر ایک نقصان کو برداشت کرنے کے واسطے جو ڈسپلن قائم رکھنے کی غرض سے عائد ہو ہم کو تیار رہنا چاہیئے۔ عام ازیں کہ طلبار کی طرف سے کوئی دھمکی ہو یا اسٹاف کی طرف سے، میں انتظام کو ضعیف اور کمزور دیکھنے کی بہ نسبت کالج اور بورڈنگ ہاؤس کے کمروں کا خالی دیکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔"

اس بوڑھی آواز میں یقین و اعتماد کی بے پناہ قوت تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی کی بنیادیں جن اصولوں پر قائم کی تھیں وہ کسی حال میں اُن سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔

وقارالملک کی دیانتداری ضرب المثل تھی۔ نجی خط و کتابت کے لئے کالج کا قلم اور روشنائی بھی استعمال نہ کرتے تھے۔ سر سید نے جب کالج کی ایک عمارت کو "مشتاق منزل" نام دینے کی تجویز کی تو فرمایا:

"نواب وقارالملک مولوی مشتاق حسین نے بہ لحاظ قومی ہمدردی کے جو بیش بہا خدمات کالج کی کی ہیں، وہ آپ سب صاحبوں کو معلوم ہیں۔ انھوں نے اپنی جیب خاص سے متعدد مرتبہ زر کثیر بطور سبسکرپشن کے کالج کو عطا

کیا ہے اُن کے خاص عطا کئے ہوئے روپیہ سے ایک پختہ بورڈنگ ہاؤس کالج کی عمارتوں میں بنایا گیا ہے۔ اسکول کا بڑا ہال اور مسجد مدرستہ العلوم جس قدر کہ اب تک تیار ہوئی ہے جو نواب بشیرالدولہ سر آسمان جاہ کی بے نظیر فیاضی کی یادگار ہے اس میں بھی اور نیز آسمان منزل کے چندہ فراہم ہونے میں مولوی محمد مشتاق حسین صاحب کی سعی و کوشش کا بہت بڑا حصّہ ہے۔

"..... علاوہ ازیں اُن کی ذاتی جسمانی محنت جو انھوں نے مدرستہ العلوم میں کی کسی طرح فراموش ہونے کے قابل نہیں ہے. پس اُن کے یہ تمام احسانات اس قابل ہیں کہ ان کی ایک مستقل یادگار مدرستہ العلوم میں قائم کی جائے۔"

خطوط کا یہ مجموعہ صرف نجی خطوط پر مشتمل نہیں ہے بلکہ بہت سے عنوانات کے تحت اہم تاریخی مواد کو جمع کر دیا گیا ہے۔ علی گڑھ تحریک اور بالخصوص نواب وقار الملک کی زندگی اور کارناموں کو سمجھنے کے لئے یہ مجموعہ نہایت ہی مفید ثابت ہوگا۔

یہ مجموعہ "سرسید ہاؤس" کی جانب سے شائع کیا جا رہا ہے۔ تین سال قبل یونیورسٹی جوبلی کے سلسلہ میں جو پروگرام بنایا گیا تھا اس میں ان خطوط کی اشاعت بھی شامل تھی۔ جب جوبلی ملتوی ہوئی تو یہ کام بھی التوا میں پڑ گیا۔ میں نوابزادہ مشتاق احمد صاحب کا ممنون ہوں کہ انھوں نے یہ مجموعہ "سرسید ہاؤس"

کو عنایت فرمایا اور یہ اس کے سلسلے مطبوعات میں سب سے اول شائع کیا جا رہا ہے۔

اُردو میں کتابت و طباعت کی جو دشواریاں ہیں اُن کا احساس ہر اس شخص کو ہے جسے اس صبر آزما کام سے واسطہ پڑا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب طباعت کے اعلیٰ معیار کے مطابق شایع نہ ہو سکی۔ حقیقتاً علی گڑھ میں اس سے بہتر وسائل موجود ہی نہ تھے۔ بہرحال امید ہے کہ ناظرین اس پہلو سے صرف نظر کریں گے۔ اور علی گڑھ تحریک کے لئے ایک اہم تاریخی دستاویز سمجھ کر اس سے استفادہ کریں گے۔

خلیق احمد نظامی

علی گڑھ
۲۸ مئی ۱۹۴۷ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	تعداد عکس	نمبر عکس
۱۱	مندرجہ بالا اسکیم کے متعلق جسٹس سید امیر علی صاحب اور مولانا الطاف حسین حالی کے خطوط موسومہ وقار الملک	۸۵	۲	۵۳ تا ۵۴
۱۲	خطوط و تحریرات نواب وقار الملک متعلق امروہہ ضلع مراد آباد	۸۷	۱۴	۵۵ ″ ۶۸
۱۳	خطوط وقار الملک موسومہ سر جان اسٹریچی اور سر ڈینیس فٹز پیٹرک	۱۱۷	۲	۶۹ ″ ۷۰
۱۴	سفارش نواب وقار الملک موسومہ سر فاضل بھائی کریم بھائی برائے مولانا فضل الحسن حسرت موہانی	۱۲۷	۱	۷۱
۱۵	پنجاب کی کسی مقتدر ہستی کے نام وقار الملک بہادر کا ایک خط	۱۳۰	۱	۷۲
۱۶	خط نواب صاحب موسومہ جناب حاجی محمد احمد صاحب بابت مدرسہ عالیہ دیوبند	۱۳۱	۱	۷۳
۱۷	وقار الملک بہادر کا ایک تار موسومہ حکیم اجمل خاں صاحب حاذق الملک بہادر	۱۳۲	۱	۷۴
۱۸	مہاراجہ شیوراج بہادر کا نواب وقار الملک کے فرزند کلاں کی موت پر تعزیت کا خط حیدرآباد دکن سے	۱۳۲	۱	۷۵
۱۹	خطوط مولانا شبلی موسومہ وقار الملک مع تحریر حکیم اجمل خاںصاحب	۱۳۳	۷	۷۶ تا ۸۲
۲۰	خطوط نواب حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی موسومہ وقار الملک	۱۳۶	۲	۸۳ ″ ۸۴
۲۱	التماس منجانب نواب وقار الملک بہادر	۱۴۰		
۲۲	خط سر سید وزیر حسن صاحب موسومہ وقار الملک	۱۵۲	۱	۸۵

کتاب شروع کرنے سے پہلے مہربانی کرکے حسب ذیل غلطیوں کی اصلاح فرما لیجئے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۳	نوٹ ۲	مؤلف	اس کی بجائے حسب ذیل فقرہ اضافہ کیجئے :- مخفی نہ رہے کہ آخر کار وہ دن بھی آیا جب مولوی مشتاق حسین صاحب کی والدہ صاحبہ امروہہ سے حیدر آباد تشریف لے گئیں اور پھر وہیں سپرد خاک بھی ہوئیں (مؤلف)
۲۶	نوٹ ۵	صازادی	صاحب زادی
۲۷	۳	کہ مجھے کوئی عذر	کوئی عذر
۲۷	۱۳	۱۵ تا ۱۸	۱۵ تا ۱۷
۳۰	۷و۸	بوجہ اشاعت مرض طاعون امروہہ چھوڑ کر پھر اؤں میں مقیم تھے	یہ پورا فقرہ حذف کر دیجئے
۳۱	۱۵	ذمہ تم	ذمہ دار تم
۴۲	۹	معہ	مع
۴۶	۱۵		انگریزی عبارت سے پہلے الفاظ "خط نمبر ۳۶" درج فرمائیے
۴۷	۱۰		سطر ۱۰ کے بعد انگریزی عبارت سے پہلے "خط نمبر ۳۷" کے الفاظ اضافہ کر لیجئے -
۵۳	۲	(۱۲) پونڈ	(۱۲۳) پونڈ
۷۳	۹	دوبارہ	دربارہ
۸۴	۸	سوسائیکل	سوسائیٹی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۴	۱۵	ہوا ایسے	ہبر ایسے
۸۹	۱۳،۱۴	اعداو شمار	اعداد وشمار
۱۱۱	۱۶	بار پوشش (۹)	بار پوشس
۱۲۱	۵	اون تعلیم	اون کی تعلیم
۱۳۳	۷	مربی مدرسس	عربی مدرسس
۱۴۸	۱۷	مبتلا ہوئے	مبتلا نہ ہوتے
۱۵۲	۱۴	۱۱ مارچ ۱۷۹۳ء (۱۲) نمبر	۱۱ مارچ ۱۲ء (نمبر ۱۷۹۳)
۱۶۱	۱۸	اظہار سے	اظہار
۱۷۶	۶	وحلت کے بعد بھی ایک	رحلت کے بعد بھی ایک
۱۸۸			پہلی سطر کے اوپر "خط نمبر ۱۲۱" کے الفاظ بڑھا دیجیے۔
۱۸۹			پہلی سطر کے اوپر "خط نمبر ۱۲۲" کے الفاظ اضافہ کیجیے
۲۰۴	۴	خط نمبر ۱۲۳	سطر ۴ سے الفاظ "خط نمبر ۱۲۳" خارج کیجیے۔
۲۰۴	۸	(—	سطر ۸ کی دوسری قوس نکال کر یہ فقرہ اضافہ فرمائیے۔ (دوسرا خط صفحہ ۱۸۹ پر ملاحظہ ہو)
۲۰۴	۸		سطر ۸ کے اضافہ کردہ فقرہ کے نیچے انگریزی عبارت سے پہلے الفاظ "خط نمبر ۱۲۳" درج کیجیے۔
۲۱۲	۱۳	مدار المہالی	مدار المہامی
۲۱۶	۱۰	خومدار	خود مدار
۲۱۹	۴	زیاتر	زیادہ تر
۲۳۴	۵	بتقاضائے رب	بتقاضائے غیرت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۲۵	۱۴	خراب، کردتا	خراب کردیا
۲۳۲	۱۷	فرماں ادائے	فرماں روائے
۲۴۳	۲۰	بڑی بڑ	بڑی بڑی
۲۴۹	۱۸	مقام	. مقام
۲۵۱	۱۵	سرعبدالحق	سردار عبدالحق
۲۵۴	۲	ہاں جی ہاں	ہاں جی ہاں جی
۲۵۴	۳	عہدہ سفارت	عہد سفارت
۲۶۳	۳	عین حیات	حین حیات
۲۶۳	۱۰	کارنامہ سرودری	مائی لائف
۲۶۳	۲	اُنہیں	انہیں
۲۶۳	۱۴	کررہے ہیں ۲۱۵	کررہے ہیں ۱۳۸
۲۷۷	۶	اب حکومت	آپ حکومت
۲۷۹	۷	ابد موت کو	ابد مدت کو
۲۸۱	۱۵	حکومت نامہ	کمرت نامہ
۳۰۹	۴	(۲۸۳۰)	(۲۳۰)
۳۱۵	۱	مدارس	مدراس
۳۱۷	۱۵	جہاں کبھی	جہاں بھی
۳۱۹	۱۱	جاری	جاری ہوا
۳۳۸	۳	حکورت	حکومت
۳۷۷	۳	سنہ ۱۹۴۷ء	سنہ ۱۸۷۴ء

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۷۷	۱۸	مشتاق	مشتاق حسین
۳۷۷	۱۹	خوش ہوئے اور ہم	یہ پورا فقرہ قلم زد کر دیجیے
۳۸۹	۷	موصومہ	موسومہ
۴۱۲	۱۵	اں ا۔ کو در	اس وقت کو دور
۴۱۷	۷-۸	مہربانی کارروائی	مہربانی سے کارروائی
۴۱۷	۱۶	نقل مراسلہ	مع نقل مراسلہ
۴۱۷	۱۷	و مارگ	درباره تعمیر بورڈنگ
۴۲۲	۱۴	چاہیئے ہیں	چاہتے ہیں
۴۳۳	۱۸	پراکٹروں تعداد	پراکٹروں کی تعداد
۴۳۴	نوٹ ۱۸۵		اس نوٹ کی عبارت سے پہلے "سرتھیوڈور بک" کے الفاظ کا اضافہ کیجیے۔
۴۴۰	۱۹	نہ چھیڑوں	نہ چھوڑوں
۴۴۱	۶	کسی ٹرسٹی کی تجویز پر	کسی تجویز پر
۴۵۶	۸	اب، اپنا	آپ اپنا
۴۵۶	۲۰	فریق	ذمہ دار
۴۶۱	۱۶	یورپ	پورب
۴۶۴	۱۲	خط	تبصرہ
۴۷۵	۱۰	استفادہ دیا	استعفا دیا
۴۷۶	۳	واقعات	اوقات
۴۷۷	اخیر سطر ۱۱	کالج نقصان	کالج کو جو نقصان
۴۷۹	۴	کر ٹرسٹیوں	کر اک دو ٹرسٹیوں
۴۸۹	۴	قوم کا	کام کا
۴۹۸	۱۸	ڈاون لکھا ہے	ڈاون کو لکھا ہے

صفحہ ک

Errata

Page	Line	For	Read
47	5	again'	again;
			خط نمبر ۳۷
125	11 to 13	Governor. Regrets. That. It Is Impossible. To Fit in-Interview.	Governor RegretsThat It Is Impossible To Fit In Interview.
188	28	things, straight	things straight
205	15	To/	To
212	21 note	SIR DENNIS FITZPAT-RICK	SIR DENNIS FITZ-PATRICK
292	2	'No", he replied, 'this	"No", he replied, "this
336	5	any	may
355	9	noble men	noblemen
356	16	Exhibit B-	Exhibit B.)
356	18	Be fore	Before
358	4	says"	says, "
359	2	tha	the
360	12	Highness Govtt.	Highness' Govtt.
361	10	he apparent	be apparent
362	8	Highness Govtt.	His Highness' Govtt,
366	9	Hossain :	Hossain
366	10	and proper :	and proper;

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
د	سطر ۱۸	۲۳۰	۲۳۶
۴۷	۱۰	کے بعد جو انگریزی خط ہے اس سے پہلے الفاظ «خط نمبر ۳۷» کا اضافہ فرمائیے	
۲۵۶	۸	مرتب	تیار
« ۲۹۰	۹	میں الفاظ «کارنامہ سروری» (۱) کے بعد حسب ذیل فقرہ کا اضافہ ہوگا مولوی سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم کے	

عرضِ حال

اب سے کوئی پچاس سال پہلے "حیاتِ مشتاق" نامی ستر بہتر صفحے کا ایک کتابچہ شائع ہوا تھا۔ جس میں نواب وقار الملک کی زندگی کے کچھ حالات بہت ہی مختصر طور پر پہلی بار اہلِ ملک کے سامنے پیش ہوئے تھے۔ مصنف کون صاحب تھے اور سنہ طباعت کیا تھا بالکل یاد نہیں۔ پھر سنہ ۱۹۲۵ء میں خدا غریقِ رحمت فرمائے نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی رئیس حبیب گنج و صدر الصدور سررشتہ امورِ مذہبی ریاست حیدرآباد دکن نے ایک مفصل کتاب "وقارِ حیات" کے نام سے اپنے ایک مختصر مگر بے حد دلچسپ مقدمہ کے ساتھ آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس کی جانب سے شائع کروائی۔ اس کے علاوہ مولوی محمد امین زبیری صاحب مرحوم سابق مہتمم تاریخ ریاست بھوپال نے "بشیر پاشا سیریز" کے عنوان سے مسلم مشاہیرِ ہند کے جو چند تذکرے خود مرتب کئے اور دوسروں سے کرائے۔ ان کے منجملہ "تذکرہ وقار الملک" بھی سنہ ۱۹۲۵ء ہی میں شائع کیا اور تیرہ سال بعد سنہ ۱۹۳۸ء میں چار سو صفحوں کی ایک دوسری کتاب "تذکرہ وقار" اہلِ ملک کے سامنے پیش کی۔ مگر اس معاملہ میں سب سے پہلا قدم اٹھانے کا سہرا زبیری صاحب مرحوم ہی کے سر بندھتا ہے کیونکہ انہوں نے نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کے خطوط کا ایک مجموعہ "مکاتیب" کے نام سے سنہ ۱۹۱۸ء میں شائع کر دیا تھا اور وہی اس سلسلہ کی پہلی کڑی سمجھا جائے گا۔ جو اہم مواد ان کتابوں کی ترتیب و اشاعت کی بنیاد بنا وہ زیادہ تر ہمارے ہی گھر سے لیا گیا تھا۔ یہ مواد حاصل کرنے کے لئے ایجوکیشنل کانفرنس کے نمائندہ اور زبیری صاحب دونوں ایک ہی دن

امروہہ پہونچے۔ پہلے زبیری صاحب نے اپنی پسند کے کاغذات چن لئے اور باقی ماندہ مواد مولوی انوار احمد صاحب مرحوم علی گڑھ لے گئے۔ مگر "مکاتیب" کا مواد اس سے بہت پہلے زبیری صاحب امروہہ سے حاصل کر چکے تھے۔ میں ان دنوں کیمبرج اسکول ڈیرہ دون میں پڑھ رہا تھا اس لئے یہ کاغذات کب۔ کس کی معرفت اور کس طرح حاصل کئے گئے مجھے اس کی کانوں کان خبر نہیں ہوئی البتہ قرائن یہ بتلاتے ہیں کہ میری عدم موجودگی میں کسی ایسے صاحب سے یہ کام لیا گیا جن کا ہمارے امروہہ کے مکانات میں آنا جانا روزمرہ کی بات تھی اور جن پر گھر والوں کو کوئی کسی طرح کا شبہ ہونا ممکن نہ تھا۔ اب نواب صدر یار جنگ بہادر کے اور ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے جاری کردہ چند خطوط پڑھئے۔ جن سے اس چیز پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

خط (۱)

عزیزی مشتاق احمد صاحب۔

دعائے ترقی عمر و سعادت۔ ہر چند کہ اس عرصہ میں باہمی مراسلت نہیں رہی تاہم دل تمہاری خیریت و فلاح کا طالب رہا۔ وقتاً فوقتاً حالات معلوم ہوتے رہے۔ اب سنا ہے کہ ولایت کا عنقریب عزم ہے۔ خداوند تعالیٰ مبارک کرے۔ وہاں کی خوبیوں سے مالا مال فرمائے۔ برائیوں سے محفوظ رکھے۔ روانگی ولایت سے قبل ایک کام کرتے جاؤ۔ جناب نواب وقار الملک بہادر مرحوم کی حیات کے واسطے ضروری کاغذات کی نقل کی اجازت دے دو جو امروہہ میں ہیں۔ یادگار قائم نہ ہوئی اس کی ندامت میرے دل میں ہے اگرچہ میں اس گروہ میں نہ تھا جو اس کا ذمہ دار ہے۔ لائف ضرور لکھی جانی چاہئے۔ کاغذات کی نقل[1] لینے مولوی محمود احمد صاحب اور مولوی محمد امین صاحب آپ کے پاس آئیں گے اور اس اسکیم کا مفصل حال زبانی کہیں گے۔ جواب میں خیریت سے مسرور کرو اور یہ بھی لکھو کہ میری فرمایش پوری ہوگی۔ میں یہاں بحمد اللہ خیریت سے ہوں اور اس سے

---

[1] نقل کی بجائے اصل کاغذات ہی واپسی کے وعدہ پر حوالہ کر دئے گئے تھے۔ مؤلف

خوش ہوں کہ اس میدان میں ہوں جو نواب وقار الملک بہادر مرحوم کی ذہانت و قابلیت کا جولان گاہ ہے۔ تمہارا دعاگو۔

محمد حبیب الرحمٰن خاں

صدر الصدور امور مذہبی سرکار عالی

خط (۲)

حیدر آباد۔ سیف آباد۔

۱۸ر فروری سنہ ۱۹۱۹ء

عزیز من بعد سلام و دعا۔

مولوی انوار احمد صاحب کاغذات متعلق حیات جناب نواب صاحب مرحوم لینے کے واسطے بھیجے جاتے ہیں۔ آپ کاغذات ان کے سپرد کر دیں۔ انشاء اللہ میری نگرانی میں کانفرنس کی طرف سے حیات کی ترتیب و تکمیل کا کام ہوگا۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے اور آپ چاہیں گے تو بعد ختم ہونے انتخاب کے واپس کر دیئے جائیں گے۔

حبیب الرحمٰن

(جب ولایت سے واپسی پر اور مواد دیئے جانے کے سات سال بعد اصل کاغذات کو واپس طلب کیا گیا تو راقم الحروف کو یہ جواب ملا۔ مؤلف)

خط (۳)

عزیز دلہا سلمہٗ۔

السلام علیکم۔ مواد وقار حیات کے متعلق مؤلف کا جواب ملفوف ہے۔ آپ کے کاغذات انشاء اللہ واپس ہو جائیں گے۔ آپ کے مشاغل آجکل کیا ہیں۔ اس کے سننے کی طرف اور دل بھی مشتاق رہتے ہیں۔

حبیب الرحمٰن

۳۰ر نومبر سنہ ۱۹۲۶ء

(واپسی کاغذات کے واسطے ہیں نے جو عریضہ نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی کی خدمت میں روانہ کیا تھا اس کا جواب ممدوح نے مولوی اکرام اللہ خاں صاحب ندوی مرحوم سے حاصل کر کے جنھوں نے کتاب "وقار حیات" تالیف کی تھی میرے پاس روانہ فرما دیا تھا جو آگے درج کیا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا خط میں لفظ "مولف" سے نواب صاحب موصوف کا اشارہ انہیں ندوی صاحب کی طرف ہے۔ اب مولوی اکرام اللہ صاحب کا وہ خط موسومہ نواب صدر یار جنگ بہادر پیش ہے۔)

(مؤلف)

خط (۲)

مخدوم و معظم زاد مجدکم۔

السلام علیکم و رحمت اللہ۔

سفر سے واپسی پر کسی قدر تاخیر سے جناب کا گرامی نامہ ملا جس کے ساتھ مسٹر مشتاق احمد صاحب کا خط بھی تھا۔ "وقار حیات" کے مواد کے متعلق کسی قدر تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت ہے۔ جو مواد میرے پاس مجتمع ہوا اس کی صورت حسب ذیل تھی۔

(۱) ایک حصہ مواد کا امروہہ سے آیا جو مجھے علی گڑھ آنے پر ملا لیکن اس کی کوئی فہرست مرتب نہیں تھی۔ مطبوعہ و قلمی کاغذات باہم مخلوط ایک لکڑی کے بکس میں رکھے تھے۔ ان کاغذات میں بہت سے مطبوعہ اشتہارات و اخبارات وغیرہ بھی تھے جن کی دس دس، بیس بیس بلکہ بعض کی پچاس پچاس کاپیاں تھیں۔

(۲) ایک حصہ مواد کا وہ ہے جو میں نے حیدرآباد میں فراہم کیا۔ کچھ تو اصل کاغذات ہیں جو مولوی عبداللطیف خاں یا نواب عزیز جنگ وغیرہ سے براہ راست یا بعد کو جناب کی معرفت ملے اور بڑا حصہ اصل کاغذات کی نقلیں ہیں جو دفتر مالگزاری۔ صوبہ داری اور کتب خانہ آصفیہ سے حاصل کی ہیں۔

(۳) ایک حصہ علی گڑھ میں جمع ہوا وہ اس طرح کہ ایک ایک کر کے انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور

میگزین کی تمام جلدیں میں نے حاصل کیں اور جو کچھ ملا نقل کر لیا۔ اس کے علاوہ مولوی سید طفیل احمد صاحب نے تمام مطبوعہ رپورٹیں اور کاغذات جو ان کے پاس تھے تاتکمیل کتاب استعمال کرنے کے لئے مجھ کو دیدئے جو بعد فراغت واپس کر دئے گئے۔

(۴) ایک حصہ میٹریل کا مولوی محمد امین صاحب سے ملا جو زیادہ تر حیدر آباد کے متعلق اور کمتر علی گڑھ کے متعلق تھا۔ مولوی محمد امین صاحب نے بار بار بیان کیا کہ یہ سب کاغذات مجھ کو امروہہ سے خود نواب صاحب کے مکان سے ہاتھ آئے ہیں۔ مزید استفسار پر معلوم ہوا کہ جس زمانہ میں مولوی محمود احمد صاحب اور مولوی انوار احمد صاحب مواد لینے کے لئے امروہہ بھیجے گئے اس زمانہ میں مولوی محمد امین صاحب بھی اس مقصد سے امروہہ پہونچ گئے اور اس وقت حسب بیان مولوی محمد امین صاحب (جس کی کسی قدر تفصیل بھی انھوں نے بیان کی) بعض ایسی صورتیں پیش آئیں کہ اکثر اہم کاغذات ان کے ہاتھ آگئے، اور کانفرنس کو جو کچھ ملا وہ اس کے مقابلہ میں کم درجہ کا تھا۔

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ کا تذکرہ بھی مناسب ہوگا۔ ابتدا میں مولوی محمد امین صاحب نے جناب سے یہ اجازت مانگی کہ کانفرنس میں وقار حیات کے متعلق جو مواد ہے اس کے دیکھنے کا مجھے موقع دیا جائے۔ اجازت ملنے پر وہ علی گڑھ آئے اور مولوی محمود احمد صاحب کے کہنے سے میں نے تمام مواد اُن کے سامنے رکھدیا اور میرے مکان پر انھوں نے تمام کاغذات ملاحظہ کئے۔ اس وقت بھی انھوں نے یہ ظاہر کیا کہ امروہہ کے کاغذات کا بڑا حصہ اور اہم حصہ میرے پاس آگیا اور کانفرنس کو جو کچھ ملا وہ بہت کم ہے۔ بعد کو جب مولوی محمد امین صاحب کے کاغذات ملے تو ان کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔

اب مواد کے تعلق یہ صورتیں پیش آئیں کہ مولوی محمد امین صاحب نے بھوپال میں جب مجھ کو کاغذات دئے تو بہت سے قلمی کاغذات و خطوط کے متعلق یہ شرط کر لی کہ بعد فراغت ان کو

واپس کر دیا جائے اور اپنے ہاتھ سے ایسے کاغذات پر "قابل واپسی" لکھ دیا انھوں نے اور میں نے .... مولوی طفیل احمد صاحب کو بھی اس کی اطلاع دے دی تھی۔

جو کاغذات امروہہ۔ حیدرآباد یا علی گڑھ سے حاصل ہوئے تھے علیحدہ علیحدہ نہیں رہے بلکہ "وقار حیات" کی فہرست مضامین کے مطابق درجنوں عنوان قائم کر کے اُن کو علیحدہ علیحدہ فائلوں پر تقسیم کر دیا گیا اور ہر فائل پر ایک مفصل فہرست اُن کاغذات کی لگا دی گئی جو اُس فائل میں تھے تاکہ کتاب کی تالیف و ترتیب میں آسانی ہو۔ سب کے آخر میں جب بھوپال سے مواد ملا تو ہر کاغذ کو پڑھنے کے بعد جس عنوان کے تحت وہ آسکتا تھا اُسی فائل میں شامل کر دیا گیا۔ اس طرح مختلف مقامات کا مواد مختلف فائلوں میں بلحاظ عنوان تقسیم ہو کر منتشر ہو گیا اگرچہ بجائے خود مرتب صورت میں آگیا۔ جب کتاب کی طباعت قریب الاختتام تھی تو مولوی محمد امین صاحب نے مجھ کو اور مولوی طفیل احمد صاحب کو بار بار "قابل واپسی" مواد کی واپسی کے لئے لکھا اور جب علی گڑھ آئے تو زبانی کہا لیکن اس وقت میں نے مواد نہیں دیا۔ کتاب زیر طبع تھی۔ میں نے خیال کیا کہ شاید اس کی طرف مراجعت کی کوئی ضرورت پیش آجائے۔ لیکن جب کتاب شائع ہو گئی اور انھوں نے جنوری ۱۹۲۶ء میں مکرر زبانی مواد کا مطالبہ کیا تو میں نے کہا کہ مختلف فائلوں سے چھانٹ کر آپ کو بھیج دوں گا۔ میں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ آپ پسند کریں تو نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کے مضامین اور تقریریں رکھ لوں اور بقیہ کاغذات جن کی آپ شدید ضرورت ظاہر کرتے ہیں دیدوں۔ انھوں نے یہ صورت منظور کی بلکہ یہ بھی کہا کہ کسی کاغذ کی کسی کام کے لئے ضرورت ہوگی میں بے تکلف و تامل دے دوں گا۔ بالفعل میں کالج کی تاریخ اور کچھ اور چیزیں لکھنا چاہتا ہوں اس لئے مجھ کو ضرورت ہے۔ چنانچہ میں نے تمام فائلوں کا مطالعہ کر کے قابل واپسی کاغذات نکال نکال کر جمع کئے اور دو دفعہ کر کے ان کو دے دئے، اسی طرح مولوی سید طفیل احمد صاحب کے کاغذات نکال نکال کر

جمع کئے اور دو دفعہ کرکے ان کو دے دئے اسی طرح مولوی سید طفیل احمد صاحب کے کاغذات بھی واپس کردئے گئے۔ اب امروہہ کے جو کاغذات میرے پاس باقی رہ گئے وہ مختلف فائلوں میں منتشر و منقسم ہیں۔ یہ کاغذات ابتدا میں ایک اچھا خاصہ مجموعہ تھے۔ لیکن ان میں بہت سی غیر متعلق اور غیر کارآمد چیزیں بھی تھیں مثلاً حیدرآباد کے جریدے گورنمنٹ گزٹ کے پرچے۔ الٰہ آباد یونیورسٹی کی رپورٹیں۔ مختلف اخبارات اور متعدد انجمنوں وغیرہ کی رپورٹیں۔ بعض مطبوعہ کاغذات و اشتہارات جن کی درجنوں کا پیمانہ تھیں۔ ان سب کاغذات کو بھی ..... بہ نظر احتیاط لفظ بہ لفظ پڑھا اور جب ان میں نواب صاحب کے متعلق کچھ نہیں ملا تو ذخیرہ مواد سے خارج کر دیا لیکن جس کاغذ میں ایک سطر بھی تھی اس کو محفوظ رکھا۔ مثلاً ایک جریدے میں اُن لوگوں کے نام شائع ہوئے جن کو سالگرہ کے موقع پر خطاب ملا۔ اس میں نواب صاحب کا نام بھی تھا۔ اس پرچہ کو محفوظ رکھا۔ غرض امروہہ کا تمام کارآمد مواد مختلف فائلوں میں محفوظ ہے اور اس کا ایک معقول حصہ مولوی محمد امین صاحب کے پاس ہے جو انھوں نے بلا توسط کانفرنس حاصل کیا۔ کچھ مواد بلکہ خاص مقدار میں نواب صاحب کے ایک اور عزیز کے پاس رہا جس کی نقول با معاوضہ انھوں نے مولوی محمد امین صاحب کو دیں۔ میں نے یہ نقول اور اجرت کا کچھ حساب بھی دیکھا ہے۔

اس طویل تحریر کا مقصد یہ تھا کہ امروہہ کے مواد کی مفصل کیفیت واضح ہو جائے۔ امروہہ سے جو لوگ کاغذات لائے وہ اس طرح کہ نواب صاحب کے متروکہ کاغذات جو کچھ مل سکے سمیٹ لائے اور اسی قدر وہ کر بھی سکتے تھے۔ ان کو اس قدر موقع کہاں تھا کہ سب کاغذات کو پڑھ کر لاتے اس لئے بہت سے کاغذات و اخبارات ایسے بھی چلے آئے جن کو نواب صاحب مرحوم نے کسی ضرورت سے رکھ چھوڑا تھا۔ لیکن خود ان کا اس میں مطلق "تذکرہ" نہ تھا۔ مثلاً ندوۃ العلماء، حمایت الاسلام۔ یتیم خانہ، بریلی اور انجمن زمینداران الٰہ آباد وغیرہ کے کاغذات و ایجنڈے اسی طرح انجمن خدام کعبہ و مسجد کانپور

کے واقعہ کے متعلق کاغذات و اشتہارات وغیرہ جو مسلمان اُن کے زمانہ میں کونسل کی ممبری کے لئے کھڑے ہوئے اُن کے ہوا خواہوں کے مضامین و اعلانات غرض مواد میں سب کچھ شامل تھا جس وجہ سے اس مجموعہ کا وزن کئی سیر ہو گیا تھا۔ لیکن جب پڑھا گیا اور چھانٹا گیا تو جو کچھ سوانح عمری کے لئے کار آمد ثابت ہوا وہ کم تھا اور باقی فضول وغیر کار آمد۔ یہ تمام کار آمد مواد اب بھی موجود ہے۔ نواب محسن الملک کے خطوط اب بھی جن کا خط میں حوالہ ہے موجود و محفوظ ہیں مولوی محمد امین صاحب نے مجھ سے نہ کبھی اصلی خطوط لئے نہ نقول حاصل کیں۔ لیکن ان خطوط میں نصف سے زیادہ ایسے ہیں جو مکاتیب میں شائع ہو چکے ہیں۔ میں جب بھوپال گیا تو ان خطوط کی نقول نوٹس کیپ پر وہاں دیکھیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو کہاں سے حاصل ہوئیں۔ جب میں واپس آیا تو اصلی خطوط کو یہاں محفوظ پایا۔ غالباً اُن خطوط کے کانفرنس میں آنے سے پہلے اُن کی نقول کی گئی ہوں گی۔ غرض مواد موجود ہے اور انشاء اللہ حسب الارشاد امروہہ بھیج دیا جائے گا۔ لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ مواد مختلف فائلوں پر منقسم ہے اس لئے سب جگہ سے چھانٹنا پڑے گا۔ اور یہ کام جمعہ کی تعطیل میں ہو سکتا ہے۔ خطوط البتہ علیحدہ ہیں ارشاد ہو تو پہلے بھیج دئے جائیں ...... [۲]

محمد اکرام اللہ ندوی

(اس سلسلہ میں صدر دفتر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے مرسلہ دو خطوط کا ضروری اور متعلقہ حصہ اور پیش کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں خطوط میرے موسومہ ہیں ۔ مؤلف)

خط (۵) (نشان مجاریہ) ۱۷۹۵ / ۱۹ ۵ مورخہ ۷، نومبر ۱۹۳۵ء۔ علی گڑھ

مکرمی السلام علیکم۔

عنایت نامہ مورخہ ۱۲ ماہ گزشتہ کا شکریہ قبول فرمائیے، جواباً عرض ہے کہ

---

[۲] خط کی بقیہ عبارت خانگی معاملات سے متعلق ہونے کی وجہ سے حذف کی گئی ۔ مؤلف

وقارحیات کی ترتیب کے سلسلہ میں امروہہ کے علاوہ حیدر آباد، بھوپال اور علی گڑھ وغیرہ سے بھی مواد فراہم کیا گیا تھا جو کتاب کی ترتیب کے وقت حسب ضرورت علٰحدہ علٰحدہ عنوانوں کے تحت تقسیم کر دیا گیا جو کاغذات واپسی کے وعدہ پر لئے گئے تھے ترتیب کتاب کے بعد چھانٹ کو واپس کر دئے گئے۔ امروہہ کا مواد بھی جو کارآمد تھا ——— وہ مختلف عنوانوں کے تحت مختلف فائلوں میں تقسیم ہو گیا اور چونکہ خاص خاص چیزوں کے علاوہ ہر ہر کاغذ یا خط پر یہ نہیں لکھا گیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے اس لئے ہر جگہ کا مواد آسانی کے ساتھ یکجا نہیں ہو سکتا ——— لہذا تھوڑا سا اور انتظار کیجئے۔ چھلنے کے بعد سب چیزیں یکجا کر کے انشاءاللہ دسمبر میں آپ کے پاس بھیجدی جاویں گی ———

عبدالمجید قریشی

آنریری جوائنٹ سکریٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

(دوسرا خط نشان ۲۲/۷/۲۱۹ جو ۲۹ر اپریل ۱۹۳۶ء کو جاری ہوا ہے۔ اب اس کا ایک آدھ فقرہ پڑھئے۔ مؤلف)

خط (۶) ——— جناب کے گرامی نامہ موسومہ مولوی نواب صدر یار جنگ بہادر و پروفیسر عبدالمجید صاحب قریشی بابت طلبی کاغذات وقار حیات بدست منشی اسمٰعیل حسن صاحب ہر دو صاحبان کی خدمت میں وصول ہوئے اور مولوی اکرام اللہ خاں صاحب کو جن کے پاس وہ کاغذات ہیں ہدایت کی گئی کہ وہ مطلوبہ کاغذات جلد از جلد آپ کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ مولوی صاحب نے ——— آخر مئی ۳۶ء تک کی مہلت چاہی ہے ———

خاکسار۔ سید سلطان علی

ہیڈ اسسٹنٹ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ

بدقسمتی سے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور مولوی محمد امین زبیری صاحب کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ اس مواد سے یکجائی استفادہ ممکن نہ ہو سکا اور دونوں نے الگ

الگ کام کیا۔

سب سے زیادہ اس بات کا افسوس ہے کہ گو یہ تمام مواد واپسی کے وعدہ پر لیا اور دیا گیا تھا مگر ایک کاغذ تک پھر واپس نہ مل سکا نہ مولوی محمد امین صاحب مرحوم نے ہی اس کی کوئی ضرورت محسوس فرمائی نہ کانفرنس ہی بار بار کے وعدوں کے باوجود اپنا فرض پورا کر سکی۔ حد یہ ہے کہ کانفرنس نے اس مواد کے جس حصہ کو "فضول اور غیر کارآمد" قرار دیا ہے وہ تک ہم کو واپس نہ کر سکی اور یہ لکھ کر کہ "یہ تمام کارآمد مواد اب بھی موجود ہے" (خط نمبر ۴) گویا ایک طرح پر اس بات کا اعلان کر دیا کہ فضول اور غیر کارآمد مواد آیا تو تھا لیکن اب موجود نہیں رہا مگر ہم کو واپس کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔

بہر حال عرض کرنا یہ تھا کہ نواب وقار الملک پر جو کتابیں اب تک لکھی جا چکی ہیں ان میں موصوف کو ملک کے سامنے صرف دو حیثیتوں سے پیش کیا گیا ہے۔ ایک حیثیت نوکر کار انگریزی کے ملازم اور ریاست نظام کے ایک جلیل القدر عہدہ دار کی ہے۔ اور دوسری اُن کی حیثیت سیاسی و تعلیمی ہے جس میں وہ مسلمانان ہند کے مسلمہ قائد کی شکل میں جلوہ گر نظر آتے ہیں مگر ان کی خانگی اور گھریلو زندگی پر ان کتابوں میں زیادہ روشنی نہ پڑ سکی اور وہ کافی تشنہ رہیں آئندہ صفحات میں ان مرحوم کی زندگی کا یہی پہلو آپ کے سامنے لانا مقصود ہے۔ اس کے ساتھ ان مرحوم کی بعض نہایت اہم تحریریں بھی جو آج تک راز ہیں تھیں پہلی بار ملک اور قوم کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں۔ جو خطوط اور تحریریں آگے آتی ہیں۔ ان کے لکھنے والوں کو اس کا شبہ بھی نہ ہوگا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب وہ شائع ہوں گی اور پبلک کے ہاتھوں تک پہونچیں گی، بعض تحریروں کی وضاحت یا پس منظر کے طور پر چند سطور کا لکھنا ضروری پایا گیا ہے۔ ان صفحات میں اگر کسی جگہ آپ وقار الملک کو اپنے اعزہ سے مخاطب پائیں گے تو دوسری جگہ وہ اعزہ خود ان کو مخاطب کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ مشتاق حسین کس احترام اور محبت کے ساتھ اپنی ماں کے احکام بجا لاتے تھے اپنی شریک زندگی کے موسومہ خطوط میں وہ ایک سنجیدہ

اور تین شوہر کی شکل میں نمودار ہوں گے۔ انداز تخاطب کی شگفتگی اور محاوروں کا بے ساختہ پن آپ سے داد تحسین لئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ ایک جگہ آپ ان کو باپ کی حیثیت سے دیکھیں گے، تو دوسری جگہ وہ ایک خسر کی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ ان کو اپنے پڑوس کا کتنا پاس و لحاظ تھا۔ اور دوست احباب ساتھی رشتہ داروں کی تو خیر دوسری بات ہے وہ مرحوم تو اپنے ملازموں اور خدمت گزاروں کے ساتھ بھی جیسی اچھی طرح پیش آتے تھے آپ اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ انسان تو انسان جانوروں تک کا جو خیال موصوف کو رہتا تھا اس کی بھی ہلکی سی جھلک ایک جگہ آپ کو نظر آئے گی، نواب وقار الملک حاجی تھے اور ملک عرب کو دیکھ کر جو اثر ان پر ہوا، اس کا اظہار نواب صاحب کے ایک خط سے ہوتا ہے جو ان کی بہو مسز محمد احمد کا موسومہ ہے اور جس کو ان صفحات میں شریک کیا گیا ہے۔ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ پریشانی کے عالم میں ان کا اعتقاد اپنے خدا پر کیسا راسخ اور پکا تھا۔ نواب وقار الملک اپنے ماتحتوں کے حقوق کا کتنا خیال رکھتے تھے اور ان حقوق کی کس کس طرح حفاظت کرتے تھے یہ بھی آپ انہی صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے اور جو پاس و لحاظ وہ اپنے ہم وطنوں کا کرتے تھے وہ بھی آگے آرہا ہے۔ آپ کو اس کتاب میں نواب وقار الملک اور ان کے احباب وغیرہ کی باہمی مراسلت بھی نظر آئے گی۔ جو یادداشت نواب سر سالار جنگ بہادر اول کے اچانک انتقال کے ہفتہ بھر کے اندر نواب وقار الملک نے ریزیڈنسی کو برائے انتظام آئندہ پیش کی تھی آپ اس کو بھی تمام و کمال ملاحظہ فرمائیں گے کہ جس کے صرف دو تین فقرے کتاب "وقار حیات" کے صفحہ (۶۹) پر شائع ہوئے ہیں۔ اس یادداشت سے آپ کو اس احساس ذمہ داری کا پتہ چلے گا جس کے ساتھ نواب وقار الملک ہمیشہ اپنا فرض منصبی بجالاتے تھے۔ نواب بشیر الدولہ سر آسمان جاہ بہادر اور نواب سر وقار الامرا بہادر شاہی خاندان آصف جاہ کے دو معزز اراکین تھے۔ ریاست حیدر آباد دکن کے

وزیر اعظم رہے ہیں۔ ان دونوں کی موسومہ گذارشات سے جو وقار الملک بہادر نے دکن سے سبکدوشی حاصل کرنے کے بعد بطور خانگی پیش کی تھیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو اس ریاست کی بھلائی و بہبودی اور اس کے مفاد کتنے عزیز تھے۔ یہ سب انتہائی راز کے کاغذات ہیں۔ جن کو آپ پہلی بار ان صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ نواب وقار الملک اپنی صحافتی ذمہ داریوں سے بھی آگاہ تھے اور اخبار "مخبر دکن" کا موسومہ جو خط پیش کیا جا رہا ہے وہ مرحوم کی زندگی کے اس پہلو کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

انہیں صفحات سے شاید پہلی بار آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ریاست حیدر آباد سے علیحدگی کے بعد ریاست بھوپال کے لئے نواب وقار الملک کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور اسی سلسلہ میں وہاں سے جو ایک مشورہ طلب کیا گیا تھا اس کے ملاحظہ سے آپ کو نواب صاحب مرحوم کی اسی سوجھ بوجھ کا بھی اندازہ ہوگا۔ مستقبل کی رہبری کے خیال سے یہ عرض کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کے جو حالات کسی نہ کسی حیثیت سے اب تک شائع ہو چکے ہیں ان کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اِن دونوں بزرگوں کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اگر وہ ملک کے سامنے نہ آتا تو ہم ایک بڑے ورثہ سے محروم ہو جاتے اور انہی دو پر کیا موقوف ہے جو مواد مختلف مقامات پر متعدد گھرانوں میں آج بھی بکھرا پڑا ہے اگر اس کو یکجا کیا جا سکے تو نہایت مفید اور شاندار نتائج تک نکل سکتے ہیں۔

حاذق الملک حکیم اجمل خاں صاحب۔ نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی نواب اعظم جنگ مولوی چراغ علی صاحب، ڈاکٹر سر محمد اقبال، ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، مولانا محمد علی، مولوی عزیز مرزا صاحب، مولانا شبلی، مولانا حالی، داغ دہلوی پر تو پھر بھی کچھ لکھا جا چکا ہے مگر خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب بانیٔ اٹاوہ کالج اور ایڈیٹر اخبار "البشیر" نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی۔ مولانا حسرت موہانی۔ جسٹس سید محمود، شیخ عبداللہ صاحب ایڈوکیٹ بانیٔ زنانہ کالج علیگڈھ، سر علی امام

نواب محسن الملک بہادر کے چند نام مثال کے طور پر ایسے پیش ہیں جن پر ابھی تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا تقریباً یہی کیفیت جسٹس سر عبدالقادر جسٹس شاہ دین مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر اخبار زمیندار مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار سر محمد شفیع ۔ سر سکندر حیات خاں وغیرہ کی بھی سمجھ لیجئے۔ یہ سب اس برصغیر کی مایۂ ناز ہستیاں ہیں جنھوں نے ملک و قوم کی بڑی خدمت کی ہے۔ ان حضرات کے خانگی خطوط کی ایک کثیر تعداد آج بھی گوشۂ گمنامی کا شکار ہو رہی ہے، صرف علی گڑھ، دہلی، رامپور اور حیدرآباد۔ لکھنؤ۔ پٹنہ۔ لاہور۔ ڈھاکہ۔ رنگون وغیرہ ہی سے اس وقت بھی بڑا قیمتی اور نادر مواد آج بھی دستیاب ہو سکتا ہے مگر ضرورت فوری توجہ کی ہے۔ یہ اہم کاغذات بوسیدہ ہو چلے ہیں اور مزید تاخیر ہو تو اس سرمایہ کا تلف ہو جانا یقینی ہے۔ اگر ان خطوط کو صرف جوں کا توں شائع کر دیا جائے، تو بھی ملک و ملت کی ایک بڑی خدمت ہوگی۔ یہ کام لاہور کا رسالہ "نقوش" جس سرگرمی کے ساتھ انجام دے رہا ہے وہ لائق ستائش ہے۔ لیکن اگر اس مواد پر عرق ریزی کی جائے اور اس کا پورا پورا حق ادا کیا جائے تو یہ سونے پر سہاگہ ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر عرض ہے کہ نواب محسن الملک مولوی سید مہدیؒ علی خاں بہادر منیر نواز جنگ کی غیر معمولی قابلیت۔ دانائی۔ حاضر دماغی فن خطابت کی بے نظیر مہارت اور ان کا تدبّر وغیرہ جیسی ان گنت خوبیاں اور نواب وقار الدولہ وقار الملک مولوی مشتاق حسین خاں بہادر انتصار جنگ کی راست بازی۔ دیانت۔ وفاداری۔ سادگی۔ عزم محکم اور ان کے ایسے ہی دوسرے کارناموں کو اہل ملک کے سامنے کسی نہ کسی حیثیت سے لایا جا چکا ہے۔ مگر اس کے باوجود دونوں پر مزید تحقیق کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے۔ اور ان کے حالات پر مزید دلچسپ اور سبق آموز روشنی ڈالی جا سکتی ہے اور حسن اتفاق سے یہ موقع ہم کو ابھی حاصل ہے، صرف اس بات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان جیسے دو بزرگوں کے مواد کی یہ صورت ہے تو ہمارے دوسرے مشاہیر جن کے متعلق ابھی تک کچھ لکھا ہی نہیں جا سکا ہے یا بہت کم لکھا گیا ہے۔ اگر ان کا مواد بھی ملک کے سامنے پیش ہو سکے تو کیا اچھا ہو۔

ہمارے نوجوان اور بچوں کے واسطے بھی اس مواد میں قدم قدم پر بیسیوں سبق ایسے ملیں گے جو آج بھی اس نئی نسل کے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں اور جن سے ان کے کردار سازی کا ایک بڑا کام لیا جا سکتا ہے۔ اگر ملک کے ان خادموں اور مخدوموں کے جستہ جستہ حالات کو نصاب تعلیم میں جگہ دی جائے تو کیا کہنا ہے۔ لیکن خدانخواستہ اگر کچھ اور وقت ضائع ہو گیا اور مواد ہاتھ نہ لگ سکا تو عمر بھر کف افسوس ملنا پڑے گا۔ اور یہ صورت حال ایک قومی اور ملی سانحہ سے کم نہ ہوگی۔ ہمارے یہ سب بزرگ نیک لوگ تھے۔ اور ان کے نقش قدم پر چلنا ہمارے نونہالوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔

دراصل ہمارے یہ بہی خواہ اور محسن و ناصح تو اس بات کے مستحق ہیں کہ ان سب پر باقاعدہ تحقیقات شروع کی جائے۔ کام جیسا اہم اور جتنا وسیع ہے وقت اتنا ہی کم ہے۔ اگر سردست علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یا پنجاب یونی ورسٹی جیسا کوئی ادارہ اس کام کو ہاتھ میں لے اور اس طرف توجہ کرے اور ایک چیر ان کے نام کی اپنے پاس قائم کرے اور اپنے ہونہاروں کی ایک جماعت اس تحقیق پر لگا دے تو آپ یقین فرمائیں کہ اس کے نتائج موتیوں میں تولے جانے کے قابل ہوں گے۔

نواب سرسالار جنگ اول مختار الملک بہادر نے سرسید وغیرہ کے مشورے کے مطابق جو چند لوگوں کو باہر سے بلوایا اور اپنے تحت اہم عہدوں پر ان کا تقرر فرمایا۔ آخر اس کی کیا ضرورت آن پڑی تھی اور کس مجبوری کو یہ قدم اٹھانا پڑا۔ اس سوال کا جواب بھی ان صفحات میں خود سرسالار جنگ بہادر کی زبانی انہیں کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور نواب ممدوح کی سرسید سے یہ مراسلت یقیناً بڑی دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ جس کے نتیجے میں شمالی ہند سے مولوی مہدی علی صاحب اور مولوی مشتاق حسین صاحب کی خدمات ریاست نظام کے لئے حاصل کی گئیں اور جو وہاں سے محسن الملک اور

وقار الملک کے روپ میں جلوہ گر ہو کر نکلے۔

مولانا حالی۔ مولانا شبلی۔ داغ دہلوی وغیرہ کے خطوط بھی درج کئے گئے ہیں۔ آپ سرسید اور نواب وقار الملک کی باہمی مراسلت کے ایسے خطوط بھی ملاحظہ فرمائیں گے جو ابھی تک کسی جگہ شائع نہیں ہوئے ہیں۔

نواب سرور الملک سرو الدولہ آغا مرزا بیگ خاں بہادر سرور جنگ مرحوم ریاست نظام میں نواب وقار الملک بہادر کے ہم عصر تھے اور حضور نظام نواب میر محبوب علی خاں بہادر خلد آشیاں کے اتالیق کی حیثیت سے ان کو ریاست میں بہت ہی خاص رسوخ حاصل ہو گیا تھا موصوف نے اپنی سوانح خود نوشت، جو "کارنامہ سروری" کے نام سے تحریر فرمائی ہے۔ اور جس کو ان کے نامور فرزند نواب ذوالقدر جنگ بہادر مرحوم نے مطبع علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے شائع کیا ہے اُردو زبان میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ لیکن اس کتاب میں بہت سے لوگ نواب سرور الملک، کے قلم سے متاثر ہوئے ہیں۔ اور نواب وقار الملک کی حد تک ممدوح نے جو متضاد باتیں بیان فرمائی ہیں وہ تعجب انگیز ہیں اور ان کی تائید میں زیادہ سے زیادہ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے وہ کسی سخت غلط فہمی کا نتیجہ ہوں مگر اس تضاد بیانی نے کتاب کی افادیت کو بری طرح متاثر کر دیا ہے۔ ہم نے نواب وقار الملک نواب محسن الملک اور نواب سر آسمان جاہ بہادر کے متعلق ایک جگہ سرسری طور پر اسی تضاد بیانی سے بحث کی ہے۔ قاعدہ ہے کہ اگر اس قسم کا تضاد کسی ایک اہم معاملہ کے متعلق بھی ثابت ہو جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسرے بیانات بھی مجروح۔ مشتبہ اور مشکوک قرار پائیں گے۔

"کارنامہ سروری" کا جو انگریزی ترجمہ "مائی لائف" کے نام سے نواب جیون یار جنگ بہادر مرحوم نے شائع کیا ہے اور جس میں بعض اہم باتوں کا اضافہ یا اخفا ترجموں کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر کیا گیا ہے ہم نے اس کتاب میں ضمنی طور پر اس کا تذکرہ کیا ہے اور نواب سرور الملک بہادر نے نواب فتح نواز جنگ بہادر .... مولوی مہدی حسن صاحب

پر جو حملہ کیا ہے یہاں اس سے بھی بحث کی گئی ہے۔

ان صفحات میں ایک نہایت اہم اور دلچسپ باب اس مراسلت کا آپ کی نظر سے گذرے گا جو نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کے درمیان ہوئی ہے۔ یہ تمام خطوط جن کی مجموعی تعداد (۲۹) ہے علی گڑھ کے ایم۔ اے۔ او کالج اور مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد سے متعلق ہیں۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس چیز پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان دونوں حضرات میں ایک دوسرے سے اتنا قریب ہونے کے باوجود ذہنی دوریاں کیوں تھی اور وہ اسباب و محرکات جو اس صورت حال کا باعث ہوئے کیا تھے۔

خطوط کے اس مجموعہ کو پڑھنے کے بعد منجملہ اور بہت سی باتوں کے جو ایک خاص سبق ہم کو ملا ہے وہ یہ ہے کہ خطوں پر تاریخ و سنہ دونوں کا اندراج بہت ضروری ہے اور کاتب کے دستخط بھی اتنے روشن اور صاف ہونے چاہئیں کہ آسانی سے پڑھے جا سکیں تاکہ کوئی پیچیدگی پیدا ہونے نہ پائے۔ ہماری اس کتاب میں جو تحریریں شریک کی گئی ہیں اگر وہ کسی دوسری جگہ شائع ہو چکی ہیں تو اپنی معلومات کی حد تک اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اس چیز کی صراحت بھی ساتھ ہی ساتھ کر دی جائے۔ جو امداد اس کتاب کی ابتدائی ترتیب وغیرہ کے سلسلہ میں مولوی سید محی الدین صاحب مددگار دفتر ملکی و مال ریاست نظام سے راقم الحروف کو ملی اس کا اظہار بطور ایک خوش گوار فریضہ کے ضروری پایا جاتا ہے۔ اسی طرح علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے آزاد لائبریری کے مواد سے استفادہ کی جو سہولت مہربانی سے مہیا فرمائی اور جس خندہ پیشانی سے وہاں کے لائبریرین صاحب اور اُن کے بہت سے دوسرے رفقائے کار نے ہمت افزائی کی اُس کا شکریہ ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

ایک خاص چیز کا اظہار اس جگہ کر دینا ضروری پایا جاتا ہے۔ راقم الحروف کو اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ جو خطوط آگے پیش کئے جا رہے ہیں ان کی ترتیب

زیادہ بہتر طریقہ پر کی جا سکتی تھی اور اس کی عدم موجودگی میں ہمارے پڑھنے والوں کو خاصی الجھن کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دراصل اس وقت صرف خطوط کو یکجا کر دینا ہی ممکن ہو سکا اور جس مزید محنت کی ضرورت تھی اس کی اجازت بعض مجبوریوں نے نہیں دی اور اس اہم کوتاہی کے لئے بالکل صاف دلی کے ساتھ اظہارِ معذرت کیا جاتا ہے۔

جو سرپرستی جناب پروفیسر عبد العلیم صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں فرمائی ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرنا ممکن نہیں اور جو قیمتی مشورے جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب پرو وائس چانسلر نے وقتاً فوقتاً مؤلف کو دے۔ اپنے پاس سے مواد عنایت فرمایا۔ ان صفحات کی کتابت اور طباعت تک کی نگرانی فرمائی وہ ثبوت ہے اس گرویدگی اور عقیدت کا جو ممدوح کو نواب وقار الملک بہادر کے ساتھ ہمیشہ سے رہی ہے اور جو ورثتاً ان کو منتقل ہوئی ہے۔ چنانچہ جذبات تشکر کے ساتھ اس بات کا اظہار اس جگہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔

خطوط وقار الملک موسومہ اعزّہ

(اب نواب وقار الملک کی مخاطبت اپنی والدہ صاحبہ سے ملاحظہ کیجئے۔
بیٹا اپنی ملازمت پر ماں کو حیدر آباد بلانا چاہتا ہے مگر ماں ہیں کہ وطن امروہہ سے نکلنے کا نام نہیں لیتیں۔ بہو غریب (یعنی پہلی بیگم صاحبہ) مجبور ہے کہ ساس کے ساتھ رہتے ہوئے ساس ہی کی ہاں میں ہاں ملائے۔ لہذا کبھی اِدھر سے اور کبھی اُدھر سے کوئی نہ کوئی عذر روانگی میں ہوتا رہتا ہے اور امروہہ سے حیدر آباد کا یہ سفر ہے کہ برابر ملتوی ہوتا چلا آتا ہے۔ بار بار کے التواء کے بعد آخر ایک تاریخ روانگی کی طے پاتی ہے اور بیٹا ایک ایک دن گن کے اس تاریخ کا منتظر ہے اور مزید اطمینان کے لئے تار دیتا ہے مگر اس کے جواب میں پھر سفر کے التواء کا تار آجاتا ہے۔ اب اصل خط پڑھئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۷:۔ ۲ر شوال ۲۵ ہر اگست

جناب والدہ صاحبہ معظمہ ام سلامت۔ تسلیم۔

اگرچہ افسوس اور تکلیف تو پہلے سے بھی ہے لیکن جس روز سے تار کا جواب آیا اور معلوم ہوا کہ ارادہ پھر ملتوی ہوا ہے تو میرے دل پر سخت رنج گذرا ہے جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ لوگ جو مجھ سے (ملنے) آتے ہیں پوچھتے ہیں کہ کیوں طبیعت کا کیا حال ہے تو مجھکو ان سے کہنا پڑتا ہے کہ جی اچھا نہیں ہے اور حقیقت میں سب کیفیتیں بخار کی ہیں اور اور اگر دل پر یہی صدمہ رہا تو مجھ کو اندیشہ ہے کہ کسی سخت بیماری میں مبتلا نہ ہو جاؤں، افسوس ہے کہ یہ سارا رنج اور ساری خرابیاں ساس بہو کے شامل رہنے سے ہیں۔ آپ کا

اپنا دل حقیقت میں اندر سے یہاں آنے کو نہیں چاہتا مگر بہو کی مروت مجبور کرتی ہے انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اب وعدہ ہے کہ بقرعید بعد آویں گے اس طرح آنے کو تو قیامت بھی بقرعید بعد آوے گی۔ مجھ کو تو اب ایسے آنے کی بھی کچھ خوشی نہیں رہی۔ اب میں بھی اس جنون کو اپنے دماغ سے کم کرنا چاہتا ہوں جس نے بیماری کے قریب پہونچا دیا ہے۔ جب ایک دفعہ دل ٹوٹ گیا تو اس کا سمجھا لینا اور ایک خیال سے ہٹا لینا مشکل نہیں ہے شاید چند روز میں میری طبیعت کا یہ سال ہو سکے گا جبکہ مجھ کو ان باتوں کا خیال تک بھی نہ آوے۔ ان چار پانچ دن ہی میں طبیعت کا رنگ بدل گیا ہے۔ زیادہ حد ادب۔ خاکسار

مشتاق حسین

(اس کے فوراً بعد بیٹے کو احساس ہوتا ہے کہ کل کے خط کے الفاظ سخت ہو گئے اس لئے دوسرے ہی دن یہ خط جاتا ہے۔ "واضح رہے کہ یہ دونوں خطوط رسالہ "نقوش" لاہور نے اپنے شمارہ (۱۰۹) بابت اپریل و مئی ۱۹۶۸ء میں شائع کر دئے ہیں اور آگے جہاں جہاں اس رسالہ کا حوالہ آرہا ہے وہ اسی شمارہ سے متعلق ہے۔ مؤلف)

خط نمبر ۸۔ مجھ کو درحقیقت بہت افسوس ہے کہ میرے کل کے خط سے آپ کو رنج ہوا ہوگا۔ افسوس اس لئے زیادہ ہے کہ میری تمام تر کوشش اور نجات اس میں ہے کہ آپ کو خوش رکھوں۔ بجائے اس کے ایسا موقع پیش آتا ہے کہ آپ کو میری تحریر سے رنج ہو۔ بات یہ ہے کہ التوا کے لئے اگر کوئی وجہ ہوتی تو بھی مضائقہ نہ تھا۔ جواب تار آیا تو یہ آیا کہ عید بعد چلیں گے اور کل خط بھی آیا تو اس میں بھی کوئی وجہ تاخیر کی درج نہیں۔ جب کوئی سبب ایسا نہیں ہے جس کے لحاظ سے روانگی ملتوی ہو تو آیا رنج کرنے کی وجہ ہے یا نہیں آپ یاد فرمائیے کہ جس وقت سے میں گورکھپور کو روانہ ہوا ہوں اور آپ علی گڑھ سے امروہہ آئیں اس کے بعد سے کبھی بھی ایسا موقع ہوا ہے جو میں نے یہ سمجھا ہو کہ گھر کے لوگ پاس ہیں۔ اس عرصہ میں میرا امروہہ آنا اور چند روز رہنا بالکل مسافرت اور پردیس کا سا آنا اور رہنا ہوا ہے۔

آپ کو غور کرنا کہ آخر میں بھی آدمی ہوں میرا دل چاہتا ہوگا کہ نہیں کہ سب گھر کے لوگ پاس ہوں اور ہنسی خوشی سے رہیں۔ ایک آدمی جبکہ تمام دن محنت کر کے تھکتا ہے تو ضرور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ بال بچّوں میں جی بہلائے انسان کو بہت سے ایسے مواقع پیش آتے ہیں جب کہ اس کو مختلف قسم کے رنج ہوتے ہیں اس کی روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ مگر جب وہ اپنے بال بچوں میں آتا ہے تو جی بہل جاتا ہے۔ میں بھی آخر انسان ہوں یا نہیں۔ مجھ کو بھی ایسے مواقع پیش آتے ہوں گے یا نہیں پھر کبھی تمہارے دل پر اس کا اثر ہوا، پھر ایک اور بات بھی ہے کہ آدمی جب زیادہ راحت میں ہوتا ہے تب بھی اس کو گھر یاد آیا کرتا ہے تا کہ وہ اپنے کنبہ سمیت اس راحت کا لطف حاصل کرے۔ کیا فائدہ مجھ کو اس بارہ سو روپیہ تنخواہ اور ایک معزز عہدہ سے اس دنیا میں جب کہ میرا یہ حال ہو کہ صبح سے شام تک محنت کی اور رات کو منہ لپیٹ کر پڑ رہا۔ نہ کسی سے ہنسنے کا نہ بولنے کا۔ آیا آدمی روپیہ سے یہ باتیں حاصل کر سکتا ہے۔ بے شک تم ماں ہو اور جس قدر محبت تم کو ہے اس کا ہزار واں حصہ کسی کو نہ ہو گی لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کبھی بھی تمہارے دل پر اس عرصہ میں یہ خیال آیا۔ موقع تو یہ تھا کہ ان باتوں کا خیال آپ کو خود ہوتا۔ آپ روز تقاضہ فرماتیں کہ ہم جلد حیدرآباد آتے ہیں۔ جلد بلاؤ۔ بلاؤ۔ وہ سب گیا۔ نوبت یہ پہونچی کہ میں منتیں کرتا ہوں خوشامدیں کرتا ہوں دعائیں مانگتا ہوں اور کسی کے دل پر جوں تک نہیں رینگتی۔ یہ تک خیال نہیں آتا کہ ایک شخص جو اس طرح پر اصرار کرتا ہے یہ آدمی ہے یا پتھر ہے۔ اس کے دل بھی ہے یا نہیں اس سے کبھی کچھ رشتہ تعلق بھی تھا یا نہ تھا۔ اب بتلاؤ کہ مجھ کو رنج ہونا چاہئے کہ نہیں۔

(اس سلسلہ کا تیسرا خط پیش ہے۔ مؤلف)

خط نمبر ۹۔ خالی کا مہینہ شروع ہو گیا۔ خدا میں سب قدرت ہے کہ یہ مہینہ بھی ختم ہو جاوے گا اور پھر عید آوے گی۔ لیکن ہم کو کیا۔ وعدہ تو یہ ہے کہ عید بعد۔ ممکن ہے برس دن بعد آنا ہو یا دو برس بعد۔ خیر۔ ایک فکر تو یہ ہے کہ میرا زمانہ حیدرآباد میں رہنے کا قریب بہ

اختتام ہے اس عرصہ کے قریب اگر آنا ہوا تو وہاں سے یہاں۔ یہاں سے وہاں آنا جانا ہوگا۔ پھر دورہ کا زمانہ قریب ہے مگر مجبوری ہے کس سے کہوں۔ کوئی میری آواز پر کان نہیں لگاتا۔ کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ دوسرا جو اندیشہ اور وسواس مجھ کو ہے وہ میں ابتک نہ زبان پر نہیں لا سکا۔ میں جب دیکھتا ہوں کہ بے حد دیر پر دیر ہوتی چلی جاتی ہے تو خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ سب کو خیر و عافیت سے رکھے اور آپس میں ملا دے۔ کچھ معلوم نہیں کہ اس میں کیا اسرار ہے اور اس پر پریشان پریشان خوابیں اور دل کو فکر میں ڈالے دیتی ہیں۔ میں تو ایسا نہ تھا نہ ایسے خیالات سے پریشان ہوتا تھا نہ میرے دل میں بہت سا کسی بات کا وہم ہوتا تھا مگر فکروں اور رنجوں نے شاید کہ دماغ کو ضعیف کر دیا ہے جواب ہر وقت اس قسم کا خوفناک وہم رہنے لگا ہے۔ یہ ایک بات تھی جو میں نہ چاہتا تھا کہ لکھوں مگر پھر سوچا کہ جی ہی جی میں رکھنا بھی بے فائدہ ہے۔ زیادہ تسلیم و بس۔

خط نمبر ۱۰۔

(اس سلسلہ کے دو خط اور پڑھئے۔ دونوں خطوط نمبران ۱۰۔ اور ۱۱ ابھی رسالہ "نقوش" نے شائع کر دئے ہیں۔ مؤلف)

آخر کار معلوم ہوا کہ آپ کا ارادہ آنے کا نہیں ہے۔ کوار کا صرف ایک حیلہ معلوم ہوتا ہے بہتر ہے جیسی آپ کی مرضی۔ مجھ کو بھی اس میں کچھ عذر نہیں اور اگر عذر ہو بھی تو چارہ ہی کیا ہے۔ اس عرصہ میں میرے حیدر آباد میں رہنے کی مدت بھی ختم ہو جاوے گی اور اپنی صدر تعلقداری[۴] گلبرگہ پر جانا ہوگا۔ پھر وہ جاڑہ کا زمانہ میرے دورہ کا ہوگا۔ پانچ چھ مہینہ دورہ میں رہنا ہوگا۔ اس وقت گرمی زیادہ ہوگی سفر ممکن نہ ہوگا۔ اس کے بعد برسات کا موسم شروع ہوگا۔ غرض ابھی ایک برس کے لئے تو فراغت ہے۔ پھر اس عرصہ میں دیکھئے

۴۔ حیدر آباد میں کمشنر کو صدر تعلقدار کہا جاتا تھا۔ (مؤلف)

کون مرے کون جئے - زندگی باقی رہے گی تو اب اگلے سال دیکھا جاوے گا - اس وقت تو یہ جھگڑا جس سے آپ کو بہت تکلیف تھی آپ کی حسب مرضی طے ہوا - خدا مبارک کرے۔

(نواب وقار الملک نے اپنی پہلی بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی کی تھی اور دوسری بیوی کے بعد ایک عقد اور کیا تھا - جن بیوی کے مسودہ خطوط اب پیش ہوتے ہیں وہ نواب صاحب کی سب سے پہلی شریک زندگی تھیں - واضح باد کہ نواب صاحب اپنی والدہ صاحبہ کو "بوا" کہا کرتے تھے اور بڑی لڑکی کو ننھی کہہ کر پکارتے تھے - غیر ضروری عبارت کو حذف کر دیا گیا ہے - مؤلف)

خط نمبر ۱۱۔

عزیزہ من سلامت - بعد سلام شوق کے واضح ہو کہ عید کے دن کا لکھا ہوا خط آپ کی مامی[۲] جان صاحبہ کا جس میں انھوں نے رقم فرمایا تھا کہ اب ہم آنے لئے تیار ہیں ملا - اس خط کے آنے سے یہاں ہمارے گھر میں ایک عید اور ہو گئی - فوراً سب انتظام کیا گیا - بھائی فیاض رسول روانگی کے لئے تیار ہوئے کیونکہ معلوم تھا کہ اگر ساتھ میں اور کسی کا آنا بھی نہ ہو تو بھی بھائی فیاض رسول اور حافظ جی ساتھ کے لئے کافی ہوں گے اور باقی ایک دو نوکر ساتھ ہوگا - خوش خوش بھائی مظہر اللہ صاحب کو بھی تار دیا کہ اب فیاض رسول روانہ ہوتے ہیں - بوا کا خط آگیا ہے - اسی تار میں میں نے لکھا کہ ننھی کو بھی آنے کی اجازت دی جائے ...... مگر جواب یہ آیا کہ عید بعد آنا ہوگا - یہ سنتے ہی ہم کو تو محرم ہو گیا - کل خط پھر آیا ہے اس میں پھر لکھا ہے کہ چلنے کے لئے سب تیار رہیں، لہذا میں نے کل پھر تار دیا ہے دیکھئے اس کا کیا جواب آتا ہے - اگر جناب والدہ صاحبہ حقیقت میں تیار ہیں تو مجھ کو تار کے ذریعہ سے اطلاع کر دو، خط کے جواب آنے میں تو بہت دیر ہوتی ہے - میں بہت

---

[۲] - یہ بیگم صاحبہ اپنی خوش دامن صاحبہ کو "مامی جان" کہا کرتی تھیں - (مؤلف)

جلد بھائی فیاض رسول صاحب کو یہاں سے روانہ کروں گا اور وہ بالکل تیار ہیں۔ رستہ کا تمام انتظام ان کو سمجھا دیا گیا ہے اور گاڑی جبکہ پوری ہوگی اور بار بار ہر جگہ بدلی نہیں جاوے گی تو اسباب علٰحدہ بھیجنا بے سود ہوگا بلکہ چوری کا بھی ڈر ہے اور برسات میں خراب ہونے کا بھی۔ صرف اس قدر کرنا کافی ہوگا کہ چھوٹی چھوٹی پیٹیاں اور صندوقچیاں بہت کثرت سے الگ ساتھ نہ ہوں اس میں چیز جاتی رہتی ہے۔ سب صندوق بند ہوں اور صندوق کھلنے بھی ہو جاویں سب گاڑی میں رکھ لئے جاویں گے۔ سارا اسباب حفاظت کے ساتھ ساتھ ہی آ جاوے گا اور جب ارادہ کر لیا ہے تو پورا ہی ہونا چاہئے۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ مجھ کو تمہارے سب کے یہاں نہ ہونے سے کس قدر سخت تکلیف ہے اور روز دیر ہونے سے کس قدر رنج ہوتا ہے۔ مجھے حقیقت میں اکثر وقت بیٹھے بیٹھے یہ خیال آتا ہے کہ وہ مجھ سے کون سی خطا ہوئی ہے جو سب لوگوں نے ایک ساتھ مجھ سے محبت کرنا ترک کر دیا۔

(چونکہ چند اور خطوط بھی اسی آنے جانے سے متعلق ہیں اس لئے اسی جگہ ان کو بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۳۔

حیدر آباد۔ ۲۱ ربیع الثانی۔ ۲ مارچ۔

جناب والدہ صاحبہ معظمہ ام سلامت۔ تسلیم

نوازش نامہ پہونچا حال معلوم ہوا۔ مجھ کو رحیم بخش کے معاملہ میں صرف اسی قدر تامل تھا کہ بھائی زین الدین صاحب کے کاموں کا حرج ہوگا۔ اگر ان کے دیہات کے ٹھیکے ہوتے ہیں تو میں بہت خوشی سے راضی ہوں۔ دس روپیہ مہینہ سکہ حالی، اور کھانا میں رحیم کو دوں گا آج بھائی زین الدین صاحب کو میں نے خط لکھا ہے کیونکہ اُن کی اجازت بہر حال شرط ہے۔ گھر کے لوگوں کے آنے نہ آنے کی نسبت حال معلوم ہوا۔ میں اطلاع دے چکا ہوں کہ میرا آنا اس عرصہ میں نہیں ہو سکتا اور حال یہ ہے کہ برس سوا برس تک آنا نہ ہوگا اور

آپ کا جواب یہ ہے کہ جب تک میرا آنا نہ ہو آپ نہ آسکیں گی تو بس اطمینان ہوا۔ یہ بڑا مکان جو اسی ضرورت سے میرے پاس تھا اس کو بھی میں اب چھوڑ دوں گا۔ میرے اپنے لئے ایک چھوٹا سا مکان کسی عمدہ موقع پر بالکل کافی ہے۔ نیاز محمد کی نسبت اختیار ہے جیسی مرضی ہے مجھکو اس میں عذر نہیں ہے۔

سید صاحب کے روپیہ کی نسبت میں نے آج بھائی مظہر اللہ صاحب کے خط میں لکھا ہے۔ دوسرا عذر جو آپ کے تشریف لانے میں علاقہ کے انتظام کا ہے وہ بھی معلوم ہوا۔ حاصل ہر ایک بات کا یہ ہے کہ آپ کا آنا حیدر آباد نہیں ہوسکتا ورنہ علاقہ کے انتظام پر آپ کے وہاں ہونے نہ ہونے کا کیا اثر ہوگا۔ بھائی مظہر اللہ صاحب بھائی اخلاق رسول صاحب بھائی انتظام علی خاں صاحب مجاز ہیں کہ جس طرح چاہیں انتظام کر دیں۔ ٹھیکہ دے دیں یا جو مناسب ہو۔ بھائی انتظام علی خاں صاحب کی علالت سے سخت افسوس ہے۔ آج میں نے بھی علٰحدہ خط لکھا ہے۔ والسلام

خاکسار۔ مشتاق حسین

(ایک اور خط پڑھئے۔ مولف)

خط نمبر ۱۳۔ جناب والدہ صاحبہ معظمہ ام سلامت۔ تسلیم۔

میں خیریت ہوں۔ آج سادات امروہہ میں سے ایک صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ ہمشیرہ عزیزہ کی شادی صرف آپ کے تقاضے سے جلد قرار پائی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو مجھ کو یہ کہنا ضرور ہے کہ میرے نزدیک شادی میں جلدی مناسب نہیں تھی اور بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک غلطی کو چھوڑتی ہیں تو دوسری غلطی اختیار کرتی ہیں۔ اتنے دنوں تک آپ کا یہاں آنے کو ٹالتے رہنا غلطی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ ان باتوں سے آپ لوگوں (کو؟) کیا فائدہ ہوتا ہے۔ والتسلیم۔ خاکسار

مشتاق حسین ۲۱۔ محرم

(چونکہ چند اور خطوط بھی اسی آنے جانے کے متعلق ہیں اس لئے اسی جگہ ان کو بھی ملاحظہ فرمالیجئے ۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۴۔ نورچشمی مشتاق فاطمہ سلمہا اللہ تعالےٰ ۔

تمہارے خطوط کا جواب میں علیٰحدہ نہیں لکھ سکا لیکن گذشتہ تین دن میں جو ہر روز میں نے ایک خط جناب والدہ صاحبہ کو لکھا ہے اس سے سب حال معلوم ہوا ہوگا۔......
...... نہایت گول گول معاملہ ہے ۔ کوئی صاف نہیں کہتا کہ بات کیا ہے اور سواریوں کا آنا کیوں اس طرح رُک گیا جس طرح دوڑتی ہوئی بہلی کی دھری ٹوٹ جاتی ہے اور انکا ایکی بہلی دھم سے زمین پر گر کر ٹھیر جاتی ہے ۔ آپ لوگوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ کوئی بات کھل کے مت کہو عید بعد کا وعدہ یہ ہے اور یہ نہیں کہا جاتا کہ عید کے کتنے دنوں بعد ۔ مہینہ بھر بعد چھ مہینے بعد برس دن بعد کتنے دنوں بعد ۔ نہایت جان عذاب میں ہے ۔ نہ توقف کی وجہ معلوم ہوتی ہے نہ روانگی کا وقت معلوم ہوتا ہے ۔

(اب اسی لڑکی کا موسومہ دوسرا خط پیش ہے ۔ واضح باد کہ نواب صاحب کی یہ لڑکیاں بھی اپنی والدہ صاحبہ کو لفظ " بوا " ہی سے مخاطب کرتی تھیں ۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۵۔ بوا نے تمہاری ایسی عقلمندی برتی ہے جس کا کچھ کہا نہیں جاتا ۔ انھوں نے دیکھا کہ برا بننے کے لئے ایک پُرانے وقتوں کی مامی جان موجود ہیں پھر کوئی بات کہنے کی کیا ضرورت ہے ۔ مامی جان کا دم سلامت چاہیئے ۔ جانا آپ ہی نہ ہوگا ۔ ان کا یہ لکھنا کافی نہیں ہے کہ میں تو تیار رہوں اُن کا کام یہی تھا کہ جس طرح میں تقاضہ کرتا ہوں اس سے زیادہ ہر وقت اپنی مامی جان کو یہاں آنے کی پٹی پڑھاتیں ۔ جب رات دن ایک ہی بات اُن سے کہی جاتی تو آخر کب تک ان کا دل نہ پسیجتا ۔ آخر تو ان کی مامی جان اور میری مادر مشفقہ ہیں ۔ غرضکہ الزام تمہاری بوا پر ہی ہے اور اگر حقیقت میں یہ بات ہے کہ ان کا دل آنے کو بہت چاہتا ہے تو بھی ان پر الزام یہ ہے کہ وہ کچھ زیادہ عقلمند نہیں ہیں

ھ۵ نواب صاحب کی بڑی صاحبزادی کا نام ہے جو ننھی کہلاتی تھیں ۔ (مؤلف)

جو اپنی مامی جان کو اس وقت تک راضی نہ کر سکیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ جی ان کا بھی نہیں ہے کہ ایک آدمی کی خاطر سارے کنبہ کی مفارقت اختیار کریں ۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ مامی جان خود سب کی سپر ہو رہی ہیں تو انہوں نے صرف یہ کہنا کافی سمجھا کہ مجھے کوئی عذر نہیں۔ میں چلنے کے لئے تیار رہوں حالانکہ عذر نہ ہونا اور چلنے کے لئے تیار رہونا اور بات ہے اور دل سے ایک بات کا عشق ہونا یہ اور بات ہے۔

(پہلی بیگم صاحبہ مرحومہ کے موسومہ چند خطوط اور پڑھئے ۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۶ ۔ .... یقین ہے کہ تم نے خطوط بھیجنے شروع کئے ہوں گے ۔ اگر تم ہر روز ایک خط لکھا کرو تو وہ جو میں نے تمہارے روپوں میں سے پانچ روپیہ ننھی کے واسطے لے لئے ہیں وہ پانچ روپیہ تمہاری تنخواہ میں خطوط کے لکھنے کے واسطے اور بڑھا دوں ۔ دیکھو مان لو ۔ بہت سستا سودا ہے ۔ معلوم نہیں تمہاری سمجھ میں بھی آوے گا یا نہیں ۔ امروہہ میں تو اگر اشتہار دیں کہ ایک چھوٹا سا خط روزانہ لکھنے کی تنخواہ پانچ روپیہ ہے تو ہزاروں آدمی دوڑ پڑیں گے ۔

(خطوط نمبر ۱ تا ۱۸ کو رسالہ نقوش شائع کر چکا ہے ۔ مؤلف)

خط ۱۷۔ بعد سلام شوق کے واضح ہو کہ آپ کا خط پہونچا ۔ اطمینان ہوا ۔ ننھی کے تین خطوط آئے اور خوش ہوئی میں تو جیا[٦] سے اول دن سے کہتا تھا کہ تم الگ مت ہونا ۔ اب بھی جیا کو کہو کہ وہ یہیں رہے یہیں کھانا کھایا کریں اور یوں جی ہو جب چاہے ہو آویں ۔ غضب کی بات ہوگی کہ میری تنخواہ تو بارہ سو[٦] روپیہ ماہوار ہو اور جیا ہی کو تکلیف ۔ ایسی میں نالایق ہوؤں کو ہم جیا پر سے قربان کر کے پھینک دیں ۔ جیا سے کہو وہ کسی بات کا اپنے دل میں خیال نہ کریں ۔

---

[٦] یہ نواب صاحب کی دودھ پلائی کا نام ہے جن سے ان کو بلا کی محبت تھی ۔ اتفاق سے جیا کی بہو نہایت نالایق تھی جس کی وجہ سے جیا سخت پریشانیوں میں مبتلا رہا کرتی تھیں ۔ مؤلف)

جیا کے غلاموں کو جیا کی باندیوں کو سب کچھ ہو گا اور یہ نالائق بہو ہمیشہ خوار رہے گی۔ بہو نے سوچا ہو گا کہ میاں حیدر آباد سے دنیا بھر کی نعمتیں لاتے ہوں گے وہ اکیلی مجھ ہی کو ملیں گی ان کی آنکھوں میں تیل کا ملیدہ۔

(اگلے تینوں خطوط رسالہ نقوش نے شائع کر دئے ہیں۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۸۔ بعد سلام شوق کے واضح ہو کہ بوا کے نام کا خط ان کو دیدو۔ ہماری نوکری اور اس آدمی کی نوکری میں جو کہ قید ہو کر کالے پانی کو بھیجا جاوے اور وہاں سے گھر کو ہنڈویاں بھیجتا رہے صرف اتنا فرق ہے کہ اس کا نام رنج کی قید ہے اور اس کا نام خوشی کی نوکری

....

خط نمبر ۱۹۔ محمد احمد نے مجھ کو لکھا ہے کہ میں امتحان میں پاس ہو گیا یعنی پورا اترا۔ بہت خوشی ہوئی۔ ان سے وعدہ تھا کہ جب وہ امتحان میں پورے اتریں گے تو ان کو سواری کے لئے گھوڑا لے دیا جاوے گا۔ اب اس وعدہ کو پورا کرنا ہو گا۔ تم کو اس خبر سے ایسی خوشی نہ ہوئی ہو گی جیسی اس وقت ہوئی ہو گی جب کہ محمد احمد علی گڑھ سے آ کر تم سے ملے ہوں گے اور اگر حقیقت میں اس سے زیادہ خوشی ہوئی ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے۔ اس خوشی میں کچھ خرچ کرو تو ہم بھی جانیں۔ مدرسہ علی گڑھ میں بہت سے غریب طالب علم ہیں۔ ان کے واسطے کچھ نقد روپیہ نیاز محمد[ے] کے ہاتھ بھیج دینا مناسب ہے دیکھنا ہے کہ ماں اور دادی ایسے کاموں میں کس قدر نام کرنے کو پسند کرتی ہیں۔

خاکسار

(مشتاق حسین)

ے نواب صاحب کے دودھ شریکی بھائی نیاز محمد خاں مرحوم کی طرف اشارہ ہے جن کے خاندان سے نواب صاحب کے خاندان کا بڑا گہرا ربط اور تعلق رہا ہے۔ یاد رہے کہ نیاز محمد خاں انہی جیا کے لڑکے تھے جن کا ذکر اوپر کے خط نمبر (۱۷) میں ہوا ہے۔ (مولف)

خط نمبر ۲۰ - محمد احمد تو یقین ہے کہ امروہہ آتے ہوں گے۔ آخر تم ماں بیٹوں میں سے کسی نے نہ لکھا کہ علی گڑھ میں ایک دوسرے سے ملے تھے یا نہیں۔ نہ تمھارا نہ لکھا۔

(اپنے فرزند کلاں کو نواب صاحب بلا کسی انقلاب کے یوں مخاطب فرماتے ہیں۔ (مولف)

خط نمبر ۲۱ - کہو بھائی محمد احمد روزے کیسے کٹتے ہیں .... تمہارے پرانے دوست محمد کریم خاں[ش] جو مدرسہ اعزہ میں تمہارے ساتھ پڑھتے تھے چند روز میں ولایت جاتے ہیں ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے ان سے ملاقات کرو کیونکہ ان کا تمہارا ساتھ ولایت میں کئی سال تک ہوگا۔

(مشتاق فاطمہ صاحبہ مرحومہ کا موسومہ نواب صاحب کا ایک اور خط پڑھئے۔ (مؤلف)

خط نمبر ۲۲ - نیاز محمد کا خط کل آیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ تم اجازت دو تو میں اپنے گھر کے لوگوں کو علی گڑھ بلالوں۔ منشی حیدر حسین صاحب کے مکان کے پاس ایک مکان لے لوں گا۔ محب اللہ بھی اپنے گھر کے لوگوں کو بلا دے گا۔ دونوں کا ساتھ ہو جاوے گا۔ میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ سب اپنے گھر کے لوگوں کو اپنے ساتھ رکھیں۔ میں کوئی پرانے وقت کا آدمی نہیں جو اللہ ہو کے بارہ[ت] کا چھوڑنا گوارا نہ کرتا ہو۔ لہذا میں نے کل ہی لکھ بھیجا کہ بہت خوشی سے میں اجازت دیتا ہوں۔ امید ہے کہ نیاز (محمد) ایسا ارادہ کریں گے لیکن نہیں تم جیا کو روکنا کہ وہ علی گڑھ جا کر عذاب میں نہ پڑیں۔ امروہہ میں تو یہی تھا کہ لڑائی ہوئی دوسرے کسی گھر میں آبیٹھیں۔ علی گڑھ میں لڑائی ہوئی تو قیامت ہی آوے گی۔ جیا کو تم اپنے ساتھ حیدرآباد لانا۔ یہاں کی آب و ہوا جیا کے مزاج کے بہت موافق آوے گی اور بیماری

ش - ڈاکٹر صاحب آگے چل کر ریاست حیدرآباد میں نواب خدیو جنگ بہادر کے لقب سے سرفراز فرمائے گئے اور نائب نظامت طبابت کے عہدہ سے پنشن پر سبکدوش ہوئے۔ نواب عماد الملک بہادر مرحوم کے داماد تھے۔ نواب علی یاور جنگ بہادر سابق معتمد سیاسیات دستور نظام اور وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی انہی مرحوم کی واحد اولاد نرینہ ہیں۔ (مؤلف)

ت - حیدرآباد کی ایک نہایت مشہور اور قدیم درسگاہ۔ (مؤلف) (نوٹ نمبر ۱ متعلقہ ہذا اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

جیا ابھی سو برس اور جیں گی - انشاءاللہ تعالےٰ -

(راقم الحروف کی والدہ صاحبہ مرحومہ نواب صاحب کی دوسری بیگم صاحبہ تھیں - میں ۱۲-۱۳ سال کا ہوں گا جو دہرہ دون کے کیمبرج اسکول میں شریک کرا دیا گیا - نواب صاحب اپنی جائداد میں سے پہلی بیگم صاحبہ سے جو اولاد تھی اس کا حصہ ادا کر چکے تھے اور باقی ماندہ جائداد کو میرے اور میری چھوٹی ہمشیرہ مرحومہ کے حق میں وقف علی الاولاد کرنے والے تھے اور اپنے بعد میرے بالغ ہونے تک وقف کا متولی کس کو بنائیں یہ مسئلہ ممدوح کے زیر غور تھا - میری بھلا عمر ہی کیا تھی خود ہی سب کچھ .... طے فرما سکتے تھے مگر اس کم سنی کے باوجود مجھ سے مشورہ کرنا ضروری خیال فرمایا - بوجہ اشاعت مرض طاعون امروہہ چھوڑ کر بچھراؤں میں مقیم تھے - طویل علالت اور سخت کمزوری کی وجہ سے اپنے ہاتھ سے لکھنا تقریباً چھوڑ چکے تھے - مگر معاملہ کی اہمیت کے خیال سے جو گرامی نامہ خود اپنے قلم سے تحریر فرمایا اس کا متعلقہ حصہ اب پیش ہے - رسالہ نقوش نے اس خط کو شائع کرتے وقت "برخورداری سلمہا" جو لکھا ہے وہ درست نہیں ہے یہ خط راقم الحروف کا موسومہ "برخوردار من سلمہ" سے شروع ہوتا ہے - (مؤلف)

خط نمبر ۲۳ - ۱۱ رمئی ۱۹۱۵ء

برخوردار من سلمہ اللہ تعالےٰ

نیاز محمد کا خط آج پہونچا جس سے تمہاری خیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا..........

ایک خاص بات ہے جس ضرورت سے یہ خط تم کو اپنے قلم سے لکھنا پڑا ہے - تم کو معلوم ہے کہ مسودہ وقف میں ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ مشتاق حسین کے بعد فلاں شخص متولی مقرر ہوگا اگر اس وقت تک مشتاق احمد نابالغ ہوں - اس کے متعلق میں نے اب تک برابر سوچا ہے اور رائے کا اظہار کسی سے نہیں کیا - اور اب میں اس کے متعلق اظہار رائے کرتا ہوں

۱؎ - نواب صاحب مرحوم کے آبائی قبرستان موقوعہ امروہہ کا نام ہے اور اسی جگہ وہ دفن بھی ہوئے یہ خط بھی رسالہ نقوش میں شائع ہو چکا - مؤلف

میرے نزدیک عزیز القدر محمد صفت اللہ[۱۱] بی۔اے، اس کے لئے موزوں اور موجودہ اشخاص میں سب سے بہتر ہیں۔ اس مسئلہ کو تمہارے مشورہ سے طے کرنا چاہتا ہوں تم اپنی رائے سے بواپسی ڈاک اطلاع دو۔

(مولوی شفقت حسین مرحوم نواب صاحب کے حقیقی چچازاد بھتیجے تھے۔ نواب صاحب کا ان کے موسومہ ایک خط کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو۔ (مؤلف)

خط نمبر ۲۴۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ قمر الاسلام نے امسال اٹاوہ سے میٹرکولیشن پاس کیا اور وہاں کے لوگوں کی رائے ان کی نسبت بہت ہی اچھی ہے لیکن کالج کی تعلیم کا کوئی سامان نہیں اور باپ بالکل خبر نہیں لیتے۔ مجبوراً میں نے ان کے واسطے دس روپیہ مہینہ اور ایک سو روپیہ کا اپنے پاس سے دینا منظور کیا۔ اس قسم کے خرچ گوارا کرنے سے خوشی ہوتی ہے بشرطیکہ جو اصل ذمہ دار ہیں یعنی باپ اُن کو بھی کچھ فکر ہو لیکن وہ بالکل ہی بے پرواہ ہوں تو افسوس ہوتا ہے۔

(انہیں شفقت حسین صاحب مرحوم کو کفایت شعاری کی طرف، نواب وقار الملک یوں متوجہ فرماتے ہیں۔ (مؤلف)

خط نمبر ۲۵۔ کانکا ۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۱۰ء

برخوردار من سلمہ اللہ تعالےٰ۔ .... لیکن تمہاری پریشانی کے وجوہ میں ایک حصہ کے ذمہ تم خود بھی ہو اور وہ یہ کہ تم نے کفایت شعاری کا خیال جیسا چاہئے ویسا نہیں رکھا اور جب تک کفایت شعاری عادت نہ ڈالو گے آرام سے نہ رہو گے چاہے تنخواہ کیسی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ .... خاکسار مشتاق حسین۔

(نواب وقار الملک علیل ہیں اور بہت ضعیف ہو چکے ہیں اور اپنے قلم سے لکھنا بند کر دیا ہے پرائیویٹ سکریٹری سے اپنی مراسلت کا سارا کام لے رہے ہیں مگر اپنے چھوٹوں کا بعد پاس و لحاظ کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی حقیقی چچازاد بھتیجی (ہمشیرہ شفقت حسین صاحب) کی اس خواہش کو کہ جواب خط خود ادا کریں اپنے اوپر تکلیف گوارا کر کے پورا کرتے ہیں۔ اب وہ خط پڑھئے۔ (مؤلف)

ھ[۱۱] یہ مرحوم نواب صاحب کے منجھلے داماد تھے اور وہ اپنا راز کا سب کام ان سے لیتے تھے۔ (مؤلف)

خط نمبر ۲۶ - مسوری - رام پور ہاؤس - ۲۴ مئی ۱۹۱۰ء

نورچشمی حبیب فاطمہ سلمہا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ درحقیقت میری علالت بہت خطرناک حدتک پہونچ گئی تھی - فالج کے ساتھ بخار بھی تھا - ذیابطیس کا بھی خلل ہوا - خدا کے ہاتھ میں ہے کہ وہ ان سب امراض کو رفع کرے لیکن ضعف زیادہ ہے - دماغ اور جوارح دونوں بہت ضعیف ہیں لکھا پڑھا بھی اچھی طرح نہیں جاتا اور اس وقت تمہاری اس فرمائش نے کہ جواب میں اپنے قلم سے لکھوں مجھ کو خاص تکلیف دی - فرمائش اگر آیندہ بھی کروگی تو شاید اب عرصہ تک جواب نہ ملے گا۔

خاکسار مشتاق حسین

(نواب وقار الملک کا ایک اور خط پڑھئے جو مولوی صفت اللہ صاحب کے بڑے بھائی صاحب کے نام ہے - مؤلف)

خط نمبر ۲۷ - برادرم مولوی محمد مظہر اللہ صاحب سلامت - السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

دورہ کی وجہ سے کام بڑھ گیا اور زیادہ تر اس لئے کہ حضور[۱۲] پرنور ہماری اس قسمت میں جس میں میں صدر تعلقدار ہوں (کمشنر) تشریف لانے والے ہیں اور دو ضلعوں میں جاویں گے اور تین چار روز رہیں گے - ان کی آمد ایسی سمجھنی چاہئے جیسی کہ چار پانچ گورنر مل کر کہیں آویں - نواب مدار المہام سالار جنگ بہادر بھی اور بہت سے امراء وغیرہ بھی ساتھ ہوں گے - ان کے اہتمام وانتظام کا کام اور بھی عدیم الفرصت کرنے والا ہے -

مشتاق حسین

(نواب صاحب اپنے بڑے داماد مولوی حکمت اللہ صاحب مرحوم کو جو ان کے ماموں زاد بھائی بھی تھے "منجھلے بھائی" کہا کرتے تھے - ایک خاندانی نزاع کے سلسلہ میں جو عدالت تک پہونچا اور جس میں نواب صاحب کو حکم بنانے کا مسئلہ زیر غور تھا نواب صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں - مؤلف)

---

۱۲ - حضور نظام نواب میر محبوب علی خاں بہادر خلد آشیاں سے مراد ہے - (مؤلف)

خط نمبر ۲۸ - عزیز القدر منجھلے بھائی صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ -

.... نفس معاملہ پر مکرر غور کرو - جب دو شخصوں کے فی مابین چند حسابات ہوں تو صرف ایک فریق کی بحث پر اس بات کا فیصلہ منحصر نہیں ہوتا کہ فلاں حساب اور حسابوں سے علٰحدہ رکھا جاوے - یہ میں نے پہلے بھی لکھا تھا اور اب بھی وہی لکھتا ہوں کہ مجھ کو تمہارے باہمی حسابوں کے دیکھنے اور فیصلہ کرنے میں کچھ عذر نہیں ہے بشرطیکہ کل حسابات کا تصفیہ میرے ہاتھ میں آوے - آدھا تیتر اور آدھا بٹیر کا مضمون میری سمجھ میں نہیں آتا.......... بے شک جیسا کہ آپ کہتے ہیں چیٹھے اسی طرح صاف کر دیا تھا لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ حساب دوسرے حسابوں سے علٰحدہ رکھا جاوے اور کچھ بتلاؤ تو کیوں علٰحدہ رکھا جاوے - منجھلے بھائی - ان خیالات سے کچھ فائدہ نہیں میں تم کو ہمدردانہ نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ذاتی اور اپنی گھر کی عظمت کا خیال رکھو - بھائی مظہر اللہ مرحوم کے بعد کوئی ایسی کارروائی نہ کرو جس سے تمہاری بڑی بھاوج وغیرہ کی دل شکنی ہو - خدا نے تم کو لایق بنایا ہے اور بفضلہ تعالیٰ تمہارے لئے اس نے دوسرا ذریعہ رزق بھی کر دیا ہے - اپنے جذبات کو روکو اور تحمل و وقار اور سنجیدگی اور فیاضی سے کام لو - والسلام -

(انہی مولوی حکمت اللہ صاحب کے موسومہ نواب وقار الملک کے ایک خط کی نقل مولوی شفیق احمد زبیری صاحب پنشنر حکومت صوبہ یو پی ساکن امروہہ کی مہربانی سے دیکھنے کو ملی - چونکہ یہ خط بھی اسی خانگی نزاع سے متعلق پایا جاتا ہے اس لئے اس کا حسب ذیل فقرہ پیش ہے)

.... تمہارے باہم چاہے جو کچھ بھی حالت ہو لیکن غیروں کے مقابلہ میں سب کو بالاتفاق کارروائی کرنا چاہئے - اس کے علاوہ جب تک عفو اور درگذر اور فیاضی سے کام نہ لیا جاوے دُنیا میں آرام سے رہنا ہو نہیں سکتا اور اب اس گھر میں تم ہی غور کرو کہ تمہارے سوا اور کون ہے جس کا خاص اثر گھر پر پڑتا ہو تو تم کو سب سے زیادہ متحمل مزاج ہونا چاہئے دیکھو کہ بھائی مظہر اللہ صاحب اب نہیں ہیں - تم ہی اب اپنے آپ کو اُن کی جگہ سمجھو اور ویسا ہی برتاؤ کرو جیسا وہ کرتے تھے - اُن کی مرضی کے برخلاف بھی بہت سی باتیں پیش آتی تھیں اور غصہ اُن کو بھی آتا تھا مگر آخر کو ضبط بھی کرتے تھے

اور جھگڑا در حقیقت کچھ بھی باقی نہیں ہے - وہی تین بیسی وہی ساٹھ - تین بیسی اور ساٹھ میں صرف لفظی فرق ہے اور عقل مندوں کا یہ کام نہیں ہے کہ لفظوں پر بحث کر کے گھر کو تباہ ہونے دیں - آج کے زمانہ میں چار پیسے پیدا بہت مشکل سے ہوتے ہیں - اس کی قدر اس گھر میں تم جانتے ہو یا میں جانتا ہوں - دوسرے کسی صاحب کو ابھی چار پیسے پیدا کرنے اور کچھ بچانے کی دقتیں پیش نہیں آئیں - تم اس عرصہ میں ضرور ایک خط انانی جان[۱۲ الف] اور مظہر فاطمہ[۱۲ ب] کو بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ ایک عبدالقدیر[۱۲ ج] کو لکھو - خواہ صفت اللہ کو اور سنجھلے بھائی کو لکھو اور وہ اس کو دکھلا دیں - یہ خط ایسے الفاظ میں ہونا چاہیئے جس سے آگ پر پانی پڑ جائے اور قلوب کو تسکین حاصل ہو -

(مندرجہ بالا خط کی تاریخ ۱۵ جنوری ۱۹۰۴ء ہے اور پتہ بمبئی - کوہ پانو یہ - قرنطینہ حجاج فرسٹ کلاس کیمپ درج ہے - گویا حج بیت اللہ کی روانگی کے موقع پر لکھا گیا ہے (مؤلف)

(مولوی زین الدین صاحب مرحوم نواب صاحب کی پہلی بیگم صاحبہ کے حقیقی بھائی تھے اور ریاست حیدر آباد - دکن کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پولیس کے عہدہ سے پنشن پہ سبکدوش ہوئے - نواب صاحب اپنے ان برادر نسبتی کا بے حد خیال فرماتے تھے - جو خط آگے آتا ہے چونکہ اس سے نواب صاحب کے کردار کے بہت سے گوشوں پر روشنی پڑتی ہے اس لئے اس سخت راز کی تحریر کا کچھ حصہ بھی نذر ناظرین کیا جاتا ہے - مؤلف)

خط نمبر ۲۹ - امروہہ - ۲۳ ہر اگست ۱۸۹۵ء

عزیز القدر بھائی زین الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ - السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ -

ع آب سنبھلتا نہیں ہے پائے ثبات ایک میں اور ہزار تصدیعات

حیدر آباد سے رخصت ہوتے وقت میری حالت تعمیر مکان اور محمد احمد کے اخراجات کی وجہ سے

---

۱۲ - الف - ب - ج - یہ خاتون مولوی مظہر اللہ صاحب مرحوم کی بیگم صاحبہ اور نواب وقار الملک کی حقیقی سالی تھیں - مظہر فاطمہ صاحبہ مرحومہ ان کی لڑکی تھیں جو مولوی عبد القدیر صاحب کو منسوب تھیں - انہی کے داماد مولوی شفیق احمد نہیری صاحب ہیں - مؤلف -

محض ایک مقروض کی حالت تھی اور تائیدات غیبی شریک حال نہ ہوتیں تو اب تک کبھی کا دیوالہ نکل چکا ہوتا۔ اخراجات ایسے ناگزیر پیش آتے رہے اور ایسی بڑی مقدار میں کہ صرف خدا ہی کی مدد سے جس طرح بھی ہوا اب تک یہ کاغذ کی ناؤ بہتی رہی مگر آخر کہاں تک بہے۔ قرضہ کی تعداد اس وقت سے برابر بڑھتی ہی رہی کبھی گھٹی نہیں اور اس نام کی نوابی خطابات دولائی و ملکی نے اور بھی سریے پر سودرے کا کام دیا۔ ہر بلائے کز آسماں آید الخ کے مصداق بالکل میری حالت رہی اور شاید تم کو معلوم ہو کہ میری حیدرآباد کی تنخواہ کا ایک معتد بہ حصّہ بعض اعزہ و اقارب و دیگر مستحقین وطن و غیر وطن کا حصّہ تھا۔ حیدرآباد کی جدائی کے بعد اگرچہ اس میں کسی قدر تقلیل ہی کی گئی تاہم اڑھائی سو روپیہ مہینہ بدرجہ اوسط اب بھی ادا کرنا پڑتا ہے اور جو کچھ اس میں سے کمی کی جاوے وہی دوسری جگہ تکلیف کا موجب ہے اور اگرچہ ضرورت سب کراتی ہے لیکن میری حالت اس انتظار ہی میں بسر ہوتی ہے کہ محمد احمد کی آمدنی جس وقت ان کے اخراجات کے لئے کافی ہونے لگے تو پھر میں یہ ڈھائی سو روپیہ بخوشی ادا کر سکوں گا اور امید میں ہٹر اولٹ دینے کو بھی جی نہیں چاہتا اور طبیعت بھی گوارا نہیں کرتی کہ ہم تو اچھی طرح گزاریں اور وہ جو ہمارے بزرگ یا لخت جگر اور عزیز ہیں وہ تکلیف سے بسر کریں بلکہ تکلیف ہی سے کیا دراصل بسر ہی نہ کر سکیں اور اس پر تمام مصارف کو قیاس کر لو۔ عالی جناب نواب سر آسمان[۱۳] جاہ بہادر دام اقبالہم نے جس وقت میرے لئے خطابوں کا اضافہ اپنی خاوندی سے تجویز کیا تو اس وقت میں نے بہ منّت عرض کیا کہ مجھ کو اس سے معاف رکھا جاوے کیونکہ ایک مفلس شخص کی مفلسی میں اس سے اور اضافہ ہوگا۔ چنانچہ وہی ہوا۔ شہر میں جو چیز دوسروں کو ایک روپیہ میں ملتی ہے میرا نام درمیان میں آتے ہی اس کی قیمت سوا روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ ہو جاتی ہے۔ ہوٹلوں میں کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کو جہاں نوابی کا پتہ لگ گیا پھر ایک بل ڈیوڑھی

---

[۱۳] اس وقت کے وزیر اعظم نظام دکن سے مراد ہے۔ مؤلف

دونی قیمت کا ہوگیا۔ وطن میں جب کوئی عام ضرورت پیش ہے یا خاص کسی شخص کو کچھ ضرورت لاحق ہے اور جس بات و
وہ اور طرح اس کے سرانجام سے اپنے کو عاجز پاتا ہے تو نواب صاحب کی طرف رجوع ہوتا ہے اور
اور پھر اپنا بھرم قائم رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے۔ کہاں تک اس کو طول دوں۔ مختصر یہ ہے
کہ روزمرہ حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جاتی ہے۔ بعض بعض ضروری قرضوں کی قسط بندی کی گئی
لیکن اس سے زیادہ زیادہ دوسری جگہ کا قرض ہوگیا۔ دو قسط بندیاں تو مجھ کو حیدرآباد ہی کے
واسطے کرنی پڑیں اور ہر مہینہ اقساط بھیج رہا ہوں مگر بے سود۔ خدا کا شکر ہے کہ بھرم اس وقت تک
بہت کچھ قائم ہے اور یہی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے واسطے کھونے کو بھی جی نہیں چاہتا
اور بہت سے کام صرف بھرم ہی سے نکل جاتے ہیں لہٰذا جہاں تک ہوسکے اس کا بھی قایم
رکھنا ضروری ہے ورنہ یہ ممکن تھا کہ میں کوئی ایک یا دو حقیتیں فروخت کر دیتا اور اس رات
دن کی فکر سے جس سے خون خشک ہوتا ہے نجات ملجاتی۔ لیکن محمد احمد کا کام اب کچھ چلنے لگا ہے
اور برس دو برس میں امید ہے کہ اُن کی آمدنی اُن کے اخراجات کے لئے کافی ہوسکے گی۔ ایسی
صورت میں دیوالہ نکالنے کو بھی جی نہیں چاہتا اور اس وقت ایک ایسی تازہ فکر درپیش آگئی ہے
کہ جس بات کو میں اپنی یاد سے بھی فراموش کرنا پسند کرتا تھا۔ اب زبان پر اور قلم پر یہ مجبوری
لانا پڑتا ہے وہ ضرورت اس وقت چار ہزار کلدار[141] کی ہے جس کی ادائی ایسی دو ہفتہ میں ضرور ہے
پھر چاہے تمسک رجسٹری کروالیا جائے یا جائداد کا رہن نامہ یا بیع نامہ رجسٹری ہو۔ زیور گھر میں اس
قدر نہیں کہ اس سے یہ کارروائی ہوجاوے .... میرا مطلب اس تمام
تفصیل سے یہ تھا کہ (اور ایسی مجبوری کو وہ کچھ لکھنا پڑا کہ میں تم کو بھی اس کی اطلاع دیہی سے رنجیدہ
کرنا اسی طرح نہ چاہتا تھا۔ جس طرح میں نے تمہاری ہمشیرہ کو اس کی اطلاع نہیں دی تھی) جو کچھ میں

---

[141] برٹش انڈیا میں جو سکہ رائج تھا وہ کلدار کہلاتا تھا مگر ریاست حیدرآباد کا سکہ الگ تھا اور وہ حالی کہلاتا تھا۔
ایک سو روپیہ کلدار کے تقریباً ایک سو سولہ روپیہ حالی ہوا کرتے تھے۔ مؤلف

آئندہ کہنا چاہتا ہوں اس کی نسبت تم کوئی اور خیال میری بے مروتی وغیرہ کا نہ کرو اور نہ یہ سمجھو کہ مشتاق حسین اب کوئی دوسرا مشتاق حسین ہو گیا ہے۔ میں وہی ہوں اور میری طبیعت بھی وہی ہے مگر مجبوری لاحق ہے۔ تم نے مجھ سے اس وقت کہ جب کہ میرا ہاتھ چلتا تھا جو کبھی کبھی لیا وہ دو طرح پر تھا۔ اس کے ایک حصہ کو تو میں نے بطور خود اپنے ذاتی اخراجات کے سمجھا اور دوسری قسم وہ تھی جس کو تم نے خود قرض کے نام سے لیا اب یہ تو میرے لئے اس وقت مشکل ہے کہ میں اُن پُرانے حسابوں کو دیکھوں جن کو مکمل طور پر لکھنے کی اُس زمانہ میں مجھ کو مُہلت بھی نہ تھی اور قسم دوم کے رقوم تلاش کروں اور نہ اس کی کچھ ضرورت ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ اس وقت اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ تمہارے پاس کچھ جمع ہے تو میں بے تکلف تم کو لکھتا اور نہ چار ہزار کا خیال کرتا نہ دس ہزار کا اور منگا لیتا اور جب موقع ہوتا ادا کر دیتا مگر تمہاری حالت جو کچھ ہے وہ معلوم ہے۔ خدا کا یہی لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس قدر سہارا ہو گیا جو اپنے بال بچّوں کو تم آبرو کے ساتھ لے کر بیٹھ سکے تاہم کم از کم اس قدر ضرور کرو کہ۔

اول۔ پانسو روپیہ کے کرنسی نوٹ بمبئی علاقہ کے بیمہ کرا کر ڈاک کے ذریعہ مجھ کو اس طرح پر بھیج دو کہ آخر اگست یا یکم ستمبر انتہا میرے پاس پہونچ جاویں۔۔۔۔۔۔۔۔

دوم۔ میری گاڑی جو خدا معلوم ابھی کاریگر کے ہاں سے آئی ہے یا نہیں اس کو اب جس طرح ہو سکے فروخت کر کے اس کی رقم بھی کرنسی نوٹوں کے ذریعہ سے بیمہ کرا کر میرے پاس بھیجو جس قدر جلدی اس میں ہو سکے وہ کرنا۔ زیادہ لکھنا فضول ہے۔

سوم۔ وہ دوسرا چھوٹا مکان جو عرصہ سے بلا کرایہ پڑا ہوا ہے اس کو کسی معتبر شخص کو کرایہ پر دینا چاہئے جو کہ کرایہ ماہ بماہ دیدیا کرے اور اگر مکان میں کسی مرمت و ترمیم وغیرہ کی حاجت ہو جو غالباً ہے تو میر کاظم علی صاحب سے اس میں مدد لو اور اُن سے لاگت کا تخمینہ لکھ کر میرے پاس بھیج دو۔ میں رفتہ رفتہ وہ رقم ادا کر دوں گا۔ مکان کا بلا کرائے رہنا بھی ایک طرح

کا نقصان ہی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میں نے محمد احمد کو تو ان حالات سے اب اطلاع کر دی ہے تاکہ ان کو اپنے گھر کی مالی حالت معلوم ہو جائے مگر وہ بے چارے بھی کیا کریں۔ مطلق فضول خرچی اب وہاں نہیں ہوتی تاہم چونکہ ان کے اخراجات ایک خاص قسم کے ہیں لہذا ہر مہینہ ایک بھاری رقم وہاں میری پنشن کی چلی جاتی ہے۔ محمد احمد پر اس اطلاع کا اثر بہت ہوا ہے۔ اور اب وہ اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے حتی الامکان بہت کوشش کرتے ہیں ملک غیر ہے اس سے مجبور رہیں مجھ سے بہت عرصہ سے لوگ کہہ رہے ہیں کہ ان کو الہ آباد بلالو اور بات بھی واجبی ہے مگر میں آج تم سے کہتا ہوں کہ جس طرح بطور اس خیال کے کہ اول اول یہاں بھی وہ نئے ہوں گے جو چیز اس ارادہ میں ہارج رہی وہ صرف یہ تھی کہ دو تین ہزار روپیہ جو اس نقل مقام کے لئے اولاً صرف ہونا ضرور ہو گا وہ کہاں سے آوے گا۔ زین الدین تم کچھ اس سے ملول مت ہونا۔ ایسا اکثر ہوتا ہے اور میری حالت تو اس وقت بھی لاکھوں سے بہتر ہے اور قرض بھی اپنا سب ایک دن میں ادا کر سکتا ہوں اگر اپنی جائداد کا ایک جز فروخت کر دوں اور اس میں جو تامل ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ بھرم باقی رہے۔ دیوالیہ ہو جانا بھی ایک آدمی کے لئے سخت عذاب ہے اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس وقت تک اس نے بڑی عزّت کے ساتھ رکھا اور آئندہ بھی اس کے فضل و کرم سے ایسی ہی توقع ہے۔ چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند۔ یہاں خیریت ہے۔ والسلام

(نواب صاحب کو اپنے کاشتکاروں کی فلاح و بہبود کا کتنا خیال تھا اس کا کچھ
اندازہ ذیل کے خط سے لگائیے۔ مؤلف)

خط نمبر ۳۔ عزیزی نیاز محمد خاں سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔

یہ نوری[۱۵] پرسوں سے آیا ہوا پڑا ہے۔ باد اللہ[۱۶] کی خطا بخشواتا ہے۔ کہتا ہے کہ جرمانہ کر دو۔

۱۵-۱۶-۱۷ یہ سب گاؤں کے کاشتکاروں کے نام ہیں۔ مؤلف۔

مگر میں آجکل مجبور ہوں - اس خطا کا بخشنا میرے امکان سے باہر ہے بلکہ میں اس کو اپنے اختیار سے باہر سمجھتا ہوں - دیہات میں کچھ بڑے بڑے محل لوگوں کے پاس نہیں ہوتے اور سب اشراف عورتیں باہر آتی جاتی ہیں - وہاں ایسے آدمی کو کیونکر آباد رکھا جاوے جس کا ایسا خراب چال چلن ثابت ہو چکا ہو نہ تو میں بادالله ہی کو رہنے کی اجازت دوں گا نہ ریحان کی ماں کی اجازت - البتہ عبداللہ وغیرہ اس کے بیٹے اگر اچھی طرح خاطرداری سے نہ رکھیں تو اس کا ہم انتظام کرنے کو تیار ہیں اور بدرجہ آخر ایک بات اور یہ ہے کہ گاؤں کے لوگ آپس میں پنچایت کر کے سب بہ اتفاق رائے اگر کوئی اور تجویز پیش کریں گے تو اس پر بھی میں غور کروں گا - یہ معاملہ کل گاؤں کی ننگ و ناموس کا ہے -

(نواب وقار الملک کے فرزند اکبر محمد احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا مرحوم نے دوران تعلیم ولایت میں اپنے والد کی اجازت کے بعد ایک خوشحال شریف الخاندان اور تعلیم یافتہ انگریز دوشیزہ مس شارلی سے شادی کر لی تھی - واپسی پر بمقام بنگلور پریکٹس شروع کی تھی جو ۲۸ سال کی عمر میں ۲۸ اگست ۱۸۹۶ء کو وہیں معمولی سی علالت کے بعد انتقال ہو گیا - ایک بیٹی حمیدہ بھی جو پیدا ہوئی تھی صغیر سنی ہی میں ۵ سال کی ہو کر امروہہ میں ہیضہ کی نذر ہو گئی - حمیدہ کی زندگی تک مسٹر محمد احمد یہاں رہیں مگر اس کے انتقال کے بعد وہ لندن واپس چلی گئیں اور بقیہ ساری عمر بیوگی میں گزار دی لیکن نواب صاحب سے سلسلہ مراسلت آخر دم تک قایم رہا - نواب صاحب اپنے خطوط اُردو میں لکھتے تھے اور ان کا انگریزی ترجمہ ان کے منجھلے داماد مولوی صبغت اللہ صاحب بی اے (علیگ) کیا کرتے تھے -

ولایت میں مسز اور مسٹر محمد احمد ملکہ معظمہ کے دربار میں پیش ہونے کے خواہشمند ہیں - اس سلسلہ کا نواب وقار الملک کا ایک خط والدہ صاحبہ محمد احمد صاحب کا موسومہ پڑھئے -

(مؤلف)

خط نمبر ۳۹ - ۲۲ رمضان ۱۳۰۸ھ[18] عزیزہ من سلامت

محمد احمد کے پاس سے کل تار آیا تھا۔ یہاں سے جو خط نواب[19] صاحب نے اور ریذیڈنٹ صاحب نے ان کے واسطے ولایت کو اس لئے بھیجے تھے کہ ملکہ کے دربار میں ان میاں بیوی کو داخل کیا جاوے اس کی نسبت انہوں نے ایک تار میں لکھا ہے کہ ایک کسی لیڈی کے نام اور سفارش ہونی چاہئے یعنی کسی معزز انگریز ن کے نام کیونکہ ملکہ کے دربار میں مرد لوگ کسی کی سفارش نہیں کرتے۔ میں نے اس کے واسطے کلبھی نواب صاحب کی خدمت میں تار دیا ہے اُمید ہے کہ آج نواب صاحب نے ولایت میں اپنی کسی دوست انگریزی میم صاحبہ کے نام تار دیدیا ہوگا تاکہ وہ وہاں محمد احمد کو معہ ان کی دُلہن کے دربار میں لے جاویں یہ اس لئے ہے کہ بادشاہت عورت کی ہے اور ہمارے ایک دوست لندن میں ہیں۔ میں نے کلبھی اُن کو بھی لکھ دیا ہے۔ اگر لندن میں موجود ہوئے تو وہ کوئی بندوبست کر سکیں گے خیر یہ تو جو ہوگا وہ ہوگا مگر اس سے اتنا تو ہوا کہ ان کی خیریت کل تک کی ہمیں معلوم ہوگئی اور ہماری خیریت کل تک کی ان کو معلوم ہوگئی۔ خط کہیں اب سے تین ہفتہ میں اِدھر کے اُدھر پہونچیں گے۔

خاکسار۔ مشتاق حسین۔

(شوہر کے انتقال کے بعد مسز محمد احمد معہ اپنی بچی حمیدہ کے ولایت جانے کی خواہش مند ہیں تاکہ وہاں اپنی بہنوں وغیرہ سے بیوگی کے بعد مل سکیں۔ مگر نواب صاحب کے خیال میں اس کم عمری میں بچی کو ماں کے ساتھ ولایت بھجوا دینا مصلحت کے سخت خلاف ہے لیکن جب بہو نے اصرار کیا تو نواب صاحب نے بہو کے رشتہ داروں کو اپنے صرفہ پر ہندوستان بلانے کی پیشکش کی اور بہو کو ایک سال کے واسطے اپنا ارادہ سفر ملتوی رکھنے کا مشورہ دیا۔ اس مراسلت کے سلسلہ میں ایک موقع پر ۲۴ فروری ۱۸۹۵ء کو امروہہ سے تحریر فرماتے ہیں۔ مؤلف)

---

[18] مطابق ۴ مئی ۱۸۹۱ء

[19] غالباً نواب سر آسمان جاہ بہادر وزیر اعظم حیدر آباد دکن سے مراد ہے۔ مؤلف

خط نمبر ۳۲ :.......... مذکورہ بالا مراتب پر غور کرنے کے بعد آپ یقیناً اس بات کو دیکھیں گی کہ وہ کوئی ایک طرفہ رائے نہیں ہے بلکہ حتی الامکان دونوں طرف کا اس میں کافی لحاظ رکھا گیا ہے اور بظاہر اگر کوئی امر آپ کے لئے اس میں خلجان کا موجب ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ آپ کا سفر انگلستان کسی قدر عرصہ کے بعد قرار پاتا ہے اور اس کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ اپنا تنہا تشریف لے جانا اور بچی کو اس عمر میں یہاں چھوڑنا آپ بمقتضائے محبت مادری گوارا نہ کریں گی اور بچی کے سفر انگلستان کے لئے اجازت دینا بحالات موجودہ میرے امکان سے باہر ہے جس کے لحاظ سے میں بہت ہی منت کے ساتھ معافی چاہتا ہوں۔ تمام گھر تمام خاندان کل قوم اور وطن بلکہ نیشن کو اس کے خلاف سمجھنا چاہئے۔

(اس سلسلہ میں مسز محمد احمد کی ایک ہمشیرہ نے لندن سے اپنے ایک خط میں نواب صاحب سے سوال کیا تھا کہ فرض کیجئے حالات برعکس ہوتے اور ہوگی کی ایسی صورت آپ کی کسی لڑکی کو انگلستان میں اپنے انگریز شوہر کے گھر پر پیش آتی تو کیا آپ اپنی بیٹی کو ہندوستان بلانے کی خواہش نہ کرتے نواب صاحب نے اس قدرتی سوال کا جواب حسب ذیل فقرہ سے ادا کیا تھا۔ مؤلف)

خط نمبر ۳۳۔.......... اور جس بات کے لکھنے کی میں اپنی طرف سے شائد کبھی جرأت نہ کرسکتا بہ مجبوری مجھ کو آپ کے سوال کے جواب میں کہ اگر خود میری کسی لڑکی کی ایسی حالت ہوتی جیسی کہ شارلی کی اس وقت ہے تو اس وقت میں اپنی لڑکی کی نسبت کیا کارروائی کرتا یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ میں اس وقت اپنی لڑکی سے کہتا وہ یہ ہوتا کہ..........

ہرگاہ تم نے کافی غور کے بعد ایک ایسے شوہر کے ساتھ شادی کی اور دوسرے وطن کو پسند کیا اور شروع سے اس بات کو فیصل کر دیا کہ اولاد ان کے باپ کے مذہب پر ہوگی تو اب بطور نتیجہ اپنی اس غیر معمولی کارروائی کے دو باتوں میں سے کوئی ایک بات جو تم کو پسند ہو اختیار کرو۔ یا اپنی اولاد کے ساتھ انہیں لوگوں میں رہنا یا اولاد کی مفارقت برداشت کرنا۔

(جیسا کہ اوپر کسی جگہ ظاہر کیا جا چکا ہے۔ نواب صاحب کی یہ بہو ایک مالدار گھرانے کی رکن تھیں۔ ایک خوش حال اور ان کا کفیل تھا مگر آبائی جائداد کا کوئی حصہ بیوہ ہو جانے کے

بعد بھی عرصہ درازتک ان کو اس وجہ سے نہ مل سکا کہ جن کی یہ وارث تھیں ان لوگوں کی عمریں طویل ہوئیں۔ اس لئے "مسز احمد" کے ولایت جانے کے بعد سے برسوں تک ایک معقول ماہانہ امداد نواب صاحب بطور جیب خرچ کے ان کو دیتے رہے کہ جس میں بہو کی وقتی ضروریات کے تحت بعض اوقات اضافہ بھی کرنا پڑجاتا تھا مگر آخر کار ایک دن وہ اپنے ترکہ کی مالک بنیں اور ان کو دس ہزار پونڈ سے کچھ زائد رقم نقد وصول ہوئی اس وقت انہوں نے اباجان کو خود ہی مطلع کیا کہ اب میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہوں اور آپ کی کسی مزید مالی امداد کی ضرورت مند نہیں ہوں۔ محمد احمد صاحب مرحوم اپنے والد کو "میاں" کہا کرتے تھے۔ اس لئے بہو بھی خسر کو اسی نام سے مخاطب کیا کرتی تھیں۔ ان بیوہ کا وہ اصل خط جو انگریزی میں ہے مع ترجمہ کے اب ملاحظہ کیجئے۔ مؤلف)

January 17th, 1906

My dear Mian,

The Bank has sent me the pin-money witn an extra £ for a Christmas present, for which I thank you most heartily. This will be my last pin-money. I gave you some particulars as to my income as far as I was able, as every thing is not even yet settled ... .

Let me in the fulness of my heart again express my loving gratitude to you for the fatherly care you have taken of me ever since you first knew of me and during my widowhood. I am thankful beyond words to you and especially now that you are relieved from the extra expense which you have so generously given and continued uniterruptedly.

۱۷ر جنوری سنہ ۱۹۰۶ء

مائی ڈیر میاں

بینک کے پاس سے میرا جیب خرچ وصول ہوگیا ہے کہ جس کے ساتھ اس مرتبہ میرے کرسمس کے تحفہ کے طور پر ایک پونڈ زائد بھی روانہ فرمایا گیا ہے اور میں تہِ دل سے اس کا شکریہ ادا کرتی ہوں مگر یہ میرا آخری جیب خرچ ہوگا۔ میں نے اپنی آمدنی کی صورت حال سے آپ کو ایک حد تک مطلع کر دیا ہے۔ مگر یہ تفصیل فی الوقت تشنہ ہے۔ کیونکہ کل معاملات ابھی تک پوری طرح سے طے نہیں ہوئے ہیں۔..................

جو احسانات آپ نے مجھ پر اول دن سے فرمائے ہیں اور میرے زمانہ بیوگی میں جس پدرانہ محبت وشفقت کا آپ نے میرے ساتھ برتاؤ کیا ہے میں سچّے دل سے اس کی شکرگذار ہوں۔ باوجودیکہ آپ پر دیگر اخراجات کا بار رہا آپ نے میرے ساتھ ہمیشہ فیاضی ہی سے کام لیا ہے۔ دراصل میرے پاس وہ ذخیرہ الفاظ ہے ہی نہیں جس سے میں آپ کا پورا پورا شکریہ ادا کرسکوں، اب آپ اس زاید بار سے سبکدوش ہو رہے ہیں جو آپ نے اس تمام دوران میں بلا انقطاع میری وجہ سے برداشت فرمایا ہے اور اس کے لئے میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

(جب بھابی صاحبہ نے مزید مالی امداد کو خود ہی منع کر دیا اس وقت ابّا جان نے

محمد احمد صاحب کے انتقال کے دس سال بعد بہو کو یہ خط لکھا۔ مؤلف)

خط نمبر ۳۵۔ مائی ڈیر شالی

مہربانی سے اپنے ۱۱ر و ۱۷ر ماہ گذشتہ کے محبت ناموں کا شکریہ قبول کیجئے جو گذشتہ میل اور اس ہفتہ کے میل سے پہونچے معاف فرمائیے کہ میں گذشتہ میل سے بوجہ صبغت اللہ کے کہیں باہر جانے کے آپ کو خط نہ لکھ سکا۔ آپ کے آخری محبت نامہ کے لحاظ سے جس میں قطعی طور پر آئندہ کے واسطے آپ نے اپنی پن منی کی عدم ضرورت کا اظہار کردیا ہے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور اس کامیابی کے لحاظ سے خود میں ... بھی اپنے واسطے ایسی ہی مبارکباد قبول کرتا ہوں اور خدا کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اپنی زندگی میں مجھ کو آپ کی آئندہ مالی حالت کی طرف سے اطمینان حاصل ہوگیا اور خدا سے دعا ہے کہ آپ ہمیشہ تندرست اور خوش و خرم رہیں۔

اور اب بغیر ایک لمحہ ضائع کرنے کے میں اپنا وہ فرض ادا کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جس کا خیال مجھ کو محمد احمد کے پرافسوس انتقال کے بعد ہی سے اور خصوصاً بچّی حمیدہ کے انتقال کے بعد سے تھا لیکن چونکہ ایک طرح کسی قدر مالی امداد کی ذمہ داری آپ کے متعلّق میرے اوپر تھی لہٰذا میں اس بات کو اب تک اس خیال سے زبان پر نہ لاسکا کہ میرے مقصد کے متعلق کوئی غلط فہمی واقع نہ ہو جس کا واقع ہونا ایسی حالت میں بہت کچھ ممکن تھا اور اب وہ میرا فرض یہ ہے کہ آپ سے کہوں کہ اگر آپ کو اپنی دوسری شادی کا کوئی موزوں موقع میسّر آئے تو آپ اس سے پہلوتہی نہ کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ایسی حالت آپ کے یہاں کی کسی بہن یعنی میری لڑکیوں میں سے کسی کی ہوتی تو ان کو بھی یہی مشورہ دیتا اور کوشش کرتا کہ میرے مشورے کے مطابق عمل کیا جاوے۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے مذہب کے مطابق ہے

نؔ خط کشیدہ فقرہ کتاب "وقار حیات" کے صفحہ ۲۲۴ پر شائع ہوچکا ہے۔ مؤلف۔

اور کسی سوسائٹی میں بھی معیوب نہیں ہے اور اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے فوائد میں آپ کے سامنے تفصیل سے بیان کروں۔ خدا کے فضل سے آپ مجھ سے زیادہ اس مسئلہ کے نتیجوں پر غور کر سکتی ہیں اور اگر میرے اس مشورہ پر عمل کیا گیا تو جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے وہاں تک آپ یقین رکھیں کہ اس کے بعد بھی آپ کے ساتھ میرے موجودہ تعلقات میں کوئی فرق نہ آوے گا۔ اگر خدا نے آپ کو آئندہ کوئی اولاد دی تو ان کے ساتھ بھی میری محبت ویسی ہی ہوگی جیسی کہ اپنی لڑکی کی اولاد کے ساتھ ہونی چاہئے۔ جس نئے خاندان سے آپ کے تعلقات قایم ہوں گے اس خاندان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے واسطے بھی میرا ہاتھ فوراً بڑھے گا اور یہ سب کچھ اس محبت کی وجہ سے ہوگا جو کہ مجھ کو نیچرل طور پر آپ کے ساتھ ہے اور رہے گی اور سب سے بڑی بات جو مجھ کو اپنے مشورہ پر عمل ہوتا ہوا دیکھنے سے حاصل ہوگی وہ یہ ہوگی کہ اپنے دمِ واپسیں کے وقت مجھ کو آپ کی ناکامیوں کے رنج وہ خیال سے کوئی تکلیف نہ ہوگی اور میں اطمینان کے ساتھ اس دنیا سے کوچ کر سکوں گا[۱]۔

آپ کی مالی حالت کی طرف سے مطمئن ہونے کے ساتھ ہی میں نے بھی بغیر ایک دن ضائع کئے ہوئے اس مہینہ فروری سے اپنی جائداد کی تقسیم کا وہ انتظام اپنے سامنے ہی کر دیا ہے جو میرے بعد ہوتا اور اب میری خواہش یہ ہے کہ میں اپنے سامنے اس انتظام کو آسانی سے چلتا ہوا دیکھ لوں۔ میری پنشن صرف میرے پاس باقی رہی ہے اور اس کے ساتھ وہ تمام مصارف بھی مجھ سے متعلق رہیں گے جو میری ذاتی آسائش اور میرے ذاتی مذاق سے تعلق رکھتے ہیں اور میرے ساتھ ہی جب خدا کو منظور رہے تو وہ سب قبر میں چلے جاویں گے میرے ورثا کو میری پنشن کا کوئی غم کرنا نہ پڑے گا۔ نہ ان کا کوئی خرچ بند ہوگا۔ وہ اسی وقت سے اپنے مصارف کو اپنے مداخل کے اندر قایم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

---

[۱] یہ خط کشیدہ فقرہ بھی "وقار حیات" کے صفحہ ۲۳۰ پر شائع کر دیا گیا ہے۔ مؤلف

(بیوہ بہو کے پاس سے خسر کے اس خط کا جو جواب آیا اب معہ ترجمہ کے اس کو ملاحظہ فرمائیے۔ مؤلف)

ترجمہ

آپ کا رجسٹری شدہ خط اور اس کے بعد کا وہ خط بھی جس میں آپ نے اپنے مالی انتظامات کی تفصیل درج کی ہے مجھے اپنے اپنے وقت پر وصول ہو چکے ہیں۔ نیز ایک مختصر سا خط کل بھی آیا ہے اب آپ کے پہلے خط کا جواب ادا کرتی ہوں۔ وہ ایک نہایت شفقت آمیز تحریر ہے اور اس کی یہ نزاکت قابل قدر ہے کہ آپ نے میرے عقد ثانی کا اشارہ تک اس تمام دوران میں نہیں کیا کہ جب میرے اخراجات کا بار آپ پر تھا۔ میرے اچھے میاں میں آپ سے صاف صاف عرض کرتی ہوں کہ مجھے دوبارہ شادی کرنے کی مطلق کوئی تمنا نہیں ہے اول تو کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو میرے پیارے شوہر کی قائم مقامی کر سکے دوسرے غالباً بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو اب کہ میرے ہاتھ میں کچھ روپیہ آچکا ہے میرے ساتھ شادی کرنے میں کوئی پس و پیش محسوس نہ کریں مگر ایسوں کے ساتھ بھلا میں کیا شادی رچاتی اور خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو میں تو ہر حال میں بیوہ محمد احمد کی حیثیت ہی سے دنیا سے کوچ کرنا پسند کروں گی۔

My dear Mian,

Your registered letter and the following one containing all details pertaining to monetary affairs have been duly received; also a short letter received yesterday. I answer the first one.

It is an extremely kind one and shows great delicacy in that you never mentioned the subject of my re-marriage whilst I depended upon you for support.

My dear Mian, to be perfectly candid with you, I have no wish to marry again' there is no man who can take my dear husband's place. Probably there are plently of men who would not object to having me now I have some money, and those I would scarcely marry. But under any circumstances I would prefer to die the widow of Mohammad Ahmad.

(اپنے ایک دوسرے خط میں مسز احمد نے یہ فقرہ بھی لکھا ہے ۔ مؤلف)

I shall always think with loving gratitude of your care of me during all these long years of my widowhood. No English woman ever had a b:tter father-in-law than I, although som e are very good indeed.

ترجمہ

میں جذبات احسان مندی کے ساتھ آپ کی اس خبرگیری کی ہمیشہ ممنون رہوں گی جو آپ نے میری طویل زمانہ بیوگی میں فرمائی ہے۔ کوئی انگلش خاتون ایسی نہیں ہے جس کو مجھ جیسا اچھا خسر نصیب ہوا ہو اگرچہ کہ بعض خسر یقیناً بہت ہی اچھے ثابت ہوئے ہیں۔

(نواب صاحب نے مسز محمد احمد کے دوبارہ شادی نہ کرنے والے خط کا جو جواب دیا اب اس کا پہلا فقرہ پڑھئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۳۸۔ امروہہ ۱۷ رمئی ۱۹۰۶ء

نکاح ثانی کے متعلق مجھ کو خود پہلے سے اس جواب کی توقع تھی اور مجھ کو اس باب میں زیادہ اب لکھنا بھی مناسب نہیں ہے۔ تاہم اس قدر لکھنے کی پھر بھی معافی چاہتا ہوں کہ آپ کے واسطے یہ مسئلہ پھر کسی وقت سوچنے کے قابل ہے۔

(اس خط کا دوسرا فقرہ پیش کرنے سے پہلے اس چیز کا اظہار مناسب پایا جاتا ہے کہ ابا جان نے میری والدہ صاحبہ کے انتقال کے بعد جو تیسرا نکاح سب سے آخر میں کیا وہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ میری اور میری حقیقی ہمشیرہ مرحومہ کی جیسی نگرانی اور غور پرداخت وہ چاہتے تھے ویسا انتظام بوا جان کے انتقال کے بعد ہماری ننّھی حال میں ممکن نہ ہو سکا اور محض ہم خورد سال بچّوں کی خاطر نواب صاحب اس قدم کے اٹھانے پر مجبور ہوئے۔ جو فقرہ آگے آتا ہے اس میں نواب صاحب اپنے اسی تیسرے نکاح کی اطلاع اپنی بیوہ بہو کو دے رہے ہیں۔ مؤلف)

بہت ندامت کے ساتھ اس اطلاع دینے کی جرات کرتا ہوں کہ ۳ راپریل ۱۹۰۶ء کو بمقام میرٹھ میرا نکاح خاندان ہی میں ایک بیوہ سے ہوا جن کی عمر پچاس کے قریب ہے۔ گھر کی حالت اب ایسی تھی کہ بدون اس انتظام کے میرے واسطے کوئی آرام کی صورت باقی نہیں تھی۔ باایں ہمہ جس قدر احتیاط اس مسئلہ کے متعلق مجھے ممکن تھی میں نے اس میں کوئی

وقیقہ فروگزاشت نہیں کیا بچّوں کے لئے جن میں چھٹن[۲۲] بھی شامل ہیں جائداد کی حفاظت میں نے پہلے ہی کر دی اور باوجود متعدد مواقع حاصل ہونے کے میں نے کسی کم سن لڑکی سے تعلق پیدا کرنے سے معافی چاہی اور جن لوگوں نے مجھ کو اس کا مشورہ دیا تھا اُن سے میں نے کہدیا کہ اب سے آٹھ برس قبل جب اس قسم کا موقع پیش آیا تو اس وقت گھر کی حالت یہ تھی کہ گھر میں کوئی بیٹا موجود نہ تھا لیکن عکبہ ایک لڑکا اور دو لڑکیاں موجود ہیں میرے لئے سخت ہی نامناسب ہوگا جو میں کسی کم سن لڑکی کو اس یقین کے ساتھ پسند کروں کہ تھوڑے دنوں کے بعد اس کو بیوہ بننا چاہئے .... اور اب میں جس فکر میں مصروف ہوں وہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ان بیوی کے تعلقات میرے موجودہ بچّوں کے ساتھ اچھی حالت میں رہیں اور یہ ایک بہت اہم اسکیم ہے جس کو میں نے نکاح سے پہلے ہی سوچ لیا ہے اور اگر اس میں کامیابی ہوئی تو بچّوں کی حالت اس وقت کی نسبت آئندہ بہت ہی زیادہ عمدہ اور محفوظ ہو جاوے گی۔ آئندہ ہر ایک چیز اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم پر منحصر ہے اور آپ بھی دعا کریں کہ خدا انجام بخیر کرے .... آپ یہ سُن کر خوش ہونگی کہ اس سال اللہ تعالےٰ نے امروہہ کو طاعون سے محفوظ رکھا ہے

(مسز محمد احمدی کا موسومہ نواب صاحب کا ایک اور دلچسپ خط پیش کیا جاتا ہے۔ مؤلف)

خط نمبر ۳۹۔ آپ میرا چاہے کیسا ہی شکریہ اپنی جبلی مہربانی اور محبت سے ادا کریں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اپنے حیدرآباد چھوڑنے کے بعد سے میں اپنی مالی مشکلات کی وجہ سے آپ کے ساتھ وہ برتاؤ نہ کرسکا جیسا کہ میرا دل چاہتا تھا اور اس کی وجہ سے میں ہمیشہ اپنے دل ہی دل میں شرمندہ رہا آپ نے اپنے اس خط میں اشارہ کیا ہے کہ ان امور کی اطلاع محمد احمد کی روح کو بھی ہوتی ہوگی۔ یہ سب قیاسی باتیں ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ اصل واقعہ

---

[۲۲] چھٹن سے مراد نواب صاحب کی پہلی بیگم صاحبہ کی سب سے چھوٹی لڑکی سے ہے۔ مؤلف

کیا ہے لیکن ہاں کبھی کبھی اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں جن سے اس کا کچھ پتہ چلتا ہے اور حال ہی میں اس قسم کا معاملہ ہمارے گھر میں بھی پیش آیا ہے۔ جس کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ روحی تعلقات کی وجہ سے ہو۔ میرے گھر میں جو حکیم صاحب معالج تھے وہ میرے دوست بھی ہیں۔ جس صبح کو میرے گھر میں انتقال کیا اسی شب ان حکیم صاحب نے خواب میں دیکھا کہ محمد احمد اور میرے بھائی مظہر اللہ امروہہ آئے ہیں اور انھوں نے حکیم صاحب سے کہا ہے کہ چونکہ وہ بیمار ہیں اور یہ میرے گھر میں کی طرف اشارہ تھا دونوں اُن کے دیکھنے کے واسطے آئے ہیں۔ بھائی مظہر اللہ مرحوم سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ یہ حیدرآباد میں نظام گورنمنٹ کے ایک عہدہ دار تھے اور محمد احمد کے انتقال کے زمانہ میں وہ ہمارے پاس بنگلور آئے تھے اور اکثر وقت پر وہ وہاں ہمارے ساتھ رہے اور واڑی تک جہاں سے حیدرآباد کو ریل پھرتی ہے وہ ہمارے ساتھ رہے۔ ان کی بیوی تمہاری بوا[۲۳] کی حقیقی بہن ہیں۔ ان سے آپ امروہہ میں اکثر ملتی رہی ہیں۔

اب یہاں یہ بات بہت ہی قابل غور مضمون تھا کہ ہمارے رشتہ داروں میں اور بھی اکثر قریب تر رشتہ داروں کا انتقال ہوا ہے لیکن وہ کیا خاص تعلق تھا جس کے لحاظ سے اس موقع پر جو میرے ساتھ ایک ہمدردی کے اظہار کا وقت تھا۔ محمد احمد اور مظہر اللہ[۲۴] کا ہی ساتھ کیوں ہوا۔

---

۲۳ مسز محمد احمد کی ساس یعنی والدہ صاحبہ مرحومہ محمد احمد سے مراد ہے۔

۲۴ یہ نواب وقار الملک کے چچا زاد بھائی اور مولوی حکمت اللہ صاحب اور مولوی صفت اللہ صاحب (علیگ) کے بڑے بھائی تھے۔ ریاست نظام میں مددگاری صدر عدالت صوبہ ورنگل پر فائز تھے، پنشن پر سبکدوش ہوئے ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳ ذی الحجہ یوم دوشنبہ کو بمقام امروہہ انتقال کیا اولاد نرینہ سے محروم رہے ان کے بڑے داماد مولوی عبدالقدیر صاحب مرحوم ریاست نظام کے سررشتہ عدالت سے پنشن پر سبکدوش ہوئے۔ انہی عبدالقدیر صاحب کے داماد مولوی شفیق احمد زبیری صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر حکومت صوبہ یوپی اب امروہہ میں اس خاندان کی واحد یادگار ہیں۔
(مؤلف)

اور بغیر زیادہ تامل کے فوراً میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ان دونوں کے ساتھ ہونے کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح محمد احمد مرحوم کے بعد آپ میری خوش قسمتی سے مجھ سے خوش رہی ہیں۔ اس طرح بھائی مظہر اللہ مرحوم کے انتقال کے بعد کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ ان کی بیوی بھی مجھ سے زیادہ خوش رہی ہیں اور ان دونوں کی خوشی کا دونوں کی روح پر یکساں اثر ہوا اور یکساں اثر کے ساتھ انھوں نے میرے ساتھ روحانی ہمدردی کا اظہار کیا۔ واللہ اعلم بالصواب

امید ہے کہ آپ اور سب خیریت سے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ زمانہ گویا قحط کا زمانہ ہے۔ اجناس قحط کے نرخ پر فروخت ہو رہے ہیں۔ بارش کی اشد ضرورت ہے۔ دو روز سے بادل آتے ہیں اور پھر ہوا ہو جاتے ہیں۔ خدا اپنے بندوں پر رحم کرے۔ ہمارے ہاں سال میں دو فصلیں ہوتی ہیں۔ خریف اور ربیع۔ خریف تو خراب ہو چکی ہے اور ربیع میں بھی بہت کچھ نقصان ہو چکا ہے تاہم اگر اب بھی بارش ہو جاوے تو قحط رک جاوے گا ورنہ نہایت سخت مصیبت کا سامنا ہوگا اور ایک مفلس ملک جیسا کہ ہندوستان ہے اس قسم کے مصائب کو مشکل سے برداشت کر سکتا ہے۔

(نواب صاحب کو حقوق العباد کا کتنا خیال تھا اور اپنی تقسیم جائداد میں کتنے منصف مزاج واقع ہوئے تھے۔ اس کا اندازہ مسز محمد احمد ہی کے موسومہ ان کے دوسرے خط سے کیجیے۔ مؤلف)

خط نمبر ۴۰۔ امروہہ۔ ۷ مارچ ۱۹۰۶ء

میں اب اپنے گزشتہ طویل خط کے سلسلہ میں آپ کو اس انتظام کا مالی نتیجہ بتلاتا ہوں جو میں نے تقسیم جائداد کا کیا ہے اور اس لئے کہ آپ کو سمجھنے میں آسانی ہو، پونڈ کا حساب لکھوں گا۔ یہ غالباً آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے حیدرآباد کے مکانات کئی سال سے خالی ہیں۔ البتہ ہمارا نو تعمیر مکان قلیل المقدار کرایہ پر اٹھ گیا ہے جس سے کوئی

(۷۰) پونڈ کے قریب گزشتہ سال میں وصول ہوئے ہیں۔ اس طرح میری سالانہ آمدنی جس میں مذکورہ بالا کرایہ اور دیہات دونوں کی آمدنی شامل ہے اس سال کی بابت جو ۳۰ ستمبر ۱۹۱۵ء کو ختم ہوا (۲۷۰) پونڈ تھی جس کو مجھے تقسیم کرنا تھا۔ اس کو اپنے شرعی ورثہ پر تقسیم کرتے وقت ایک لڑکی چھٹن جو پہلی بیوی سے اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی دوسری بیوی سے ہیں شرعاً میری جائداد میں دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو پہنچتا ہے اور مجھ کو شرعاً یہ اختیار ہے کہ اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ ایک ثلث اپنی حیثیت وصیت کے ذریعہ سے ان لوگوں کو دے دوں جو میرے بعد شرعاً بطور میرے متروکہ سے کچھ نہیں پا سکتے ہیں۔ اگر میں (۲۷۰) پونڈ میں سے پورا ایک ثلث علیحدہ کرتا تو لڑکے اور لڑکیوں کے واسطے بہت کم رہجاتا تھا۔ لہذا ایک ربع کے قریب میں نے وصیت کے واسطے محفوظ کر کے (۲۰۰) پونڈ سالانہ کو تقسیم کر دیا ہے جس میں سے (۵۰) پونڈ چھٹن کو پہنچے اور (۵۰) پونڈ چھوٹی لڑکی فاطمہ کو اور (۱۰۰) پونڈ مشتاق احمد کو۔ اس کے علاوہ (۶۶) پونڈ سالانہ کے قریب تمہاری بوا کی جائداد تھی جس میں سے نصف چھٹن کے قبضہ میں ہے اور نصف عزیز[۲۵] فاطمہ مرحومہ کی لڑکی مسرور[۲۶]ی کے پاس ہے اور میری دوسری مرحومہ بیوی کی متروکہ جائداد (۳۵) پونڈ سالانہ کے قریب ہے۔ اس میں سے دو ثلث مشتاق احمد کو اور ایک ثلث ان کی بہن فاطمہ کے مقبوضہ سمجھنی چاہئے، اور (۱۰) پونڈ سالانہ کی جائداد میری والدہ نے اپنی تینوں پوتیوں کو دی تھی۔

---

۲۵ عزیز فاطمہ صاحبہ نواب صاحب کی پہلی بیگم صاحبہ کی دوسری لڑکی تھیں جو مولوی صبغت اللہ صاحب مرحوم سے منسوب تھیں۔

۲۶ مسرور فاطمہ کی شادی حاجی محمد حبیب اللہ صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ) ساکن میرٹھ کے ساتھ ہوئی ہے جو برسوں کانپور کے ڈپٹی کلکٹر رہے اور اپنے عہدہ سے پنشن لے کر اب کانپور ہی میں سکونت گزیں ہیں۔ (مؤلف)

وہ ان کے قبضہ میں ہے اس طرح چھٹن کے پاس بالفعل سالانہ (۸۶) پونڈ ہیں اور مشتاق احمد کے پاس (۱۲) پونڈ وفاطمہ اس کی چھوٹی بہن کے پاس (۱۶۱) پونڈ۔ حیدرآباد کا ہمارا بڑا مکان اگر کرایہ پر اٹھ جاوے تو ان سب کی آمدنی میں اس کے بعد اضافہ ہو جاوے گا۔ میں تو یہ کوشش کر رہا ہوں کہ حیدرآباد کے مکانات فروخت ہو جاویں، فروخت کا اشتہار بھی دیا ہے۔ لیکن حیدرآباد میں اب مکانات کی اس قدر افراط ہو گئی ہے اور اس قدر زیادہ مکانات شہر کے باہر دور دور تک بن گئے ہیں کہ اب ان مکانات کی کچھ قدر و خواہش نہیں رہی اور جو لوگ خریداری پر آمادہ ہوتے ہیں وہ بہت کم قیمت لگاتے ہیں آئندہ دیکھئے خدا کو کیا منظور رہے بالفعل میں نے جائداد کو اس طرح تقسیم کر دیا ہے کہ چھٹن اور مسروری کی جائداد ایک جگہ ہو گئی ہے اور مشتاق احمد و فاطمہ کی علحدہ .... موجودہ مکانات میں نے سب مشتاق احمد اور فاطمہ کو دینا تجویز کئے ہیں اور چھٹن کے واسطے ایک علحدہ مکان بنانا چاہتا ہوں اور جب تک وہ تعمیر ہوگا تب تک وہ بدستور اسی قدیم مکان میں ہیں اور رہیں گی جس میں تمہاری بوا رہتی تھیں اور حتی الامکان کوئی نہ کوئی مکان مسعود[27] فاطمہ اور اور مسرور[28] فاطمہ کے نام بھی کر جانا چاہتا ہوں اگرچہ دعا تو یہی ہے کہ وہ اچھے شوہروں کو بیاہی جاویں اور شوہروں ہی کے پاس ان کو خوشی اور کامیابی سے رہنا نصیب ہو۔ مجھ کو اگر زمانہ نے مہلت دی اور موقع ملا تو مکان فاطمہ کے نام کا بھی علحدہ کر دوں گا تاکہ موجودہ زنانہ و مردانہ مکانات سب مشتاق احمد کے واسطے رہیں۔ کچھ معلوم نہیں کہ اس بچہ کی قسمت میں آئندہ کیا لکھا ہے اگر خدا کو منظور رہے تو اس (۱۲۲) پونڈ سالانہ میں باپ کی قائم مقامی کا بوجھ اس کو برداشت کرنا ہے اور یہ سب موجودہ مکانات کچھ اس

---

۲۷ مسعود فاطمہ بڑی لڑکی مشتاق فاطمہ صاحبہ کی لڑکی اور نواب صاحب کی نواسی تھیں۔

۲۸ وہی نواسی جس کو مسروری کے نام سے اوپر یاد کیا گیا ہے۔ (مؤلف)

طرح واقع ہوئے کہ ان سب کا ایک ہی کے پاس رہنا مناسب ہوگا اور یہ میں ضرور ملحوظ رکھنا چاہتا ہوں کہ مکانات کی قیمت کی مساوات ہر ایک حصہ کے بقدر قایم رہے دو باغوں میں سے شمالی بڑا باغ بالفعل میں نے مشتاق احمد اور اس کی بہن سے متعلق کر دیا ہے اور جنوبی باغ جو مراد آباد جانے والی پختہ سڑک پر ہے وہ میں نے چھٹن اور مسعود فاطمہ اور مسرور فاطمہ کو دیدیا ہے اور قیمت کی مساوات کا خیال میں دوسری طرح کروں گا .... اب میں چند مہینے تک اس تقسیم کے نتیجہ کو چھٹن اور مشتاق احمد اور فاطمہ کے اندرونی اور بیرونی انتظاموں کو چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں اور ان کو صلاح و مشورہ دیتا ہوں - چند مہینے میں جب مجھ کو اطمینان ہو جاوے گا کہ سب ٹھیک ہے تب میں وصیت نامہ کے ذریعہ سے اس کو قانونی طور پر مکمل کر دوں گا انشاءاللہ تعالیٰ .... منقولہ جائداد کی نسبت جس میں کہ معمولی کپڑوں کے علاوہ کچھ فرنیچر ہے اور کچھ کتابیں ہیں میں نے ابھی کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھا - اپنا الماسی انگوٹھی میں نے مکہ معظمہ جاتے وقت فروخت کر دیا تھا - ایک سُنہری گھڑی ہے یہ وہ ہے جو نواب سر آسمان جاہ نے عنایت فرمائی تھی - اس پر اُن کا اور میرا نام کندہ ہے - وہ میں مشتاق احمد کو دوں گا اور اس کا کچھ بدل دوسروں کو[29] - اپنے ہتھیار عرصہ ہوا جو میں حیدر آباد کو بھیج چکا ہوں -

(مسز محمد احمد ہی کے موسومہ ایک دوسرے خط کا فقرہ ملاحظہ ہو جو پہلی جنگ عظیم کے زمانہ میں کوہ منصوری سے لکھا گیا تھا - مخفی نہ رہے کہ نواب وقار الملک بوجہ ضعیفی اب خطوط زیادہ تر اپنے پرائیویٹ سکریٹری سے لکھوانے لگے تھے - مؤلف)

---

۲۹ چونکہ خط کے اس حصہ میں انشاءاللہ تعالیٰ کے الفاظ چھوٹ گئے تھے اس لئے گھڑی کے متعلق خدا نے نواب صاحب کی یہ خواہش پوری نہیں فرمائی اور وہ گھڑی بمقام علی گڑھ کالج کے آنریری سکریٹری شپ کے زمانہ میں گم ہو گئی - (مؤلف)

خط نمبر ۱۳ - یکم اکتوبر ۱۹۱۴ء

یورپین جنگ نے تو ہمارے کیا بلکہ تمام جہان کے منصوبے درہم برہم کر دئے ہیں - بازاریں یا بینکوں ہیں اور خزانوں اشرفیوں کا اب چلن نہیں رہا روپیہ بھی مشکل سے ملتا ہے - تمام کاروبار کرنسی نوٹوں میں ہو رہا ہے اور بازاریں نوٹوں پہ بھی بٹہ لگتا ہے - یہ حالت تو ابتدا سے جنگ کی ہے - اگر خدانخواستہ جنگ نے زیادہ طول کھینچا تو اس وقت معلوم نہیں کہ کیا حالت ہوگی -

مظالم وغیرہ جن کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے اور جن کو اخبارات بلند آواز سے بیان کر رہے ہیں اُن سے دل کانپ تے ہیں لیکن غالباً یوروپ ابھی ان مظالم کو بھولا نہ ہوگا جو طرابلس اور بلقان میں اس سے زیادہ اور بہت زیادہ مسلمانوں پر ہوئے اور اس وقت جبکہ انگلستان جنگ میں مصروف ہے مناسب نہیں کہ اس باب میں عام طور پر کچھ لکھا پڑھا جائے، مگر دنیا بھر کے مسلمانوں کو یورپین سلطنتوں اور خصوصاً انگلستان سے یہ شکایت ہے کہ اس نے مظالم کی نسبت کچھ توجہ نہ کی اور آج بلجیم اور فرانس کے عہد ناموں کی طرف جس قدر توجہ کی جاتی ہے اس سے دسواں حصّہ بھی طرابلس اور بلقان کے عہد ناموں پر توجہ نہ کی گئی اور حقیقت میں تمام یورپین سلطنتوں کے اتفاق سے مسلمانوں پر آفتیں ٹوٹیں - مسلمان جو اپنے تمام مصائب کے وقت میں صرف خدا سے انصاف کے طالب تھے اب کہتے ہیں کہ یوروپ پر جو مصیبت آئی انہیں مظالم اور ناانصافیوں اور بدعہدیوں کا نتیجہ ہے - جو یوروپ نے مسلمانوں کے ساتھ برتیں اور یہ جو کچھ اب ہو رہا ہے خدا کی طرف سے ہے با ایں ہمہ ہندوستان کی طرف سے جو مدد حال کی جنگ میں گورنمنٹ کو دی جا رہی ہے وہ ایک فرض ہے جو ہندوستان کے مسلمان اور ہندو دونوں مذہبوں کی رعایا پر ان کے مذہبی احکام کی رو سے عائد ہوتا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس وقت میں ہندوستان نے اپنے اس فرض کا پورا خیال رکھا ہے - ابھی

اطلاع ملی ہے کہ ہز ہائی نس نظام نے علاوہ فوجی مدد کے ساٹھ لاکھ روپیہ فوجی خرچ کے واسطے بطور پہلی قسط کے دئے ہیں اور بے شک بہ حیثیت سب سے بڑے ہندوستانی والی ملک کے ان کو ایسا ہی کرنا چاہئے تھا اور جبکہ ہندوستان کے فرزند انگلستان کے فرزندوں کے دوش بدوش توپوں اور سنگینوں کے سامنے اپنا مقدس فرض ادا کر رہے ہیں یقین ہے کہ انگلستان کے باا ثر منتظم گوارا نہ کریں گے کہ ان کے بہت سے ہوٹلوں اور کلبوں وغیرہ میں یہ شرمناک بندشیں آئندہ بھی قایم رکھی جاویں کہ وہ صرف انگریزوں کے لئے ہیں اور ہندوستانیوں کا داخلہ ان میں ممنوع ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے نازک موقع پر ترکی ڈوڈ نالوں کے روک لینے میں مدبرین انگلستان نے کیا مصلحت سوچی ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ زبردستی ٹرکی کو جرمنی کے منہ میں ڈھکیلا جاتا ہے۔ مجھ کو یقین ہے کہ میرے اس صاف صاف بیان پر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

(اسی سلسلہ کے ایک دوسرے خط کا فقرہ پڑھئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۴۲۔ .... ایمڈن [نمبر ۳۰] نے ہندوستان کے سواحل پر جو نقصانات پہونچائے ہیں وہ تعجب کے قابل ہیں اور تازہ تر ڈر جو پیدا ہوا ہے وہ ٹرکی کی رفتار سے ہے۔ خدانخواستہ اگر ٹرکی اس جنگ میں مبتلا ہوا تو ہم لوگوں کو یعنی مسلمانوں کو اس ملک میں بہت زیادہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ ایک طرف تو ٹرکی سے ہمارا مذہبی تعلق ہے اور دوسری طرف ہم انگلش گورنمنٹ کی رعایا ہیں اور ایسے لوگ یہاں بہت کم ہیں جو ان دونوں فرائض میں فرق کریں حالانکہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ہندوستان کے مسلمان فرائض کا جدا جدا خیال رکھیں۔

نمبر ۳۰ یہ ایمڈن جرمنی کے اس جہاز کا نام ہے جس نے پہلی جنگ عظیم میں انگلستان کے بیڑہ کے باوجود بڑی بے جگری کے ساتھ بحر ہند میں داخل ہو کر ہمارے ساحلی مقامات پر گولہ باری سے شدید نقصان پہونچایا تھا۔ مؤلف۔

(ہمارے ماحول اور گھروں میں رہ کر ایک انگلش لیڈی پر اسلامی تہذیب و تمدن اور رسم و رواج کا کیا اثر پڑا اس کا اندازہ اس "معذرت" سے ہوگا جس کے مطابق مسز محمد احمد نے عمل کیا اور جو ہمارے کاغذات میں سے برآمد ہوئی ہے اور اب درج کی جاتی ہے ظاہر ہے کہ ان کی تحریر کا یہ ترجمہ ہے۔ مؤلف)

ایک معذرت جنٹل بہنوں کی خدمت میں ....

جو دلی محبت میرے عزیز خاوند کے والدین اور دوسرے قریب کے رشتہ داروں اور دوستوں نے باوجود اس بعید اختلاف کے جو میرے اور ان کے قوم اور مذہب اور ملک میں تھا میری نسبت ظاہر کی ہے اور جس کا ایک قدرتی جوش اور اثر میرے دل میں ہے اس کے لحاظ سے میں نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ جن لوگوں نے میرے ساتھ اس قدر محبت کا اظہار کیا ہے اور میری خوشی کو انہوں نے اپنی خوشی پر مقدم کر دیا ہے میں ان کے خاندانی رسم و رواج کا پاس و لحاظ رکھوں اور اس لئے ہندوستان پہونچنے کے بعد سے میں نے اپنے طرز معاشرت میں ایک تھوڑی ترمیم کر دی ہے اور جینٹل مینوں سے عام ازاین کہ وہ میری قوم اور ملک کے ہوں یا میرے خاوند کے قوم اور ملک کے اور جن سے میرے خاوند کی مستورات اپنے خاندانی رسم و رواج کے بموجب بے تکلف ملاقات اور بات چیت سے احتیاط کرتی ہیں میں بھی اس احتیاط میں ان کی تقلید کروں اور اس لیئے ان سب جینٹل مینوں کی خدمت میں جن کی ملاقات کی خوشی سے اس طرح پر میں محروم رہ گئی ہوں اپنی دلی معذرت پیش کرتی ہوں۔ اور مجھ کو امید ہے کہ وہ تمام جینٹل مین میری موجودہ حالت پر نظر تعمق غور فرمانے کے بعد میری اس معذرت کو مہربانی سے قبول کریں گے مگر اسی کے ساتھ مجھ کو معزز لیڈیز کی مہربانی سے یہ امید ہے کہ اس طرح پر جو نقصان مجھ کو میری خوشی میں پہونچے گا اس کی تلافی معزز لیڈیز کی مہربانی اور محبت سے ہوتی رہے گی۔

(اب ہم نواب وقار الملک کا وہ خط پیش کرتے ہیں جو انہوں نے مسز محمد احمد کو حج کے بعد عرب کے حالات کے متعلق تحریر کیا تھا۔ حج آپ ہم سبھی کرتے ہیں اور بعض اوقات بڑی مفید اور کار آمد کتابیں اس پر لکھی جاتی ہیں۔ نواب صاحب بھی حاجی تھے لیکن اگرچہ کہ اس موضوع پر کسی کتاب کے لکھنے کی ان کو فرصت نہ مل سکی پھر بھی ان کی دو تحریروں سے جو آگے آتی ہیں ان کی وسعت نظر کا اندازہ ہوگا۔ ملک حجاز پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا اصل مسودہ جو بلا کسی کاٹ چھانٹ کے مسلسل ایک ہی سیاہی کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے صاف بتلا رہا ہے کہ یہ مضمون بیک نشست اور قلم برداشتہ لکھا گیا ہے۔ چنانچہ اس خط کے ابتدائی الفاظ سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ نواب صاحب کی مخاطب ان کی بہو ایک عیسائی خاتون تھیں۔ مؤلف)

خط نمبر ۳۴۔ امروہہ ۲۶ مئی سنہ ۱۹۰۴ء

مائی ڈیر شا ولی۔ .... آپ کو خط لکھتے وقت مجھ کو اپنے سفر عرب کے متعلق کچھ لکھنے کی فرصت نہ تھی مگر ابھی وقت ہے کہ ابسی ڈاک سے آپ کی فرمایش پوری کردوں۔

عرب بجز چند شہروں مکے اور مدینہ وجدہ کے باقی ایک ویران ملک ہے۔ مکہ کی آبادی دو لاکھ آدمیوں کی ہے اور مدینہ کی تقریباً ایک لاکھ۔ جدہ جو بندر ہے پچیس تیس ہزار کی آبادی ہے۔ ان تینوں بڑے شہروں میں تجارت کا پیمانہ بہت اعلیٰ ہے مفصلات میں سڑکوں کا کہیں نام نہیں ہے۔ البتہ کوہستان کی وجہ سے زمین مضبوط ہے اور بے تکلف سڑکوں کا کام دیتی ہے۔ ہوا خوش گوار ہے۔ پانی مکہ معظمہ و مدینہ میں بہت عمدہ اور افراط سے ہے اور باقی ملک میں اچھا پانی زیادہ فاصلہ پر ملتا ہے۔ منزلوں پر بڑے بڑے کنویں بہت پرانے وقتوں کے اور اکثر ابتدائے اسلام کے بنے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے بڑے ہیں کہ بیس بیس ہزار اونٹوں اور ان کے سواروں کو ایک

وقت میں ان سے پانی ملجاتا ہے۔ کھجوریں، انار، انگور، تربوز وہاں بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ شہری عرب نہایت خوش لباس اور خوش خوراک ہیں اور بہت مہمان نواز ہیں اپنے مکانات کو نہایت خوش اسلوبی سے درست رکھتے ہیں۔ غلامی کا بدنما دھبہ اس وقت تک اس ملک پر ہے لیکن غلام جس آزادی اور عزت اور مساوات کے ساتھ وہاں رکھے جاتے ہیں اس کی کوئی تعریف نہیں ہوسکتی۔ ہم اپنے عزیز رشتہ داروں کے ساتھ بھی وہ برتاؤ نہیں کرتے جو عرب اپنے ملازموں کے ساتھ کرتے ہیں۔ بایں ہمہ اس رسم کو مذموم ہی قرار دیتا ہوں۔ اور یہ اسلام کا قصور نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا۔ اگر راستے ایسے پرخطر نہوتے جیسے کہ وہ ہیں تو عرب کی سیاحت مسافر کے لئے دلچسپی سے خالی نہوتی اور اب تو جو کچھ ہے صرف مذہبی خیالات کی بنیاد پر ہے۔ البتہ پانچ چھ برس بعد جبکہ عرب کی ریلوں کا سلسلہ قسطنطنیہ تک مکمل ہوجاوے گا سفر کی موجودہ مشکلات بہت زیادہ رفع ہوجاویں گی۔

خاص بات جو مجھ کو بہت زیادہ پسند آئی وہ یہ ہے کہ عورتوں کی حالت وہاں ہمارے ملک کی بہ نسبت بہت زیادہ ترقی پر ہے۔ لباس پردہ کے ساتھ جس میں وہاں کی ملازمہ عورتیں بھی گھروں کے باہر ملبوس دیکھی جاتی ہیں ہر ایک شریف سے شریف بیوی بھی آزادی کے ساتھ باہر آتی جاتی ہیں۔ مسجدوں میں پانچوں وقت آکر نماز میں شریک ہوتی ہیں۔ جہاں بڑی بڑی مسجدوں میں ان کے لئے ایک قطعہ جالی کے ذریعہ سے خاص کردیا جاتا ہے۔ بازاروں میں وہ بے تکلف آتی جاتی ہیں۔ دوکانوں پر سودا خرید کرتی ہیں لیکن ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی نظر نہیں آتا۔ جب وہ کسی مقام سے گزرتی ہیں تو مردان کا بہت لحاظ کرتے ہیں۔ شرع اسلام نے ان کو جو حقوق مقرر کئے ہیں اُن سے وہ بخوبی متمتع ہوتی ہیں۔ اگر کوئی مرد اُن کے حقوق کو دینے میں بخل کرتا ہے تو بسا اوقات وہ خود قاضی کے سامنے چلی جاتی ہیں۔ اور قاضی ان کے حقوق جبراً نافذ کرادیتا ہے یہاں

تک کہ بعض اوقات یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ ہم کو طلاق دلوادی جائے اور اگر قاضی کو یقین ہوجاتا ہے کہ درخواست واجبی وجوہ پر مبنی ہے تو وہ شوہر کو مجبور کرتا ہے کہ طلاق دے ورنہ وہ اس کو جیل بھیج دیتا ہے جب تک کہ وہ حکم کی تعمیل کرے اور بدچلنی کے علاوہ اور متعدد وجوہ اس کے لئے ہوسکتی ہیں جن میں بدون رسوائی کے عدالت المجاز فیصلہ دیتی ہے۔ زوجہ کبھی دعویٰ کرتی ہے کہ میں شوہر کے کنبہ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ میرے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کرادیا جائے یا شوہر مجھ کو میرے کنبہ والوں سے ملنے کی اجازت نہیں دیتا۔ قاضی ان سب شکایتوں کو سنتا ہے اور ان کو حکماً رفع کرتا ہے۔ بیوہ اپنے مال منقولہ اور غیر منقولہ کی خود مالک ہے جس طرح چاہے اس کی نسبت عمل کرے شوہر کو مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہمارے ملک کی بیویاں انگریزی قانون کی وجہ سے اپنے بہت سے حقوق کے واسطے عدالت میں چارہ جوئی کرہی نہیں سکتیں اور ہمارے ملک میں جو عورتوں کے حقوق کا پیمانہ بظاہر مردوں کے مساوی نہیں دکھلائی دیتا اس کے لئے زیادہ تر ہمارے موجودہ قوانین ذمہ دار ہیں۔

تمام ملک میں کہیں برائے نام فسق و فجور بالاعلان دکھلائی نہیں دیتا۔ کوئی منشی چیز بازاروں میں فروخت نہیں ہونے پاتی۔ افیون کی فروخت کے لئے سخت قیود ہیں۔ گھروں کے اندر کا حال خدا کو معلوم ہے لیکن باہر بدکاری کی طرف توجہ ہونے کی ترغیب انسان کے لئے وہاں موجود نہیں ہے۔

(چونکہ حجاز اور وہاں کے حالات کا ذکر ہے اس لئے اب نواب وقار الملک کا وہ خط ملاحظہ فرمائیے جو انہوں نے حج کے زمانہ میں شیخ الحرم مدینہ منورہ کو حجاز ریلوے کے بارے میں لکھا تھا۔ مؤلف)

خط نمبر ۴۴ — مدینہ منورہ — ۱۴ محرم ۱۳۲۲ھ [31] شنبہ

بعالی جناب شیخ الحرم مدینہ منورہ — سرزمین عرب مقدس میں پہنچنے کے بعد جو سخت

---

[31] مطابق یکم اپریل ۱۹۰۴ء۔ مؤلف

مشکلات اور کثیر مصارف عازمان حرمین شریفین کو لاحق ہوتے ہیں ان کے لحاظ سے جب سے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے حجاز حمیدی ریلوے کا نام سنا ہے وہ بے تابی کے ساتھ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب کہ وہ ریلوے سلسلہ تکمیل کو پہونچے اور مثل دیگر بلاد کے ہندوستان میں بھی اس کے واسطے چندہ جمع ہوا ہے۔ لیکن بسا اوقات لوگوں کو اس میں شبہ ہو جاتا ہے کہ آیا فی الحقیقت کوئی ایسا سلسلہ ریلوے زیر تعمیر ہے اور اگر ہے تو آیا کسی قریب زمانہ میں حرمین شریفین تک اس کے پہونچنے کی توقع کی جاسکتی ہے اور جو شبہات کہ اس طرح ناشی ہوتے ہیں ان سے چندہ کی کارروائی میں خلل واقع ہوتا ہے اور حکومت سینۂ عثمانیہ کے جرائد جو اس سلسلہ کی بہ نسبت وقتاً فوقتاً کچھ لکھتے رہے ہیں ان کا اثر بوجہ اختلاف زبان وقلت اشاعت ہندوستان میں کافی طور پر نہیں ہوتا۔ نظر بحالات صدر ایک ایسے وقت جبکہ خوش قسمتی سے مجھ کو اس وقت حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا شرف حاصل ہے میں نے اس امر کو اپنے لئے ایک اہم دینی خدمت خیال ہے کہ مذکورۂ بالا سلسلہ میں جناب عالی کی توجہ چاہوں۔ احقر بہت ادب کے ساتھ ذیل میں چند امور بطور سوالات کے عرض کرنے کی عزت حاصل کرتا ہے اور امید ہے کہ ان سوالات کا جو جواب جناب عالی کی طرف سے مجھ کو اپنے ذاتی علم اور دفتری آگہی سے لطف فرمایا جاوے گا وہ تمام اہل اسلام کے حق میں کافی طور پر تسکین بخش ہوگا۔ جناب عالی عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں گے اور یہ بھی قابل عرض ہے کہ جو جواب جناب عالی کی طرف سے ملے وہ ہندوستان کے جرائد میں مسلمانوں کی عام آگہی و اطمینان کی غرض سے عام طور پر شائع کیا جاوے گا۔

اول:۔ دمشق سے جہاں سے یہ کام شروع ہوا ہے مدینہ منورہ تک اور بطور شاخ کسی بندر وغیرہ کی طرف اس وقت کس قدر میل ریلوے سلسلہ بالکل مکمل ہو کر اس پر آمد و رفت ہو رہی ہے اور یہ کام کس قدر عرصہ میں انجام کو پہنچا۔

دوم - شامی قافلہ جو امسال حج و زیارت کے واسطے آیا اس نے کس قدر مسافت ریلوے پر طے کی اور اب واپسی کے وقت کس قدر ریلوے پر طے کرے گا -

سوم - مدینہ منورہ تک کس قدر اور مسافت باقی ہے اور کب تک جناب عالی کی دانست میں وہ سلسلہ مدینہ منورہ تک پہونچے گا -

چہارم - اس کے بعد مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک اور جدّہ تک اس سلسلہ کے پہونچنے تک کس قدر عرصہ تخمیناً درکار ہوگا -

پنجم - چندہ کا روپیہ جو صدر مجلس قسطنطنیہ میں بھیجا جاتا ہے جناب عالی کے علم و یقین میں آیا وہ ٹھیک طور پر ریلوے کے کام میں صرف ہوتا ہے -

خاکسار

مشتاق حسین

متوطن مقام امروہہ - ہندوستان

(اس سفر حج کے موقع پر نواب صاحب کی ساتھ کی مرغیوں کا جو واقعہ پیش آیا وہ حسب ذیل خط سے واضح ہوگا جو حاجیوں کے جہاز کے ناخدا کا موسومہ ہے - مؤلف)

خط نمبر ۲۵ - کامران قرنطینہ کمپ - ۲۹ جنوری ۱۹۰۴ء

مائی ڈیر کپتان صاحب - آج میں اپنے نوکروں کی ایک غلطی کی وجہ سے سخت متاسف ہوں - میرے ملازم اپنے مرغ جو ساتھ ہیں وہیں جہاز پر چھوڑ آئے اور کسی کو اُن کا ذمہ دار نہیں کر آئے جس سے ان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اور مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اور لوگوں سے بھی یہی غلطی ہوئی ہے - لہذا میں چار روپیہ خدمت میں بھیجتا ہوں اور بہت مشکور ہوں گا اگر آپ مہربانی سے بٹلر وغیرہ کو یہ ایما فرما دیں کہ جس قدر جانور بھی وہاں اس طرح بلا ذمہ داری کے پائے جاویں اُن کے کھانے اور میٹھے پانی کی خبر رکھیں اور یہ چار روپیہ بھی بطور معاوضہ ان کی خدمت کے ان کو آپ دے دیں اور اگر آپ کے

نزدیک یہ معاوضہ کم ہو تو جہاز پر آنے کے بعد میں خوشی سے اس کا تکملہ کر دوں گا۔

خادم

مشتاق حسین

فرسٹ کلاس مسافر گلف موسومہ

قرنطینہ کامران

(آئیے اب وقار الملک کو ایک پڑوسی کی حیثیت سے دیکھیں۔ جو واقعہ اب درج کیا جاتا ہے وہ میرے بہنوئی مولوی صبغت اللہ صاحب کا چشم دید ہے اور انہوں نے جن الفاظ میں اس کو مجھ سے قلم بند کروایا تھا انہیں الفاظ میں پیش ہے۔ مؤلف)

نواب صاحب کے بڑے زنانہ مکان کی آبچک منہیاروں[۳۲] کی طرف واقع تھی ایک دن نواب صاحب کے جمعدار نے مجھ کو اطلاع دی کہ ان منہیاروں نے اس آبچک میں مداخلت کر کے اپنے ایک کمرہ کی دیوار اس میں کھڑی کر لی ہے اور فوراً نالش کرنے کی رائے دی۔ نواب صاحب اس زمانہ میں علی گڑھ میں مقیم تھے۔ میں نے ذریعہ خط اس کی اطلاع دی اور جمعدار کی طرف سے لکھا کہ عدالت میں مقدمہ دایر کرنے کی اجازت دی جاوے۔ وہاں سے جواب آیا کہ میں موقع دیکھنے کے بعد ہی رائے قائم کر سکوں گا۔ اس لئے میرے آنے تک نالش وغیرہ دائر نہ ہو۔ پھر جب نواب صاحب امروہہ تشریف لائے تو جمعدار اور کارندہ دونوں نے میری موجودگی میں نواب صاحب سے موقع معائنہ کرنے کے لئے عرض کیا۔ چنانچہ مجھے بھی ہمراہ لے کر نواب صاحب نے وہ جگہ دیکھی تو صاف نظر آیا کہ واقعی جو جگہ آبچک کی تھی اس میں دیوار بنا کر کمرہ تعمیر کیا گیا ہے۔ اور فوراً میں نے بھی مقدمہ دائر کرنے کی رائے دی۔ مگر نواب صاحب خاموش ہو گئے۔ اور مردانہ مکان میں واپس آن کر جمعدار کو حکم دیا کہ حیات[۳۳] بخش مستری کو

---

۳۲ یہ پیشہ ور مسلم طبقہ امروہہ میں چوڑیاں فروخت کرنے کا کاروبار کرتا ہے اور عموماً ناخواندہ ہے۔

۳۳ یہ وہ صاحب تھے جن کے ہاتھ پر ہمارے مکانات تعمیر ہوئے اور ساری سالانہ مرمت وغیرہ انہیں کے سپرد تھی۔ (مؤلف)

بلاؤ- وہ آئے تو اُن کو ہدایت فرمائی گئی کہ اس بڑے زنانہ مکان کی چھتوں کا ڈھال بجائے آبچک کے صحن مکان کے اندر کو کر لیا جاوے اور اسی طرف کو سب پرنالے لگا دئے جاویں اور ہم سب کے اعتراض کرنے پر فرمایا کہ غلطی ان کی ضرور ہے مگر وہ ہمارے پڑوسی ہیں- زمین ہی کتنی سی ہے- لیکن اگر منہیار کی عمارت گرا دی گئی تو کتنا بار اس غریب پر پڑ جاوے گا- میری آراضی تو صرف چند گز کی ہے- لہذا مکان کی ساری چھتوں کا ڈھال اندرونی صحن کی طرف کروا لیا گیا اور منہیار صاحب کی زبردستی کی عمارت جوں کی توں اپنی جگہ برقرار رہنے دی گئی-

(چونکہ پڑوسی کے ساتھ نواب صاحب کے تعلقات کا تذکرہ ہے اس لئے ان کے ایک دوسرے پڑوسی مولوی سید منتظم خاں صاحب مرحوم کی موسومہ ایک تحریر بھی اس جگہ پیش ہے- اس موقع پر خانصاحب موصوف کی تھوڑی سی آراضی جو اپنے مکان سے ملحق ہے نواب صاحب خریدنے کے خواہشمند ہیں- موجودہ زمانہ کے تلخ و تند لہجہ سے ان گزرے ہوئے سنہری دنوں کی تہذیب و شائستگی کا مقابلہ کیجئے- مؤلف)

جناب خان صاحب و قبلہ سلامت- تسلیم-

نمبر ۶۶ بیعنامہ کا مسودہ مرسل ہے- قیمت کی جگہ اس میں خالی ہے- اس نواح کی رسم کے مطابق یا جو مرضی مبارک ہو اس کو درج فرما دیجئے تاکہ میں بطور نذرانہ اس کو پیش کر دوں کیونکہ ثمن کا لفظ زبان پر لانا فی الجملہ سوء ادبی ہے اور صرف ضرورتاً دستاویز میں یہ لفظ لکھا گیا ہے- زبانی بھی میں نے اس باب میں عرض کیا ہے اور جیسا کہ آپ کا ارشاد تھا اس کی تعمیل کر چکا ہوں- آپ ملاحظہ فرمالیں کہ بنیا دتیار ہو گئی ہے، اینٹیں آ گئی ہیں- گارے کے لئے مٹی تیار ہے صرف آپ کی عنایت کی دیر ہے- جبکہ آپ نے مہربانی سے یہ فرما دیا کہ یہ زمین متروکہ میں شامل ہے اور موقوفہ کی جواب دہی اس سے متعلق نہیں ہے- تو میں نے بہت سوچا کہ باقی قطعہ کے متعلق دوسرا کونسا امر مانع باقی رہتا ہے لیکن میری سمجھ

میں کچھ نہیں آتا ۔ اس وقت چھت کی دیوار بنانے میں کم و بیش سو روپیہ خرچ ہوتے ہیں اس کے بعد اگر بقیہ قطعہ آپ نے کسی دوسرے وقت مہربانی سے عنایت بھی فرمایا تو یہ سو روپیہ اور وقت کی یہ زحمت بے کار جاوے گی پس اگر آپ مہربانی سے اس معاملہ پر غور فرما ویں تو میں ممنون ہوں گا اور قیمت یا معاوضہ زمین ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات کا منظور فرمانا آپ کی مرضی ہے ۔ پہلی صورت میں کفالت اور تمسک میرے ذمہ ہوگا اور دوسری صورت میں کفالت مستقل ہونی چاہیئے ۔ المرقوم ۱۸ محرم ۱۲۹۶ھ ہجری ۔

(میری اس خواہش پر کہ ابا جان کی زندگی کے کچھ اور سبق آموز واقعات جو آپ کے چشم دید ہوں بیان کیجئے مولوی صبغت اللہ صاحب مرحوم نے جو کچھ فرمایا وہ انہی کے الفاظ میں سنئے ۔ مؤلف)

(۱) ایک مرتبہ میں نواب صاحب اور منشی عبدالغنی صاحب مرحوم ان کے کارندہ یکجا تھے جو کوئی سید صاحب ملنے کو آئے ۔ کرسیاں اتفاق سے وہاں کم تھیں ۔ نواب صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ آدمی کو بلاؤ کرسی لائے اس پر میں نے کہا کہ آدمی تو عبدالغنی صاحب بھی موجود ہیں ۔ اس پر نواب صاحب اس وقت خاموش ہو گئے مگر سید صاحب کی واپسی پر مجھے روک لیا اور بولے کہ میرا مطلب ملازم سے نہ تھا ۔ خدمت گار سے تھا ۔ یہ خدمت گار تو نہیں ہیں مگر عبدالغنی صاحب خود ہی کرسیاں لا چکے تھے ۔

(۲) میں حقہ پیا کرتا تھا مگر نواب صاحب سے یہ بات چھپاتا تھا ۔ ایک دن لوگوں کے جانے کے بعد نواب صاحب نے حکم دیا کہ حقہ لاؤ ۔ میں حیران کہ حقہ کیسا اور اب کس کے لئے ۔ بہر حال حقہ آیا تو ملازم سے کہا کہ اس کو رکھ دو اور جاؤ ۔ جب وہ چلا گیا تو حقہ کو میری طرف بڑھایا اور فرمایا کہ جھوٹ مت بولنا ۔ کیا تم حقہ نہیں پیتے ۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو بولے پھر پیؤ اور آئندہ سے میرے گھر کے حقہ کا انتظام تمہاری نگرانی میں دیا جاتا ہے ۔

(چونکہ حقّہ کا ذکر ہو رہا ہے اس لئے حقّہ ہی کے بارے میں ایک اور بیان بھی اس جگہ پڑھ لیجئے مولوی حسین احمد زبیری صاحب مصنف کتاب "خاندان کنبوی زبیری" اور "الزبیر" وغیرہ وغیرہ ساکن میرٹھ فرماتے ہیں کہ اپنی دوسری بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد نواب صاحب نے تیسری "شادی میرٹھ میں خاندان میں کی تھی - یہ ۳ر مئی ۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے - یہ بی بی میری نانی جنا کی خالہ زاد بہن اور علی گڑھ کے مشہور کھلنڈرے" شفقت دی بولڑ کی علاتی بہن تھیں - ان کو ہم ماسی جان کہا کرتے تھے - مجھ کو اس شادی کے بعد اُن کے لانے کے لئے امروہہ بھیجا گیا میری عمر اس وقت سولہ (۱۶) سال کی ہو گی - ریل مغرب کے قریب امروہہ پہونچی - اسٹیشن پر نواب صاحب کی گاڑی موجود تھی - گاڑی میں بیٹھ گیا - میرے ماموں مولوی سلیم اللہ خاں صاحب امروہہ میں نائب تحصیل دار تھے - ماسی جان ان کی خالہ تھیں - میں نے اپنے لڑکپن کی وجہ سے گاڑی بان کو نائب صاحب کے ہاں چلنے کو کہا اور وہاں پہونچ گیا - وہ مکان کی تیسری منزل پر رہتے تھے - میں پہونچا - دسترخوان بچھ گیا اور ہم کھانے میں مشغول ہو گئے - جب خالی گاڑی مکان پر پہونچی اور نواب صاحب کو واقعہ کا علم ہوا تو وہ اسی گاڑی میں بیٹھ کر میرے جائے قیام پر تشریف لے آئے - اگرچہ ان کی ٹانگوں میں درد تھا - مگر انھوں نے زینہ طے کیا اور سہ منزلہ پر پہونچ کر انتہائی خاموشی کے ساتھ ہمارے برابر فرش پر بیٹھ گئے - اب جو نظر کرتے ہیں تو نواب صاحب تشریف فرما ہیں، سخت شرمندگی ہوئی - بہرحال ان دونوں بزرگوں میں سلسلہ گفتگو ہوتا رہا - کھانا کھانے کے بعد نواب صاحب اپنے ہمراہ مجھ کو لے کر اپنی کوٹھی پر تشریف لے آئے اور اوپر جاکر میز لگانے کا حکم دیا - کھانا چنا گیا اور مجھ سے کھانے کے لئے ارشاد ہوا - عرض کیا گیا کہ آپ کے سامنے ہی کھانے سے فارغ ہو کر آیا ہوں خاموش ہو گئے - اب آموں کی باری آئی ایک ایک آم کی تعریف کرتے جاتے اور میرے انکار پر بھی قاشیں مجھ کو دی جاتی رہیں - کھانا ختم ہو چکا تو ملازم کو حکم ہوا حقّہ لاؤ - میں سمجھا شاید خود پیتے ہوں گے مگر جب حقّہ آیا تو مجھ سے

کہا کہ حسین احمد پیو۔ شاید بیگم صاحبہ سے دریافت کر لیا ہوگا، جب گھبرا کر میں نے عرض کیا کہ میں نہیں پیتا ہوں تو مسکرائے اور ارشاد فرمایا کہ میں حکم دیتا ہوں اب کیا چارہ تھا۔ ایک کش لگایا۔ خود اُٹھ کر نیچے چلے گئے اور میرے لئے پلنگ و بستر بھجوایا نوکر کو حکم ملا کہ حقّہ پلنگ کے پاس لاکر رکھ دو۔ پھر وہ تشریف لے گئے اور میں حقہ پی کر سو گیا۔ غافل سو رہا تھا کہ سینہ پر ہاتھ کا ایک ہلکا سا بوجھ محسوس ہوا اور اسی کے ساتھ نواب صاحب کی آواز میں الصلوٰۃ خیرٌ من النوم کی صدا میرے کانوں میں آئی۔ میں پلنگ سے کود کر زمین پر کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے میٹھی موٹی میرے اوسان جب ذرا درست ہوئے تو ارشاد ہوا کہ میں نماز پڑھ چکا ہوں جا نماز بچھی ہوئی ہے پانی وہ رکھا ہوا ہے۔ بیت الخلا اس طرف ہے۔ اس قدر فرما کر وہ تشریف لے گئے اور میں نے حسب ہدایت عمل کر کے نماز پڑھی۔ حقہ پینے کا یہ واقعہ جب کبھی مجھ کو یاد آتا ہے اور اس وقت کی اپنی حالت کا تصوّر کرتا ہوں تو نواب صاحب کی حقیقی عظمت میری نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اسی ایک واقعہ سے ظاہر ہے کہ نواب وقار الملک بہادر کی نظر کس قدر دور رس تھی اور وہ اپنے چھوٹوں کے جذبات کا کس درجہ خیال رکھتے تھے۔ پیرانہ سالی کے باوجود تکلیف اٹھانے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ باوجود پاؤں کی تکلیف کے سہ منزلہ پر جو تشریف لے گئے وہ کوئی کم اہم بات نہیں ہے۔ پھر میری کیا حیثیت تھی۔ محض ایک کم سن لڑکا تھا اور مجھ کو کوٹھی پر بلوا سکتے تھے مگر انھوں نے تکلیف اٹھائی اور خود تشریف لائے۔ کس قدر جواں ہمت معاملہ فہم اور ایثار پیشہ تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ آمین:

(یہاں سے پھر مولوی صبغت اللہ صاحب کے بیان کا باقی ماندہ حصّہ شروع ہوتا ہے۔ مؤلف)

(۴) ایک مرتبہ نواب صاحب نے اپنے ایک نوکر کو الگ کر دیا۔ ان کا قول تھا کہ اگر کوئی ایسا قصور سرزد ہو جس پر علیحدگی ضرور ہو تو اس قصور کا اظہار دوسرے لوگوں پر نہ ہونا چاہئے

ورنہ پھر کوئی دوسری نوکری اسے نہیں ملے گی۔ ہاں تو پھر اس ملازم کی ہر طرف سے سفارش ہونی شروع ہوئی مگر نواب صاحب نے کسی کی ایک نہ سنی۔ آخر کار مجھ سے سفارش کروائی گئی جب میں نے حرفِ مطلب زبان سے نکالا تو بولے کہ اس نے چوری کی ہے اور میں نے اپنی آنکھ سے اس کو چوری کرتے دیکھا ہے۔ اس کا بھلا کیا جواب ہو سکتا تھا مگر میں نے کہا کہ اس کو اعتراف ہے۔ اس پر فرمایا کہ چوری کی چیز سامنے لا کر رکھے جیسا کہ میرے پھوپھا اور خسر ڈپٹی امام الدین[۳۴] صاحب مرحوم نے کیا تھا کہ ملازمت سے بوجہ رشوت ستانی معطل ہونے کے بعد ایک دن قرآن شریف پڑھ رہے تھے جو کوئی فقیر آگیا۔ اس نے کچھ مانگا انھوں نے ڈانٹ پلائی تو وہ بولا کہ قرآن شریف پڑھتے شرم نہیں آتی حالانکہ رشوت خوار و حرام خور ہو اس پر ان کو ایسی غیرت آئی کہ سارا سامان جو رشوت سے متعلق تھا نکال کر آگ لگا دی میں نے عرض کیا کہ خدمت گزار اگر وہ ظرف رکھتا ہوتا تو آج خود بھی ڈپٹی کلکٹر ہوتا اور چار روپیہ ماہانہ پر آپ کے در پر نہ پڑا ہوتا اس پر نواب صاحب ہنس پڑے اور نوکر کو معاف کر دیا اور وہ اس کے بعد مر کر ہی ان کے قدموں سے جدا ہوا۔

(۵) ایک مرتبہ شیخ عابد علی[۳۵] صاحب مرحوم اور حکیم اسرار الحق[۳۶] صاحب مرحوم کا آپس میں کو توالی میں

---

[۳۴] ڈپٹی امام الدین امروہوی نہایت لائق ہوشمند خوش تدبیر وبکار سرکار ہوشیار دیانت دار کفایت شعار تھے مسٹر ولسن صاحب بہادر مجسٹریٹ و کلکٹر کے وقت سے ۱۸۴۲ء میں پچیس (۲۵) روپیہ ماہوار سے تھانہ دار مقرر ہوئے۔ پھر سنبھل کے کوتوال ہو گئے وہاں سے مراد آباد کی کوتوالی پر بدل آئے۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں سرکار دولتمدار انگلشیہ کی خیر سگالی میں جاں فشانیاں کیں۔۔۔ تین مواضعات۔۔۔ پرگنہ حسن پور ضلع مراد آباد میں انعام ملے۔ اور عہدہ تحصیلداری پر عروج پایا ۱۸۶۶ء میں ڈپٹی کلکٹری بندوبست پر ترقی کی۔ ۶ اکتوبر ۱۸۷۹ء کو بہ حالت ادائے خدمات سرکاری بہ مقام مراد آباد انتقال کیا (منقول از کتاب المشاہیر صفحہ ۱۰ مصنفہ مولوی فیض احمد مطبوعہ نامی پریس میرٹھ ۱۹۰۰ء

[۳۵، ۳۶] ۔ یہ دونوں حضرات شرفائے امروہہ اور نواب وقار الملک کے احباب میں سے تھے ۔ (مؤلف)

کچھ جھگڑا ہو گیا۔ میں خود اس جگہ موجود تھا۔ زیادتی حکیم صاحب کی تھی۔ بہر حال بیچ بچاؤ کرا دیا گیا۔ مگر شیخ جی نے درخواست دے ماری کہ مجھے جان کا خطرہ ہے۔ حکیم صاحب سے مچلکے اور ضمانت کا انتظام کروایا جائے اور گواہی میں میرا نام پیش کر دیا۔ دوسرے دن میں نواب صاحب کے پاس جا رہا تھا جو مردانہ مکان میں سے شیخ جی برآمد ہوئے۔ پوچھا کیسے آئے تو جواب ملا کہ نواب صاحب سے کچھ کام تھا۔ خیر اندر داخل ہوا تو نواب صاحب نے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہے۔ میں نے بے کم و کاست حقیقت حال بیان کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ میں سخت پریشان ہوں۔ دونوں طرف سے ہر طرح کے دباؤ مجھ پر بیان کے سلسلے ڈالے جا رہے ہیں۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل کا مضمون ہو گیا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ اس پر نواب صاحب نے فرمایا کہ یاد رکھو لاتخافون لومۃ لائم۔ جو بات صحیح ہے صرف وہ بیان کرنا مگر اسی دوران میں وکیل صاحب متعلقہ سے میں نے ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ مت گھبراؤ۔ میں تم کو پیش ہی نہیں کروں گا۔ پیشی کے دن نواب صاحب نے پھر فرمایا کہ لاتخافون لومۃ لائم کو یاد رکھنا۔ لیکن میرے عدالت میں پیش ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

(۶) ایک دن نواب صاحب مردانہ مکان سے اٹھ کر زنانہ مکان میں کھانا کھانے کے خیال سے داخل ہوئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ اتنے میں باہر سے کسی صاحب کے آنے کی اطلاع ملی۔ میں نے جھٹ نوکر سے کہدیا کہ جاؤ کہدو ہیں نہیں۔ مگر نواب صاحب نے اس آدمی کو روک لیا۔ دسترخوان لگوایا اور کھانا چنوا کر کہا کہ کہدو کھانا کھا رہے ہیں اور ملازم کے جانے کے بعد فرمایا کہ تم خود بھی جھوٹ بولتے ہو اور نوکر کو بھی جھوٹ بولنا سکھاتے ہو۔

اس موقع پر ایک واقعہ اپنے سامنے کا مجھے بھی یاد آ گیا۔ ۱۹۱۴ء کا زمانہ تھا پہلی عالمگیر جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم

ومغفور رئیس دہلی کے علاج سے میں صحت یاب ہو کر پلنگ سے اٹھا تھا۔ حکیم صاحب نے تبدیل آب و ہوا کا مشورہ دیا اس لئے نواب وقار الملک بہادر مجھے اپنے ساتھ کوہ منصوری کو لے گئے۔ اتفاق سے میرے تینوں بھانجے بھی بعد میں امروہہ سے وہیں آ گئے۔ اور جیسا کہ ایسے مقامات پر اکثر ہوتا ہے ہم لڑکے کبھی ایک ساتھ کبھی تنہا اور الگ الگ روزانہ سیر و تفریح کے لئے باہر چلے جایا کرتے تھے اور یہ تقریباً روز کا معمول سا پڑ گیا تھا مگر ایک دن ان میں سے ایک صاحب بلا کسی سے کچھ کہے سنے صبح کا ناشتہ کر کے خدا معلوم کہاں چلدئے۔ دوپہر گزرا اور شام ہونے کو آئی تو ہم لوگوں کو فکر شروع ہوئی اور آس پاس کے احباب وغیرہ کے پاس دریافت کرایا مگر ہر جگہ سے انکاری جواب ملا۔ جب مغرب کا بعد ہو گیا تو یہ چیز پہلی مرتبہ آقا جان کے علم میں لایا۔ ممدوح نے کچھ پوچھ گچھ شروع کی اور ہم سب کے بعد ملازموں سے حالات دریافت فرمانے کی کوشش کی مگر قابل اطمینان جواب کوئی نہ دے سکا جب رات کے آٹھ بج گئے تو نواب صاحب نے ہم سب کو اطمینان دلایا اور کھانا منگوایا۔ مگر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد عین اس وقت جبکہ نو (۹) بج رہے تھے اور ہم ایک ہال میں جمع تھے اور کوئی کچھ اور کوئی کچھ کہہ رہا تھا نواب صاحب نے فرمایا کہ "خدا کو کوئی یاد نہیں کرتا" اور یہ کہہ کر فوراً نماز کی نیت باندھ لی اور دو رکعت پڑھ کر مشکل سے سلام پھیرا ہو گا جو یوسف گم گشتہ دروازہ میں سے داخل ہوتے ہوئے نظر آئے۔

مولوی عبداللطیف خاں صاحب نواب لطیف یار جنگ بہادر مرحوم ریاست حیدر آباد میں نواب وقار الملک بہادر کے ان ماتحتوں اور مددگاروں میں سے تھے جن پر اُن کو بڑا اعتماد تھا۔ مولوی حکیم عبدالستار خاں صاحب ساکن سہارن پور کے فرزند تھے۔ اور اپنی قابلیت کی بناء پر ترقی کے اعلیٰ مدارج طے فرمائے اور خدمت کمشنر آبکاری سے پنشن پر سبکدوش ہونے کے بعد بھی حضور نظام کے میز خانہ مبارک کی نگرانی فرماتے تھے۔ اپنے حیدر آباد کے انتہائی عروج کے زمانہ میں بھی جس فخریہ انداز میں کمال ذوق و شوق کے ساتھ موصوف ہر کہہ و مہ

کے سامنے اپنے اس دور ماتحتی کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے وہ دیکھنے کے قابل ہوتا تھا - اور انھوں نے بعض اپنے ہی جیسے دوسرے ساتھیوں کے برخلاف اس چیز کو چھپانے کی کبھی کوئی کوشش نہیں فرمائی - مولوی عبدالحمید خاں صاحب مرحوم جو صوبہ داری یعنی کمشنری کی خدمت سے ریٹائر ہو کر اعلیٰ حضرت کے صرف خاص مبارک میں صدر الہامی کے جلیل القدر عہدہ پر فائز تھے نواب لطیف یار جنگ بہادر کے لایق فرزند تھے - مولوی عبدالمقیت خاں صاحب ڈاکٹر عبدالحی خاں صاحب اور مولوی عبدالقیوم خاں صاحب باقی تین فرزند اب ان کی یادگار ہیں -

ایک روز دوران گفتگو میں انہی نواب لطیف یار جنگ بہادر نے ایک چشم دید واقعہ جو خود مجھ سے بیان فرمایا تھا یہ ہے ....

ہماری ریاست حیدر آباد میں ایک مرتبہ زبردست قحط پڑا - بادل آتے تھے اور چلے جاتے تھے - مگر ایک بوند بارش کا کہیں نام نہ تھا - اضلاع میں رعایا کی پریشانی کہا بیان کی جائے - لوگوں کے مویشی گائے، بھینس، بیل سینکڑوں سے آئے دن ہر جگہ مر رہے تھے - نواب وقار الملک نے اپنے مکان واقع فتح میدان میں ایک چھپر ڈلوا رکھا تھا جو تکیہ کہلاتا اور وہیں اکثر نشست و برخاست رہتی تھی - حیدر آباد میں نواب صاحب ان دنوں موجود نہ تھے اور غالباً بلیشو پہاڑ پر بوجہ ملالت گئے ہوئے تھے - بہر حال حیدر آباد پہونچتے ہی مجھے قحط کی رپورٹوں کے پیش کرنے کا حکم دیا - جب میں حسب ہدایت امثلہ لے کر حاضر ہوا تو اسی تکیہ میں ان کے رکھ دینے کا ارشاد ہوا اور نواب صاحب ان رپورٹوں کے ملاحظہ میں مشغول ہو گئے لیکن جب کافی وقت گزر گیا تو صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا ہو رہا ہے میں بے دبے پاؤں تکیہ میں جھانکا تو کیا دیکھتا ہوں کہ نواب صاحب رپورٹیں پڑھ رہے ہیں اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں اور اکثر مثلیں بھیگ چکی ہیں یہ حلف بیان کرتا ہوں کہ عین اسی وقت گھٹا جو گھری کھڑی تھی برسنی شروع ہوئی اور نواب صاحب اپنی جگہ سے صرف اس وقت اٹھے جب

بارش اتنی زور کی پڑنے لگی کہ چھپر اندر سے ٹپکنے لگا واللہ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے اگر نواب وقار الملک عرب میں پیدا ہوتے تو مسلمانوں کے خلیفہ منتخب ہو کر رہتے مجھے ان کے ولی اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اس بیان کی تائید نواب لطیف یار جنگ بہادر کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو کتاب "وقار حیات" کے صفحہ ۷۴۵ پر شائع ہوا ہے۔

(ایک عہدہ دار حکومت نظام کے انتقال پر ان مرحوم کے ورثاء کی امداد کی جو تحریک نواب وقار الملک نے نواب سر سالار جنگ بہادر کی خدمت میں بزبان فارسی پیش کی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ (مؤلف۔)

نمبر خط ۷۴

ترجمہ

سید ظہور حسن صاحب مرحوم تحصیلدار کی دستگیری و پرورش کے بارہ میں جو چودہ سال سے اس خدمت پر یہاں کارگزار تھے اور جو سادات امروہہ کے ایک معزز خاندان کے فرد اور خود بھی ایک نہایت ہی معزز شخص تھے سرکار میں بالمشافہ عرض کر چکا ہوں اور بعد حصول اجازت سرکار مرحوم کی بیوہ اور ان کے بڑے اور چھوٹے لڑکوں کی جانب سے فرائض ہم وطنی کے تحت اور ورثاء مرحوم کی تحریک پر یہ درخواست سرکار میں گزارتا ہوں۔ ذاتی طور پر بھی جس قدر علم کہ مرحوم کے خانگی حالات کی بابت حاصل ہو سکا ہے اس کے لحاظ سے بصدق دل سے اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مرحوم نے یہ تمام مدت ملازمت ہر قسم کی عسرت اور تنگدستی کے باوجود کامل دیانت اور امانت کے ساتھ بسر کی ہے۔

پرورش ورثاء مرحوم کی دو صورتیں ممکن ہیں۔ اول تو یہ کہ بیوہ مرحوم کے نام کوئی وظیفہ جاری کیا جاوے اور دوسرے فرزندان مرحوم میں سے کسی ایک کو خدمت تحصیلداری سے نوازا جائے اور مرحوم کے جو فرزند اس پرورش کی امید پر اس جگہ حاضر ہوں گے ان کی استعداد اور علمی لیاقت کا حال ان کی حاضری کے بعد معلوم ہو سکے گا۔

احقر چونکہ بحصول رخصت عنقریب عازم وطن ہو رہا ہے لہذا سرکار کی عنایت و مہربانی سے امید ہے کہ فدوی کی روانگی سے قبل اس درخواست کی منظوری سے مشرف کیا جاوں گا تاکہ وطن پہونچ کر ورثاء مرحوم کی نظروں میں مجھے شرمندہ ہونا نہ پڑے۔ عرضی گزار۔ فدوی۔

مشتاق حسین

معروضہ ۲۹ر شوال ۱۲۹۵ ہجری[۳۷]

(ایک دوسرے ڈاکٹر صاحب کی ملازمت کی سفارش اس طرح فرمائی کہ تا بر آمدگی مقصد اپنے لوازم صوبیداری کی گنجائش کو پیش کر دیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب ضلع مراد آباد کے متوطن تھے اب اس سفارش کو پڑھئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۴۸ — گزارش دوبارہ ایک نیٹو ڈاکٹر کے

اثنائے سفر کلکتہ میں بمقام مغلسرائے فدوی نے عرض کیا تھا کہ دو سال کی متواتر اور سخت بیماریوں کی وجہ سے میری حالت یہ ہو گئی ہے کہ جب تک معالجہ وغیرہ کا خاص اہتمام نہ رہے تب تک ہمیشہ مرض کے پھر عود کرنے کا اندیشہ ہے۔ اور اس طرح بار بار کے حرج سے سرکاری خدمات کی انجام دہی میں بھی حرج رہتا ہے اور رہے گا لہذا کوئی ایسا بندوبست درکار ہے جو کم سے کم ایک خاص نیٹو ڈاکٹر میری حالت کا نگراں رہے اور جب ضرورت ہو اس سے اعلیٰ معالجہ کی طرف رجوع کیا جاوے۔ کسی سرکاری ضرورتوں سے سفر بھی پیش آجاتا ہے تو ایسے سفروں میں بھی وہ نیٹو ڈاکٹر ساتھ رہ سکے گا۔ یہ بھی عرض کیا گیا تھا کہ ایسے نیٹو ڈاکٹر کی کارروائی میڈیکل ڈپارٹمنٹ کی نگرانی اور ہدایت کی تابع ہو گی۔

اس پر سرکار نے خاوندی سے منظور فرما لیا تھا کہ ایسا شخص منتخب کیا جاوے اور فکر کی جاوے کہ اس کو میڈیکل ڈپارٹمنٹ کے متعلق کوئی جگہ بلدہ میں مل جاوے اور جب تک

---

[۳۷] مطابق اندازاً ۱۸۷۸ء

ایسی کوئی جگہ ملے تب تک وہ سو روپیہ ماہوار جو فدوی کی لوازم اعزازی صوبہ میں نوبت وغیرہ کے واسطے محفوظ ہیں اُن کو دئیے جاویں چنانچہ اس گزشتہ سفر کلکتہ میں سید خادم علی متوطن ضلع مراد آباد واقع صوبہ ممالک مغربی وشمالی سے جن کا نام بمقام مغلسرائے فدوی نے عرض بھی کیا تھا اور جو ایک تجربہ کار نیٹو ڈاکٹر ہیں اور کلکتہ کے تعلیم یافتہ ہیں ملاقات ہوئی اور انہوں نے اُس کو منظور کیا لہٰذا سرکار کی اجازت کے لحاظ سے میں نے ان کو یہاں بلا لیا ہے - اول میں نے ان کو ڈاکٹر لاری صاحب کے سامنے پیش کیا جنہوں نے ان کے سرٹیفکٹوں کو دیکھ کر اور اُن سے گفتگو کر کے اس کام کے لئے پسند کیا مگر ابتدا شہر میں کوئی جگہ دینے سے اس لئے عذر کیا کہ اُن کا قاعدہ ہے کہ وہ اول تقرر ضلع پر کرتے ہیں اور پھر ضلع سے شہر میں بلاتے ہیں اور سید خادم علی کے ساتھ بھی وہ ایسا ہی برتاؤ کریں گے اور بالفعل سید خادم علی شفا خانہ افضل گنج میں ڈاکٹر لاری صاحب کی اجازت سے کام کرتے ہیں اور اس کو میں نے بھی پسند کیا ہے بلکہ میری درخواست پر یہ انتظام ہوا ہے تاکہ تجربہ حاصل ہو - کبھی اس سے پیشتر نیٹو ڈاکٹر موصوف نے میرا معالجہ نہیں کیا ہے -

اب جو منظوری سرکار سے درکار ہے وہ یہ ہے - - - - - - - - - -

اول :- سو روپیہ جو نوبت وغیرہ کی بابت ابھی محفوظ ہیں اس شرط سے جاری فرمائے جاویں کہ اس سے نیٹو ڈاکٹر موصوف کو اس وقت تک تنخواہ دی جاوے جب تک کہ ڈاکٹر لاری صاحب اُن کو کوئی جگہ دیں، نیز ان وقتوں میں جبکہ سفر وغیرہ کی وجہ سے نیٹو ڈاکٹر موصوف خاص میرے ساتھ ہوں تو ان کو یا اُن کے قایم مقام کو ناظم دواخانہ جات کی تجویز سے تنخواہ مل سکے - ۱۵ ؍ شعبان ۱۳۰۶ھ

(دستخط) انتصار جنگ معتمد مال -

(دستخط) محسن الملک

یہ تجویز منظوری کے لایق ہے۔

(دستخط) محسن الملک۔ شرح دستخط سرکار ۱۳۰۶ ہجری - ۸ - ۱۶

(نواب سالار جنگ بہادر ہی کی ..... موسومہ ایک دوسری سفارش کا اُردو ترجمہ ملاحظہ ہو

مخفی مبارکہ حکیم سعید احمد صاحب نواب وقار الملک کے ہم وطن تھے۔ مؤلف)

خط نمبر ۴۔ حکیم مولوی سعید احمد صاحب خرچ کی طرف سے پریشان ہیں اور چونکہ ۱۶ ربیع الاول ۱۲۹۵ ہجری یعنی تاریخ وصول مدد خرچ سے مجھ سے بالکل علحدہ ہیں اور عطائے مدد خرچ کو بھی زائد از ڈیڑھ ماہ ہو رہا ہے لہذا دوبارہ کرم سرکار کے متوقع ہیں۔ میں کل عرض کرنا چاہتا تھا لیکن اس کا موقع نہ مل سکا امداد خرچ کے علاوہ کہ جس کی ضرورت آج مجبور کر رہی ہے موصوف یہ بھی چاہتے ہیں کہ کسی ایک آخری اور قطعی تصفیہ سے چاہے وہ اقراری ہو یا انکاری مطلع ہو جائیں تاکہ حسب اجازت سرکار روانگی وطن کے مسئلہ پر غور کر سکیں کہ آیا پھر واپسی دکن کا موقع رہتا ہے یا نہیں۔

نیز چند مرتبہ سرکار نے اشارہ فرمایا کہ حکیم صاحب سے تخلیہ میں ملاقات ہوگی مگر نہ ہو سکی اس وجہ سے حکیم صاحب خیال کرتے ہیں کہ ان حالات میں صرف میں ہی ایک مد فضول بنا ہوا ہوں اور اگر سرکار کوئی چیز اپنی نوازش سے مقرر بھی فرما دیں تو وہ محض مسافر پروری کا ایک طریقہ ہوگا نہ کہ حکیم صاحب کی ضرورت کے خیال سے اور یہ بات حکیم صاحب کو نہ خود منظور رہے نہ غیرت ہی اس کی اجازت دیتی ہے کہ اس طرح پر سرکار کی تکلیف کا باعث ہوں۔ مندرجہ بالا معروضہ کے پیش نظر اب حکیم صاحب مجھ پر بے حد متقاضی ہیں کہ سرکار سے بہ زودی ممکنہ تصفیہ آخر حاصل کر دوں لیکن میں نے خود اس امر خاص کے متعلق اتنا زیادہ بار بار اور شدت کے ساتھ عرض کر دیا ہے کہ اس سے بڑھ کر عرض کرنے کی ضرورت و جرأت نہیں ہے اور اس عرض داشت کو پیش کر رہا ہوں۔

(اس معروضہ پر پنسل سے فارسی میں جو عبارت سالار جنگ بہادر نے دست خاص سے تحریر

فرما کر اس کو واپس کیا۔ قارئین کی دل چسپی کے خیال سے اس کا ترجمہ بھی پیش ہے۔ مؤلف)

خط نمبر

۵۰۔ حکیم مولوی احمد سعید صاحب عمدہ ترین لوگوں میں سے ہیں اور اپنے فن میں بڑے مرد کامل اور صاحب تجربہ شاہانہ واقع ہوئے ہیں۔ لیکن ایں جانب کو بے انتہا افسوس ہے کہ اخراجات ایں جانب کی زیادتی کی وجہ سے ان کو تنخواہ ساٹھ روپیہ سے زائد نا ممکن ہے یقین صاحب بخوبی واقف ہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ اگرچہ کہ ان کے لئے ماہوار کم ہے مگر آئندہ درگاہ الٰہی سے قوی امید ہے کہ بہت جلد ایک سو روپیہ سے زائد بھی ہو جاوے گی۔ مولوی صاحب کی غرض داشت کا جواب ادا کرنا ضروری نہ تھا مگر حکیم صاحب موصوف کے تقاضہ کی وجہ سے جواب لکھا گیا۔ کل کو انشاء اللہ تعالیٰ چند دوسری سرکاری تجاویز سے مطلع کیا جاوے گا۔

(یہاں اس بات کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ حکیم صاحب موصوف نے حیدر آباد کا رہنا قبول کیا اور اپنی خدمات ایسی بے نظیر قابلیت سے انجام دیں کہ آگے چل کر خطاب افسر الاطبا اور عطائے منصب سے سرفراز فرمائے گئے اور ایک بیش قرار وظیفہ یعنی پنشن پر ناظم طبابت کے عہدے سے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ مؤلف)

ڈاکٹر سید محمود صاحب سابق وزیر خارجہ حکومت ہند صوبہ بہار کے متوطن اور ہمارے ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ کے ان طلباء میں سے ہیں جو شاید سب سے پہلے آن کر وہاں شریک ہوئے۔ موصوف نے نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کا زمانہ پایا اور ان دونوں بزرگوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ساری زندگی کانگریس کی وابستگی میں گزار کر اب مجلس مشاورت کے روح رواں اور بانیوں میں سے ہیں انہوں نے نواب وقار الملک کے کردار اور اخلاق کے بارے میں جو چشم دید واقعات مؤلف کو قلم بند کروائے اب ان کو ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ جب نواب صاحب کالج میں سکریٹری ہو کر علی گڑھ تشریف لائے تو میں ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک دن میں وہاں بیٹھا ہوا تھا جو ان کو اطلاع دی گئی کہ کالج

کا مشہور بوڑھا موذن کریم خاں جس کی اذان کی آواز عرصہ دراز سے کالج میں گونجتی تھی باہر بیٹھا ہوا ہے۔ حکم ہوا کہ ان کو فوراً بلائیے۔ جب موذن موصوف کمرہ میں داخل ہوئے تو نواب صاحب تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور جتنے لوگ وہاں بیٹھے تھے ان سب کو بھی تعظیم کے لئے اٹھنا پڑا حالانکہ کوئی بھی ایک موذن کی تعظیم کو ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ نواب صاحب نے نہایت تعظیم و تکریم اور نہایت اخلاق کے ساتھ موذن کو آرام کرسی پر بٹھلایا۔ پھر مخاطب ہو کر ان سے دریافت کیا کہ آپ کو کیا کہنا ہے موذن نے درد کے لہجہ میں عرض کیا کہ حضور میں کالج کی مسجد میں تقریباً چالیس سال سے موذن تھا۔ اب بہت ضعیف ہو گیا ہوں۔ کام نہیں ہوتا۔ اس لئے نواب مزمل اللہ خاں صاحب نے میری چار روپیہ کی پنشن مقرر کر دی تھی، مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ میرے کسی دشمن نے میری پنشن بند کروا دی۔ اس ضعیفی کی حالت میں سخت تکلیف میں ہوں۔ اسی لئے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ نواب صاحب نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ آپ کی پنشن میں نے بند کر دی ہے اس لئے کہ کالج میں پنشن کا کوئی قاعدہ نہیں ہے اور یہ قاعدہ کے خلاف ہے۔ وہ غریب بہت گڑگڑانے لگا اور بولا کہ نواب صاحب میں تو مر جاؤں گا تو فرمایا کہ اچھا نواب مزمل اللہ خاں صاحب سے دریافت کیا جائے کہ آپ نے کس مد سے پنشن دی ہے۔ نواب صاحب کا رقعہ لے کر آدمی فوراً نواب مزمل اللہ خاں صاحب کے پاس گیا مگر نواب صاحب کے پاس سے یہ جواب لایا کہ "مد ود میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے اس کو مستحق سمجھا اور پنشن دیدی۔ نواب وقار الملک نے ہاتھ جوڑ کر کریم خاں سے کہا کہ میں پنشن جاری نہیں کر سکتا کیونکہ قاعدہ کے خلاف ہے اور قاعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ آپ مجھے معاف فرمائیں۔ کریم خاں گڑگڑایا اور عذر کرتا رہا مگر وہ یہی فرماتے رہے کہ قاعدے کے خلاف ہے میں مجبور ہوں۔ میں وہاں بیٹھا ہوا یہ دیکھ رہا تھا اور نواب صاحب کی

طرف سے بدگمان ہو گیا اور دل میں سمجھا کہ یہ (HYPOCRITICAL) آدمی ہیں اور دل میں یہی خیال کر کے وہاں سے اٹھا اور کریم خاں سے آہستہ سے کہا کہ کچی بارک کے ۶ نمبر میں فوراً آجانا اور میں نے اپنے کمرہ پر پہونچ کر چار لڑکوں سے چار روپیہ جمع کئے ایک روپیہ ماہوار کے حساب سے اور تھوڑی دیر بعد جب کریم خاں آئے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ چار روپیہ آپ کو جب تک ہم لوگ ہیں ماہوار ملا کرے گا۔ اس کے علاوہ بیس (۲۰) روپیہ اور جمع کر کے ان کو دئے اور وہ دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔ ہم لوگوں کو نواب صاحب کی طرف سے کافی بدگمانی ہوئی کہ بڑے سخت آدمی ہیں اور غریبوں کے دکھ درد کا احساس نہیں ہے۔ چند دن بعد بڈھا کریم خاں لاٹھی ٹیکتا ہوا میرے کمرہ پر آیا۔ کچھ لڑکے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں نے پوچھا کریم خاں کیا خبر ہے۔ کیوں آئے ہو۔ انھوں نے کہا کہ آپ لوگوں نے مجھ پر بڑی مہربانی کی مگر آپ طالب علم ہیں۔ بیس ۲۰ روپیہ جو آپ نے دئے میرے لئے وہی کافی ہیں۔ ماہوار دینے کی تکلیف مت کیجئے میں آپ لوگوں کو زیادہ تکلیف دینی نہیں چاہتا ہوں۔ میں نے ہر چند کہا کہ ہم لوگ جب تک ہیں ایک ایک روپیہ ماہوار لیتے رہو۔ تم کیوں انکار کرتے ہو مگر وہ یہی کہتا رہا کہ آپ طالب علم لوگ ہیں۔ آپ کو مزید تکلیف دینی نہیں چاہتا۔ میرے اصرار اور سخت اصرار پر وہ کچھ نہ کہتا تھا مگر مجھے شبہ ہوا کہ اس کے اندر کوئی بات ضرور ہے جب یہ اصرار بہت بڑھ گیا تو اس نے کہا کہ آپ میرے محسن ہیں آپ سے کہے دیتا ہوں لیکن آپ کسی سے کہیئے گا نہیں۔ بات یہ ہے کہ آج نواب صاحب نے بلوایا اور مجھ سے کہا کہ میں پانچ روپیہ ماہوار تمہاری پنشن اپنے پاس سے مقرر کرتا ہوں۔ کالج سے تم کو نہیں مل سکتی لیکن خبردار اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا اور اس معاملہ کو اپنے ہی تک رکھنا۔ یہ کہہ کر کریم خاں چلا گیا لیکن ہم لوگوں پر اس کا بہت ہی اثر ہوا اور آنکھوں میں آنسو اس اعلیٰ کیرکٹر پر آ گئے۔ اب ایسے لوگ پیدا نہیں ہوتے اور جس

سانچہ میں یہ لوگ ڈھلے تھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سانچہ ہی ٹوٹ گیا۔

۲۔ جب نواب صاحب کالج میں تشریف لائے تو دو وقت کی نماز کی حاضری تھی اور لوگ "دو وقت کی نماز فرض ہے" کہا کرتے تھے۔ نواب صاحب نے آتے ہی پانچوں وقت کی نماز فرض کر دی یعنی پانچوں وقت حاضری لگنی شروع ہو گئی۔ اس پر کالج کے طلباء میں تہلکہ مچ گیا کہ اب تو پانچوں وقت کی نماز فرض ہو گئی اور جو لوگ دو وقت کی نماز کے لئے بھی مسجد میں نہیں جاتے تھے اب اُن کو پانچوں وقت جانا محال امر تھا ورنہ چار آنے فی وقت جرمانہ۔ اس وقت کالج میں عبدالرحمٰن بجنوری تصدق احمد خاں شروانی اور میں، نواب صاحب کے بہت پسندیدہ طلباء میں سے تھے اور ہم تینوں پر بڑی عنایت اور مہربانی فرمایا کرتے تھے۔ میں نو برسوں سے انگریزی اسٹاف کی شکایت لے کر نواب صاحب سے امروہہ میں بھی جا کر ملا کرتا تھا یعنی ان کے سیکرٹری ہونے سے پہلے سے بہت سے طلباء ہم لوگوں سے اصرار کرنے لگے کہ تم جا کر نواب صاحب سے کہو ہم لوگ کہتے کہ آخر ہم جا کر کیا یہ کہیں گے کہ نماز مت پڑھوائیے لیکن طلباء کے اصرار پر نواب صاحب کی خدمت میں ہم تینوں حاضر ہوئے نواب صاحب فوراً حسب عادت دست بستہ کھڑے ہو گئے میں نے کہا کہ نواب صاحب اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ ہم نوعمر طالب علموں کے لئے اٹھ کھڑے ہوں جس پر فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں اپنے طالب علم صاحبان کی تعظیم نہ کروں گا تو دوسرا کوئی کیسے کرے گا۔ پھر کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ آئیے آئیے یہ کیا بات ہے۔ میں سنتا ہوں کہ میرے خلاف بورڈنگ میں ایک طوفان برپا ہے کہ میں نے پانچوں وقت کی نماز فرض کر دی ہے۔ صاحبو۔ میں کون نماز فرض کرنے والا۔ نماز فرض تو خدا نے کی ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا .... کہ مسلمان طلباء خدا کی فرض کردہ نماز کے خلاف احتجاج کرتے ہوں گے۔ یہ شاید یوں ہی مشہور ہو گیا ہے۔ مگر مجھے یہ بات بار بار بتلائی گئی ہے۔ ہم لوگ گھبرائے کہ اب آخر کہیں تو کیا کہیں۔ پھر ہم کو ایک بات سوجھی۔ ہم نے کہا کہ

بھلا طلباء نماز کے خلاف کس طرح احتجاج کرسکیں گے بات یہ ہے کہ پوری کچی بارگ اور پکی بارگ میں صرف ایک سقایہ ہے اور عشا اور فجر کو جاڑوں میں بغیر گرم پانی کے وضو مشکل ہے اس لئے کہ پانی اتنے طلباء کے وضو کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اس پر نواب صاحب بہت خوش ہوئے اور بولے کہ اچھا مجھے اطلاع غلط دی گئی۔ اس کا تدارک ابھی ہوتا ہے یہ کون سی مشکل بات ہے۔ اور فوراً حکم لکھوایا کہ چار چار سقایہ بن جائیں پھر ہم سے فرمانے لگے کہ کوئی اور بات ہو تو کہئے۔ ضرور کہئے۔ تو ہم لوگوں نے اپنے خیال میں ایک اور بات نکالی جس کا ہماری دانست میں نواب صاحب کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ وہ بات یہ تھی کہ ہم لوگ گروہ بنا کر ٹہلنے کے لئے شام کو دور دور چلے جاتے ہیں اور ٹھیک وقت پر مغرب کی نماز کے لئے مسجد میں نہیں پہونچ سکتے۔ اس کا کیا تدارک ہوسکتا ہے۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ یہ عذر آپ کا بہت ٹھیک ہے اور پھر کہا کہ آپ گروہ بنا کر ٹہلنے جاتے ہوں گے۔ ہم نے کہا جی ہاں تو فرمانے لگے کہ اچھا جہاں آپ ہوں وہیں جماعت بنا کر نماز پڑھ لیا کیجئے اور قسم کھا کر ایک کاغذ پہ ایک دوسرے کی حاضری لکھ لیا کیجئے اور (PRAYER MONITOR) کو دیدیا کیجئے اور میں ہدایت کردوں گا کہ یہ حاضری تسلیم کرلی جائے۔ ہم لوگوں کے پاس اب کوئی عذر باقی نہ رہا تو خاموش ہوکر واپس آگئے۔

۳۔ آخر میں ایک بات انہوں نے مجھ سے یہ بھی کہی تھی کہ افسوس ہے کہ مجھے یہ کام بہت دیر میں ملا۔ جس سے مراد ان کی اپنی خرابی صحت سے تھی مطلب یہ تھا کہ اس کالج کی ذمہ داری ایسے وقت ملی ہے جب کہ صحت جواب دے چکی ہے۔

۴۔ شرعی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک دن میں امروہہ گیا تو نواب صاحب کے کسی معالج حکیم صاحب کا اسی روز انتقال ہوا تھا نواب صاحب سخت متاسف تھے۔ مجھے اپنے قریب بلایا۔ نوکر کو حکم دیا کہ کمرہ کا دروازہ بند کرکے باہر چلے جاؤ اور پھر آہستہ سے فرمایا

کہ میری دو آنتیں اُتری ہوئی ہیں - سمجھ میں نہیں آتا اب کس کا علاج کروں - یہ تھی وہ بات جو اتنی سخت شرعی احتیاط کے بعد مجھ سے بیان کی گئی -

سطور بالا میں جہاں ڈاکٹر سید محمود صاحب نے وقار الملک کا کردار اور اخلاق آپ کے سامنے پیش کیا ہے وہیں انھوں نے ایک ایسے موذن صاحب سے بھی ہم کو روشناس کروایا ہے جن کا خود اپنا کردار اور اخلاق بھی ہم سے داد تحسین لئے بغیر نہیں رہ سکتا - کریم خاں صاحب ایک معمولی حیثیت کے آدمی ہیں جو صرف ایک موذنی کی خدمت حاصل کر سکے اور ۴۰ سال تک وہی کام انجام دیتے رہے - ضعیف اتنے ہیں کہ اب اذان تک دینا دشوار ہو چکا ہے - ضرورت منداس قدر ہیں کہ چار روپیہ ماہوار کی پنشن بند ہونے سے چیخ اٹھتے ہیں ذرا اس مرد ضعیف کی اخلاقی جرأت تو ملاحظہ کیجئے - اگر وہ اس پانچ روپیہ ماہوار کا ذکر سید محمود صاحب وغیرہ سے نہ کرتے جو نواب وقار الملک نے اپنی جیب سے جاری کر دئے تھے تو آسانی سے چار کی بجائے نو روپیہ ماہانہ لیتے رہتے اور کسی کو کانوں کان بھی کچھ نہ معلوم ہو - مگر نہیں صاحب - جیسے ہی وہ بار نواب صاحب اپنے اوپر لے لیتے ہیں کریم خاں بے چین ہو جاتے ہیں اور خرابی صحت کے باوجود لاٹھی ٹیکتے ہوئے جس دن نواب وقار الملک اپنی طرف سے پنشن کا اعلان کرتے ہیں بغیر کوئی وقت ضائع کئے ہوئے اسی دن بلکہ یوں سمجھئے اسی وقت کچی بارگ کے کمرہ نمبر ۶ پر جا کر صاف کہدیتے ہیں کہ آج سے مجھے آپ کے چار روپیہ ماہوار کی ضرورت نہیں رہی اس لئے آپ صاحبان اس تکلیف کو اب گوارہ نہ کریں - اللہ اکبر - کچھ ٹھکانا ہے اس استغناء اور اخلاقی بلندی کا ذرا غور فرمائیے کہ جس احاطہ کالج کا ایک موذن تک ایسے پاکیزہ اخلاق سے متصف ہو اُس کی چہار دیواری کے اندر وہاں کے طلباء کا عام نشوونما اخلاق کی کن بلندیوں کے سایہ میں پروان نہ چڑھ رہا ہوگا اور یہ ایک ادنیٰ سا ثبوت ہے سر سیدؒ کی اس مرکزی شخصیت کا جس نے اپنے گرد و پیش ایسے لوگوں کو جمع کر لیا تھا جن میں کا ہر شخص اپنی حد تک ایک

منفرد حیثیت رکھتا تھا - خواہ وہ محسن الملک مہدی علی خاں ہوں خواہ وقار الملک مشتاق حسین خاں اور خواہ گوڑ کا لعل مسجد کا ایک موذن کریم خاں - قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(نواب وقار الملک بہادر نے ایک اسکیم بنائی تھی تاکہ ان کے اپنے صوبہ یو، پی میں مسلمان بچوں کو سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم دی جا سکے اور کافی کوشش اور طویل مراسلت کے بعد حکومت نے اس کی منظوری بھی دیدی تھی - اس سلسلہ کی حسب ذیل مراسلت اب دلچسپی سے پڑھی جائے گی - مؤلف)

(صوبہ یو، پی کے سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم جاری کرنے کی وقار الملک کی ایک اسکیم پر اعتراض اور اس کا جواب)

نمبر ۵۱ - **انتخاب ایک خط و کتابت کا**

ایک جنٹل مین کے خط کا انتخاب بنام نواب مشتاق حسین خاں بہادر مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۴ء مجھ کو آپ کی اسکیم سے کامل طور پر اتفاق ہے " مگر گورنمنٹ سے اس قسم کی اجازت کی مجھکو کوئی امید نہیں ہے کیونکہ گورنمنٹ اپنی رعایا کو صرف وہی فوائد پہونچانی چاہتی ہے جو رعایا اور گورنمنٹ دونوں میں مشترک ہوں نہ وہ فواید جو خاص رعایا کیواسطے ہوں اور ہماری تعلیم سے گورنمنٹ کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور جو تعلیم کہ اس وقت گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے اس سے وہ صرف ایسے لوگ پیدا کرنا چاہتی ہے جن سے اس کو اپنے کاروبار میں مدد مل سکے - راقم

خط نمبر ۵۲ تتمہ جواب از طرف نواب مشتاق حسین بہادر

بنام جنٹل مین موصوف

مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۴ء

اس رائے کے قائم کرنے میں آپ نے گورنمنٹ کے ساتھ ناانصافی کی ہے - ایک مہذب گورنمنٹ اور رعایا کے مقاصد باہم اس قدر متحد واقع ہوئے ہیں کہ جو چیز ایک کے لیے مفید

ہے وہ دوسرے کے لئے بھی مفید ہے اور جو ایک کے لئے مضر ہے وہ دوسرے کے لئے بھی مضر ہے اور اگر کہیں وہ مقاصد باہم متضاد دکھلائی دیتے ہیں جیسے مثلاً ٹیکس کا مسئلہ ہے اور جس قدر اس سے گورنمنٹ کا خزانہ پر ہوتا ہے اسی قدر رعایا کی جیب خالی ہوتی ہے۔ اور اس طرح پر ایک فریق کا نفع اور دوسرے کا نقصان ہوتا ہے۔ لیکن یہ تضاد و تناقض صرف اس صورت میں معلوم ہوتا ہے جب کہ اس کارروائی کے دونوں اثروں کو جو رعایا اور گورنمنٹ کو پہونچتے ہیں ایک ہی نظر سے دیکھا جاوے لیکن جب ہی کہ اس کو تھوڑے سے پھیر کے ساتھ دیکھا جاوے تو پھر اس میں کوئی تناقض باقی نہیں رہتا۔ گورنمنٹ اگر اپنی ضرورتوں کے لائق ٹیکس فراہم نہ کرے تو اس کا لازمی نتیجہ اس کے انتظام کا ضعف ہوگا اور کسی گورنمنٹ کے انتظام کا ضعف اس گورنمنٹ کی رعایا کو ہزار درجہ زیادہ نقصان رساں ہوگا بہ نسبت اس خفیف سے نقصان کے جو اس رعایا کو اس ٹیکس کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ ہمارا برٹش گورنمنٹ کی تاریخ ہندوستان ان مثالوں سے بھی خالی نہیں ہے جو اس نے رعایا کے راحت و آرام اور اخلاقی ترقی کی غرض سے اختیار کیے ہیں۔ ستی کی رسم کا موقوف کرنا۔ بردہ فروشی کا امتناع۔ ٹھگی اور دختر کشی کا انسداد، مذہبی اوقاف کی نگرانی ایک مناسب حد تک اور اپنے خاص اسکالرشپوں سے ہندوستانی شریف خاندانوں کے لڑکوں کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے انگلستان کو بھیجنا وغیرہ وغیرہ اور گورنمنٹ کی سرپرستی سے رفاہ عام کے لئے جو کام گورنمنٹ نے اختیار کئے ہیں وہ اس خط کی تنگ وسعت میں نہیں سما سکتے۔

۳۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کی مہذب اور روشن خیال گورنمنٹ میں ایسا کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا جس میں صرف رعایا ہی کا فائدہ ہو اور گورنمنٹ کا اس سے کچھ تعلق نہو۔ ایک مہذب گورنمنٹ اپنی رعایا کی خوشی اور خوشحالی سے کافی اطمینان حاصل کرتی ہے اور ان کاموں کو اطمینان کی نظر سے دیکھتی ہے جو اس کی رعایا کی خوشحالی اور ترقی دینے

کے لئے اختیار کئے گئے ہوں اور اس لئے آخر کار یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ کوئی ایسا فایدہ نہیں ہے جو رعایا کو پہونچے اور اس سے گورنمنٹ خود بھی مستفید نہوتی ہو۔

۴۔ ہماری مذہبی تعلیم کے فواید بھی اس تحت میں آتے ہیں اور گورنمنٹ اور رعایا کے مشترکہ فوائد میں داخل ہیں۔ گورنمنٹ کا مقصد اگر موجودہ تعلیم سے گورنمنٹ کے کاروبار کے لایق آدمیوں کو تیار کرنا ہے تو اس تعلیم میں مذہبی تعلیم کا جزو شامل ہو جانے سے گورنمنٹ کے لئے آئندہ زیادہ ایماندار امیدوار ملازمت تیار ہوں گے گو وہ کسی مذہب و ملت کے کیوں نہ ہوں۔ خدا پر اعتبار رکھنے والا کانشنس ایک ایسے شخص کے ایمان سے جو ایسا یقین نہ رکھتا ہو زیادہ صاف اور خالص ہوتا ہے۔ سوسیٹی کا دباؤ اور سلطنت کا قانون بہت سے مواقع پر جہاں بالکل بے قابو ہوتا ہے وہاں صرف خدا ہی کا خوف انسان کو بُرے افعال سے باز رکھتا ہے۔ یہ مذہب ہی کی قوت ہے جو جاہل عوام سے جن سے تمام دنیا بھری پڑی ہے اس عمدہ اخلاق کا برتاؤ کرا لیتی ہے جو بلا تعلق مذہب کسی ایسے ریفارمر ہی سے سرزد ہو سکتا ہے جو لاکھوں بلکہ کروڑوں میں کہیں ایک یا دو پیدا ہو جاتے ہیں۔

۵۔ الغرض ہر صورت میں یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ کوئی ایسا فائدہ نہیں ہے جو رعایا کو پہونچے اور اس سے گورنمنٹ خود بھی مستفید نہیں ہوتی ہو۔ اور اس لئے ہم کو گورنمنٹ سے ہر ایسے استفادہ کی اُمید رکھنی چاہئے جس کے ہم واجبی طور پر مستحق ہوں۔ پس بجائے اس رائے کے جو آپ نے قائم کی ہے کہ "گورنمنٹ اپنی رعایا کو صرف وہی فوائد پہونچانے پر تیار رہے جو رعایا اور گورنمنٹ دونوں میں مشترک ہیں" اگر آپ یہ رائے قایم کریں کہ "گورنمنٹ اپنی رعایا کو ہر ایک فائدہ پہونچانے کے لئے تیار رہے جس کی رعایا واجبی طور پر مستحق ہو یعنی کہ اس سے سلطنت کے استحکام میں کوئی ضعف کا خطرہ نہ ہو" تو میں بھی اس کے ساتھ خوشی سے اتفاق کروں گا اور اس کے بعد جب آپ میری اسکیم پر غور کریں گے تو اس میں کوئی بات غالباً آپ کو ایسی معلوم نہ ہوگی جس کی منظوری میں گورنمنٹ کے لئے

تامل کی کوئی وجہ ہو مگر اغلباً میں نے اس امر کو اپنی اسکیم میں بہت صراحت سے بیان کر دیا ہے کہ ہماری اس مذہبی تعلیم سے سلطنت کے خلاف یا دیگر فرق رعایا کے خلاف کسی فیلنگ کے پیدا ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو میری اسکیم کا فقرہ ۱۱ ضمن ۷-۸-و ۹، اور فقرہ ۱۲ ضمن ۶ لغایت ۱۰ و ضمن ۱۷، اور فقرہ ۱۳ و ۱۴) اور حال میں جو کسی قدر خراب فیلنگ مذہب کے پیرایہ میں یا دوسری رعایا کی طرف سے کہیں کہیں گورنمنٹ کی نسبت یا بعض فرق رعایا کی طرف سے دوسرے فرق رعایا کی نسبت بدقسمتی سے ظاہر ہوئی ہے وہ میرے نزدیک مذہبی تعلیم کے اثر سے نہیں ہے بلکہ وہ اثر ہے حال کے انگلش لٹریچر کی تعلیم کا۔ طالب علم صرف آزادی اور حق کے دو لفظ ازبر یاد کر لیتے ہیں اور ان کا استعمال وہ صرف اپنی ہی آزادی اور اپنے ہی حق کے واسطے کرتے ہیں اور دوسروں کی آزادی اور دوسروں کے حقوق کو جو ان پر ہوتے ہیں وہ بالکل فراموش کر دیتے ہیں اور مجھے کامل یقین ہے کہ ان نوجوانوں کے افعال کا کوئی اثر ہماری اس درخواست پر نہ پڑے گا، اور جس مذہبی تعلیم کی خواہش اس وقت ہم کو ہے اس کی واجبیت اور ہمارے اس استحقاق کو گورنمنٹ خود تسلیم کرتی چلی آئی ہے۔

آپ کا خادم۔ مشتاق حسین

از امروہہ

(اب مسٹر جسٹس سید امیر علی مرحوم کا ایک خط نواب صاحب کا موسومہ اسی مذہبی اسکیم کے بارہ میں پڑھئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۵۳۔ مولانا المکرم زاد مجدکم العالی۔

تسلیم بعد تعظیم قبول ہو۔ آپ کا گرامی نامہ موصول ہو کر باعث سرفرازی کا ہوا۔ بسبب بدمزگی طبیعت جواب لکھنے سے اب تک قاصر رہا۔ تقصیر معاف ہو۔ آپ کی اسکیم کو میں نے کماحقہٗ پڑھا اور جو بلند خیالات اس میں مندرج ہیں اس سے مستفید ہوا۔ میں آپ کی

رائے کے ساتھ بالکل اتفاق کرتا ہوں۔ حقیقت یہی ہے جو آپ نے لکھا ہے اور علاج اس کا سوائے آپ کی تجویز کے کوئی نظر نہیں آتا۔ میں مدتوں سے اس امر کا کوشاں اس دیار میں تھا مگر جس قاعدے سے آپ نے سانچا کھڑا کیا ہے کسی نے اس کو نہ سوچا مگر دو قباحت مجھے بادی النظر میں دکھلائی دیتی ہیں۔ ایک کی نسبت جناب والا نے اشارہ کیا ہے یعنی فنڈ مہیا ہونے کی دقت اور دوسری یہ کہ کس قدر اس مذہبی تعلیم سے مسلمان طالب علموں کو تعلیمی بار زیادہ اٹھانا پڑے گا۔ مگر اس قباحت کا حل چنداں مشکل نہیں بہ شرطیکہ فنڈ مہیا ہو اور اس کی بڑی دقت ہے۔ ہمارے مسلمانوں میں نہ بوئے اتفاق باقی رہا نہ مذہبی ہمدردی۔ باقی ہمواره آپ کی اور آپ کے وابستگان کی خیریت کا جویاں ہوں۔

آپ کا خادم اخلاص کیش

سید امیر علی رضوی غفرلہ

مورخہ ۱۷ اگست (غالباً ۱۸۹۴ء)

(اس موضوع پر اب مولانا حالی کا خط موسومہ نواب وقار الملک ملاحظہ فرمائیے۔ اس خط کو رسالہ نقوش لاہور شائع کر چکا ہے۔ مؤلف)

خط نمبر ۵۴۔ ۱۵ اگست ۱۸۹۴ء۔ علی گڑھ۔ مدرستہ العلوم

والاجناب۔ عنایت نامہ مع دو جلد تجویز مذہبی تعلیم کے پہونچا۔ اور میں نے کل اطمینان کی حالت میں اس کو پڑھا۔ سرکاری مدرسوں یا کالجوں میں تعلیم مذہبی شامل کرنے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ بہ ظاہر خیال میں نہیں آتا جو آپ نے تجویز فرمایا ہے اور جہاں تک کہ میں خیال کر سکتا ہوں گورنمنٹ کو اس کے منظور کرنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔

گورنمنٹ کو میرے نزدیک جب سے کہ نیشنل کانگریس کا غلغلہ ہندوستان میں ہوا ہے ہندوستانیوں کو مذہبی تعلیم دئے جانے کا زیادہ خیال ہو گیا ہے۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو گورنمنٹ ایسی تجویز کو نہایت غنیمت سمجھے گی اور اس کو خوشی سے منظور کرے گی۔ لیکن جیسا کہ

آپ نے خود آخر میں لکھا ہے مسلمانوں سے بہت ہی کم توقع ہے کہ وہ یہ دردسر گوارہ فرمائیں اور مذہبی تعلیم کے انتظام کے لئے کمیٹیاں مقرر کریں اور ہر کمیٹی اپنے فرائض پورے پورے کرے - رہی یہ بات کہ اس وقت میں جو مذہبی تعلیم دی جائے گی آیا وہ اُن خرابیوں کا انسداد کر سکے گی یا نہیں جو انگریزی تعلیم سے متصور ہیں اس کی مجھ کو ہرگز اُمید نہیں - لیکن بہر حال اگر آپ کی حسن سعی سے یہ تدبیر چل نکلے تو نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے اور تعلیم مذہبی کے ساتھ نماز روزہ کی پابندی کا انتظام کرنا بھی نہایت ضروری ہے بلکہ اگر میرا خیال غلط نہ ہو تو صرف پانچ وقت کی نماز کا التزام اس محدود مذہبی تعلیم سے زیادہ مفید ہے اور محمڈن کالج نے اب تک جو کچھ مذہب کے متعلق کوئی عمدہ انتظام کیا ہے وہ صرف یہی ہے کہ یہاں کے طالب علموں کو نماز کی پابندی پر مجبور کیا جاتا ہے - امید کہ آپ مع متعلقین بخیریت ہوں گے - زیادہ نیاز -

نیاز مند - الطاف حسین حالی -

(مستقبل کی رہبری کے خیال سے نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں یہ ظاہر کر دیا جائے کہ مذہبی تعلیم کی اس اسکیم کا نفاذ ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیمات صوبہ مغربی و شمالی (حال اتر پردیش) کے حکم مورخہ ۸ ستمبر ۱۸۹۶ء مجریہ الہ آباد کے ذریعہ سے عمل میں آیا اور جو بطور ایک سرکلر یعنی گشتی حکم کے ذریعہ نمبر ۱۳ ۱۸۹۶ء جاری ہوا تھا - مؤلف)

خطوط و تحریرات نواب وقار الملک بہادر متعلقہ امروہہ ضلع مراد آباد

امروہہ صوبہ یوپی کے ضلع مراد آباد میں شرفا کی ایک قدیم اور مشہور بستی ہے - سنا ہے کہ اس کی آبادی اس وقت نوے ہزار کے لگ بھگ ہے اور اس کے تقریباً پچپن ہزار مسلمانوں میں سات ہزار کے قریب اہل تشیع ہیں اور باقی ۳۵ ہزار میں اہل ہنود اور بعض دیگر قومیں شریک ہیں - نواب وقار الملک بہادر اسی شہر کے متوطن تھے - اور ہمارے کاغذات میں جو آگے آتے ہیں آپ کو وہ مراسلت ملے گی جس کا تعلق شہر امروہہ اور اس کے باشندوں سے

ہے۔ ہمارے اس پیارے وطن کی زندگی کا افسوسناک پہلو وہ اختلاف ہے جو عرصہ دراز سے سنّی اور شیعہ حضرات کے درمیان نہ معلوم کیوں چلا آرہا ہے چنانچہ نواب صاحب کی دکن سے واپسی کے وقت بھی یہ اختلاف اپنے شباب پر تھا۔ نواب صاحب اپنی محتاط طبیعت کے لحاظ سے اس پر مجبور تھے کہ اس طرح کے اختلاف سے بالکل الگ تھلگ رہیں لہذا انہوں نے ایسا ہی کیا اور ایک آزاد زندگی گذارنے کے خیال سے وہ امروہہ کی مقامی سیاست سے جو میونسپل بورڈ وغیرہ کی رکنیت اور آنریری مجسٹریٹی جیسے عہدوں سے عبارت تھی ہمیشہ الگ ہی رہے، چنانچہ اس بات کا ذکر آپ کو اُن کے تحریر کردہ ایک خط میں بھی ملے گا جو آپ آگے ملاحظہ فرمائیں گے مگر جس کام کا تعلق اون کے ہم وطنوں اور ہم قوموں اور ہم مذہبوں کی تعلیمی یا شہری فلاح وبہبود سے تھا اُس میں وہ بڑی فراخ حوصلگی کے ساتھ نہ صرف شریک رہے بلکہ بعض موقعوں پر پہلا قدم بھی خود ہی اٹھایا اور ان امور میں باشندگان امروہہ نے بھی اُن پر پورا پورا بھروسہ کیا۔ اس موقع پر مولوی محمد امین زبیری صاحب مرحوم نے نواب وقار الملک پر "تذکرہ وقار" کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اُس کے صفحات (۱۲۵) اور (۱۲۶) کی حسب ذیل عبارت دل چسپی سے پڑھی جائے گی:-

امروہہ کی خاص خدمات

صوبہ متحدہ آگرہ واودھ میں امروہہ ایک بہت قدیم شہر تھا جس کی بڑی شاندار تاریخی روایات تھیں لیکن تغیرات زمانہ نے اس کو ایک قصبہ بنا دیا تاہم شرفا کی آبادی اور ان کی روایتیں ابھی قایم ہیں۔ مردم شماری کے لحاظ سے بھی اول درجہ کا قصبہ ہے بدقسمتی سے ہندو مسلمان اور شیعہ سنّی کے اختلافات وفسادات سے یہ قصبہ بھی محفوظ و مامون نہ رہا۔ ۱۸۹۵ء میں شیعہ سنّی میں کشت وخون ہوا جس میں پولیس کو پوری قوت استعمال کرنی (پڑی) پھر ۱۹۰۲ء میں ہندو مسلم فساد نے نازک صورت اختیار کرلی ۔۔۔ نواب صاحب نے ان ہر دو موقعوں پر

اپنے اثر سے بہت کچھ حالت سنبھالی اور چونکہ ہر طبقہ ان پر اعتماد رکھتا تھا اور ہر دل میں ان کا احترام موجود تھا اس لئے بہت جلد اصلاح ہوگئی اور بڑی حد تک یہ مختلف عناصر صلح و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ انہوں نے گورنمنٹ کو امروہہ میں تعلیم کی کمی پر توجہ دلائی اور ایک اسکول قایم کرایا۔ اس کے مصارف کا ایک حصہ خود منظور کیا اور پبلک سے بھی امداد دلائی۔ گورنمنٹ نے ان کی کوششوں کی قدر دانی کی۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں ایک شاہی سند دی گئی جس میں مذہبی جھگڑوں کو طے کرانے کی امداد کا مخصوص اعتراف کیا گیا تھا دربار تاجپوشی میں حکومت کی طرف سے مدعو کئے گئے۔ پھر سنہ ۱۹۰۸ء میں کلکٹر ضلع نے ان کو ہز آنر[1] کے سامنے پیش کرتے ہوئے ان کی تعلیمی امداد و مساعی اور باشندگان امروہہ میں صلح و آشتی قائم کرنے کی کوششوں کا بیان کیا۔ ان ہی کی کوشش سے ایک زنانہ شفا خانہ اور اخراجات پورے کرنے کی ذمہ داری پر ٹیلی گراف آفس قایم ہوا۔ جس وقت مراد آباد اور دہلی کے مابین ریلوے کا اجراء ہونے والا تھا تو امروہہ ریلوے لاین سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ نواب صاحب نے ریلوے کی مجوزہ لائن سے اختلاف کر کے لائن کا رُخ بدلوایا اور اعداد شمار سے ثابت کیا کہ لائن میں اس ترمیم سے زیادہ نفع ہوگا۔

چونکہ امروہہ کا تذکرہ ہے اس لئے اتنا عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ امروہہ اپنی آبادی کے لحاظ سے جن سرکاری سہولتوں کا مستحق قرار پا سکتا تھا اور یقیناً حکومت وقت کی جانب سے اس کے لئے منظور کی جاسکتی تھیں اُن کا مانگنے والا آج امروہہ میں کوئی نظر نہیں آتا۔ یہاں تو شیعہ سنی اور ہندو مسلم مناقشات ہی سے فرصت نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اتنی بڑی آبادی کے لئے سول سرجن تک کی خدمات حاصل نہ ہوسکیں اور جیسا وسیع یہاں کا ہسپتال ہوسکتا تھا وہ بات ہم کو نصیب نہیں۔ زنانہ دواخانہ بھی مردانہ کی طرح زیادہ تعلیم یافتہ

---

[1] صوبہ کے گورنر صاحب سے مراد ہے۔ مؤلف)

اور اسناد رکھنے والی ڈاکٹرنیوں سے محروم ہے۔ ہمارے ہندو بھائیوں نے جو اسکول کھولا تھا وہ تو ترقی کرتے کرتے انٹر کالج اور اب ڈگری کالج ہو گیا مگر ہم لوگوں کو اس تک کی توفیق نہ ہو سکی، عدالت منصفی بدستور منصفی ہی چلی آتی ہے حالانکہ مرجوعہ کے لحاظ ایک جج بھی اس وقت امروہہ میں ہونا ضروری تھا وغیرہ وغیرہ۔ نواب وقار الملک پر جو امروہہ کے باشندہ تھے اس وقت تک تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں یعنی "مکاتب" "وقار حیات" اور "تذکرہ وقار" یہ تینوں ہماری نوجوان نسل کے لئے مشعل راہ ثابت ہو سکتی ہیں مگر ہمارا یہ اندیشہ غالباً غلط نہ ہوگا کہ ان کتابوں کا ایک نسخہ بھی امروہہ کے گھروں میں شاید مشکل ہی سے دستیاب ہو سکے گا۔ نواب وقار الملک کی یادگاریں دوسرے مقامات پر قائم ہوئیں اور موجود ہیں مگر خود امروہہ اس تخیل سے خالی ہے۔ لیکن اب بھی وقت ہے کہ نواب صاحب مرحوم کی کوئی موزوں یادگار امروہہ میں امروہہ والے قائم کریں ؎

نام نیک رفتگاں ضائع مکن　　　تا بماند نام نیکت برقرار

(اب نواب وقار الملک کی چند ایسی تحریریں پیش ہیں جو خاص امروہہ سے متعلق ہیں۔ مؤلف)

یادداشت متعلقہ ڈپوٹیشن[۳۸]

خط نمبر ۵۵۔ نواب[۳۹] مدار المہام کے پرائیوٹ سکریٹری مسٹر فردوں جی جمشید جی جن کا خطاب ہے نواب فریدوں جنگ ہمرکاب ہیں اُن کے ذریعہ سے یا اگر مولوی عبداللہ صاحب نے اس عرصہ

---

۳۸ امروہہ کے سنّی مسلمانوں کے عربی مدرسہ واقع جامع مسجد کی طرف سے یہ وفد وزیراعظم ریاست نظام کی خدمت میں شاید صوبہ یو، پی کے کسی مقام پر حاضر ہوا تھا۔ اس وفد کی رہبری کے لئے یہ یادداشت وقار الملک نے تیار کی تھی اور شاید وفد لے جانے کی رائے بھی انھوں نے ہی دی تھی۔

۳۹ غالباً نواب سر وقار الامراء بہادر سے مراد ہے جو ان دنوں حکومت نظام کے وزیراعظم یعنی مدار المہام تھے۔ (مؤلف)

میں اور کوئی سلسلہ پیدا کر لیا ہو تو اس دوسرے ذریعہ سے اطلاع کرا دی جاوے۔

۲۔ عرضداشت کی ایک نقل بھی باریابی سے قبل سرکار ممدوح میں بھیجدینی ہوگی تاکہ وہ پہلے سے مطلع رہے کہ کیا چیز پیش ہونے والی ہے اور جواب کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھیں ایسا ہی دستور ہے۔

۳۔ پس ایک نقل وہ بھی خوش خط عمدہ کاغذ پہ تیار کرا لی جاوے۔ اس کو مولوی مظہر علی صاحب تحریر فرما دیں تو کافی ہے۔

۴۔ ہمراہ ڈیپوٹیشن جس وقت اول مرتبہ نواب مدار المہام سرکار عالی دام اقبالہم کے حضور میں پیش ہوں تو نذر پیش کریں۔ میرے نزدیک پانچ روپیہ فی کس کافی ہیں۔ نذر کے پیش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اول کچھ دور سے خوب جھک کر چند مرتبہ سلام کریں یعنی آداب بجا لاویں۔ پھر آگے بڑھ کر اور قریب جا کر تہ شدہ صاف رومال پر پانچ روپیہ رکھ کر نذر پیش کی جاوے۔ سرکار اگر قبول فرمالیں فہو المراد لیکن امید یہ ہے کہ ہاتھ رکھکر واپس فرما دیں اگر ایسا ہو تو پھر قبولیت نذر کی نسبت اصرار نہ کیا جاوے بلکہ ممکن ہے کہ نواب صاحب ہاتھ بھی نہ رکھیں اور زیادہ با اخلاق طریقہ سے قبولیت نذر سے معذرت کر دیں۔

۵۔ شاہ جی بہاء الدین صاحب نذر میں روپیہ پیش (نہ) کریں بلکہ کوئی متوسط درجہ کی عمدہ تسبیح نذر میں پیش کریں۔ علماء اور مشائخ کی نذریں حیدرآباد میں اسی قسم کی ہوتی ہیں وہ نذر سرکار غالباً قبول کریں گے۔

۶۔ نذریں پیش ہونے کے بعد اجازت چاہی جاوے کہ عرضداشت پیش ہو اور اُس وقت مولوی ممتاز علی صاحب کھڑے ہو کر اس کو من اولہ الی آخرہ بسم اللہ الرحمٰن سے شروع کر کے آخر تک پڑھیں اور ختم کرنے کے بعد اس کو لفافہ میں رکھ کر دیا ہی کھلا ہوا لفافہ کشتی میں رکھ کر اور اوپر سے تورہ پوش ڈھک کر سرکار میں پیش کر دیں جس کو یا سرکار خود اپنے ہاتھ سے لیں گے یا اُن کا کوئی عہدہ دار یا کوئی چوبدار وغیرہ۔

۷ - جس وقت ممبران سرکار میں پیش ہونے کے لئے کمرہ کے اندر جانے لگیں تو جو کوئی چوبدار وغیرہ اس وقت اندر ساتھ جانے کو ہوں وہ کشتی و تورہ پوش مع لفافہ عرضداشت اُن کو دیدیا جاوے اور سمجھا دیا جاوے کہ اس کو وہ آپ صاحبوں کے ساتھ اندر لے چلیں اور جس وقت پیش کرنے کا وقت آوے اس وقت وہ عرضداشت کشتی میں سے لے کر پیش کردی جاوے اور پھر لفافہ میں بند کر کے جس طرح اوپر مذکور ہوا اور چوبدار کے ہاتھ سے وہ کشتی وغیرہ پڑھنے والے صاحب لے کر اپنے ہاتھ سے سرکار میں اس کو پیش کردیں -

۸ - اس کے بعد سرکار کو جو فرمانا ہوگا سرکار اس وقت فرمادیں گے یا بعد کا وعدہ کریں گے یا سرکار کی طرف سے اُن کے کوئی سکریٹری کوئی جواب ارشاد کریں گے اور اگر وقت ہوا تو سرکار شاید مدرسہ وغیرہ کے کچھ حالات ممبران ڈپوٹیشن سے مزید دریافت کریں - اسی اثناء میں جناب منصف صاحب اپنی عرضداشت کی تائید میں اور نواب مدارالمہام دام اقبالہم کی فیاضیوں کی تعریف میں اور بہ نسبت مسلمانوں کی عقیدت کے جو حیدرآباد ریاست کے ساتھ ہے جیسا مناسب ہو تقریر فرماتے رہیں اور اپنے ساتھ کے باقی دو ممبروں کے حالات بھی مختصراً عرض کردیں تاکہ سرکار کو معلوم ہو جاوے کہ یہ سب لوگ کس درجہ کے ہیں -

۹ - چوبدار وغیرہ اگر عطردان لا کر پیش کردیں تو اول کچھ استادہ ہو کر آداب بجالائیں اور پھر عطر کو چمچی سے لے کر جو ہمیشہ عطردان کے ساتھ ہوتی ہے اپنے رومال پر لگا کر ایک منٹ سے بھی کچھ کم تامل کریں اور پھر خود ہی اٹھکر رخصتی آداب اسی طرح بجالائیں جس طرح اول آتے وقت ہوا تھا اور رخصت ہوں واپسی کیوقت یہ احتیاط ضرور ہے کہ سرکار کی طرف پشت نہ ہونے پائے - عطر لیتے وقت بعض لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ اول عطر لگا لیتے ہیں اور اُس کے بعد کھڑے ہو کر آداب بجالاتے ہیں - کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چوبدار عادتاً عطر پیش کر دیتے ہیں مگر خود سرکار کا منشاء جلد رخصت کرنے کا نہیں ہوتا اور وہ سلسلہ تقریر بدستور جاری رکھتے ہیں - پس اگر ایسا اتفاق ہو تو عطر لے لیا جاوے اور عطر کا آداب بھی بجالایا جاوے

مگر سلسلہ تقریر بدستور جاری رکھیں اور جب معلوم ہو کہ وہ سلسلہ ختم ہوا تب وہاں سے رخصت ہوں۔ عطر ملنے کے بعد پھر زیادہ قیام کا ارادہ اپنی طرف سے نہ کیا جاوے۔ عطر کا پیش ہونا درحقیقت ایک پیام رخصت ہوتا ہے جب تک کہ اُس کے خلاف کسی اشارہ سے کچھ اور نہ پایا جاوے۔ اور جس وقت معلوم ہو کہ طرفین سے گفتگو ختم ہو گئی ہے اور ایک منٹ کے قریب خاموشی میں گذرا ہے اس وقت برخاست کرنی چاہئے اور اگر سرکار خود روکیں تو توقف کریں اور پھر علیٰ ہذالقیاس کسی سکوت کے بعد رخصت ہوں۔

۱۰ ۔ مشتاق حسین کا ذکر اول تو آئے گا نہیں اور اگر آوے تو عرض کر دیا جاوے کہ وہ امروہہ میں ہے اور ہم نے ان سے کہا تھا کہ وہ بھی کچھ مدد کریں لیکن انھوں نے عذر کیا کہ خاص حالات کی وجہ سے مجھ کو سرکار میں کسی گذارش کا موقع نہیں ہے۔ ——

باقی برائے ۔شنخ ۔ ۲۷ ر اگست ۱۸۹۵ء

(تین اور تحریریں نواب وقار الملک کی ایسی پیش کی جاتی ہیں جو امروہہ ہائی اسکول میں عربی زبان کو بطور دوسری زبان کے رائج کرنے سے متعلق ہیں - مؤلف)

خط نمبر ۵۶ - امروہہ ۲۴ ر رجب ۱۳۱۱ھ نبوی یکم فروری ۱۸۹۴ء

بعالی خدمت حضرات اراکین صاحبان انجمن اہتمام مدرسہ اسلامیہ عربی امروہہ واقع مسجد جامع

انگریزی ہائی اسکول امروہہ میں عربی زبان کی تعلیم کی غرض سے جو تجویز قرار پائی ہے وہ آپ کے دستخطوں کے لئے اس عریضہ کے ذریعہ سے پیش کی جاتی ہے۔ مولوی سید اعجاز حسن صاحب سے اور مجھ سے جو گفتگو اس باب میں ہوئی اور ہمارے باہم جو قرارداد ہوا ہے وہ یہ ہے کہ دس روپیہ ماہوار کا بندوبست شہر کے اہل سنت وجماعت کی طرف سے ہو اور دس روپیہ ماہوار کا حضرات امامیہ کی طرف سے اور افسران سررشتہ تعلیمات سے یہ درخواست کی جاوے کہ وہ مہربانی سے ایسا انتظام رکھیں کہ منجملہ دو مدرسین فارسی وعربی کے جو ہائی اسکول میں آئندہ رہیں گے ایک سنی المذہب ہوں اور دوسرے امامیہ مذہب۔ یہ تفریق

قطع نظر اس کے کہ امروہہ کی حالت کے لحاظ سے یوں بھی موزوں ہوگی زیادہ تر اس خیال پر مبنی ہے اور جو ابھی صرف دلوں میں رہنے کی قابل ہے کہ آئندہ اگر سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم کے لئے اجازت ہوئی جس کے لئے کوشش ہو رہی ہے تو یہی دو مدرس بآسانی تمام دونوں فریق کے طلباء کو بقدر ضرورت مذہبی تعلیم دے سکیں گے اور چونکہ اس وقت فارسی..... مدرس امامیہ مذہب رکھتے ہیں تو عربی کے یہ مدرس سنی المذہب ہونے چاہیں - یہ بھی تجویز ہے کہ اگر ممکن ہو تو اور لوگوں سے جن کو عربی سے خاص دلچسپی ہے اور جن کے لڑکے بھی مدرسہ میں عربی پڑھیں اور جو استطاعت بھی رکھتے ہوں ان سے بھی اس خاص کام میں چندہ لیا جاوے اور حتی الامکان ایسی فکر بھی کی جاوے کہ ابتدائے عربی مدرس کی تنخواہ بیس روپیہ ماہوار سے کچھ کم مقرر ہو اور آئندہ چند سال میں شرائط مناسب کے ساتھ اضافہ ہوتے ہوتے بیس؁ روپیہ تک اس کی تکمیل ہو جاوے لیکن ان آخر الذکر دو[2] تجویزوں سے اگر کچھ کفایت ہوگی تو وہ بطور سرمایہ محفوظ اور احتیاطی کے کام میں آوے گا۔ دس؁ روپیہ ماہوار کا جو انتظام ہم کو اس وقت دونوں فریق سے کرنا ہے وہ ہونا چاہیے۔ اہل سنت وجماعت کی طرف سے تو یہی تجویز مستحسن ہے کہ یہ مدرسہ اسلامیہ عربی امروہہ دس روپیہ ماہوار کی کفالت قبول کرے اور جو کوشش ہم لوگوں سے اضافہ مداخل مدرسہ میں ہو سکے گی وہ مدرسہ اسلامیہ عربی کے واسطے ہوتی رہے گی، اس خاص دس روپیہ ماہوار کا جداگانہ چندہ حضرات اہل سنت وجماعت کی طرف سے نہ ضروری ہے اور نہ مناسب - تجویز جو دستخطوں کے لئے پیش ہے اور جس کی نقل کتاب روئداد میں کردی جاوے گی چونکہ وہ حکام کے سامنے اور عام میں بھی پیش ہو سکے گی لہذا اس میں سُنّی شیعہ کی کوئی تفریق اور اس قسم کا تذکرہ مناسب نہیں سمجھا گیا لیکن یہ عریضہ بھی ایک کاغذ مدرسہ اسلامیہ عربی کے دفتر کا کاغذ متصور ہوگا اور مولوی اعجاز حسن صاحب یا بعض دوسرے اور صاحبوں کو میں اُسے خاص طور پر دکھلا سکوں گا اور آخر میں جو منفقہ

درخواست حکام کے سامنے شہر کی طرف سے پیش ہوگی اُس میں اُن امور کا لحاظ رکھا جاوے گا اور مہربانی سے اس کاغذ کے ذیل میں ہی آپ صاحبان اپنے دستخط ثبت فرمادیں تو مناسب ہے۔ والتسلیم ۔ خاکسار مشتاق حسین ۔

مجھ کو اس رائے سے اتفاق ہے ۔

احمد حسن صدر مدرس ومہتمم مدرسہ اسلامیہ

محمد محب علی خاں بقلم خود ۔ سید غلام حسین از طرف سید ابن علی ممبر مدرسہ علی محمد بقلم خود ۔ سید محمد رحمت علی بقلم خود ۔ محمد علی خان بقلم خود ۔ محمد نادر شاہ خاں عفی عنہ تسلیم احمد عفی عنہ بقلم خود ۔

خط نمبر ۵۷ ۔

۲ ۔ ممبران ومہتمم مدرسہ اسلامیہ عربی امروہہ واقع مسجد جامع بالاتفاق اسبات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ امروہہ کے ہائی اسکول میں عربی زبان بھی بطور دوسری زبان کے داخل کی جاوے اور ایک مدرس عربی کے تقرر کے ہائی اسکول میں عربی زبان بھی بطور دوسری زبان کے داخل کی جاوے اور ایک مدرس عربی کے تقرر کے لئے باضابطہ تحریک عمل میں لائی جاوے جس کی تنخواہ بیس روپیہ ماہوار اس وقت فرض کی جاتی ہے۔ اس میں سے دس روپیہ ماہوار کی کفالت اس مدرسہ کی طرف سے کی جاوے گی اور دس روپیہ ماہوار کے چندہ کا بعض دیگر حضرات شہر نے وعدہ کیا ہے۔ فقط

المرقوم ۲۴ رجب ۱۳۱۱ھ نبوی مطابق یکم فروری ۱۸۹۴ء

منظور ہے	منظوری	منظور
مشتاق حسین ۔ ۲۴ رجب ۱۳۱۱	احمد حسین صدر مدرس ومہتمم ۔	محمد محب علی خاں بقلم خود

سید غلام حسین از طرف سید ابن علی ممبر مدرسہ ۔ سید محمد رحمت علی بقلم خود ۔ علی محمد بقلم خود ۔ محمد علیخان بقلم خود

محمد نادر شاہ خاں عفی عنہ   تسلیم احمد عفی عنہ بقلم خود ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

امروہہ ہائی اسکول میں زبان انگریزی کی تعلیم کے ساتھ عربی زبان کی تعلیم کا ایک انتظام

خط نمبر ۵۸۔ جس وقت امروہہ میں ہائی اسکول قائم ہوا ہے اس وقت سے اہل شہر کی طرف سے برابر اس بات کا اظہار ہوتا رہا ہے کہ اسکول میں انگریزی زبان کی تعلیم کے ساتھ عربی زبان کی تعلیم کا انتظام بھی ضروری ہے۔ لہذا گذشتہ پجشنبہ کو جبکہ جناب ٹی۔سی۔لوئیس صاحب بہادر ایم، اے ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم امروہہ تشریف لائے تھے تو احقر نے اور مولوی سید اعجاز حسن صاحب اور دیگر حضرات نے جو اُس وقت تشریف رکھتے تھے جناب ممدوح سے اہل شہر کی طرف سے اس اہم ضرورت کا اظہار کیا اور بہت خوشی سے میں اہل شہر کو یہ مژدہ دیتا ہوں کہ جناب ممدوح نے اُس ضرورت سے اتفاق فرمایا۔ لیکن جس آمدنی سے اس وقت ہائی اسکول کا خرچ چل رہا ہے چونکہ اس میں سردست اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ ایک عربی مدرس کی تنخواہ اس میں سے نکل سکے لہذا جناب ممدوح نے یہ توقع دلائی ہے کہ اگر تین برس تک اہل شہر عربی مدارس کی تنخواہ کا بندوبست کر دیں اور اس عرصہ میں یہ ثابت ہو جاوے کہ اہل شہر اس انتظام سے کافی طور پر مستفیض ہوتے ہیں تو آئندہ جناب ممدوح اس تنخواہ کا کوئی اور انتظام حتی الامکان فرما دیں گے اور مقدار تنخواہ کی نسبت یہ قرار پایا ہے کہ بالفعل پندرہ روپیہ ماہوار سے شروع ہو اور ہر سال ایک روپیہ ماہوار اضافہ ہوتا رہے یہاں تک کہ بیس روپیہ ماہوار تک نوبت پہونچ جاوے چنانچہ احقر نے اہل شہر کی طرف سے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا ہے۔

میں جس وقت اس ذمہ داری کو قبول کر رہا تھا تو اس کے وزن سے بخوبی واقف تھا اور اب بھی واقف ہوں لیکن چونکہ ایک ایسے اعلی درجہ افسر کی تشریف آوری کا موقع امروہہ جیسے ایک قصبہ میں بار بار نہیں ہوا کرتا (اور) جناب ممدوح دونوں متحدہ صوبوں ممالک

مغربی و شمالی اور اودھ کے صیغہ تعلیم کے سب سے اعلیٰ افسر اور سب سے زیادہ مقتدر حاکم ہیں اور یہ صرف ہماری ایک خوش قسمتی تھی جو جناب ممدوح نے اس قدر تکلیف گوارہ فرما کر امروہہ کو اپنی تشریف آوری سے عزّت بخشی اور ہماری زبان کی تعلیم کے متعلق اس قدر التفات فرمایا تو اس موقع کا ہاتھ سے دُنیا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

اور مجھ کو اپنے شہری بزرگان علم دوست سے امید ہے کہ وہ اس چندہ میں جس کی مدت تین سال تک ہوگی ایسی فیاضی اور سیر چشمی سے بذل ہمت فرما دیں گے کہ مجھ کو سب کے آخر میں اپنا نام اس معزز چندہ میں صرف بغرض حصول ثواب شامل کرنا باقی رہ جاوے گا والتسلیم۔

خاکسار۔ مشتاق حسین

مولوی سید اعجاز حسن	ظہور حسن
۱۲ ششماہی	ایک روپیہ ماہواری

(یہاں وقار الملک کی ایک ایسی تحریر پیش ہے جو ای۔ اے۔ ایلن صاحب (غالباً ڈسٹرکٹ یا اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور) پریزیڈنٹ امروہہ میونسپل بورڈ کی موسومہ ہے اور جس کا تعلق امروہہ ٹاؤن حال کے استعمال سے ہے ۔ مؤلف)

خط نمبر ۵۹ ۔ امروہہ ۔ یکم جون ۱۸۹۸ء

مائی ڈیر سر۔ بہ سلسلہ اپنی چٹھی کے مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ گذشتہ میٹنگ امروہہ میونسپل بورڈ میں بعض ممبروں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ہائی اسکول کے متعلق کمیٹیوں کے لئے ہائی اسکول ہی زیادہ موزوں مقام ہے اور ٹاؤن ہال میں ... کافی وسعت بھی نہیں ہے ۔ لہذا قبل اس کے کہ آپ میری درخواست کا مہربانی سے کچھ جواب دیں میں اس قدر اور بھی عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ انگلش تعلیم تو بوجہ اپنے گراں اخراجات کے بہت تھوڑے سے اشخاص کی تعلیم کا مسئلہ ہو سکتی ہے (لیکن) جن کمیٹیوں کی ضرورت سے میں نے ٹاؤن ہال کے استعمال کی اجازت چاہی ہے اُن کے ذریعہ سے زیادہ تر ملک کی ورنیکلر عام تعلیم کا انتظام مقصود ہے لہذا بالفعل کسی خبرل

میٹنگ کی ضرورت نہیں ہے جس میں عام شہر کے متوطنین شریک ہوں گے - یہ جنرل میٹنگ منعقد ہو چکی ہے اور وہ ہائی اسکول میں منعقد ہوئی تھی اور اگر کبھی آئندہ جنرل میٹنگ کی ضرورت پیش آئی تو بلاشبہ اسکول ہی کا مکان اس کے لئے موزوں ہے لیکن اب جو کمیٹیاں منعقد ہوں گی اور جن کے بار بار منعقد ہونے کی ضرورت ہے وہ کام کرنے والی کمیٹیاں ہوں گی، اور ان میں ممبروں کی تعداد اکثر اوقات دس بارہ سے زیادہ نہ ہوگی اور ہائی اسکول میں بار بار ایسی کمیٹیوں کا منعقد ہونا اسکول کے ہرج کا موجب ہے اور اگرچہ ممکن ہے کہ پرائیوٹ مکانات سے یہ کام لیا جاوے اور میں خود اپنے مکان کو بہت خوشی سے اس کام میں لانے کے لئے موجود ہوں لیکن زیادہ مناسب یہی تھا کہ ایسے ایک پبلک کام کے لئے کوئی پبلک بلڈنگ ہی کام میں لائی جاتی - اور یہ تو کچھ محتاج بیان نہیں ہے کہ اسی کارروائی کے وقت اس بات کا خیال ہم لوگوں کا کام ہوگا کہ میونسپل کے صیغہ کے کاموں میں ہماری کمیٹیوں کی وجہ سے کسی قسم کا حرج نہ ہو - میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں خود میونسپل بورڈ کی میٹنگ کے وقت موجود ہوتا تو اس قسم کی کوئی گفتگو پیش نہ آتی جو ظاہرا کسی نہ کسی قسم کی غلط فہمی پر مبنی ہے اور اگر آپ اس بات کی ضرورت سمجھتے ہوں کہ اُس غلط فہمی کی اصلاح دوسری میٹنگ ہی کے ذریعہ سے ہو تو مجھ کو اس میں بھی کوئی عذر نہیں ہے اور مجھ کو اجازت دی جاوے کہ دوسری آئندہ میٹنگ میں میں خود حاضر ہو کر اس کو پیش کروں اور اصل تو یہ ہے کہ (یہ) ایسی خفیف سی بات تھی کہ سیکرٹری کمیٹی خود اس کی اجازت دے سکتے تھے لیکن جیسا کہ میں نے بالمشافہ بھی آپ سے عرض کیا تھا آجکل بعض مقامات کے جوشیلے لوگوں کی پولیٹیکل کمیٹیوں نے سرکاری افسروں کو یہاں بھی اس قسم کی احتیاطوں پر مجبور کر دیا ہے ورنہ نہ آپ کو اس میں کسی خاص تکلیف فرمانے کی ضرورت تھی اور نہ یہ مسئلہ کوئی اہم مسئلہ بورڈ کی میٹنگ میں پیش ہونے کے قابل تھا -

(امروہہ کے انگلش مڈل اسکول کو ہائی اسکول تک ترقی دینے کے سلسلہ میں امروہہ میونسپل بورڈ کی طرف سے نواب وقار الملک نے جن تحریکات کو ضروری سمجھا اور ان کا مسودہ مرتب فرمایا تھا اب اس مسودہ کو ملاحظہ فرمائیے مخفی نہ رہے کہ نواب صاحب نے میونسپل بورڈ کی ممبری وغیرہ سے خود کو ہمیشہ علیحدہ رکھا تھا۔ مؤلف)

خط نمبر ۶۰۔ جناب صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ بہادر کا حکم مورخہ بستم جولائی ۱۸۹۳ء بجواب رزولیوشن بورڈ ہذا پیش ہوا اور مفصلہ ذیل رزولیوشن بالاتفاق پاس ہوے۔

اول رزولیوشن:۔ جناب ممدوح نے جو تائید اس بورڈ کے رزولیوشن کی فرمائی اور امروہہ کے انگلش مڈل اسکول کو ہائی اسکول تک ترقی دینے کی غرض سے جناب صاحب ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن بہادر کی خدمت میں رپورٹ بھیجی اس کے لحاظ سے بورڈ کا شکریہ جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر کی خدمت میں ادا کیا جاوے۔

دوم رزولیوشن:۔ بلحاظ جناب ممدوح کے اس ارشاد کے کہ جس قدر جلد ممکن ہو بورڈ کو یہ بات ظاہر کرنی چاہئے کہ آئندہ کے انتظام کے واسطے کیا تجویز ہے بالاتفاق یہ تجویز ہوئی کہ اُس تمام زائد ذمہ داری کو جو ہائی اسکول کی وجہ سے عائد ہوگی اس اضافہ محصول کی بنیاد پر جو حال میں چند جدید اضافوں کی وجہ سے میونسپل (بورڈ) کی سالانہ آمدنی میں ہوگئی ہے اپنے ذمہ قبول کرنا ہے اور بالفعل خاص اس غرض سے کسی جدید محصول کے اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔ آئندہ اگر کسی وقت میونسپل بجٹ میں گنجائش نہ معلوم ہوگی تب کسی جدید اضافہ محصول کی نسبت مناسب تجویز عمل میں آوے گی۔

رزولیوشن سوم:۔ اہل شہر کی طرف سے جو درخواست پیش ہوئی ہے اس کے آخری فقرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حال کی تجویز کا زیادہ تر منشا یہ ہے کہ اس سے کم مقدور لوگوں کو زیادہ فائدہ حاصل ہو جو اپنے بچوں کو تعلیم کی غرض سے امروہہ کے باہر کسی مقام پر نہیں بھیج سکتے۔ ممبران بورڈ بھی اس تجویز کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں لیکن بورڈ کا خیال ہے کہ یہ مقصود

اس وقت (تک) اچھی طرح حاصل نہ ہوگا جب تک کہ غریب لوگوں کے واسطے اس سے بھی زیادہ کوئی رعایت ملحوظ نہ رکھی جاوے اور اس لئے بورڈ کی تجویز بالاتفاق یہ ہے کہ جو غریب طالب علم فیس کے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ فیس سے معاف رکھے جاویں اور اس امر کی نسبت کہ معافی فیس کا اختیار کس کے ہاتھ میں رہے بورڈ کی رائے یہ ہے کہ جو اختیارات اس باب میں عام قواعد کے بموجب بالفعل ہیڈ ماسٹروں کو حاصل ہیں اُن کو محفوظ رکھ کر اس کے مافوق یہ اختیار کہ کسی طالب علم کو فیس داخلہ یا فیس ماہوار سے مستثنیٰ کر دیا جاوے اس بورڈ کے ہاتھ میں رہنا چاہئے اور بورڈ کو امید ہے کہ جناب صاحب ڈائرکٹر بہادر رفاہ عام کی غرض سے اسکول کے اندرونی انتظام میں اس قسم کی مداخلت ایک ایسی جماعت کی طرف سے جائز رکھنے میں دریغ نہ فرماویں گے جو کہ تمام شہر کی قایم مقام ہے اور جس کو اسکول کی ترقی کے ساتھ کامل دلچسپی اور اہل شہر کی حالت سے کامل واقفیت ہے اور جس نے اسکول کے نقد مصارف کی ذمہ داری ایک ایسی آمدنی کے ذریعہ سے اپنے اوپر قبول کی ہے جس میں غربا شہر کے محصول کا بھی معتد بہ حصہ شامل ہے۔

رزولیوشن چہارم :- جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر کی خدمت میں اس سے بھی اطلاع دیجاتی ہے کہ چندہ یکمشت کی معتدار جس کو اہل شہر نے اس غرض سے پیش کیا ہے کہ اس کی مدد سے فوراً انٹرنس کلاس قایم ہونے کی کارروائی عمل میں آسکے۔ ۱۹ ؍جولائی تک جبکہ سابق کا رزولیوشن بورڈ نے پاس کیا تھا (۶۷۰) تھی۔ اس کے بعد سے پچاس روپیہ اس چندہ میں اور وصول ہوئے ہیں جس کی بابت ضمیمہ فہرست چندہ رزولیوشن ہذا کے ساتھ منسلک ہے اور اب اس وقت تک چندہ کی تعداد (۷۲۰) ہے۔

رزولیوشن پنجم :- باوجود مذکورہ بالا ذمہ داری کے جو اس وقت ضرورتاً قبول کر لی گئی ہے یہ بورڈ درخواست کرتا ہے کہ ضلع لوکل بورڈ سے بھی وہ امداد فرمائی جاوے جو قواعد گرانٹ ان ایڈ کے مطابق امروہہ کے اسکول کو باضابطہ مل سکتی ہو۔

خط نمبر ۱۶۱ - (اب مسٹر ہارڈی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ و کلکٹر ضلع مراد آباد کا موسومہ خط مرسلہ نواب وقار الملک پڑھئے - مؤلف)

امروہہ - ۸ ر دسمبر ۱۸۹۳ء

مائی ڈیر سر - آپ کی مہربان چٹھی کا دلی شکریہ عرض ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں تمام شہر اور ہیڈ ماسٹر صاحب اور کل مدرسہ کی دلی خواہش کا اظہار کر رہا ہوں جب یہ عرض کرتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص مسٹر ہارڈی کی اس تکلیف فرمائی کا دلی شکر گذار ہوگا جو جناب ممدوح نے مہربانی سے اپنے ذمہ لی* - دوسری بات جو میں مدرسہ کی نسبت آج صبح یہ عرض کرنا چاہتا تھا اور جس کا مدرسہ میں موقع نہ ملا وہ یہ ہے کہ ہرچند یہ ایک ضروری معاملہ ہے کہ طلباء کو سال رواں کے بعد کے زمانہ کی نسبت بھی کوئی مناسب اطمینان ہو جاوے اور موجودہ یک سالہ میعاد کی قید سے ایک بڑی وقت یہ ہوگی کہ اس میعاد کے ختم ہونے کے بعد ہیڈ ماسٹر انٹرنس کلاسوں کو ایک دن بھی تعلیم نہ دے سکیں گے اور اُس وقت ایک خلجان پیش آجاوے گا اور جیسا کہ مجھ کو کل ہی خیال آیا تھا اب مزید غور کے بعد میری قطعی رائے ہے کہ اس کے واسطے بالفعل کسی خاص رپورٹ کی ضرورت نہیں ہے - جن لفظوں میں ڈایرکٹر صاحب نے منظوری دی ہے وہ بہت وسیع ہیں اور اُس حالت میں کہ اسکول کی فیس اور گورنمنٹ اور میونسپل (بورڈ) کی امداد سے ہائی اسکول قائم رہ سکتا ہے تو اب جو کچھ کرنا باقی رہ جاوے گا وہ صرف یہ ہے کہ جولائی آئندہ میں اسکول کے اسٹاف کو جو ابھی سکنڈ کلاس تک کیلئے تجویز ہوا ہو فرسٹ کلاس تک ترقی دینے کے لئے رپورٹ کی جاوے (اور) یہ معلوم ہے کہ موجودہ انتظام اور

---

* نوٹ :- نواب وقار الملک نے مسٹر ہارڈی کو اسکول کے انعامات تقسیم کرنے کی دعوت دی تھی جس کا ذکر اگلے خط میں آرہا ہے یہ اشارہ اُسی کی طرف ہے - (مؤلف)

آئندہ کی اس اسکیم میں بھی بہت ہی تھوڑا سا فرق ہے - اس طرح پر اس ایک سال کی قید کو آپ آج اٹھا دیے سکتے ہیں اور اگر میرا یہ خیال صحیح نکلے تو میعاد کے مسئلہ کی نسبت جناب کی طرف سے اظہار خیال کا سب سے بہتر موقع دوشنبہ آئندہ کو ہیڈ ماسٹر صاحب کی رپورٹ کے جواب میں ہوگا - میں سمجھتا ہوں کہ اسکول کے متعلق آپ کے دفتر کا فایل جس کا ملاحظہ میری اس گذارش کے تصفیہ کے لئے ضروری ہوگا اس وقت دورہ میں جناب کے پاس نہ ہوگا لیکن ابھی اس قدر وقت ہے کہ وہ فائل ہیڈکوارٹر سے طلب فرمالیا جاوے -

میری اس گذارش کا ماحصل صرف یہ ہے کہ جناب کے یہاں سے تشریف لے جانے کے قبل میعاد کی قید جو غالباً صرف ضلع سے قایم ہو گئی ہے اس کا اٹھ جانا اسکول کے مقاصد کے لحاظ سے بہت ضروری ہے -

(انہی ہارڈی صاحب کا موسومہ نواب وقار الملک کا ایک خط اور پیش ہے - مؤلف)

خط نمبر ۶۲ - امروہہ ۸ر دسمبر ۱۸۹۳ء

مائی ڈیر سر - مجھ کو کل خیال نہیں رہا چونکہ آج جمعہ ہے لہذا اسکول کا وقت ۸ بجے صبح سے بارہ بجے تک ہے اور اس لئے جناب کے شہر کو تشریف لانے کے وقت ہیڈ ماسٹر اسکول ہی میں موجود ہوں گے - کل کمپ سے لوٹتے وقت راستے میں مجھ کو خیال ہوا کہ جبکہ مسز ہارڈی ہماری خوش قسمتی سے اس وقت یہاں تشریف رکھتی ہیں تو انہیں کے مبارک ہاتھوں سے انعام کا تقسیم ہونا زیادہ مناسب ہوگا - اور اس صورت میں جلسہ کی غرض سے جو وقت وہ اپنے آرام کا سمجھیں وہی وقت تجویز ہو سکے گا ہیڈ ماسٹر بھی اس باب میں جناب سے عرض کریں گے - رپورٹ کے شروع اور آخر میں صرف چند لفظ بڑھانے ہوں گے -

(اب ایک جوابی تار کا مسودہ پیش ہے جو نواب وقار الملک نے غالباً ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن یا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مراد آباد کو امروہہ ہائی اسکول کے سلسلہ میں دیا تھا - مؤلف)

ریلائی برسی پیڈر۔

ادب سے عرض کرتا ہوں کہ ایک ڈپوٹیشن جو مرکب ہے پانچ اشخاص شیعہ سنی ہندو سے انگریزی اسکول کی نسبت عرض کرنے کے لئے کل صبح میرے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔

(اس جگہ وقار الملک بہادر کی ایک نامکمل تحریر کے آخری تین صفحات پیش ہیں۔ بقیہ صفحات پتہ نہیں کہ کیا ہوئے۔ یہ عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ وہ امروہہ کے ٹدل اسکول کے .... متعلق ہے کہ جس کو ہائی اسکول تک ترقی دلوانے میں نواب صاحب موصوف نے بڑی کوشش کی تھی۔ مؤلف)

یہی دعوےٰ ہوتا ہے کہ اس کے طالب علم بغیر استاد کی مدد کے اون کے مطالب پر بخوبی حاوی ہو سکیں تو اب اگر یہ تسلیم بھی کیا جاوے کہ اُن مصنفین کے خیالات مبالغوں سے خالی نہیں ہوتے اور اُن مبالغوں کو چھوڑ بھی دیا جاوے تو بھی اُن عمدہ تصنیفات کا اس قدر اثر تو ضرور ہے کہ ایک ایسے مستعد اور سلیقہ مند استاد کی کی مدد جن کی محبت اور قابلیت کا ثبوت ٹدل کی کامیابی میں ایسا صاف اور بیّن ہو چکا ہو اُن کتابوں اور سب جگٹوں کے واسطے بالکل کافی اور قابل اطمینان سمجھی جاوے۔ اور اب ان سب حالات کے لحاظ سے اور بلحاظ اپنے شہر کے عام فوائد کے میں بہت ادب کے ساتھ کہتا ہوں کہ جب ماسٹر سراج الدین کی نمایاں سعی اور کوشش سے امروہہ کے ٹدل اسکول نے ایسی بے نظیر کامیابی حاصل کی ہے تو آئندہ انٹرنس کلاس میں بھی ان کو اپنے اظہار قابلیت و محنت کا موقع دیا جاوے جس سلسلہ میں اُن کے ماتحت افسر بھی ترقی پا سکیں گے جنہوں نے ویسی ہی نمایاں کامیابی اپنے درجہ میں پائی ہے اور اس وقت اس قسم کا انتظام اُن خدمات کی قدر شناسی کے لحاظ سے بھی بہت موزوں ہوگا جو بالضرور قدر کی لایق ہیں اور آئندہ تجربہ کا میدان کھلا ہوا ہے اور اعلیٰ افسران سررشتہ

تعلیم کی نگرانی اور اس انتظام پر ہر وقت قایم رہے گی اور جس وقت تجربہ سے اُن کے نزدیک کسی اصلاح کی ضرورت معلوم ہوگی اس وقت اس کی اصلاح ہو سکے گی۔ اور اگرچہ اس وقت اس تجویز کے اختیار کرنے سے یعنی ماسٹر سراج الدین صاحب کی ہیڈ ماسٹری سے اخراجات میں بھی بالفعل کفایت رہے گی لیکن میری تجویز اخراجات کی کفایت کی غرض سے نہیں ہے بلکہ اسکول کی واقعی حاجت اور ایسے ماسٹروں کے بہم پہونچانے کی ضرورت سے ہے جن کو بہ نسبت کسی اور جدید افسروں کے اسکول کی ترقی میں غالباً بہت زیادہ دل چسپی ہوگی اور اخراجات کی بہ نسبت میری قطعی یہ رائے ہے کہ اب اور آئندہ جس قدر روپیہ کی واقعی اس کام کی غرض سے ضرورت ہے وہ بہم پہنچایا جاوے مفصلہ ذیل ذرائع سے۔

اوّل :۔ یہ مدرسہ اب ایک امدادی مدرسہ ہے جس میں امروہہ میونسپل کمیٹی اور گورنمنٹ سے مدد ملتی ہے آئندہ بھی وہ امدادی ہی مدرسہ رہے جس کی ترقی انٹرنس تک ہو جاویگی اور جس قدر رقم اُس کے لئے درکار ہے وہ میونسپل کمیٹی اور گورنمنٹ رسدی حساب سے بطور اضافہ کے مرحمت کرے۔

دوم :۔ گورنمنٹ سے اگر بالفعل اور زیادہ مدد کا وعدہ نہ کیا جاوے گو کہ ابھی قطعی مایوسی کے لئے بھی کوئی وجہ نہیں ہے تو اس حالت میں میونسپل کمیٹی سے درخواست کی جاوے کہ وہ اپنی امداد کو بہ قدر ضرورت بڑھا دے اور اس امر پر کہ ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں یقیناً معزز ممبران میونسپل کمیٹی اور اس کے اعلیٰ افسر یقیناً کافی غور کریں گے اور جہاں تک اُن کے امکان میں ہوگا یقیناً کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔

سوم :۔ اگر میونسپل کمیٹی اس وقت موجودہ آمدنی سے کلاً یا جزاً اضافہ نہ کر سکے تو اُن سے درخواست کی جاوے کہ اس خاص مقصد کی غرض سے جس سے عموم شہر کی بہت اہم غرض متعلق ہے کسی جدید ٹیکس پر یا کسی جنس کی شرح پر محصول کا اضافہ کریں اور اس غرض کے لئے

صاحب مجسٹریٹ بہادر ضلع کا نشا معلوم کرنے کے بعد میونسپل کمیٹی کو دیگر رؤسا شہر سے مشورہ کرنے کے بعد کوئی تجویز کرنی چاہیئے۔

چہارم:۔ اگر مذکورہ بالا تجاویز میں سے کسی تجویز کی منظوری کا امکان معلوم ہوتا ہو تو اس وقت تک کے لئے کہ وہ تجویز حسب ضابطہ منظور ہو اور اس کے ذریعہ سے روپیہ ملنے لگے اہل شہر کو ایک عارضی چندہ کرنا چاہیئے تاکہ فوراً خواندگی شروع ہو سکے اور طالب علموں کے وقت کا حرج نہ ہو۔

پنجم:۔ اگر اول الذکر تین تجویزوں میں کامیابی نہ ہو تو ضرور ہے کہ اہل شہر مستقل چندہ کے ذریعہ سے اُس ضرورت کو رفع کریں لیکن جو موقع خوش قسمتی سے ہاتھ آیا ہے اُس کو اگر اس وقت ہاتھ سے جانے دیا تو کچھ معلوم نہیں کہ آئندہ کب تک ہم سب کو کف افسوس ملنی پڑے گی۔

(نواب وقارالملک بہادر کی وہ تحریر پڑھیئے جو سید معین الدین صاحب سیکنڈ ماسٹر امروہہ ہائی اسکول کے بارہ میں چند مخصوص حضرات میں گشت کرائی گئی تھی۔ مؤلف)

اللہ

سید محمد معین الدّین صاحب سیکنڈ ماسٹر امروہہ ہائی اسکول اب امروہہ سے تشریف لئے جاتے ہیں اُنہوں نے جس دل سوزی سے اپنی خدمات کو انجام دیا ہے اور جو محبت اور شفقت انہوں نے طلباء اسکول کے ساتھ ظاہر کی اور جو عام مشکوری انہوں نے طلباء میں حاصل کی اور جس عزّت کی نگاہ سے اہل شہر نے ہمیشہ اُن کو دیکھا اس کے لحاظ سے یہ ایک ضروری بات ہے کہ کوئی یادگار اُن کی امروہہ ہائی اسکول کے متعلّق قایم کی جاوے اور اس کی نسبت میری ناچیز رائے یہ ہے کہ جو بڑی توجہ سید صاحب موصوف نے مبذول رکھی اور جس کی وجہ سے طلباء اسکول کو کرکٹ کے مفید صحت شغل میں مصروف رہنے کا شوق ہوا اور دیگر ماسٹران اسکول و اہل شہر بھی اُس میں شریک رہے

مجموع من حیث المجموع اس کل کارروائی نے ایک قسم کے کرکٹ کلب کی صورت اختیار کر لی ہے آئندہ اس کرکٹ کلب کو ایک باضابطہ کرکٹ کلب قرار دیا جاوے اور اس کا نام سید معین الدین کرکٹ کلب رکھا جاوے اور امروہہ ہائی اسکول سے اس کو متعلق کر دیا جاوے۔

اس وقت تک حساب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کرکٹ کلب لہ عہ کا مقروض ہے اور یہ رقم سید صاحب موصوف کی پانی ہے۔ یہ رقم معین کلب کے واسطے بغرض قایم کرنے سید صاحب موصوف کی قابل قدر یادگار کے بطور نذر پیش کرتا ہوں تاکہ جناب ممدوح کا قرضہ ادا کر دیا جاوے، اور آئندہ کی کارروائی کی نسبت میں ان جملہ صاحبان سے جن کو اس وقت تک کلب سے تعلق رہا ہے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھ کو اس قدر عزت بخشیں کہ ابتدائی ترکیب کلب کی جس حالت میں کہ وہ اسکول سے متعلق رہے گا میں جو کچھ اپنی تجویز سے قایم کر دوں اس کو سب صاحب منظور فرمالیں گے اور بعد اس کے کہ ایک دفعہ وہ کلب جس کا نام آئندہ سید محمد معین الدین کلب ہوگا اسکول کے متعلق باضابطہ قایم ہو جاوے گا ممبران وعہدہ داران حکومت کو اختیار ہوگا کہ حسب قواعد معینہ جو تجویز مناسب سمجھیں کلب کے قیام اور ترقی کی غرض سے عمل میں لاتے رہیں۔

اور اب میں اول اس تجویز کو مع رقم مذکورہ بالا (لہ عہ) کے خود سید صاحب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ وہ ہماری اس ناچیز گذارش اور دینی رقم نذگی کلب کو قبول فرماکر اجازت دیں کہ اس کلب کا نام "سید معین الدین کلب" رکھا جاوے اور اس طرح پر ان کی ایک ہر دل عزیز یادگار ہم لوگوں میں قایم رہے۔ تحریر ۸ مئی ۱۸۹۶ء - ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ یوم جمعہ امروہہ۔ خاکسار مشتاق حسین۔

(اس تحریر کے بعد مولوی محمد معین الدین صاحب نے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ مؤلف)

میں نے جو کچھ کیا ہے وہ در اصل اتنا بھی نہیں ہے جس کو فرض کا پورا ادا کرنا بھی کہا جائے اور جو کچھ نواب صاحب بالقابہ تجویز فرماتے ہیں اصل تو یہ ہے کہ میرے استحقاق سے

کہیں زیادہ ہے لیکن جناب ممدوح کی قدردانی کے بدلہ میں میں کچھ اور نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ نہایت شکر گذاری سے اس تجویز کی متابعت کروں اور دوبارہ پھر شکریہ ادا کروں۔ سید محمد معین الدین ۔ ۸ مئی ۱۸۹۶ء

(اس عبارت کے نیچے "ہم سب کو بہت خوشی سے اتفاق ہے" کے الفاظ درج ہیں اور حسب ذیل دستخط ہیں ۔ مؤلف)

محمد سراج الدین ہیڈ ماسٹر ۔ گنگا پرشاد (بخط ہندی)

عبدالجلیل ۔ (بہ خط انگریزی)

H. Manohar
Sibghat ullah, Fazal Ahmad
Hazari Lal, Bakhtyar uddin

(اب نواب وقار الملک بہادر کا ایک خط موسومہ مولوی سید اعجاز حسن صاحب رئیس امروہہ پڑھئے ۔

خط نمبر ۶۳ ۔ (مؤلف)

امروہہ ۱۳ فروری ۱۸۹۹ء ۔ ۲ شوال ۱۳۱۶ نبوی ۔

جناب مخدومی و مکرمی سید اعجاز حسن صاحب سلامت تسلیم ۔ میں اس وقت ایک سخت ضرورت سے سنبھل جاتا ہوں اپنے والد ماجد سے میرا بہت بہت سلام عرض کیجئے اور یہ کہ اسی وجہ سے میں حاضری سے قاصر رہا ورنہ آج میں ضرور اپنی حاضری کا قصد کر رہا تھا۔ معلوم نہیں کہ جناب ممدوح کب تشریف لے جانے والے ہیں ۔ اقرار نامہ پر جناب ممدوح کی گواہی بحیثیت موجودہ ان الفاظ اور تاریخ کے ساتھ ثبت کرا لیجئے کہ

> بعلم و رضامندی مضمون دستاویز ہذا
> سید مظہر علی فرزند سید رمضان علی مرحوم بقلم خود
> ۱۲ فروری ۱۸۹۹ء بمقام امروہہ

نمبر وغیرہ کی صحت ہوتی رہے گی والتسلیم ۔ خاکسار ۔ مشتاق حسین ۔

(انہی سید اعجاز حسن صاحب کا موسومہ اب دوسرا خط ملاحظہ ہو۔ مؤلف)

خط نمبر ۶۴ - امروہہ - یکم اپریل ۱۸۹۹ء

جناب مخدومی و مکرمی سید اعجاز حسن صاحب سلامت - السلام و علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اب سب رجسٹرار صاحب کی طرف سے بھی تقاضا ہے کہ رجسٹری آج ہونی چاہئیے - ورنہ اُن پر الزام ہوگا کہ کانٹ ننگ کمیشن کی کارروائی ہوئی اور امروہہ میں چراغ کے نیچے اندھیرا - لہٰذا امید ہے کہ جو کچھ بھی طے ہوا ہو اس کے نتیجے سے آگہی بخشی جاوے - اور آپ کے ارشاد کے انتظار ہی میں یہاں سے لالہ ہرپرشاد کو کوئی تحریک نہیں ہوئی ہے ورنہ معاملہ اب بظاہر کوئی پیچیدہ نہیں رہا ہے اور ہرپرشاد کو یقیناً اس میں عذر نہ ہوگا کہ اپنا روپیہ رجسٹرار صاحب کے سامنے لے کر رسید کی رجسٹری کرادیں اور چار سو روپیہ کے تمسک کی واپسی میں بھی اُن کو کوئی عذر نہیں تھا بعد اس کے کہ ان کا متفرق مطالبہ ادا کر دیا جاوے جس کے لئے آپ آمادہ ہیں پھر با ایں ہمہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ معاملہ میں وہ کونسی مشکل واقع ہے جس کی وجہ سے انتظار بالائے انتظار کی ضرورت پیدا ہوتی جا رہی ہے پانچ منٹ میں معاملہ ختم ہو سکتا تھا اور ہو سکتا ہے - والتسلیم - خاکسار - مشتاق حسین -

(انہی سید صاحب کے موسومہ نواب وقار الملک کے تحریر کردہ ایک خط کی نقل مولوی شفیق احمد زبیری صاحب کے پاس دیکھنے کو ملی - اس خط کی تاریخ ۱۹ مئی ۱۸۹۹ء ہے اور یہ خط ماہ محرم میں لکھا گیا ہے - اس خط کا آخری فقرہ ملاحظہ ہو - مؤلف)

..... ماہ محرم میں اس قسم کی تکلیف دہی کی معافی چاہی جاتی ہے اور امید ہے کہ اس کام کو بھی جس میں احقاق حق ہوتا ہے آپ کار ہائے ثواب ہی میں داخل فرما دیں گے -

(جو خط آگے آرہا ہے وہ نواب وقار الملک بہادر نے غالباً مولوی سید اعجاز حسن صاحب رئیس امروہہ کے والد ماجد مولوی سید مظہر علی صاحب کو لکھا ہے -)

(مؤلف)

خط نمبر ۶۵ - امروہہ - ۱۶ مئی ۱۸۹۷ء

جناب قبلہ وکعبہ ام سلامت

کل شام مجلس میں جناب کے کارندہ صاحب نے جناب عالی کی طرف سے فرمایا کہ چونکہ حکیم امداد حسین صاحب کے تماشہ واپس کر دئے تھے - لہذا جناب عالی اور نواب علی[۴۱] خاں صاحب آج تمہاری مجلس میں تشریف نہیں لائے - اگر تو وہ تماشہ لے لے تو وہ تشریف لے آویں اور یہ بھی انہوں نے فرمایا کہ آج شام دن بھر یہی بحث ومباحثہ جناب عالی اور حکیم نیاز علی خاں صاحب میں ہوتا رہا ہے اور آخر فیصلہ یہی قرار پایا ہے - یہ وہ وقت تھا جب کہ مجلس کے اختتام میں چند منٹ ہی باقی تھے - میں نے اُن سے عرض کیا کہ اب اس وقت تو وقت بہت ہی تنگ ہے - میں اس کا جواب اس وقت دے نہیں سکتا اور افسوس ہے کہ آج بھی مجھ کو اس کی نسبت کچھ عرض کرنے کا موقع نہیں ہے - کل انشاءاللہ تعالے عرض کروں گا لیکن اس قدر میں اس وقت بھی عرض کر سکتا ہوں کہ میں جناب عالی کی مشکلات سے اس معاملہ میں کامل طور سے واقف ہوں - خاکسار - مشتاق حسین

(اب نواب وقار الملک کا ایک خط موسومہ آر - جی - ہارڈی صاحب کلکٹر ومجسٹریٹ مراد آباد پڑھئے - مؤلف)

خط نمبر ۶۶ - امروہہ - ۲۲ مارچ ۱۸۰۹ء

مائی ڈیر سر - بہ سلسلہ اپنی چٹھی مورخہ ۲۰ مارچ کی گذارش کے جس میں میں نے عرض کیا تھا کہ میں ہز آنر کی شرف ملازمت حاصل کرنے کی غرض سے ۲۳ مارچ کی صبح کو

---

[۴۱] خاں صاحب نواب علی خاں صاحب رئیس امروہہ مؤلف شمس التواریخ سے مراد ہے جو ڈپٹی حکیم امجد علی خاں صاحب امروہوی کے صاحبزادہ اور مولوی حامد علی خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا کے چھوٹے بھائی تھے - آخر الذکر پر ایک تفصیلی نوٹ کسی دوسری جگہ انہی صفحات میں دیا گیا ہے - مولوی کاظم علی خاں صاحب ایڈوکیٹ رئیس امروہہ انہی نواب علی خاں صاحب کے داماد ہیں - مؤلف)

اپنی حاضری سے آپ کی خدمت میں اطلاع دوں گا اب یہ عرض کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں کہ میں نے اپنا کل کا مراد آباد آنا ملتوی کر دیا ہے۔ شیعوں کے ایک بہت بڑے عالم اور مجتہد شیخ احمد نامی جو بغداد (کربلا) میں رہتے ہیں وہ چند مہینہ سابق میں بھی امروہہ تشریف لائے تھے، تو وہ اس وقت .... لکھنؤ میں تھے۔ وہ اب تھوڑے دنوں سے پھر امروہہ آئے ہوئے ہیں اور میری دانست میں یہاں کے شیعوں اور سنیوں کی باہمی صلح میں ایک بہت عمدہ آلہ کے طور پر کام میں لائے جاسکتے ہیں اور اس لئے میں نے ان سے اس معاملہ میں گفتگو شروع کر دی ہے اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آسان سے آسان ذریعہ صلح کا اگر ہے تو یہی ہے۔

گورنمنٹ کا حکم جو آپ کی روبکار کے ذریعہ سے اس عرصہ میں امروہہ میں صادر ہوا ہے اگرچہ دونوں فریقوں کو اس کی نسبت کچھ کچھ شکایت ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے شہر کی امن یا بے امنی دونوں گروہوں کے جاہل لوگوں کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی ہے لیکن جس بات پر میں ابتداء سے زور دیتا چلا آتا ہوں وہ میرا مقصد بھی اس سے حاصل ہو گیا ہے یعنی کہ حکم ممانعت جو اس بنیاد پر نافذ ہوا تھا کہ اس قسم کے الفاظ کا استعمال قدیم سے رائج نہیں اس کی منسوخی نے قدیم و جدید کی بحث کو درمیان سے اٹھا دیا ہے اور کوئی فعل صرف اس بنیاد پر جائز و ناجائز نہ قرار دیا جاوے گا کہ وہ قدیم ہے یا جدید اور اب سرکاری افسروں کو لا محالہ ہر ایسے معاملہ متنازعہ فیہ میں یہ طے کرنا پڑے گا کہ جس فعل کی نسبت شکایت کی جا رہی ہے درحقیقت اس سے شاکی گروہ کو کوئی ایذا اور تکلیف پہونچتی ہے یا نہیں اور اسی بنیاد پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے نزاعوں کا تصفیہ بھی غالباً از سر نو کرنا ہوگا اور یہ وہی امر ہے جس کو میں نے بارہا آپ کی اور دیگر افسروں کی خدمت میں عرض کیا ہے اور اسی بنیاد پر میں نے مجتہد موصوف سے گفتگو شروع کی ہے۔

خاکسار

مشتاق حسین

(یہاں نواب وقار الملک کی لکھی ہوئی ایک ایسی تحریر پیش کی جاتی ہے جس کا تعلق امروہہ کے شیعہ سُنی تنازعات سے ہے اور جس میں ایک کسی دوسرے صاحب نے اصلاح کی معلوم ہوتی ہے۔ مؤلف)

اللہ

شرائط صلح فی مابین اہل تشیع و اہل سنت و جماعت امروہہ، تجویز پنچان مقبولہ فریقین جس میں ہر ایک فریق نے دوسرے فریق کا پاس خاطر ملحوظ رکھا ہے

۱۔ شیعہ صاحبان اپنی اذان میں صبغتہ رسول اللہ کے ساتھ لفظ بلا فصل نہ کہیں گے۔

۲۔ نماز و اعمال عاشورہ ادا کرنے کی غرض سے شیعہ صاحبان نے عیدگاہ اہل سنت و جماعت پر جانے سے دست برداری کی۔ فرقہ شیعہ کو عیدگاہ اہل سنت و جماعت میں فی الحال عاشورہ ادا کرنے کے لئے جو حکم ممانعت پیشگاہ صاحب مجسٹریٹ سے صادر ہوا ہے وہ واجب العمل ہوگا۔

۳۔ جو بازاریں کو جلوس کے ساتھ عشرہ محرم میں علم سڑکوں پر سے قدیم سے نکلتے ہیں وہ بدستور جاری رہیں گے اور ان کی فہرست بطور ضمیمہ صلحنامہ ہذا بہ دستخط پنچان فریقین کے اس کے ساتھ شامل ہے۔ تخت متنازعہ کو پنچان فریقین نے اس وقت دیکھ کر اپنا اطمینان کرلیا ہے اور اب اس وقت جو صورت اس کی ہے وہ یہ ہے کہ اس پر چھڑکی ہوئی چادر بچھی ہوئی ہے اور اس پر دو تکیے اور ایک کلام اللہ شریف رکھا ہوا ہے اور کوئی بارپوش (؟) اس پر نہیں ہے اور کوئی شبہ اس پر نعش کا نہیں رہا ہے۔ پس اگر اس ہیئت موجودہ سے آئندہ وہ تخت اٹھایا جاوے تو سُنی صاحبان کو اس میں عذر نہ ہوگا۔

۴۔ سید آل محمد صاحب کے گھوڑے کی نسبت جو حکم ممانعت پیش گاہ صاحب مجسٹریٹ بہادر سے صادر ہوا ہے اس کو فریقین نے تسلیم کیا اور اسی کے مطابق عمل ہوگا۔

۵۔ اس صلحنامہ کے ذریعہ سے جس امر کی ذمہ داری جس فریق پر عائد ہوتی ہے اس کی بابت بحالت خلاف ورزی وہی فریق ذمہ دار ہوگا جو اس وقت خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہو۔ سوگ یا ولادت کی وجہ سے جب کہ مستورات گھر سے باہر نہیں جاسکتیں یا مرض کی حالت میں مجبوری خواہ ذکور سے تعلق ہو یا اُناث سے جب کوئی شیعہ اپنے ہاں کسی ایسے مکان میں ذوالجناح کا لانا چاہیں جس کے راستہ میں دور تک سنیوں کے مکانات نہ ہوں تو شہر کے اہل سنت وجماعت کو عام طور پر اس میں کچھ عذر نہ ہوگا۔

(اب نواب وقار الملک کا ایک اور خط موسومہ مجسٹریٹ صاحب ضلع مراد آباد پڑھئے جو امروہہ کے شیعہ سنی تعلقات پر روشنی ڈالتا ہے اور جس سے نواب صاحب کے کردار کے بعض پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ مؤلف)

خط نمبر ۶۷۔ ای ایچ رڈی مجسٹریٹ ضلع مراد آباد

سر۔ کل جو فرد امور نزاعی کی شیعہ سنیوں نے آپ کی خدمت میں پیش کی ہے اس میں اُنہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "علموں کے ساتھ پالکی میں کوئی سوار ہو کر نہ نکلے" یہ ایک اور معاملہ ہے جو میری ذات سے متعلق ہے اور اس لئے ان چند سطروں کے پیش کرنے کی میں بہت ادب سے اجازت چاہتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ ۸ محرم کو (۱۲ جولائی ۱۸۹۴ء) جس روز کہ آپ خود امروہہ میں تشریف لائے تھے علموں کے اٹھنے سے کچھ تھوڑی دیر پیشتر میرے نام تحصیل سے ایک حکم پہونچا کہ آپ کا حکم ہے کہ میں بھی علموں کے ساتھ رہ کر انتظام میں اور شہر کی امن قایم رہنے میں مدد دوں اور یہ بھی مجھکو خارج سے معلوم ہوا کہ میری اس شرکت کی درخواست بعض شیعہ رئیسوں کی طرف سے ہوئی تھی۔ اگرچہ میں اُس عرصہ میں علیل تھا لیکن میں نے کوشش کی کہ حتی الامکان مجھ کو ایک ایسے نازک موقع پر حکم کی تعمیل ہی کرنی چاہئے اور باوجود ممانعت اپنے طبی مشیروں کے میں پالکی میں سوار ہو کر علموں سے مناسب فیصلہ (فاصلہ پر) پیچھے پیچھے ساتھ ہوا، اور

اس طرح جانے کی اطلاع میں نے تحصیلدار صاحب کو بھی کر دی اور پولیس کو بھی جو شریک انتظام تھا اور ہائی اسکول کے موقع تک اسی طرح میں علموں کے ساتھ رہا - اس تمام عرصہ میں اپنے جس جس شیعہ دوستوں سے مجھ سے ملاقات ہوئی میں نے اپنی علالت کی وجہ سے اپنے پالکی میں سوار ہونے کا عذر کیا، ہائی اسکول کے احاطہ میں مجھ سے اور سید حسن صاحب ضیا وکیل سے جنھوں نے کہ اب فرد امور نزاعی پر دستخط کئے ہیں اور مولوی سید اعجاز حسن صاحب آنریری مجسٹریٹ اور حاجی سید مقبول احمد ممبر میونسپل بورڈ سے ایک ہی وقت میں ملاقات ہوئی اور ان سے بھی میں نے وہی عذر بیان کیا اور میں اُن کے بیان سے مطمئن ہوا کہ انہوں نے میری یہ معذرت قبول کی ہے - اُسی وقت تحصیلدار صاحب کے پاس سے جو اس وقت دوسرے نازک ترین حصہ شہر میں مصروف انتظام تھے میرے رقعہ کا جواب ملا جس میں انہوں نے میری علالت کے لحاظ سے مہربانی سے مجھ کو واپس جانے کی اجازت دی تھی اور جہاں سے میں اپنے مکان کو واپس چلا آیا - اب جہاں تک میں سمجھتا ہوں مجھ کو یہ اقرار کرنا چاہئے کہ شیعہ صاحبوں کا مطلب اپنی اس حال کی تحریر سے غالباً میرے اوپر اعتراض کرنے کا نہیں ہے بلکہ وہ میری اس معذرت سے جو میں نے صرف اخلاقاً گذشتہ موقع پر ان کی خدمت میں پیش کی، موقع حاصل کر کے یہ چاہتے ہیں کہ میری معذرت تحریر میں آجاوے اور آئندہ کے لئے یہ فیصلہ ہو جائے کہ علموں کے ساتھ پالکی کی سواری ممنوع ہے، مجھ کو تو کوئی عذر اپنی اس اپالوجی کے اعادہ میں نہیں ہے اور بخوشی اس کو قلمبند کئے دیتا ہوں لیکن اس سے درحقیقت وہ مسئلہ جو شیعہ صاحبان نے پیش کیا ہے عام طور پر ان کے مفید مدعا نہیں ہوسکتا - میری وہ اپالوجی میرا وہ ذاتی فعل تھا اور محض ایک اخلاقی بات تھی - مجھ کو اگر راستہ میں کہیں ہندوؤں کی کوئی ارتھی جاتی ہوئی ملے گی اور میں دیکھوں گا کہ اس کے ساتھ میرے کچھ ہندو دوست پیادہ جارہے ہیں تو میں ہمیشہ ایسے موقع پر تعظیماً سواری سے اتر کر چند قدم پیادہ ان کے ساتھ چلوں گا -

اپنی دکن کی سروس کے زمانہ میں ایک وقت مجھ کو ایک ڈویژن کی کمشنری کی عزت حاصل تھی اور مجھ کو انتظاماً ہندوؤں کے ایک بہت بڑے میلہ میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا جہاں یہ رسم تھی کہ ہندو لوگ اپنے کنہیا کی مورت کو دودھ سے نہلاتے تھے۔ میں نے ہندو پوجاریوں سے کہا کہ اگر ایک ہندو کمشنر اس وقت دودھ کا گھڑا اپنے سر پر رکھ کر تمہاری مورت کو نہلانے کے لئے اس موقع پر موجود ہوتا تو جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں موجود ہوں کہ وہی ہندوانی لباس پہن کر اور دودھ کا گھڑا اپنے سر پر رکھ کر تمہاری پرستش کے موقع پر حاضر ہوں۔ مگر اس طرح پر کسی کا ذاتی......فعل اور خصوصاً جبکہ اس کا اظہار محض اخلاقاً ہوا ہو نہ دوسروں پر حجت ہو سکتا ہے اور نہ دوسرے مقام کے لئے شیعہ صاحبان بلاشک یہ مشقت گوارا کرتے ہیں اور جلتی ہوئی ٹھار دھوپ میں ننگے سر اور ننگے پاؤں تمام شہر کا چکر لگاتے ہیں مگر وہ یہ سب کچھ اپنے مذہبی خیالات اور اخروی ثمرات کی امید پر کرتے ہیں اور یہ اس قسم کے خیالات ہیں کہ ان کی بنیاد پر لوگ اس سے بہت زیادہ مشقتیں برداشت کرتے رہے ہیں اور برداشت کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات جان تک سے بھی دریغ نہیں کرتے لیکن جو لوگ اُن کے ہم خیال نہیں ہیں ان کو وہ کیوں اپنی سی مشقت پر مجبور کرتے ہیں جب کہ ان کو کوئی برتری بمقابلہ دوسرے فریق کے نہیں ہے شیعہ جن کی آبادی امروہہ میں پانچ ہزار ہے وہی مساوی حقوق رکھتے ہیں جو سنیوں کا دوسرا فریق جن کی آبادی پندرہ ہزار ہے اور اب تک جو عمدہ اخلاق سنیوں اور ہندوؤں کی طرف سے ان کی نسبت برتا گیا ہے وہ نتیجہ اس عمدہ اور قابل تعریف اخلاق کا ہے جو قدیم وقتوں سے ہر ایک مناسب موقعہ پر شیعہ صاحبان کے مورث اپنے دوسرے ہمسایوں کے ساتھ عمل میں لاتے رہے تھے۔ اور اپنی نسبت میں صرف اسی قدر اور عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ میں اپنی خوشی سے نہیں بلکہ بطور اپنی ڈیوٹی کے علموں کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا گیا تھا اور اگر اتفاق سے اس موقع پر میں بیمار نہ بھی ہوتا تو بھی مجھ کو اپنی اس ڈیوٹی کی انجام دہی

ہیں ضرور کسی آرام دہ سواری سے مدد لینی پڑتی اور حقیقت تو یہ ہے کہ شیعہ صاحبان نے جو اس انتظام میں مجھ کو شریک کرنے کی درخواست کی یہی ایک غیر ضروری بات تھی۔

میری عمر کا بہت بڑا حصہ ایک ثلث صدی کے قریب اکثر وطن سے باہر گذرا ہے اور اب اپنی باقی عمر کو اپنے وطن میں بطور ایک ایسے شخص کے بسر کر دینا چاہتا ہوں جو اس قسم کے فریقی نزاعوں سے بالکل علٰحدہ ہو اور جہاں تک اس کے امکان میں ہو عموم شہر کے فائدہ رسانی میں اپنا وقت صرف کر دے مثلاً عام تعلیم میں مدد کرنا جو اس وقت میری زندگی کا سب سے زیادہ دلچسپ مشغلہ ہے۔ نہ مجھے کسی ممبری کی آرزو اور نہ آنریری مجسٹریٹی وغیرہ کی تمنا۔ جس قدر مجلسیں اور کمیٹیاں اس وقت تک شہر والوں میں باہم منعقد ہوئیں مَیں نے ہمیشہ اپنے آپ کو اُن سے علٰحدہ رکھا۔ ۸ محرم (۱۲ جولائی) کو میرے پاس جب تحصیل سے یہ باضابطہ اطلاع آئی کہ شیعوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ سنیوں کی عیدگاہ میں نماز عاشورہ کو نہ جاویں تو میں نے اس پر صاف لکھدیا کہ میں مقدمہ میں کوئی فریق نہیں ہوں اور آئندہ بھی مجھ کو اس قسم کے جھگڑوں سے معاف رکھا جاوے۔

ایک ایسا شخص جو اس طرح پر پبلک کے مشوروں اور تجویزوں کی شرکت سے ہمیشہ علٰحدہ رہا ہو ایسے فساد کے موقع پر اپنا کافی اثر نہیں ڈال سکتا۔ لہذا میں نے سنی اور شیعہ دونوں صاحبان سے یہی عرض کیا ہے اور بہت ادب کے ساتھ میں حضور سے بھی یہی التجا کرتا ہوں کہ میرے اوپر بے انتہا مہربانی ہوگی اگر مجھ کو ان معاملات سے آئندہ بالکل معاف فرما دیا جاوے۔ امروہہ کے اکیس ہزار مسلمانوں میں سے کم از کم ایک شخص تو ایسا بھی چاہئے جو اس قسم کے جھگڑوں سے علٰحدہ ہو اور اس کو ہر وقت میں سُنی اور شیعوں سے اُن کے تعلیم کے مسئلہ کی نسبت یکساں تعلقات کے ساتھ گفتگو اور صلاح و مشورہ کا موقع حاصل رہے۔ آخر میں جناب عالی سے اپنی اس طویل گذارش کی معافی چاہتا ہوں۔ فدوی مشتاق حسین۔ پنشنر ہزہائینس دی نظام گورنمنٹ متوطن امروہہ۔

(اب دوسرا خط پڑھئے - اس خط میں ایک مضمون کا تذکرہ ہے جو نواب صاحب نے برسوں پہلے تحریر فرمایا تھا - مؤلف)

خط نمبر ۶۸ - ۱۶ راگست ۱۸۹۴ء - مقام امروہہ

مائی ڈیر سر - آپکی چٹھی ۱۸ ر شہر حال کے لحاظ سے میرا دلی شکریہ قبول فرمائیے جو کل کی ڈاک سے مجھ کو ملی اور اب یہ ہر طرح لائق اطمینان امر ہے کہ امروہہ کے معاملات آپ جیسے منتظم اور مضبوط ہاتھوں میں ہیں - میں جس وقت اپنا پہلا عریضہ آپ کو لکھ رہا تھا اس وقت وہ اعتراض جو آپ نے اس امر کی نسبت اب فرمایا ہے کہ میں کیوں اپنی شہر کی امن و اماں کی کارروائی سے علٰحدہ رہا صاف طور پر خود میرے پیش نظر بھی تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک معاملہ کے تعلق میں اکثر اوقات کچھ مستثنیات بھی ہوا کرتی ہیں اور میری یہ علٰحدگی اس وقت تک اسی قسم کا ایک استثناء رہا ہے جس کو میں اپنی حاضری کے وقت پوری تفصیل سے عرض کروں گا اور جس میں بعض وہ امور بھی ہیں جو غالباً آپ کی توجہ کے مستحق ہیں اور اگرچہ مہربانی سے آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ کسی شنبہ کے روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہوں لیکن امروہہ کی موجودہ حالت کے لحاظ سے اپنی حاضری کے وقت کا تعین میں پھر آپ ہی کی مرضی اور مہربانی پر محول کرتا ہوں -

مکرر

آج کی ڈاک سے میں ایک کاپی اپنے ایس سے کی بھیجتا ہوں جو مسلمانوں اور دیگر اہل مذاہب کی باہمی دوستی کے متعلق ہے - یہ مضمون اب سے بیس برس پیشتر میں نے ایک اردو کے رسالہ تہذیب الاخلاق میں مشتہر کیا تھا اور چند سال ہوئے جو بعض انگلش دوستوں کی خواہش سے اس کا یہ انگریزی ترجمہ ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو میں بھی مشتہر ہوا ہے -

(یہاں سرجان اسٹریچی کا موسومہ نواب وقار الملک کا تحریر کردہ ایک خط پیش ہے۔ انڈین سول سروس کے یہ وہی صاحب ہیں جو مراد آباد وغیرہ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رہنے کے بعد صوبہ متحدہ کے لفٹنٹ گورنر بنے اور بعد میں ہندوستان کے گورنر جنرل بھی رہے۔ علی گڑھ میں ایم۔اے۔او۔ کالج کے سرسید کورٹ کا اسٹریچی ہال انہی کی یادگار ہے۔ سرسید اور وقار الملک سے ان کے خاص تعلقات تھے۔ مؤلف)

خط نمبر ۶۹۔ امروہہ۔ ۷ر جنوری ۱۸۹۵ء

مائی ڈیر سر۔ بعد اُس ادائے شکر کے جس کی عزت مجھ کو جناب عالی کی مہربانی اور معزز چٹھی کے لحاظ سے ۱۸۹ء (یہ سنہ اتنا ہی لکھا ہوا ہے۔ مؤلف) میں حاصل ہوئی تھی۔ مجھ کو مختلف قسم کے معاملات سے مختلف قسم کے موسموں کی طرح ساتھ رہا ہے۔ اسی عرصہ میں میرے آقا ہز ہائینس نظام نے حیدرآباد میں مجھ کو ایک بہت عمدہ کوٹھی نہایت عمدہ موقع پر مالکانہ عنایت فرمائی جس میں میں نے اپنی ذات سے ایک بڑی حد تک مناسب عمارتی اضافہ کیا۔ اور اب اس کا کرایہ چار ہزار روپیہ سال کے قریب خود ہز ہائینس کی گورنمنٹ سے مجھ کو وصول ہو رہا ہے جس نے اپنی پبلک دفاتر کی ضرورت سے اُس کو کرایہ پر لے لیا ہے اور اس جائداد کی نسبت میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ آئندہ نسلاً بعد نسلٍ میری اولاد میں ہز ہائینس کی فیاضی اور قدردانی کی یادگار کے طور پر قایم رہے گی۔ اس کے علاوہ میرے خطابوں میں بھی بہت کچھ اضافہ کیا گیا اور میری تنخواہ میں بھی چوبیس ۲۴ سو روپیہ تک ترقی کی گئی (مساوی دو ہزار روپیہ سکہ گورنمنٹ۔) گورنمنٹ موصوف کی طرف سے اگرچہ یہ فیاضیاں میری خدمات کی قدرشناسیوں سے بھی بہت زیادہ تھیں لیکن بایں ہمہ ایک وقت وہاں ایسا آیا (آخر ۱۸۹۲ء) کہ میں نے یہی بہتر سمجھا کہ جس امر کی تکمیل سے اب تک مجھ کو اُس گورنمنٹ نے باز رکھا تھا اب اس کو باصرار حاصل کرنا چاہئے یعنی پنشن۔ فرسٹ سر سالار جنگ بہادر نے جس وقت مجھ کو حیدرآباد طلب

فرمانے کے بعد یہ طے فرمایا تھا کہ پنشن کے وقت برٹش گورنمنٹ کی ملازمت بھی محسوب کی جاوے گی جس کی مدت اُس وقت ۱۳ سال تھی اور اس کے بعد ۱۹ سال مجھ کو ہز ہائینس کی گورنمنٹ کی ملازمت کی عزت حاصل رہی اور اس طرح پر میں اپنی درخواست کی منظوری میں کامیاب ہوا، اور مزید برآں اُس چھ سو روپیہ ماہوار پر جس کو گورنمنٹ نے پنشن کی غایت قرار دیا تھا نواب سر آسمان جاہ بہادر کی خاص سفارش کے لحاظ سے ہز ہائینس نے براہ نوازش ایک سو روپیہ اسپیشل طور سے اضافہ فرمادیے جس کی وجہ سے اب مجھ کو سات سو روپیہ وہاں کے سکہ سے پنشن کی بابت وصول ہوتے ہیں (مساوی تقریباً سات ہزار روپیہ سالانہ سکہ گورنمنٹ) میری سروس حیدرآباد میں جس طرح پر ختم ہوئی اُس کی نسبت اس کے ساتھ دو چٹھیاں جناب عالی کے ملاحظہ کی غرض سے ملفوف کرتا ہوں جس میں سے ایک مسٹر پلاوڈن سی-آئی-ای ریزیڈنٹ وقت کی چٹھی ہے اور دوسری سر ڈینس فٹز پیٹرک صاحب سابق ریزیڈنٹ حال لفٹنٹ گورنر پنجاب کی۔ الغرض اس طرح پر میری عمر کا جہاز ۳۲ سال سفر کے بعد جس میں کبھی مختلف خطرات اور مشکل مقامات اور کبھی خوشگوار موسم اور خوش منظر مواقع پیش آتے رہے پوری محفوظی اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی کے بعد کنارہ سلامتی پر پہونچا اور اس کے لحاظ سے میں اپنے خدا کا جس کے فضل کرم سے میں ہر مشکل اور نازک وقت میں بھی اپنے اس جہاز کو اچھی طرح چلا سکا جس قدر شکر بھی ادا کروں کم ہے۔ اور اب میں اپنے وطن امروہہ میں جہاں پیشتر سے میری کچھ موروثی اور کچھ مکسوبہ ذاتی جائداد بھی مواضع جاگیر کی قسم سے واقع ہے اور جس کی تین ہزار روپیہ سالانہ آمدنی علاوہ میری پنشن اور کرایہ مکان حیدرآباد کے مجھکو وصول ہوتی ہے ۵۵ سال کی عمر اور کافی صحت و تندرستی کے ساتھ اطمینان سے اپنی زندگی بسر کر رہا ہوں اور ایک کام کرنے والے شخص کو کام کی کہیں بھی کچھ کمی نہیں ہوتی اور اب بھی میری لائف کا بڑا حصہ پبلک لائف کی قسم کا ہے۔ ہندوستان کے ہر چپہ زمین پر خاندانوں اور اپنے وطن اور ملک

اور قوم کے متعلق ہر انسان پر اس قدر کثرت سے فرائض پائے جاتے ہیں اور خصوصاً مسلمانوں کے متعلق کہ اگر ان میں جی لگایا جاوے تو ہر ایک میری سی مصروفیت کا شخص اپنا تمام وقت اسی میں صرف کرسکتا ہے۔ حال ہی میں سر چارلس کراسٹھویٹ صاحب بہادر ہمارے صوبہ کے لفٹنٹ گورنر نے مہربانی سے مجھکو الہ آباد یونیورسٹی کا فیلو مقرر فرمایا ہے۔ کام اور محنت اور وقت کی مصروفی مقدار میں گو کچھ بہت زیادہ فرق نہیں ہوا ہے لیکن اس کی نوعیت کے بدل جانے سے اور اس آزادی کے مل جانے سے کہ کام اور وقت میرے قابو میں ہے نہ کہ میں کام اور وقت کے قابو میں روحانی راحت میں بڑا فرق محسوس ہونے لگا ہے اور اس کی مجھ کو بلاشُبہ ضرورت بھی تھی۔ میری ملازمت کا تمام زمانہ بہت ہی محنت کا زمانہ رہا ہے اور آخر کے پانچ چھ سال تو اس قدر سخت محنت اور مشقت اور دماغی مصروفی میں گذرے کہ ممکن نہیں تھا کہ آئندہ بھی میں اُسی طرح اور کسی زیادہ عرصہ تک بغیر اپنی صحت کو کامل خطرہ میں ڈالے ہوئے کام کرتا رہتا۔

میرے حیدر آباد کی موجودگی ہی میں میرے بیٹے محمد احمد بیرسٹرایٹ لاجن کی نسبت اس کے قبل بھی میں جناب عالی کی مہربانی توجہ کا خواستگار ہوچکا ہوں اپنی انگلش بی بی کے ساتھ انگلستان سے حیدر آباد آگئے تھے، یہ افسوس کی بات ہے کہ اپنی اس شادی کے بعد اُن کو اور مسز محمد احمد کو آپ سے اور لیڈی اسٹریچی سے ملنے کی عزت حاصل نہ ہوئی جس کی نسبت آپ نے مہربانی سے اپنے سابق کے عنایت نامہ میں اشارہ فرمایا تھا۔ جس وقت آپ کا وہ مہربان خط مجھکو حیدر آباد میں ملا وہ دونوں انگلستان سے میری تجویز سے (براعظم دیگر بلاد یورپ کو روانہ ہوچکے تھے تاکہ ہندوستان آنے سے پہلے بطور ایک جزو اپنی تعلیم و تربیت یورپ کے اس سیر و سیاحت کا سرسری تجربہ حاصل کریں اور یہ ایک اتفاق کی بات تھی کہ جس وقت آپ وائینا میں یا اس کے قریب کہیں تشریف رکھتے تھے تو وہ بھی اُسی طرف ہو کر گذرے اور اگر ان کو پہلے سے آپ کے خط کا مضمون معلوم ہوتا تو سرسری طور پر وہ آپ کو آداب بجالانے کی عزت وہاں حاصل کرسکتے تھے مگر یہ کچھ نہ ہوسکا اور اپنی اس سیاحت

براعظم کے خاتمہ ہی پر وہ ہندوستان کو روانہ ہوگئے۔ حیدرآباد میں کچھ عرصہ تک ساتھ رہے۔
اس موقع پر مجھکو ایک آپ سے مربی خاندان کے سامنے یہ بھی خوشی سے عرض کر دینا ضروری
کہ اگرچہ نوجوان لڑکوں کا اس طرح پر کسی دور و دراز ملک میں شادی کرنا (گو کہ یہ شادی میری
اور میری بی بی کی اجازت سے ہوئی تھی اور اس کے قبل بعض اور ضروری احتیاطیں بھی میں نے
اس کے متعلق کرلی تھیں) ایک قسم کا جوا ہوتا ہے لیکن خوش قسمتی سے پالنہ بہت سیدھا پڑا
اور محمد احمد کی بی بی اس قدر عمدہ مزاج کی بی بی نکلیں کہ ہم کو کوئی افسوس اب تک اس تعلق میں
برداشت کرنا نہیں پڑا اور نہ صرف اسی قدر بلکہ مجھ کو اور میری بی بی اور میری لڑکیوں کو اور دوسرے
میرے تمام خاندان کی بی بیوں اور مردوں کو جن جن کو اب تک اُن سے ملنے کا اتفاق ہوا
پوری مسرت اس تعلق کی وجہ سے ہوئی ہے اور رنگتی فرق کے علاوہ ہم کو اور کوئی فرق
خاندان اور غیر خاندان کا معلوم نہیں ہوا اور یہ بلاشبہ بہت کچھ مسز محمد احمد کی عمدگی مزاج
اور ہمارے لوگوں کی بے تعصبی (سے) ہوا۔ اب میں جناب عالی کی توجہ پھر اپنے بیٹے
اور آپ کے خادم محمد احمد کی نسبت چاہتا ہوں اور اسی فقرہ کا پھر ایک دفعہ اعادہ کرنا
چاہتا ہوں جو ۱۸ء میں میں نے ان کی نسبت عرض کیا تھا یعنی یہ کہ جو کچھ ان کی نسبت
مجھ کو کرنا چاہئے تھا میں اس کو کر چکا ہوں اور اب صرف آپ جیسے مربی کی دستگیری کی
ضرورت ہے۔ محمد احمد کی نسبت عین اس وقت جبکہ حیدرآباد میں میرا کافی انفلوینس تھا
میں نے اس بات کا قطعی فیصلہ کرلیا تھا کہ اون کے تعلقات آئندہ اپنی قدیمی اور موروثی
گورنمنٹ سے قایم ہونے چاہئیں اور اسی خیال سے میں نے حیدرآباد اسٹیٹ سے ایک
پیسہ کی مدد بھی کبھی محمد احمد کی تعلیم وغیرہ کے متعلق قبول نہیں کی حالانکہ مجھ سے بہت سے
جونیر عہدہ داروں کی اولاد کو برابر اس قسم کی مدد دی جا رہی تھی اور اب تک دیجاتی
ہے۔ محمد احمد کے ہندوستان پہونچنے کے بعد یہ ضرور تھا کہ کسی نہ کسی ہائی کورٹ میں وہ
انرول ہوں اور بیرسٹری کا عملی تجربہ ان کو حاصل ہو۔ اس وقت میں نے مدارس پریسیڈنسی

کو اس غرض سے اون کے لئے سب سے زیادہ موزوں خیال کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کی تمام پریسیڈنسیوں میں سے صرف مدراس پریسیڈنسی ہی ایسی پریسیڈنسی تھی کہ صوبہ بھر میں کوئی ایک مسلمان بیرسٹر بھی موجود نہ تھا اور باوجود مسلمانوں کی معتدبہ تعداد ہونے کے مسلمانوں کا درجہ گورنمنٹ کی اعلیٰ خدمات میں بہت ہی گھٹا ہوا تھا اور یہ بالکل صاف بات تھی کہ مسلمانوں کا یہ تنزل گورنمنٹ کی اعلیٰ خدمات میں اون تعلیم کے قصور سے تھا اور بعد اس کے کہ کوئی تعلیم یافتہ مسلمان مدراس گورنمنٹ کے سامنے موجود ہو اس کو کوئی عذر اس باب میں نہ ہوگا کہ اس کی لیاقت اور درجہ کے مطابق اس کے ساتھ سلوک ہو۔ اور اس لئے بہ حیثیت ایک امیدوار گورنمنٹ کی اعلیٰ خدمات کے محمد احمد کے لئے مدراس پریسیڈنسی سے بہتر دوسری پریسیڈنسی ہو نہیں سکتی تھی اور میرا یہ خیال یہاں تک صحیح تھا کہ اس دو برس سے زیادہ عرصہ گذرنے پر بھی جب سے محمد احمد نے اس صوبہ میں ایک بیرسٹر کی حیثیت سے کام شروع کیا ہے اس صوبہ کی بجنسہ وہی حالت ہے اور اور اس وقت بھی کوئی دوسرا مسلمان بیرسٹر وہاں موجود نہیں ہوا اور مسلمانوں کی حالت سرکاری اعلیٰ عہدوں کی حیثیت سے بدستور پستی میں ہے۔ صیغہ جوڈیشل کا وہ سب سے بڑا عہدہ جس کی کوئی نیٹو توقع کر سکتا ہے یعنی ہائی کورٹ کی ججی آج تک وہاں ہندوؤں کی گویا موروثی ملکیت ہے اور اب میری عاجزانہ درخواست یہ ہے کہ جناب عالی براہ نوازش لارڈ ایلجن لارڈ ونلاک اور چیف جسٹس مدراس ہائی کورٹ اور اپنے جن معزز دوستوں سے مناسب خیال فرمادیں محمد احمد کی نسبت سفارش کریں تاکہ وہ ابھی سے گورنمنٹ کی کسی ایسی معزز خدمت پر سرفراز کئے جاویں جس میں اون کا تجربہ اور گورنمنٹ کا اعتماد ان کی نسبت بڑھتا رہے اور رفتہ رفتہ ایک روز وہ مدراس ہائی کورٹ کی ججی پر لئے جاسکیں۔ اور اس امر کی نسبت کہ محمد احمد کا آبائی وطن (صوبہ ؟) مغربی و شمالی میں ہونا اون کی مدراسی کامیابی میں ہارج ہوگا یا نہیں، میں نے ابتدا ہی میں کہا تھا اور صاف معلوم ہوا کہ اون نظائر کے لحاظ سے جو ہمارے سامنے اس وقت پیش ہیں کوئی عذر پیش نہ ہوگا۔ اصل بات جو سب سے زیادہ

اس قسم کے تقررات میں لحاظ کے قابل ہوتی ہے وہ میرے نزدیک صرف یہ ہے کہ جس شخص کا تقرر ہو اس کے صوبہ کے ہم قوم شخص اوس تقرر سے مطمئن خاطر ہوں اور دوسروں کو بھی کوئی خاص وجہ اعتراض کی نہ ہو۔ اور یہ میں کہہ سکتا ہوں کہ محمد احمد میں وہ صلاحیت ہے جس سے یہ نتیجہ بہت اچھی طرح پیدا ہو سکے گا اور اخیر تصفیہ اس کا تو بلاشبہ مقامی گورنمنٹ پر منحصر ہوگا اور میری یہ درخواست صرف اس قدر ہے کہ جس چیز کی صلاحیت محمد احمد میں جس وقت پائی جاوے اس کے عنایت کرنے میں گورنمنٹ اُن کے ساتھ فیاضانہ سلوک برتے۔ محمد احمد نے مدراس ہائی کورٹ میں انرول ہونے اور کچھ عرصہ تک خاص ہائی کورٹ میں کام کرنے کے بعد یہ مناسب سمجھا ہے کہ اول مفصلات میں تجربہ حاصل کریں جس کو نئے بیرسٹر اکثر اختیار کرتے ہیں اور اس لئے اب وہ چند عرصہ سے بنگلور میں کام کر رہے ہیں جس کا کمپ بلحاظ انگریزی فوجی چھاؤنی کے ایک رنگ انگریزی ضلع ہے اور جس کی سطح میں ریاست میسور کا چیف کورٹ اور دوسری اکثر عدالتیں ہیں اور جہاں برابر انگلش لا کے مطابق کارروائی ہوتی ہے اور بسا اوقات فریقین کی طرف سے بیرسٹر پیروکار ہوتے ہیں اور بنگلور کے علاوہ قریب قریب کے انگریزی اضلاع کی عدالتوں میں بھی جانا ہوتا ہے۔ اس بنگلور کے قیام کے زمانہ میں کرنل ہینڈرسن نے جو اس وقت کے ریزیڈنٹ ہیں اُن کو یہاں تک پسند کیا ہے کہ خود اپنی طرف سے تحریک کرکے اور مدد دے کر ان کو خاص کمپ بنگلور میں میونسپل کمشنر بھی مقرر کیا ہے۔ محمد احمد کو اپنے وطن سے غیر حاضر ہوئے دس برس ہو چکے تھے اور ان کی بی بی نے ابھی اپنے ہندوستان کے اصلی وطن کو نہیں دیکھا تھا لہذا ہم لوگوں کے اصرار سے وہ دونوں اس نوروز کے روز امروہہ آئے ہیں اور اس موسم سرما کا باقی سیزن وہیں ختم کرکے پھر بنگلور کو واپس جاویں گے اور وہ دونوں آپ کی اور لیڈی اسٹریچی کی خدمت میں آداب عرض کرتے ہیں اور اس میں میں بھی ان کے ساتھ شریک ہونے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔ ابھی مجھ کو اور محمد احمد کو آپ کے

صاحبزادے مسٹر اسٹریچی سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا، البتہ مسٹر اسٹریچی جوآپ کے قدیم ضلع مرادآباد میں اس وقت سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں اُن سے ملنے کی عزت مجھ کو حاصل ہوئی ہے اور گو کہ میں نے اپنی طرف سے ان کی خدمت میں یہ عرض کر دیا ہے کہ آپ کی سپرنٹنڈنٹی پولیس ضلع کے علاوہ بہت بڑا تعلق ہمارا آپ سے یہ ہے کہ آپ ہمارے مربی خاندان کے بھتیجہ ہیں لیکن بہ نسبت اس کے کہ یہ الفاظ انہوں نے میری زبان سے سُنے شاید زیادہ بہتر ہوگا کہ آپ کی طرف سے اُن کو کوئی اطلاع ہو اور اس لئے اگر ایک مختصر سا انٹروڈکشن لیٹر آپ اپنے صاحبزادے کے نام مجھ کو علیحدہ بھیجدیں اور اسی میں اُن کو بھی کچھ لکھدیں تو وہی تحریر میں اپنے دونوں مخدوموں کو دکھلا سکوں گا۔

مکرر - آج ہی کی ڈاک سے میں دو نسخہ اپنی ایک اسکیم کے بھی مرسل کرتا ہوں جو میں نے مذہبی تعلیم کی نسبت صوبہ کی گورنمنٹ میں پیش کی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ نے اپنے اعلیٰ افسران سررشتہ تعلیم سے رائیں طلب کی ہیں اور اب یہ مسئلہ گورنمنٹ میں زیر غور ہے اور گو کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ آخر نتیجہ اس کا کیا ہوگا لیکن ایک فرض جو اپنے ملک اور اپنے ملک کی گورنمنٹ کا اس معاملہ کے متعلق میرے اوپر تھا اُس سے میں اپنے نزدیک سبکدوش ہو گیا ہوں - ایک کاپی اپنے ایک پرانے اسپیس سے کی بھی آج کی ڈاک سے میں نے جناب کی خدمت میں مرسل کی ہے موسوم بہ

یہ اسپیس سے اپنے حیدرآباد جانے سے قبل میں نے اُردو کے کافذ محمڈن ریفارمر میں مشتہر کیا تھا اور چند سال قبل اُس کا یہ ترجمہ انگریزی میں علیحدہ بھی چھاپا گیا تھا - اگر یہ رسالہ اس کے قبل میں خدمت میں بھیج چکا ہوں تو اس مکرر تکلیف دہی کی معافی کا خواستگار ہوں بالآخر میں بہت ادب کے ساتھ اس تکلیف کی معافی چاہتا ہوں جو اس طویل گذارش کے ملاحظہ سے آپ کو ہوگی اور گذشتہ کرسمس و نوروز کی مبارک باد اور بہت سی امیدوں اور دعاؤں کے ساتھ آپ کی اور لیڈی اسٹریچی اور آپ کی کل فیملی کی صحت و عافیت اور ترقی اقبال

کی نسبت میں ہوں آپ کا ناچیز خادم مشتاق حسین ۔

(سر ڈینس فٹز پیٹرک جو ریاست نظام کے ایک نہایت نیک نام ریزیڈنٹ رہ چکے ہیں ۔ نواب وقار الملک کے ہم عصروں میں سے تھے اور بعد میں پنجاب کے گورنر ہو گئے تھے اور وہیں سے ترقی پر سکریٹری آف اسٹیٹ کی کونسل کے رکن بن کر ولایت چلے گئے تھے ۔ سر موصوف نواب وقار الملک کے کردار کے مداح تھے جس وقت سیزدہ سالہ تختہ جات حساب کی تیاری کا بے سرو پا الزام نواب وقار الملک پر عائد کر کے حضور پر نور نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام دکن خلد آشیاں کو ان سے یہ عرض کر کے بدظن کیا گیا ہے کہ اس حساب کا مطلب انگریزی حکومت کے سامنے حضور کو فضول خرچ ثابت کر کے اختیارات سے محروم کروانا اور پھر خود حکومت کرنا ہے اس سلسلہ میں نواب وقار الملک نے جو ایک نہایت اہم خط سر ڈینس کے ولایت جانے کے بعد ان کو اپنی بے گناہی میں لکھا ہے اور جو کتاب "وقار حیات" کے صفحات ۳۱۴ تا ۳۲۲ پر تمام و کمال شائع ہوا ہے اس خط کے ساتھ نواب صاحب نے ایک اور خط بھی سر ممدوح کو لکھا تھا ۔ اب اس دوسرے خط کو پڑھیئے جو اہل ملک کے سامنے پہلی بار پیش ہو رہا ہے ۔ مؤلف)

خط نمبر ۷۰۔ امروہہ ، ۲۷ جنوری ۱۸۹۶ء

مائی ڈیر سر ۔ میں عرصہ سے ایک عریضہ لکھنے کے خیال میں تھا لیکن مسلسل افسوسناک حادثات اور ترددات کی وجہ نے جس سے اس تمام عرصہ میں اکثر مجھ کو سابقہ پڑتا رہا اس سے پہلے مجھ کو اس کا موقع نہ دیا ۔ سب سے پہلے تو مجھ کو اپنے اُس افسوس کا اظہار کرنا ضرور ہے جو یور آنر کے ہندوستان سے رخصت ہونے کے قبل یور آنر کی ملازمت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے مجھ کو رہا اور یہ افسوس اس وجہ سے ہوا کہ اسی زمانہ میں جب کہ یور آنر کی روانگی کا خیال تھا اخبار والوں نے یہ چھاپا کہ نئے لفٹننٹ گورنر کی طبیعت علیل ہو گئی ہے اور اس لئے ابھی ہندوستان کو نہ آ سکیں گے ۔ یہ مہینہ رمضان کا تھا اور اس مہلت سے میں نے یہ فائدہ اٹھانا چاہا کہ رمضان کو اپنے گھر پر

ختم کرکے عید کی صبح کو لاہور کے قصد سے روانہ ہوں لیکن رمضان ختم بھی نہ ہونے پایا تھا جو پھر دفعتاً یہ خبر چھپی کہ نئے لفٹنٹ گورنر بمبئی آگئے اور اب یہ وقت تھا جب کہ وہ لاہور بھی پہونچ گئے ہوں گے یا قریب میں پہونچنے والے تھے - اس وقت میں باوجود رمضان کے روانگی کے لئے بے قرار تھا مگر ان عدیم الفرصتیوں کا خیال کرکے جو ایسے تنگ وقت میں یور آنر جیسے بڑی ذمہ داریوں کے عہدہ رکھنے والے کے واسطے لازمی ہیں میں نے لاہور میں حاضر ہونے کی بہ نسبت یہ بہتر سمجھا کہ راستہ میں کہیں شرف ملاقات حاصل کروں اور اپنی اس خواہش سے پرائیویٹ سکریٹری کو اطلاع دے کر میں نے یہ درخواست کی کہ سہارنپور یا اس کے بعد دوسرے جس ریلوے اسٹیشن پر یور آنر آرام کے ساتھ مجھ کو اپنی خدمت میں آداب بجالانے کی عزت بخشی کا موقع (مناسب) خیال فرماویں اس سے مجھکو مہربانی سے اطلاع بخشی جاوے اس کا جواب مجھ کو پرائیویٹ سکریٹری کی چھٹی مورخہ ۳ مارچ گذشتہ کے ذریعہ سے ان لفظوں میں ملا - HIS HONOUR THE LIEUTENANT GOVERNOR REGRETS THAT IT IS IMPOSSIBLE TO FIT IN INTERVIEW اور یہ درحقیقت میری درخواست کا جواب نہیں تھا بلکہ ایک معمولی جواب تھا جو عام طور پر اون جنٹل مینوں کے لئے موزوں تھا جو ہیڈ کوارٹر کے اس تنگ وقت میں یور آنر کو اس قسم کی تکلیف دینا چاہتے اور جواب کے لفظوں سے میں نے اگرچہ یہ سمجھ لیا تھا کہ ضیق وقت کی وجہ سے غالباً میری درخواست یور آنر تک پہونچی بھی نہ ہو گی لیکن اور چارہ بھی باقی نہ رہا تھا اور بدقسمتی سے ہر ایک وقت اس مقصد کے حصول کے لئے میں کھو چکا تھا جس کا افسوس کہ مجھ کو ہمیشہ رہیگا اور اب جس کا بدل مجھ کو اپنی باقی عمر میں نہ مل سکے گا اور خیر میری دلی دعا ہمیشہ یہ ہے اور رہے گی کہ یور آنر اپنے تمام خاندان کے ساتھ دیرگاہ زندہ اور تندرست اور خوش اور با اقبال حالت میں رہیں - اور اب اپنی اس چٹھی میں یہ گذشتہ عرض کرنے کی بھی اجازت چاہتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں کہ اپنے

رنجوں کے اظہار سے میں یور آنر کے آرام میں کسی قدر خلل انداز ہوا۔ اپنی بہو مسز محمد احمد اور محمد احمد
کی ایک بچی کے ساتھ میں نے گذشتہ موسم گرما اور برسات منصوری پر بسر کیا جو نینی تال اور شملہ
کی بہ نسبت میرے لئے زیادہ خاموش مقام تھا اور وسط ستمبر تک میں اطمینان کے ساتھ
وہیں مقیم تھا کہ دفعتاً مجھ کو اپنے وطن امروہہ سے اپنی بی بی کی بیماری کی خبر پہونچی اور میں فوراً
وہاں سے روانہ ہوگیا اور جس صبح کو میں امروہہ پہونچا اُسی کے سہ پہر کو میری بی بی نے
بعارضہ بخار و پیچش انتقال کیا۔ اگر مجھ کو ذرا سا بھی توقف ہوجاتا تو میں اون کو اس
آخر وقت میں زندہ دیکھ بھی نہ سکتا۔ شروع نومبر میں مسز محمد احمد وغیرہ بھی منصوری
سے امروہہ آگئیں اور اب مسز محمد احمد ہی اپنی ساس کے بعد اس گھر کے زنانہ میں
پریسیڈنسی رکھتی تھیں اور بلحاظ ان کی قابلیتوں اور بے نظیر خوبیوں کے گھر کے معاملات
کی طرف سے ہر طرح اطمینان تھا اور میں نے ارادہ بھی کر لیا تھا کہ تمامتر توجہ انہیں پر ڈال کر
خود کسی قدر اپنی آزاد زندگی بسر کروں لیکن اون کو پہاڑ سے آئے ہوئے جہاں سے سب لوگ
بہت اچھی تندرستی کے ساتھ اور ایسے اچھے موسم میں یہاں آئے تھے دو ہفتہ بھی پورے
نہ گذرنے پائے تھے کہ دفعتاً ایک تازہ حادثہ پیش آیا۔ ۱۵ر نومبر کو محمد احمد کی بچّی نے
جس کی عمر ۹ سال کی تھی بعارضہ تخمہ بہت تھوڑے وقت بیمار رہ کر انتقال کیا اور اب
اس چھوٹی سی موت نے گھر میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا۔ مسز محمد احمد کو اب جو خواہش
اپنے وطن انگلستان کی پیدا ہوئی اور جس کے محرک اُن کے ہاں کے رشتہ دار بھی تھے
اُس کو اب میں زیادہ روک نہیں سکتا تھا اور ناچار میں نے اُن کو اس کی اجازت
دی اور میں خود بمبئی تک اُن کے ساتھ تھا۔ ۱۱ر دسمبر کو وہ بمبئی سے روانہ ہوئیں اور
۳۱ر دسمبر کو جہاز ہی جہاز وہ انگلستان بخیریت پہونچ گئیں جہاں وہ اپنے گھر ڈیلچ میں اپنی
بہنوں وغیرہ کے ساتھ بسر کر رہی ہیں اور اگرچہ میں نے اُن کو مطمئن کر دیا ہے کہ جب تک
اون کے چچا کی وصیت کے مطابق چچا کی جائداد سے ترکہ پہونچے جس کی مقدار اُن کی ضروریوں

کے لئے بہت کافی ہوگی اُس وقت تک اون کے مصارف قیام انگلینڈ کی ذمہ داری بھی میں اپنے ذمہ سمجھوں گا اور اُن کو کسی اور کا دست نگر نہ ہونا پڑے گا۔ لیکن میری اور میری دونوں لڑکیوں کی جن میں سے ایک کی شادی ہو چکی ہے اور دوسری کی چند مہینہ میں ہونے والی ہے ہمیشہ یہ خواہش رہے گی کہ جب کبھی بھی مسنر محمد احمد کا دل چاہے وہ پھر اپنے خاوند کے اس قدیم وطن کو آویں اور بدستور اپنے گھر میں رہیں۔ میرے لئے اس پلیگ کے زمانہ میں بمبئی کا سفر کچھ کم مشکل کا سفر نہ تھا لیکن بہ مجبوری اُس کو اختیار کرنا پڑا اور واپسی کے وقت کسی قدر مشکلات کا بھی سامنا ہوا۔ یہ خیال کیا گیا تھا کہ کلکتہ کا راستہ اختیار کیا جاوے لیکن مسنر محمد احمد کی تنہائی کی وجہ سے میل اسٹیمر ہی اون کے لئے زیادہ باطمینان اسٹیمر سمجھے گئے اور بہر حال خدا کا شکر ہے کہ کل کارروائی بخیریت ختم ہوئی اور یہاں اس وقت میری ذاتی سرگذشت بھی جو کہ قابل اطلاع تھی ختم ہوتی ہے۔ بمبئی کے اس گذشتہ سفر میں مجھ کو بعض ایسے لوگوں سے ملنے اور گفتگو کا اتفاق ہوا جو میرے بعد تک حیدر آباد میں تھے اور جن کو ہز ہائنس نظام کے خیالات پر مطلع ہونے کا زیادہ موقع حاصل تھا اور اُن سے جو کچھ مجھ کو معلوم ہوا اُس میں ایک خاص بات ایسی تھی جس کے لحاظ سے میں یور آنر کو ایک علٰحدہ عریضہ کے ذریعہ سے جو کہ اسی کے ساتھ ملفوف ہے کچھ تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں اس خط کی آخری دو سطریں کاغذ کے درمیان سے پھٹ جانے کی وجہ سے پڑھی نہ جا سکیں مگر وہ صرف بچوں اور لیڈیز کو سلام وغیرہ کی حد تک لکھی گئی معلوم ہوتی ہیں) خاکسار مشتاق حسین

(اب مولانا فضل الحسن حسرت موہانی کے متعلق آنریبل سر فاضل بھائی، کریم بھائی کا موسومہ نواب وقار الملک بہادر کا ایک خط پڑھئے ۔ مؤلف)

خط نمبر ا، ۔ جناب مخدومی آنریبل فاضل بھائی کریم بھائی بہادر زاد الطافکم۔ السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ ۔ مولوی سید فضل الحسن حسرت موہانی نے حال میں ایک اسٹور دیسی ساختہ اشیاء

کا علی گڑھ میں کھولا ہے اور اُن کی تمنّا ہے کہ جناب کے کارخانوں سے بطور ایجنسی کے اُن کو مال ملا کرے اور جناب کے قواعد کے مطابق جو ضمانت ان سے مطلوب ہوگی وہ اس کے داخل کرنے پر آمادہ ہیں صرف اتنی رعایت چاہتے ہیں کہ چونکہ اُن کا اسٹور ابتدائی حالت میں ہوگا لہٰذا بجائے اس کے کہ کسی کثیر رقم کی قیمتی اشیاء ان کو دی جائیں دس پانچ ہزار روپیہ کے مال سے اُن کے ساتھ معاملہ شروع کیا جاوے اور اسی مناسبت سے ضمانت بھی چاہی جاوے۔ سید صاحب موصوف علی گڑھ کالج کے لائق گریجویٹ ہیں اور یہ ان کی بدقسمتی کہئے کہ انھوں نے ملازمت کے صیغہ کو پسند نہیں کیا اور لٹریری خدمات کے ذریعہ سے اپنے اکتساب معاش میں مصروف رہے۔ لیکن جناب کو بخوبی معلوم ہے کہ اس زمانہ میں ایک لٹریری مین کو جو اپنی خدمات آزادی اور ایمانداری کے ساتھ انجام دینا چاہے کس قدر دشواریاں لاحق ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض وقت ان کو گورنمنٹ کی ناخوشی کا نشانہ ہونا پڑا اور ایک خاص معاملہ میں جس میں کالج کا بھی کچھ تعلق تھا مجھ کو بھی بحیثیت آنریری سیکرٹری کالج اُن کے خلاف شہادت ادا کرنی پڑی اور ان کو بدقسمتی سے قید کی سزا ہوئی۔ لیکن بایں ہمہ چونکہ وہ اپنے نزدیک جو کچھ کوشش کر رہے تھے وہ نیک نیتی کے (ساتھ) قوم اور ملک کے لئے مفید تھی لہٰذا اس کے بعد بھی انھوں نے اپنا وہی شغل بدستور جاری رکھا اور جس مطبع میں ان کا رسالہ اُردوئے معلیٰ طبع ہوتا تھا اس سے گورنمنٹ نے ضمانت[۴۲] طلب کی ہر

---

۴۲ (اس واقعہ کے متعلق محض اتفاق سے مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کا ایک مضمون نظر سے گزرا۔ چونکہ وہ اس پر کافی روشنی ڈالتا ہے اس لئے ہدیۂ ناظرین ہے۔ مؤلف)

"پانچ برس تک اُردوئے معلیٰ نکلتا رہا۔ ۱۹۰۸ء میں ایک بے نام صاحب قلم کا مضمون مصر کے نامور لیڈر مصطفےٰ کامل کی موت پر شائع ہوا جس میں مصر میں انگریزوں کی پالیسی پر بے لاگ تنقید تھی۔ یہ مضمون سرکار کی نظر میں قابل اعتراض ٹھہرا، اور علی گڑھ کی سلطنت میں یہ بغاوت کا پہلا جرم تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ان واقعات سے متاثر ہو کر سید صاحب موصوف نے یہ ارادہ کیا ہے کہ آئندہ اپنی ملکی مصنوعات کی ترقی میں مصروف ہوں اور اس کے واسطے اس قسم کی اسٹور کا قایم کرنا یقیناً بہترین کوشش ہے جس میں امید ہے کہ جناب کی ہمدردی بھی شامل ہوگی اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جو توجہ جناب اس میں فرمائیں گے وہ نیاز مند کی مشکوری کا ہی موجب ہوگی اور جہاں تک میں خیال کر سکتا ہوں میرے نزدیک سید فضل الحسن صاحب معاملات میں بہت صادق اور راست باز شخص ثابت ہوں گے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ اول) علی گڑھ کی حرمت کو بچانے کے لئے کالج کے بڑے بڑے ذمہ داروں نے حسرت کے خلاف گواہی دی یہاں تک کہ نواب وقار الملک نے بھی ایک دو فقروں میں مضمون مذکور کی مذمت ہی کی۔ پاداش میں حسرت مرحوم کو دو برس کی قید سخت کی سزا ہوئی۔ ان کا کتب خانہ اور پریس پولیس کے ظلم و ستم کی نذر ہو گیا۔ اس کتب خانہ میں شعرای کے تذکرے اور دواوین کے بڑے نادر نسخے تھے۔ یہاں حسرت کے ایک کیرکٹر کا ذکر کرنا ہے۔ مضمون مذکور حسرت کا نہ تھا مگر مقدمہ قایم ہونے پر حسرت نے اس کو خود اوڑھ لیا اور باوجود اصرار کے اس کے لکھنے والے کا نام نہیں بتایا۔ جہاں تک کان میں پڑی ہوئی بات اس وقت یاد آتی ہے خیال آتا ہے کہ یہ مضمون اعظم گڑھ کے مشہور شاعر وکیل اقبال سہیل کا تھا ـــــ حسرت مسلمانوں میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے سودیشی تحریک کی رہبری کی۔ انہوں نے سودیشی تحریک میں عملاً حصہ اس طرح لیا کہ سودیشی اسٹور کے نام سے سودیشی کپڑوں کی دوکان قایم کی اور چاہا کہ ملک میں اس کی شاخیں جابجا قایم کی جائیں۔ ان کے اس کام میں نواب وقار الملک جو خود بھی سادگی پر عامل تھے اور مولانا شبلی مرحوم نے اُن کی مدد کی۔ ان دونوں کی سفارش پر فاضل بھائی کریم بھائی سے ملے اور مولانا کی سفارش سے سر فاضل بھائی سے قرض کپڑا خریدا اور اسٹور قایم کر دیا۔ ان کی تجارتی سرگرمی کو دیکھ کر مولانا شبلی مرحوم نے ان سے کہا تھا کہ "تم آدمی ہو یا جن۔ پہلے شاعر تھے۔ پھر پالٹیشین بنے اور اب بنیے ہو گئے"۔ ان کی یہ دوکان چل نکلی تھی کہ پے درپے سیاسیات کے انقلابات نے اُن کو کبھی بنیا بن کر اطمینان سے بیٹھنے نہ دیا۔ اس لئے وہ نفع سے زیادہ خسارہ ہی اٹھاتے رہے۔

(ماخوذ از اردو ڈائی جسٹ لاہور۔ جلد ۲۔ شمارہ (۸) بابت جون ۱۹۶۲ء)

اس عریضہ کا ایک شخص میں نے براہ راست سید صاحب موصوف کے بھی حوالہ کیا ہے جو جناب کی خدمت عالی میں خود ہی حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں اور مجھ کو یقین ہے کہ ایسے ہمدرد قوم اور لایق شخص سے مل کر جناب کو بھی بہت خوشی ہوگی اور اپنے مفید اور پُر تجربہ قیمتی مشوروں سے بھی ان کو ممنون فرمائیں گے۔ میں اپنی ناسازی طبیعت کی وجہ سے بغرض علاج چند روز سے دہلی آیا ہوا ہوں اور عنقریب انشاءاللہ اپنے وطن امروہہ کو واپس جاؤں گا اور وہیں جواب عریضہ کا منتظر رہوں گا۔ والسلام۔ خاکسار۔ مشتاق حسین۔

(مندرجہ ذیل خط نواب صاحب نے کس کو لکھا تھا اس کا پتہ نہ چل سکا۔ بہر حال مضمون چونکہ دلچسپ ہے۔ اس لئے وہ خط پیش کیا جاتا ہے۔ ان صاحب کا تعلق پنجاب سے ہے اور ممکن ہے کہ خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب، سردار محمد حیات صاحب یا شیخ عبد القادر صاحب سے مخاطبت کی گئی ہو۔ مؤلف)

خط نمبر ۲۷ - امروہہ ۲۴ رمضان ۱۳۱۱ھ[۴۳]

جناب مخدوم منا و معظمنا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مکرمت صحیفہ نے عزت بخشی۔ ہر صاحب منصب انسان ایک مختلف قسم کا منصب رکھا کرتا ہے۔ جناب سید احمد خاں صاحب اگر ایک حیثیت سے مجھ سے ایک ناچیز شخص کے نزدیک واجب الادب ہیں تو دوسری حیثیت سے آپ کا ادب مجھکو ان سے کچھ ملحوظ نہیں ہے اور بات یہ نہیں ہے کہ میں ان کے بلانے سے آجاتا اور آپ کے یاد فرمانے سے حاضر نہ ہوا۔ جناب ممدوح نے بھی اس موقع پر کہ وہ پنجاب کو مدرسۃ العلوم کے چندہ کے لئے تشریف لئے جاتے ہیں مجھ سے چاہا تھا کہ میں ہمرکاب ہوں اور اگر مجھ کو مہلت ہوتی تو ضرور میں اس سفر میں جناب ممدوح کے ہمرکاب ہوتا جو ایک بہت ہی خوشی اور تفریح کا سفر ہوگا لیکن جیسا میں سابق میں عرض کر چکا

---

[۴۳] مطابق ۲ راپریل ۱۸۹۴ء۔ مؤلف

ہوں کہ اس وقت میں سفر سے قاصر ہوں - وہی عذر میں نے جناب ممدوح کی خدمت میں عرض کر دیا اور انھوں نے قبول بھی فرمالیا۔ ...."

(اب ایک دوسرا خط پڑھئے - مؤلف)

علی گڑھ ۲۰ مارچ ۱۹۱۱ء

خط نمبر ۳۷ - جناب مخدومنا و معظمنا مولوی حافظ حاجی محمد احمد صاحب[۴۴]۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - افتخار نامہ رقم زدہ ۱۳ ربیع الاول نے عزت بخشی میرا دلی شکریہ اس تکلیف فرمائی کے لحاظ سے قبول فرمائیے - جناب نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اور جہاں تک اس کو دیوبند کے مدرسہ عالیہ سے تعلق ہے وہ نہایت واجب ہے اور اطمینان فرمائیے کہ وہ والانامہ صرف مجھ تک ہی رہے گا - اس کو اور کسی کے سامنے پیش نہ کروں گا - باقی جو کچھ احقر کی ذات خاص کی نسبت ارشاد ہے وہ حضرت کا صرف حسن ظن ہے یا اس سے اس صحیفہ میں میری ہمت افزائی مقصود ہے - ورنہ من آنم کہ من دانم -

مجوزہ یونی ورسٹی کی نسبت یہ تو شاید کسی نے نہیں کہا کہ وہ اس ملک میں مذہبی تعلیم کا مرکز ہوگی گو دل ضرور چاہتا ہے کہ ایسا ہی ہو - ہاں اس میں شک نہیں کہ انگریزی خواں طلبا کی مذہبی تعلیم کا تو وہ ضرور مرکز ہوگی اور یہی اس قدر مہتم بالشان کام ہے کہ اگر اس میں کامیابی ہوئی تو اسلام کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی اور اس حیثیت سے وہ ضرور آپ جیسے بزرگان دین کی امداد کی محتاج اور مستحق ہوگی اور ضمناً جناب نے اس کو قبول بھی فرمالیا ہے - اس موقع پر میں ایک اور امر کو بھی صاف کر لینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آیا

---

[۴۴] مولوی محمد احمد صاحب صاحبزادہ تھے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ دیوبند کے اور موجودہ مہتمم مدرسہ مولوی محمد طیب صاحب کے والد ماجد تھے - ریاست نظام میں مفتی کے عہدہ پر سرفراز تھے اور وہیں خطہ صالحین میں مدفون ہیں - سنہ وفات ۱۳۴۸ ہجری ہے - مؤلف -

جناب عالی اپنے فارغ التحصیل اور وسیع الخیال طلباء کو اس کی رغبت دلائینگے کہ وہ علی گڑھ آکر انگریزی زبان اور مروجہ علوم کو حاصل کرنے کی غرض سے صرف ہمت فرمادیں۔ انگریزی داں طلبا عربی اور علوم دین کو حاصل کریں یا عربی داں اور دینیات کے عالم انگریزی زبان اور علوم مروجہ کو حاصل کریں دونوں کا نتیجہ واحد ہے اور ایسے حضرات سے قوم کو یقینی نفع پہونچے گا اور وہ اشاعت اسلام کا کام اچھی طرح انجام دیں گے اور ترغیب دلانے سے میرا مطلب صرف زبانی ترغیب دینا ہے نکہ وظائف وغیرہ۔ وظائف وغیرہ کا انتظام اور اہتمام انشاءاللہ تعالیٰ اور دوسرے طور پر ہوگا۔

(نواب وقار الملک کا ایک تار حکیم اجمل خاں صاحب حاذق الملک رئیس دہلی کا موسومہ ملاحظہ ہو۔

جو مبارک باد عید کے تار ہی کے جواب میں دیا گیا تھا۔ مؤلف)

تار، نمبر ۴۷۔ حاذق الملک بہادر۔ دہلی۔ بہت بہت شکریہ۔ لیکن اس عید میں ترکوں کی عظمت کا عود[۵۴] اور آپ کی صحت یابی ہماری تمام قوم کے لئے سب سے زیادہ موجب بارکباد ہے۔ خدا کرے آپ تادیر صحت و عافیت سے رہیں۔

(اب راجہ راجان راجہ شیوراج دھرم ونت بہادر آصف جاہی ریاست نظام کا تعزیت نامہ برانتقال فرزند کلاں موسومہ نواب وقار الملک پڑھئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۵۷۔ نواب صاحب کرم فرمائے من زاد لطفکم۔ تسلیم۔

دریں ایام وحشت انجام خبر مغموم اثر انتقال کرنا صاحبزادہ مرحوم کرم فرما مسموع ہو کر مخلص کو نہایت درجہ ملال عاید حال ہوا۔ پس حال آں کرم فرما وغیرہ کا جس قدر ہے مخفی نہیں مگر امر مشیت میں کوئی علاج بشری نہیں بجز صبر شکیبائی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ آپ کو صبر عطا فرمائے۔

مرقوم ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ ہجری۔ شیوراج۔

---

[۵۴] یہ اشارہ ہے ترکوں کے جنگ بلقان کے دوران ایڈریانوپل یعنی ادرنہ پر دوبارہ قبضہ کرلینے کی طرف۔ مؤلف)

(اب مولانا شبلی مرحوم کے چند خطوط موسومہ نواب وقار الملک پیش کئے جاتے ہیں - مؤلف)

خط نمبر ۷۶ :- مطاعی - والا نامہ پہونچا - مسودہ پر آپ کی اصلاح نہایت مناسب اور موزوں ہے - اگرچہ بعض جزئیات سے مجھ کو اختلاف ہے - میرا قیام کالج ابھی یقینی نہیں خصوصاً اس وجہ سے کہ شاید یہاں کا تعلق حیدر آباد میں ناپسند ہو - ایک صاحب نے میرے لئے یہ تحریک پیش کی تھی کہ مجھ کو صرف چھ مہینہ کام کرنا پڑے باقی زمانہ (۳) مہینہ تعطیل رہتی ہے اور (۳) مہینہ تک صرف دو کلاسیں پڑھتی ہیں، کیونکہ یونیورسٹی کلاسوں ....[۴۶] نکل نہیں سکتا - اس کے لئے اسکول کے کسی عربی مدرس کے دو گھنٹے لئے جا سکتے ہیں اور چونکہ میری تنخواہ میں سے (۶۰۰ روپیہ) سال کی بچت ہو گی اس لئے اگر مدرس کو کچھ معاوضہ بھی دینا پڑے تب بھی کالج کا کچھ نقصان نہ ہو گا - یہ تجویز بظاہر مناسب ہے - آپ کی کیا رائے ہے، الفاروق نہایت اہتمام کے ساتھ چھپ رہی ہے - والتسلیم - شبلی نعمانی ۲۹ / اکتوبر ۱۸۹۷ء[۴۷]

وصول ۳۰ / اکتوبر ۹۷ء

خط نمبر ۷۷ :- جناب مکرم و معظم سلام مسنون - آپ کو معلوم ہو گا کہ ندوہ کی حالت بہت زیادہ افسوسناک ہو گئی اور اس کا یہاں تک اثر ہوا کہ گورنمنٹ نے اس پر نوٹس لیا اور بھوپال سے (ماہ صہ) روپیہ ماہانہ جو مقرر تھا وہ اس شرط پر روک لیا گیا کہ حالت موجودہ کی اصلاح کی جائے - اس بنا پر بعض معزز بزرگوں نے یہ تجویز سوچی ہے کہ دہلی میں ایک عام جلسہ مسلمانوں کا کیا جائے جس میں قوم کے پیش رو اصحاب جمع ہوں اور معاملات کے سلجھانے کی تدبیر نکالیں جناب حکیم اجمل خاں صاحب اور دیگر معززین دہلی اور باہر کے معزز حضرات نے اس جلسہ کے لئے

---

[۴۶] - یہاں پر کاغذ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے کچھ الفاظ غایب ہیں -

[۴۷] مولانا شبلی کے خط پر صرف ۲۹ / اکتوبر درج ہے مگر اس کے قریب نواب وقار الملک نے موصولہ کی تاریخ پر ۹۷ء درج فرما دیا ہے - اگلے دونوں خطوط رسالہ نقوش نے لاہور سے شائع کر دیئے ہیں - مؤلف -

دعوت کے خطوط اور اعلان بھیجے ہیں - چونکہ ایک نہایت اہم اور قومی معاملہ ہے اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ صرف چند سطریں اس مضمون کی تحریر فرما دیں کہ مسلمانوں کو دہلی کے مجوزہ جلسہ میں شرکت اس وقت ضروری ہے تاکہ ندوہ کے معاملہ کے روبراہ ہونے کی کوئی ایسی شکل پیدا ہو جس پر فریقین اور عام مسلمان اتفاق کر سکیں یا یہ کہ قوم غلبہ آراء سے کوئی مناسب تدبیر اختیار کر سکے - آپ کے ہات کی صرف دو تین سطریں کافی ہوں گی اور یہ ایک بڑی قومی خدمت ہوگی -   شبلی نعمانی - ۱۸ اپریل ۱۸۹۸ء

(اس خط کے آخر میں مولانا شبلی کے دستخط کے بعد حکیم اجمل خاں صاحب نے اپنے قلم خاص سے حسب ذیل عبارت کا اضافہ فرمایا ہے - مؤلف)

خط نمبر ۷۸ -   مخدوم و مکرم - میں بھی اس درخواست میں شریک ہوں -

اجمل - ۱۸ اپریل

خط نمبر ۷۹ - ۱۸ اگست ۱۸۹۸ء جناب من تسلیم - اس وقت زیر رخصت ہوں اور ندوہ میں کام کرتا ہوں - میں نے تمام پہلوؤں پر غور کر کے یہ ضروری سمجھا ہے کہ آپ ندوہ کے ارکان انتظامی میں شامل ہوں - مولوی محمد علی صاحب اور ارکان کی بھی یہی رائے ہے - اس لئے آپ اس کے جواب میں اپنی منظوری ظاہر کر کے ہم لوگوں کی دل جمعی فرمائیں - والتسلیم

شبلی نعمانی - ندوۃ العلما -

(اس خط پر نواب وقار الملک کی قلمی تحریر حسب ذیل درج ہے - مؤلف)

خط نمبر ۸۰ -   عذر کیا گیا - ۱۰ اگست ۹۸ء - کان پور

خط نمبر ۸۱ -   مکرم و معظم السلام علیکم - صاحبزادہ[۴۸] کے یہاں آنے سے مجھکو گوناگوں خوشی ہوئی "اولاً" تو مدت کی نیازمندی کے ثبوت دینے کا موقع ملے گا - دوسرے ندوہ کی تعلیم و تربیت کی نسبت آپ کا ذاتی تجربہ ہو جائے گا - جو ندوہ کے لئے مفید ہوگا - نگرانی تعلیم میں خود کروں گا - اور بالکل اپنا عزیز سمجھوں گا - لیکن سخت مشکل یہ ہے کہ بورڈنگ میں مطلق

(نوٹ نمبر ۴۸ صفحہ ہذا اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

جگہ نہیں - ذرا سا مکان ہے اور اس وقت ۹۲ بورڈر اُس میں ہیں - ذرا ذرا سے حجروں میں ۵-۵ لڑکے رہتے ہیں، آس پاس مکان نہیں ملتے - میں نے ۴ لڑکے اپنے مکان میں رکھے ہیں - مولوی نذر الحسن منصف شہر کے گھر پر رہتے ہیں - (گو، کھانا بورڈنگ میں کھاتے ہیں) - ۴ لڑکے ہیڈ ماسٹر کے ساتھ رہتے ہیں - اس لئے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ رہنے کا کیا بندوبست کیا جائے - فرض کیجئے مدرسہ کے قریب کوئی مکان مل سکے تو کیا آپ اس میں رہنا پسند فرمائیں گے۔ یہ مشکل حل ہو جائے تو اور سب باتیں حسب دلخواہ ہو جائیں گی - میں کل دہلی جاتا ہوں وہاں سے علی گڑھ آؤں گا، اور آپ کی زیارت ہو گی - والسلام

شبلی نعمانی - ندوہ - ۱۰ ر فروری ۱۹۱۰ء

کیا آپ اس کو پسند فرمائیں گے کہ صاحبزادہ منشی احتشام علی صاحب کی کوٹھی پر رہے جہاں کہ منشی واحد علی صاحب کی نگرانی اور خبر گیری حاصل ہو گی -

خط نمبر ۸۲ - ۱۶ ر اکتوبر سنہ[۴۹] -

جناب مخدوم و مکرم بعد سلام و تحیت - اس عرض سے کہ گورنمنٹ ندوۃ العلما کے مقاصد سے کافی طور سے واقف ہو سکے ایک یادداشت تیار کی گئی ہے - اس کا انگریزی میں ترجمہ ہو کر ارکان کے دستخط سے گورنمنٹ کے پاس بھیجا جائے گا - اس لئے اس کا مسودہ آپ کی خدمت میں ارسال ہے - آپ کی دانست میں جہاں کوئی امر مناسب نہ ہو اس کی اصلاح فرما دیجئے یا اگر آپ کی رائے میں اس کا پیرایہ بالکل بدل دینے کے قابل ہو تو آپ کو تبدیلی کا بھی اختیار ہے - والسلام محمد علی

ناظم ندوۃ العلما بہ قلم شبلی نعمانی - از دفتر ندوۃ العلماء

(نوٹ ۴۸ صفحہ گذشتہ ملاحظہ کیجئے -)

راقم الحروف مشتاق احمد کی طرف اشارہ ہے -

۴۹ سنہ دیمک زدہ ہونے کی وجہ سے پڑھا نہ جا سکا - مؤلف -

(شیخ عبداللہ صاحب مرحوم ایڈوکیٹ اور ان کی بیگم صاحبہ مرحومہ نے تعلیم نسواں کے لئے علی گڑھ میں جو ان تھک کوششیں کیں اہل ملک ان سے واقف ہیں - انہیں کا قایم کردہ مدرسہ نسواں آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی زنانہ کالج کی شکل میں عبداللہ ہال کے نام سے ہمارے سامنے ہے - اس ادارہ کے کچھ ابتدائی حالات کے بارے میں مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی نواب صدر یار جنگ بہادر نے نواب وقار الملک کے استفسار پر جو خطوط تحریر فرمائے تھے اب ان کو ملاحظہ فرمائیے - مؤلف)

خط نمبر ۸۳ - جناب والا - السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ - بہ لحاظ زحمت گرامی مختصراً گذارش ہے کہ زنانہ اسکول کی بابت مزید تحقیق کرکے گذارش کروں گا - مطبوعہ رسالہ متعلق انتظام جائداد وصول ہوا - خداوند تعالیٰ صحت و تندرستی عطا فرمائے [ف۵]

نیاز مند - حبیب الرحمٰن

حبیب گنج - ۱۷ جولائی ۱۹۱۵ء

عرض مکرر - عزیزی مشتاق احمد صاحب کی تعلیم کی نگرانی کمیٹی میں کوئی صاحب ایسے بھی ہوتے جو دینی تعلیم کا لحاظ رکھتے - حبیب الرحمٰن -

خط نمبر ۸۴ - جناب والا - السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ - والا نامہ مورخہ ۲۷ جولائی کا سپاس - جس نیاز نامہ کا انتظار ہے وہ خاص وجہ سے اب تک ارسال خدمت نہیں کیا گیا - میں نے جب دریافت حال کیا تو جواب ایسا ملا جو زنانہ اسکول کے حق میں مفید نہ تھا - اس لئے مجھ کو اخلاقاً ضروری معلوم ہوا کہ میں اسکول کے منتظم سے بھی دریافت کرلوں - چنانچہ عام الفاظ میں ۲۳ جولائی کو استفسار کیا - باوجود ایک مرتبہ کی یاد دہانی کے ہنوز جواب نہیں آیا - میں چاہتا تھا کہ شیخ صاحب کا جواب آئے تو جواب والا نامہ عرض کروں بہر حال مزید انتظار کی زحمت جناب والا کو نہ ہونی چاہئے -

مجھ کو دریافت سے معلوم ہوا ہے کہ سقہ، بھنگی، مالی اپنے اپنے رومال منہ پر

ف۵ غیر متعلقہ جزو حذف کیا گیا - مؤلف

ڈال کر بے تکلف بورڈنگ میں آجاتے ہیں۔ منتظمات وطالبات بھرتی رہتی ہیں۔ البتہ مہمان خواتین اپنے قیام تک کسی کو آنے نہیں دیتیں۔ سقہ برآمدہ میں ہو کر غسل خانہ میں جاتا ہے۔ کبھی کبھی برآمدہ میں منتظمات وطالبات سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ سقہ کو غسل خانہ میں بلانے کو کوئی آدمی مقرر نہیں ہے کبھی کوئی لڑکی غسل خانہ میں ہوتی ہے تو سقہ کی آہٹ سن کر اس کو اپنے غسل خانہ میں آنے سے خود ہی روک دیتی ہے۔ کوئی خادمہ پردہ کرانے پر مقرر نہیں ہے۔ یہ حالات جس ذریعہ سے دریافت ہوئے ہیں اس پر مجھ کو پورا بھروسہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعات اس احتیاط کے بالکل خلاف ہیں جو ایک مسلمان لڑکیوں کے مدرسہ میں ہونا چاہیئے۔ اب شیخ صاحب کا جواب جو کچھ آئے گا اس سے آپ کو مطلع کروں گا[۱]...... باقی بحمد اللہ خیریت ہے۔ عزیزی مشتاق احمد صاحب کو سلام ودعائے کامیابی دارین۔ لڑکوں کی طرف سے سلام قبول کریں۔ خداوند تعالیٰ رمضان مبارک کی برکت سے جناب کو صحت وقوت عطا فرمائے۔

نیازمند

حبیب الرحمٰن۔ حبیب گنج۔ ۳۱ر جولائی ۱۹۱۵ء

(مخفی نہ رہے کہ نواب وقار الملک نے اپنی سب سے چھوٹی لڑکی فاطمہ بیگم مرحوم یعنی مؤلف کی حقیقی ہمشیرہ کو اسی مدرسہ اور بورڈنگ میں آگے چل کر شریک کرا دیا تھا۔ مؤلف)

جو خطاب درج کیا جاتا ہے وہ بھی نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی ہی کا ہے۔ لیکن جناب مولانا ابوالکلام آزاد کے نام ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ ممدوح کا یہ خط ان کی سب سے آخری تحریر ہے اور مولانا آزاد مرحوم ومغفور نے جو جواب اس کا دیا وہ بھی موصوف کی طرف سے نواب صاحب کا موسومہ آخری خط ہے۔ اس خط سے جہاں

---

[۱] غیر متعلق ہونے کی وجہ سے یہ حصۂ عبارت حذف کیا گیا۔ مؤلف۔

نواب صاحب کی انتہائی محبت خلوص اور بزرگانہ شفقت کا اظہار ہم جیسے خوردوں کے حال پر ہوتا ہے وہیں وقار الملک کے واسطے اُن کے دل میں جو جذبہ موجزن تھا اس کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

بات ان دنوں کی ہے جب نواب صاحب علیل ہیں، بحیثیت وزارت ہو چکے ہیں۔ حبیب منزل کے بالاخانہ پر تشریف فرما ہیں۔ سیڑھیاں چڑھنے اترنے سے بالکل روک دیا گیا ہے اور لوگوں سے ملنا جلنا بھی معالج صاحبان کی ہدایت پر بہت کم ہو چکا ہے۔ میں اس صورت حال سے لاعلم حیدرآباد دکن سے سیدھا علی گڑھ آتا ہوں اور حاضری کی اطلاع کرواتا ہوں تو حسب عادت فوراً بلوا لیتے ہیں اور عرض مدعا پر بلا جھجک کسی کی مدد یا سہارہ کے بغیر ڈگمگاتے قدموں سے جلدی جلدی اوپر سے نیچے تشریف لاتے ہیں اور مولانا آزاد کے نام اپنے ہاتھ سے مطلوبہ تعارف لکھ کر میرے حوالے فرما دیتے ہیں۔ مگر میں نے سُنا کہ اس سیڑھیاں چڑھنے اور اترنے کے بعد ہی سے طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۱ رمئی ۱۹۵۰ء اس خط کی تاریخ ہے اور اس سے پورے تین ماہ بعد اگست کی ۱۱ تاریخ ہی کو وہ گرامی عالم جاودانی ہو جاتے ہیں۔ جب سے یہ ندامت اور دلی ملاہٹ مجھے ہمیشہ بے چین رکھتی ہے کہ نہ میں اُس دن وہاں حاضر ہوتا نہ نواب صاحب زینہ کے دو چکر کرتے نہ علالت شدت اختیار کرتی۔

مولانا آزاد نے اس خط کا جو جواب نواب صدر یار جنگ بہادر کو دیا وہ ۲۲ رمئی ۱۹۵۰ء کا لکھا ہوا ہے اور اس خط کا عکس، تحریکِ علی گڑھ کے اخبار "جمہور" نے اپنے "صدر یار جنگ نمبر" مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۵۱ء مطابق ۲۳ ذی الحجہ الحرام ۱۳۷۰ھ ہجری کے صفحہ ۸ پر شائع کر دیا ہے۔ مخفی مباد کہ خوش قسمتی سے مولانا آزاد کے موسومہ اس خط کی ایک نقل میں نے اُس وقت محفوظ کر لی تھی جس سے اب کام لیا جا رہا ہے۔ چونکہ نواب وقار الملک کے بارہ میں بھی مولانا آزاد نے اپنے کچھ خیالات کا اظہار اس جواب میں فرمایا ہے۔ اس لئے اب یہ دونوں خط ملاحظہ کیجیے۔

حبیب منزل ۔ علی گڑھ ۱۱ رمئی ۱۹۵۰ء

کرم فرما لطف گستر مولانا آزاد مد الطافہم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

سارے ہندوستان بلکہ عالم میں کون ہے یہ کہہ سکتا ہو کہ میرے دلی عزیز مشتاق احمد فرزند نواب وقار الملک کو نہیں جانتا ۔ اُن کا مرتبہ اُن کا پایہ سارے عالم میں روشن ہے ۔ بہر حال اُن کی تعریف خود اپنی تعریف ہے ۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں ۔ خوب ملئے ۔ دل کھول کر خوش کیجئے ۔ بہر حال میں کہاں تک لکھ سکتا ہوں ۔ اس لئے خوب ملئے ۔ آپ کا اور میرا دل موثر ہو گا ۔ میرے محب قدیم حاجی ملا احمد سلام شوق پہنچاتے ہیں ۔ قبول ہو ۔ صدر یار جنگ ۔

(اب جواب خط پیش ہے)

صدیق مکرم ۔ نامہ گرامی کے لئے شکریہ ۔ مشتاق احمد صاحب کے لئے کسی تقریب کی احتیاج نہ تھی ۔ اس ملاقات نے نواب وقار الملک مرحوم کی یاد تازہ کر دی اور پینتالیس برس پیشتر کی گذری ہوئی دنیا پھر ایک مرتبہ سامنے آگئی ۔ سوچتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ دنیا ہندوستان کی دنیا نہ تھی ۔ کوئی دوسرا ملک تھا جس کا نام و نشان بھی اب باقی نہ رہا ۔

فکاننا و کانّھم احلام !

میں مشتاق احمد صاحب کے لئے جو کچھ کر سکا ہوں ضرور کروں گا ۔ ملا صاحب کو سلام شوق ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ ابوالکلام"

واضح رہے کہ مندرجہ بالا خطوط کو ہماری فہرست خطوط سے باہر رکھا گیا ہے اور اور اسی لئے ان پر کوئی نمبر نہیں دیا گیا ہے ۔ مولانا کے خط میں جو عربی جملہ آیا ہے اس کا ترجمہ کچھ یوں ہو گا ۔

گویا کہ ہم اور وہ سب خواب کی باتیں ہیں ۔

التماس

(نواب وقار الملک کی دور بین نگاہ اپنے خاندان اور برادری کی معاشی زبوں حالی سے اتنی متاثر تھی کہ انہوں نے اصلاح حال کے لئے "التماس" شایع کیا اور اپنے مخصوص احباب میں اس کو تقسیم فرمایا۔ جب ایسی اصلاح کی ضرورت اب سے تقریباً نصف صدی پہلے محسوس کی گئی تھی تو ظاہر ہے کہ اب تو حال اور بھی ابتر ہو چلا ہے۔ مثال کے طور پر راقم الحروف کا خیال ہے کہ دُلہن کی طرف سے بارات کی جو آؤ بھگت کی جاتی ہے اگر صرف اس کی جگہ بدل دی جاوے اور بجائے گھر کے نکاح کی یہ تقریب مسجدوں میں ہونے لگے تو مزید خیر و برکت کا باعث ہونے کے علاوہ سیکڑوں ہزاروں روپیہ کی بچت کی صورت نکالی جا سکتی ہے اور اس بچت کو زیادہ بہتر طور پر خرچ کیا جا سکتا ہے بہر حال "التماس" کو اب اس لئے تمام و کمال پیش کیا جاتا ہے کہ اس وقت ہماری سماجی اور معاشی اصلاح کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اور کیا عجب ہے کہ اس التماس کے مطالعہ کے بعد ہماری نئی نسل اس سے کوئی سبق سیکھ سکے۔ مؤلف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ایک التماس

اپنے خاندان اور برادری اور دیگر بزرگان شہر اور دوسرے شہروں کے بزرگان اہل اسلام کی خدمت میں اپنے درماندہ اور معذور ابنائے جنس کی امداد کی نسبت۔

اس وقت ہم مسلمانوں میں کوئی قوم اور کوئی محلہ بلکہ کوئی خاندان ایسا باقی نہیں ہے جس میں کچھ بیکس اور معذور و درماندہ اشخاص موجود نہ ہوں جو اپنی مدد آپ نہیں کر سکتے اور اگرچہ اتفاقات اور حوادث زمانہ سے ہر وقت میں اور ہر قوم و ملک میں اس قسم کے واجب الرحم اشخاص موجود پائے گئے ہیں اور پائے جاتے ہیں لیکن ہمارے اس زمانہ میں اور خصوصاً

مسلمانوں میں یہ پر افسوس حالت بہت ہی دردناک درجہ تک ترقی کر گئی ہے اور کرتی چلی جاتی ہے - بیواؤں سے بدتر اکثر سہاگنوں کا حال ہو رہا ہے اور اکثر مردوں کی حالت عورتوں سے زیادہ ردی دکھلائی دیتی ہے - غور کرو کہ عورتیں جو دن بھر چرخا کات کر یا پیسائی پیس کر اور اگر زیادہ سگھڑ ہیں تو سلائی سی کر بہ مشکل تمام اپنا گزارہ کرتی ہیں جب کہ وہ بیمار ہو جاتی ہیں تو اُن کی کیا حالت ہوتی ہے - مرد جو دن بھر محنت کرنے کے بعد شام کو دو آنہ مشکل سے کما کر لاتا ہے اور اس میں اپنا اور اپنے بال بچوں کا دوزخ بھرتا ہے جب وہ خود آزاری ہے تو بتاؤ کہ اس وقت اس کے گھر پر کیا گزرتی ہوگی - جن مصیبت کے ماروں کے لئے نہ ٹھیک طور سے پیٹ کو ٹکڑا میسر ہے اور نہ بدن کو ثابت کپڑا - گھر کا چھپر ہے کہ دن کو اس میں سے سوراخ اور رات کو تارے نظر آتے ہیں - چند پولہ پھونس تک میسر نہیں جو اس کی درستی کر سکیں تو ایسے آفت زدوں کا بار بار بیمار ہونا اور جب ایک دفعہ کسی بیماری میں مبتلا ہوں تو مدت تک اس سے نجات نہ پانا یہ ایک لازمی بات ہے اور ہم سب واقف ہیں کہ جس زمانہ میں کوئی بیماری کسی شہر یا محلہ میں عام طور سے پھیلتی ہے تو ان غریبوں کی مصیبت ناگفتہ بہ ہوتی ہے گھر کا گھر بیمار ہے - نہ باپ کو ہوش نہ ماں میں طاقت ہے بچے جدا دم توڑ رہے ہیں، اور کوئی اتنا بھی نہیں جو اُن کے منہ میں ایک بوند پانی کی بھی ٹپکا دیوے - دوا اور غذا کا تو ذکر ہی کیا ہے - انا للہ وانا الیہ راجعون -

میں ذکر کسی ادنٰے قوم کا نہیں کر رہا ہوں - شیخ - سید - مغل پٹھان جتنی شریف قومیں ہیں کوئی ان میں اس مصیبت سے خالی نہیں ہے - میں اپنی قوم کو بھی جو کمبوہ کھلاتے ہیں اور جن میں صرف دو تین پشت پہلے فی صدی سو کے سو تعلیم یافتہ اور اپنی حالت میں سب خوش تھے اس سے مستثنیٰ نہیں کرتا لیکن جب تھے تب تھے - آج تو جب کسی گھر میں افلاس کی یہ حالت طاری ہو تو وہاں بچوں کی تعلیم و تربیت کا سوال ایک بے ہنگم سوال ہے -

میں اس دردناک بیان کو زیادہ طول دینا ضروری نہیں سمجھتا - تمام اشخاص جن کی توجہ ان

معاملات پر درکار رہے بخوبی جانتے ہیں کہ جس طرح پر ایک جم غفیر اس مصیبت میں مبتلا ہے اکثر لوگ اور خصوصاً وہ جنھوں نے اپنی شرافت اور آبرو کو محفوظ رکھنے کی غرض سے آخر وقت تک دست گدائی دراز نہیں کیا ہے اور سوال کے لئے لب نہیں کھولا ہے سخت ہی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہیں اور میری اس گذارش کا مقصد بھی یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کوئی نہ کوئی بندوبست ایسا ضرور ہونا چاہیئے کہ اُن لوگوں کی یہ موجودہ مصیبت رفع ہو۔ یہ کوئی انسانیت نہیں ہے کہ ہم اچھا پہنیں اور اچھا کھائیں اور آرام اور عیش سے زندگی گزاریں جبکہ ہمسایہ میں دو دو وقت چولھے میں آگ تک بھی نہ جلے۔ ہم کیا اپنے شہر کے سالانہ باغوں کے جلسوں کی دھوم دھام سے خوش ہو سکتے ہیں جبکہ غریب آدمیوں کے بچے چار چار آموں کو ترستے ہوں۔ ہم کیا اپنے بال بچوں میں بیٹھ کر ہنسی خوشی سے دل بہلا سکتے ہیں جبکہ اپنے ہی ابنائے جنس میں سے کچھ بال بچے سردی اور گرمی۔ بیماری اور فاقہ کی تکلیف میں مبتلا ہوں اور کوئی ان کی بات تک پوچھنے والا ہی نہ ہو ؎

بس گرسنہ خفت و کس ندانست کہ کیست

بس جاں بہ لب آمد کہ برو کس نہ گریست

میں بدل اس بات کا مقر ہوں کہ بلاشبہ تمام لوگ جن کی طرف اس وقت میرا روے سخن ہے بدل اس بات کے آرزومند ہیں کہ اس مصیبت زدہ گروہ کی مدد کی جاوے اور ان کو اس حالت سے نکالا جاوے مگر واقعہ یہ ہے کہ جو مدد اب تک اس واجب الرحم گروہ کی ہوئی ہے اور ہوتی ہے وہ کافی نہیں ہے تو اب خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا تدبیر اختیار کی جاوے جس سے ان غریبوں کی امداد کے لئے کافی سرمایہ بہم پہونچے۔ اسلام میں صدقات و مبرات کی بہت سی ترغیبات کے علاوہ جو ایک باضابطہ صیغہ اس غرض سے قائم کیا گیا تھا وہ زکواۃ کا صیغہ تھا لیکن آج وہ امیرالمومنین کہاں ہے جو مسلمانوں سے زکوٰۃ کو سرکاری مالگذاری کی طرح وصول کرے اور بیت المال

سے ان غریبوں کی مدد کرے گا۔ اب تو جس زمانہ میں ہم گزر رہے ہیں اس کے مناسب حال اگر ہم کچھ کر سکتے ہیں تو اس کو کرنا چاہئے۔ ایک عام طریقہ جس کی طرف ایسے مواقع پر ہمیشہ خیال رجوع ہوتا ہے عام چندہ کا ہے لیکن ہم میں سے جن لوگوں کو چندوں کا تجربہ ہے وہ یقیناً سب اس بات میں مجھ سے متفق ہوں گے کہ چندہ ایسی مستقل اور دائمی ضرورت کے لئے کوئی قابل اطمینان ذریعہ نہیں ہے اور مالیت کے لحاظ سے بھی چندہ کا ذریعہ اس سرمایہ کو بہم نہیں پہونچاتا ہے جو اس کام کے واسطے درکار ہے۔ خاص اپنے شہر امروہہ کے علاوہ جس کی کیفیت مجھ کو زیادہ تفصیل سے معلوم ہے دوسرے بعض شہروں کا بھی مجھ کو تجربہ ہوا ہے۔ سب اس میں متفق ہیں کہ کم و بیش ہر جگہ یہی حالت ہے اور چندہ کے ذریعہ سے کسی جگہ اس میں کامیابی کی امید نہیں ہے اور گو اس میں شبہ نہیں کہ اس ناامیدی کی اصل وجہ ہم لوگوں کی کم ہمتی ہو یا ناداری یا اور کوئی وجہ ہو نتیجہ سب کا ایک نکلتا ہے یعنی کہ چندہ کے ذریعہ سے اس مقصد میں کامیابی کی کوئی امید نہیں ہے تو پھر اب سوچنا باقی رہا کہ دوسرا کیا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے جس سے مطلوبہ سرمایہ بہم پہونچے۔

۴۔ میں نے مدتوں تک اس معاملہ پر غور کیا ہے میرے نزدیک اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ جو روپیہ فضولیات میں صرف ہو رہا ہے اس کو وہاں سے بچا کر ضروریات میں صرف کیا جاوے لیکن اگر ہم بغیر زائد سرمایہ بہم پہونچائے ہوئے کوئی کام کر سکتے ہیں تو وہ صرف مصرف کو بدل دینے سے کر سکتے ہیں اور بالفعل، اس تجویز کی تکمیل کے لئے جو میں پیش کر رہا ہوں صرف شادی کی چند تقریبات کے مصرف کو بدلنا چاہتا ہوں اگر اس میں کامیابی حاصل ہوئی تو پھر آیندہ رفتہ رفتہ بہت سی رقوم کو ہم ایک خانہ سے اٹھا کر دوسرے خانہ میں رکھ سکیں گے جس سے اور بہت سے قومی کام کہ جن میں اکثر روپیہ کی ضرورت دائمی ہے آسانی سے انجام پا سکیں گے اور بالفعل وہ چند تقریبیں حسب ذیل ہیں۔

اوّل توروں اور حصوں کی بھاجی خواہ دولہا کی طرف سے ہو یا دلہن کی طرف سے۔
دوم مکلاوہ کا کھانا دلہن کی رخصت کے دن یہ کھانا دولہا کے ہاں بھیجا جاتا ہے اور وہاں سے تمام کنبہ برادری وغیرہ میں بھاجی کی طرح تقسیم ہوتا ہے۔
سوم بری کی مٹھائی اور میوہ جو دولہا کے ہاں سے دلہن کے گھر جا کر بھاجی کی طرح تقسیم ہوتا ہے۔
چہارم۔ دعوت ولیمہ کا وہ حصہ جو منشائے دعوت ولیمہ سے زائد ہے اور جس کی تفصیل مَیں آئندہ بیان کروں گا۔

آتش بازی اور ناچ رنگ کی محفلیں وغیرہ وغیرہ اس قسم کی بہت سی لغویات ہیں جو فوراً موقوف ہونی چاہئیں اور میں نے اس فہرست میں اُن کو صرف اس لئے شامل نہیں کیا کہ میرے ہاں ایک عرصہ دراز سے ان کا رواج نہیں رہا ہے اور چونکہ مَیں اس تجویز کو صرف لفظوں ہی سے نہیں بلکہ عمل سے شروع کرنا چاہتا ہوں لہذا میں نے یہاں صرف ان ہی بدات کے ذکر پر اکتفا کیا ہے جن کے ترک کرنے کی ذمہ داری میرے اوپر عائد ہوتی ہے اور مجھ کو امید ہے کہ اگر میری اس تجویز پر بزرگان قوم نے توجہ فرمائی تو آتشبازی اور ناچ رنگ کے مصارف بدرجہ اولیٰ اور فوراً روک دئیے جاویں گے۔

بھاجی اور مکلاوہ کا کھانا اور بری کی مٹھائی اور میوہ اس کی تقسیم جس طرح ہوتی ہے سب کو معلوم ہے۔ بہت ہی کم حصہ اس کا غربا کو پہونچتا ہے اور خصوصاً معذور اور بے زبان غربا کو جن سے اس وقت ہم کو سروکار ہے باقی جو کچھ ہے وہ صرف ایک نمائشی معاوضہ ان چیزوں کا ہوتا ہے جو دوسروں کے گھر سے ہمارے گھر آتی ہیں اور دوسرے دن جن کا کچھ بھی اثر باقی نہیں رہتا اور جن لوگوں کو وہ حصّے پہونچتے ہیں جب وہ اس بات پر غور کریں کہ ایک ان کا حصّہ موقوف ہونے سے کیسا معقول سرمایہ غربا کی بسر اوقات کے لئے مہیا ہو سکتا ہے تو جہاں تک میری سمجھ کام کرتی ہے مَیں سمجھتا ہوں کہ کسی کو بھی اس کی وجہ سے

شکایت نہو گی اور نہ ہونی چاہئے۔

۶۔ دعوت ولیمہ کی نسبت میں نے مولوی احمد حسین صاحب سے رائے لی تھی جو ہمارے شہر کے نہایت متبع سنت اور دیندار اور متقی عالم اہل سنت و جماعت کے ہیں اور جن پر عام شہر کا اعتماد ہے۔ ممدوح کے اتفاق سے یہ امر طے ہوا ہے کہ دعوت ولیمہ کا اصل مقصد ان چند دوستوں کی شرکت سے ہے جن کے ساتھ ناکح کو ایک خاص لطف صحبت حاصل ہو، خواہ وہ اپنے خاندان اور برادری کے ہوں یا اہل شہر وغیرہ کے ہوں باقی وہ کثیر التعداد مہمان جو دعوتوں کے معاوضہ کے طور سے بلائے جاتے ہیں وہ دعوت ولیمہ کے منشا سے خارج ہیں۔ پس دعوت ولیمہ کو اس کی حد کے اندر قایم رکھ کر جو کچھ اُس پر ستزاد ہو گیا ہے اس کو بلا تامل غربائے معذور کی امداد میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ اب اس سرمایہ کے طرز تقسیم پر غور درکار ہے جو حسب مذکورۂ بالا فراہم ہوگا۔ گزشتہ چار پانچ مہینہ میں مَیں نے برابر اس پر غور کیا ہے اور اپنے خاندان اور اہلِ برادری اور اہل شہر اور دوسرے مقامات کے بعض اہل الرائے سے بھی اس میں مشورہ کا اتفاق رہا ہے اور بالآخر یہ رائے قرار پائی ہے کہ اگر اس حال کی تجویز میں کامیابی بھی ہو تاہم ابھی عرصہ دراز تک اس بات کی کوئی توقع نہیں ہے کہ وہ سرمایہ اس مقدار تک بہم پہونچے گا کہ اس کی کوئی مستقل جائداد خرید کی جاوے اور اس جائداد کی آمدنی سے مستقل طور پر بے کس لوگوں کی مدد جاری کی جاوے اور اگر کسی مختصر سے سرمایہ کی حالت میں ایسا ارادہ کیا جاوے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت کم لوگوں کو ہم ابتداً ابتداً میں مدد دے سکیں گے اور اس کا عملی اثر عام لوگوں پر جیسا چاہئے ویسا ہو گا لہٰذا بالفعل یہی مناسب سمجھا جاتا ہے کہ جو روپیہ وصول ہوتا رہے وہی غربا پر اس طرح تقسیم ہو کہ ایک سال تک ایسے ہر ایک شخص کی طرف سے بے فکری ہو جاوے جس کو اس سرمایہ سے مدد دی جاوے۔

۸۔ یہ سرمایہ جو اس طرح پر حاصل کیا جاوے گا مفصلہ ذیل کاموں میں صرف ہو گا۔

(الف) پردہ نشیں بیوہ عورتوں کی پرورش جن کی بسر اوقات کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

(ب) دوسری پردہ نشیں عورتوں کی پرورش جو گو بیوہ نہیں لیکن کسی اتفاق سے انکا بھی کوئی ذریعہ بسر اوقات نہیں ہے۔

(ج) معذور مرد جن کی پرورش کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

(د) یتیم اور لاوارث بچوں کی پرورش اور تعلیم۔

(ہ) ایسے بچوں کی تعلیم میں بقدر ضرورت مدد کرنا جن کے مربی کافی طور پر اس کا اہتمام نہیں کر سکتے۔

(و) بیماروں کی دوا اور غذا اور دوسری ہر ایک قسم کی ضروریات تیمارداری کا اہتمام جو اپنی بیماری کے وقت میں کوئی دوسرا ذریعہ اپنی مدد کا نہیں رکھتے۔

(ز) مفلس لڑکیوں کے نکاح کے اخراجات میں ضروری امداد۔

(ح) اشخاص مذکورہ بالا کی مدد اُن کے مکانات کی ضروری مرمت میں۔

(ط) دوسری کوئی امداد اور مفید کام جو مناسب معلوم ہو۔

مذکورہ بالا اخراجات کے لئے کوئی شرح مقرر کرنی ضروری نہ ہوگی بلکہ ہر ایک کی حالت اور ضرورت کے لحاظ سے اس قدر امداد اس کو دی جاوے گی جس قدر امداد کی اس کو درحقیقت ضرورت ہے۔

۹۔ بہ لحاظ حلقوں کے جن میں وہ سرمایہ صرف ہوگا سرمایہ کی تقسیم حسب ذیل عمل میں آوے گی۔

اول۔ جس شخص سے سرمایہ بہم پہونچے اس کے خاندان کنبہ برادری کے غربا کے لئے .... کوئی مناسب حصہ۔

دوم۔ ان کے محلہ کے غربا کے لئے .... کوئی مناسب حصہ۔

سوم۔ باقی شہر کے لئے .... کوئی مناسب حصہ۔

تمام شہر میں جب یہ تجویز ہو جائے تو اس وقت اسی تفریق کے لحاظ سے تین کمیٹیاں مقرر ہوں

اور ہر ایک قسم کا حصہ اسی کمیٹی کے اختیار میں ہے اور ہر ایک کمیٹی اپنی اپنی تجویز سے اپنے حصہ کی رقم کو امداد ہائے مندرجہ فقرہ (۹) میں صرف کرنے کی مجاز ہو۔ حساب وقتاً فوقتاً مرتب رہے۔ جو مدد دی جاوے وہ ماہوار ہو یا جس مناسب طریقے سے کسی کی رائے ہو۔ اطلاع عام کے لئے جمع خرچ چھاپا جاوے مگر اس میں کسی امداد پانے والے کا نام مشتہر نہ کیا جاوے گا۔ تفصیلی حسابات میں مدد پانے والوں کے نام اور رقوم درج ہوں گے اور صرف ارکان کمیٹی کے دستخط کافی ہوں گے۔ امداد کے ان حصوں کے متعلق جو محلّہ اور شہر کا حق قرار دیا گیا ہے قوم و مذہب کا کوئی تفرقہ نہ ہوگا البتہ جبکہ مستحقان امداد زیادہ ہوں گے اور سرمایہ اُن کے یک سالہ خرچ سے بھی کم ہوگا تو جن لحاظات سے کمیٹی مناسب سمجھے گی بعض کو ترجیح دے گی اور باقیوں کی نسبت کارروائی کو ملتوی رکھے گی۔ نیز جو تجویز کمیٹی سے ایک دفعہ ہو جاوے گی اس کو وقتاً فوقتاً کبھی اپنے اقتضائے رائے سے منسوخ اور ترمیم بھی کر سکے گی۔

۱۰۔ یہاں تک جو کچھ میں نے بیان کیا وہ ایک ایسا مضمون ہے کہ گزشتہ چار پانچ مہینہ میں اپنے خاندان اور برادری اور شہر میں اور دوسرے مقامات پر جہاں جہاں میں نے اس کا تذکرہ کیا اکثروں نے اس سے اتفاق کیا ہے لیکن اس اتفاق سے میں یہ نتیجہ نکالنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ جن صاحبوں نے اس طرح مجھ سے اتفاق کیا ہے جب وقت آجاوے تو اپنی باری میں قدیم مراسم ترک کرنے کی جرأت کر سکیں گے لیکن اگر یہ راستہ چل پڑا تو رفتہ رفتہ پھر لوگ اس گروہ میں شامل ہوتے جاویں گے اور چونکہ بات معقول ہے لہٰذا گو دیر میں سہی آخر کار انشاء اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی ہوگی لہٰذا ہمارا کام سعی کرنا ہے کامیاب ہونا یا نہ ہونا خدا کی مرضی پر منحصر ہے۔ السعی منی والاتمام من اللہ ہم کو اپنا فرض ادا کرنا چاہئے۔ دوسروں کو اختیار ہے کہ اپنا فرض ادا کریں یا نہ کریں قدیم وقتوں میں صدہا قسم کی رسوم رائج تھیں جن کو زمانہ نے غیر مفید سمجھ کر اور اپنے مناسب حال نہ پا کر بتدریج ترک کر دیا ہے۔ صدہا باتیں جو پہلے نہ ہوتی تھیں اب اس زمانہ کے مناسب لوگ اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ ہمارا مذہب ہمارے

لئے البتہ صراط مستقیم ہے جو کچھ ہم کو مذہب کے ذریعہ سے بتلایا گیا ہے اس کو قایم رکھنا چاہئے اور یہ فضولیات جن کا میں نے اس مضمون میں ذکر کیا ہے ضروریات مذہب میں سے نہیں ہیں غریب اور معذور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مسلمان بچے جبکہ تکلیف میں مبتلا ہوں تو یہ کوئی عقلمندی کا کام نہ ہوگا کہ ہم اپنا روپیہ محض نمایش کی غرض سے فضول صرف کرتے ہوں - نفل نماز بہت ثواب کی بات ہے لیکن اگر کبھی کوئی قافلہ تشنگی میں مبتلا ہو اور لوگ العطش العطش پکار رہے ہیں - وہاں زیادہ ثواب اسی میں ہے کہ نفلوں کو چھوڑے اور ڈول اور رسی ہاتھ میں لے اور پانی بھر بھر کر پیاسوں کی پیاس بجھائے۔

صاحبو - جب ضرورت کی حالت میں تم نفل نماز چھوڑ سکتے ہو تو رسموں کا ترک کر دینا تمہارے نزدیک کوئی مشکل کام نہیں ہے - خصوصاً جبکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کا بہترین معاوضہ تمام لوگوں کی نظروں کے سامنے تمہاری طرف سے ہوا جاتا ہے اور اب یہ تمہارے اوپر منحصر ہے کہ سیر چشمی کے ساتھ ہر رسم کے معاوضہ میں تم اس قدر رقم امداد معذورین میں دو جاہل برادری اور اہل شہر کو تمہاری نسبت دوسرا کوئی خیال پیدا کرنے کا موقع ہی نہ ملے - اس تجویز کے ذریعہ سے ہم اپنی قوم کو خست کی تعلیم نہیں کرتے بلکہ صرف دولت کے مصرف کو بدلے دیتے ہیں اور ایک غیر ضروری اور فضول خانہ کی رقم کو اٹھا کر نہایت ضروری خانہ میں رکھے دیتے ہیں - یہ حال کے موجودہ رواسم جن میں قوم کی دولت کا کثیر التعداد حصہ برباد ہو رہا ہے جس وقت قایم ہوئی تھیں اگر اس وقت کی سی دولتمندی اور ہمت قوم میں موجود ہوتی اور یہ سیکڑوں ہزاروں ہمارے ہی ابنائے جنس روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو محتاج اور بحالت تباہ مبتلا ہونے اور ان لوگوں کی ہمتیں جو موروثی رسموں میں اپنی دولت صرف کرنے کے خوگر ہیں اپنے بے زبان اور واجب الرحم ابنائے جنس کی ضرورتوں کو بھی ویسی ہی سیر چشمی سے کامل غور سے رفع کرتی رہتیں تو صرف اسراف اور معصیت کا مسئلہ باقی رہ جاتا تھا جس پر وعظ کرنا قوم کے دیندار عالموں کا کام ہوتا - مجھ سے ایک جاہل اور گنہگار کا کام نہ تھا کہ بزرگان قوم کے سامنے اس قسم کی جرأت کرتا مگر

جو حالت مسلمانوں کی گذر رہی ہے اور جس مصیبت میں لوگ مبتلا ہیں ایسی نہیں ہے کہ زیادہ عرصہ تک بے پروائی کی جاوے۔ اس وقت تک جو کچھ فضیحت اس میں ہوئی وہ مناسب نہ تھی اور ہر شخص کو ضرور ہے کہ اس مصیبت کو رفع کرنے میں جو کچھ اس سے ہو سکے کوشش کرے۔

۱۱۔ بعض دوستوں نے اس تجویز کے عمل درآمد میں یہ خدشہ پیش کیا ہے کہ اس وقت لوگوں نے اگر اس تجویز کو منظور بھی کر لیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ رسم تو موقوف ہو جاوے گی جن سے شادیوں میں رونق ہوتی تھی لیکن جس رسم میں کسی شخص کو سو روپیہ خرچ کرنے چاہیئے تھے اس کے معاوضہ میں رفتہ رفتہ وہ پانچ روپیہ بھی امداد معذورین میں صرف نہ کرے گا مگر اس خدشہ کی نسبت میں عرض کرتا ہوں کہ اگر وہ نتیجہ لوگوں کے بخل کا ہے تو آج ان کو اس سے کون امر مانع ہے کہ اپنے خرچ کو جہاں تک ممکن ہے گھٹاویں اور سو روپیہ کی جگہ پانچ روپیہ خرچ کریں اور جو اس قسم کی تنگ طبیعت رکھتے ہیں وہ آج بھی یہی کرتے ہیں اور اگر نتیجہ ان کے افلاس کا ہے اور برادری کی شرم ان کو اپنی حیثیت اور ہمت سے زیادہ خرچ کرنے پر مجبور کرتی تھی اور آئندہ وہ اس جدید تجویز کے اجراء کے بعد اس قدر صرف کرنا پسند نہ کریں گے تو وہ ایک مبارکباد کا مقام ہوگا۔ ہم اس تجویز کے ذریعہ سے روپیہ کو فضولیات میں صرف ہونے سے بچا دیتے ہیں اس کے بعد جہاں کہیں بھی وہ روپیہ رہے گا روپیہ ہی کا کام دے گا۔ اگر غربا کی امداد میں صرف ہوگا تو غریبوں کا اس سے بھلا ہوگا اگر ان کم استطاعت لوگوں کے پاس رہ جائے گا جو برادری کی شرم سے فضول مصارف پر مجبور ہو گئے تھے تو وہ قرضہ کے بھاری بھاری سود کی زہر باری اور تباہی سے بچیں گے۔ پس دونوں نتیجوں میں جو نتیجہ بھی نکل آوے وہ ہماری اس وقت کی حالت کے لحاظ سے ہر طرح مفید ہوگا۔

۱۲۔ ایک دوست نے یہ شبہ بھی ظاہر کیا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنے ہاں رقص و سرود کی رسم کو موقوف کر کے اس کا روپیہ امداد معذورین کی مد میں دینا چاہے تو آیا ایسے روپیہ کو اس مصرف خیر میں شامل کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ اس شبہ کا جواب بہت صاف ہے یعنی جب

ایک شخص یہ کہتا ہے کہ جو روپیہ میں اس طرح پر فضول طور سے صرف کر کے معصیت کا بوجھ اپنے اوپر لیتا تھا آئندہ اس روپیہ کو میں ایک نیک کام میں صرف کرنا چاہتا ہوں تو اس میں کوئی شرعی خطرہ باقی نہیں رہتا۔ بلکہ دوہرا فائدہ ہے اول معصیت کے عذاب سے بچنا اور دوسرے نیک کام میں روپیہ صرف کرنے کا ثواب۔

۱۳۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو تجویز پیش کی گئی ہے اس کی خوبی میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور کوئی اعتراض اس پر وارد نہیں ہوتا۔ مشکل اس میں جس قدر ہے وہ یہی ہے کہ قدیم رسموں کا ترک کرنا خود فی نفسہ بہت مشکل ہے اور ایک دفعہ دل کڑا کر کے اپنا نام اس تجویز کے عاملوں کی فہرست میں لکھ بھی دیا تو عمل درآمد کے وقت اس پر قایم رہنا اس سے بھی زیادہ دشوار کام ہے وہ بہت ہی نازک وقت ہوگا ؎

توبہ زمے کردم و آمد بہار ساقیا توبہ شکنم آرزوست

اور جب تک کوئی شخص اپنے دل کو اتنا مضبوط نہ کرے کہ کسی کے برا بھلا کہنے کی اس کو پرواہ نہ رہے اور لا تخافون لومۃ لآیم کا مصداق نہ بن جاوے تب تک کوئی شخص اس قسم کی اصلاح کا نام تک بھی نہیں لے سکتا اور اسی لئے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ بلا لحاظ اور بلا انتظار اس بات کے کہ دوسرا کوئی شخص میری تجویز میں شریک ہوگا یا نہیں میں خود اول اس تجویز کا عمل درآمد اپنی ذات سے شروع کروں۔ پس اس التماس کے ذریعہ اور نہایت ادب کے ساتھ ان احباب اور بزرگوں کو جو دوسرے مقامات میں تشریف رکھتے ہیں اطلاع دیتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے میں نے اپنے آپ کو اس تجویز کا پابند کر لیا ہے اور خدا مجھ کو اور میرے جانشینوں کو یہ توفیق دے کہ اس پر ثابت قدم رہیں اور یہ پابندی جو میں نے اپنے اوپر عائد کی ہے اس کا یہ ایک لازمی نتیجہ ہوگا کہ جن رسوم کو میں ترک کرتا ہوں اور ان میں اپنے اہل خاندان و برادری اور بزرگان شہر وغیرہ کی شرکت کی خوشی اور عزت سے محروم رہتا ہوں ان رسوم میں جبکہ وہ دوسروں کے ہاں عمل میں آویں میں بھی شریک ہونے سے معافی چاہوں گا۔

۱۴- چونکہ ابھی مجھ کو اس باب میں کوئی قطعی اطلاع نہیں ملی کہ دوسرے کون کون سے عزیز اور دوست اور بزرگ اپنے آپ کو اس تجویز کا پابند کرتے ہیں اور جب تک کہ مجھ کو اپنے خاندان اور برادری میں سے اور اہل شہر سے اس قسم کے نام معلوم نہوں اس وقت تک اُن کمیٹیوں کا تقرر نہیں ہوسکتا جن کا ذکر اس تجویز کے فقرہ (۹) میں کیا گیا ہے لہذا اس کے سوا میرے لئے کوئی دوسرا چارہ نہیں ہے کہ جب تک وہ کمیٹیاں قایم نہ ہوں گی تب تک تمام اختیارات ان کمیٹیوں کے میرے ہاتھ میں رہیں گے اور سرمایہ کو ان تین حصوں میں جن کا ذکر مذکورہ بالا فقرہ میں ہوا ہے یعنی خاندان و کنبہ و برادری اور محلّہ اور شہر بہ لحاظ ضرورت وہ سب مناسب تعداد سے تقسیم کرنا یہ بھی میرے ہی اختیار میں ہوگا اور مجھ کو اختیار ہوگا کہ اس تجربہ کے لحاظ سے جو کارروائی کے وقت مجھ کو حاصل ہوگا تجویزات مندرجہ فقرات ۴-۵-۸-۹ میں جو مناسب سمجھوں ترمیم کردوں۔

(۱۵) آخر میں اپنے تمام اہل خاندان اور برادری اور بزرگان شہر اور دیگر ارکان اہل اسلام کی خدمت میں نہایت ادب اور عاجزی کے ساتھ اس جسارت کی معافی چاہتا ہوں جو اِس گذارش میں مجھ سے ہوئی ہے اور جس کے سوا کوئی تدبیر اپنے ابنائے جنس کو ایک سخت دردناک مصیبت سے بچانے کی غرض سے (نہ تھی) توجہ فرمائیں گے جس کے بعد مجھکو کامل یقین ہے کہ میری یہ روکھی پھیکی اور خشک تجویز زیادہ بارونق اور شاداب حالت میں آجاوے گی۔ کوئی مشکل کام نہیں ہے جس کو کوئی قوم بالاتفاق خداترسی کے ساتھ اور خدا کا نام لے کر شروع کرے اور وہ پورا نہ ہو۔ اور جو کام آپ کے سامنے ہے اس میں نہ کوئی نیا چندہ آپ سے مانگا گیا ہے اور نہ کوئی نیا بوجھ اس سے آپ پر عائد ہوتا ہے۔ اس میں صرف اس بات کی درخواست ہے کہ آپ بعض رقوم کے مصرف کو صرف بدل دیں جس تبدیلی سے آپ عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں گے اور آپ کے دل کی خوشی مصرف کی اس تبدیلی سے بہت بڑھ جاوے گی۔ ہر شخص اپنے دل میں غور کرلے کہ جس وقت وہ کسی فضول رسم میں روپیہ خرچ کرتا ہے

اس وقت اس کے دل کو زیادہ سرور ہوتا ہے یا اس وقت جب کہ وہ اس قدر روپیہ سے اپنے درماندہ اور مصیبت زدہ ابنائے جنس کی مدد کرتا ہے - میرا قیاس تو یہ ہے کہ باوجود ان تمام صدمات کے جو مختلف اسباب سے مسلمانوں کے اخلاق پر پڑے ہیں اب بھی اس گئی گذری حالت میں تین چوتھائی سے زیادہ ہی وہ دل ہوں گے جو بہ نسبت اول الذکر مصرف کے جن کی خوشی عارضی ہوتی ہے آخر الذکر مصرف سے جس کا اثر پائیدار ہے بہت زیادہ خوشی حاصل کرتے ہیں اور میں تو عرض کروں گا کہ خوشیوں کو چولھے میں ڈالو - آنکھیں کھولو اور اٹھو اور بے کس بے پر بے زبان اور تباہ مخلوق کی خبر لو - جن کی غور و پرداخت خدا نے تمہارے ساتھ وابستہ کر دی ہے اور جو ہر طرح پر اس ہمدردی کے مستحق ہیں جس سے تم لبا اوقات بے زبان جانوروں کے ساتھ بھی دریغ نہیں کرتے - اور جس ہمدردی کو اگر آج تم نے باوجود اس علم کے اور اپنی مقدرت کے ادا نہ کیا تو کل کو خدا کے سامنے تم سے اس پر سوال ہونا ہے -

(نواب وقار الملک بہادر آل انڈیا مسلم لیگ کے وائس پریسیڈنٹ ہیں بوجہ کبر سنی اور علالت مستعفی ہوتے ہیں - اس استعفے کے جواب میں آنریری سکریٹری مسلم لیگ کی طرف سے جو جواب جاری ہونا ہے اب اس کو ملاحظہ فرمائیے - مؤلف)

خط نمبر ۸۵ - دفتر آل انڈیا مسلم لیگ - لکھنؤ - ۱۱ مارچ ۱۹۱۳ء (۱۲ - نمبر)

جناب والا - تسلیم

والا نامہ آنجناب رقم زدہ ۱۵ فروری ۱۲ مشعر استعفا عہدہ وائس پریزیڈنسی آل انڈیا مسلم لیگ موصول سررشتہ ہوا تھا جو کہ بہ نظر غور جلسہ سالانہ آل انڈیا مسلم لیگ میں بمقام کلکتہ معزز ممبران لیگ کے روبرو پیش کیا گیا ممبران صاحبان کسی طرح اس امر پر رضامند نہیں ہوئے کہ ایسے بزرگ و محسن قوم جس کی وجہ سے لیگ کا وجود عمل میں آیا لیگ کا وائس پریزیڈینٹ نہ ہو - اور وہ لوگ آپ کے مفید مشورہ سے محروم رہیں - لہذا اطلاعاً التماس ہے کہ آں جناب کا استعفا نامنظور ہو کر آپ کا دوبارہ انتخاب بحیثیت وائس پریزیڈینٹ آل انڈیا مسلم لیگ عمل میں آیا فقط

نیاز کیش - سید وزیر حسن آنریری سکریٹری (دوسٹ لکھے مغیر)

(مولوی محمد عزیز مرزا صاحب ابن مرزا وزیر بیگ صاحب مرحوم سابق ہوم سکریٹری ریاست حیدرآباد دکن کی غیر معمولی قابلیت صلاحیت اور خوبیوں سے نواب وقار الملک اتنے متاثر تھے کہ جب علی گڑھ میں ان پر فالج کا پہلا حملہ ہوا اور نواب صاحب کو ایم۔اے۔او۔کالج کے آنریری سکریٹری کے عہدہ کے لئے اپنے جانشیں کی فکر لاحق ہوئی تو اپنے پچھلے تجربہ کی بنا پر سب سے پہلا نام جو اُن کے سامنے آیا وہ مولوی عزیز مرزا صاحب ہی کا تھا۔چنانچہ نواب صاحب نے مولوی صاحب موصوف کو اس کے لئے آمادہ بھی کرلیا تھا مگر قضا و قدر کو یہ منظور نہ تھا جو عین انہیں دنوں میں ۲۶ فروری ۱۹۱۲ء کو جبکہ سن شریف ابھی پورے پچاس سال کا بھی نہیں ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے پاس بلالیا اور نواب وقار الملک اپنے اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔مولوی ابو سعید مرزا صاحب نواب سعید جنگ بہادر۔مولوی محمد مرزا صاحب ججان ہائی کورٹ ریاست نظام مولوی سجاد مرزا صاحب سابق معتمد تعلیمات حیدرآباد اور مولوی حامد مرزا صاحب انہیں مرحوم کے لائق فرزند ہیں

مولوی عزیز مرزا صاحب کا ایک خط موسومہ وقار الملک جو اپنے انتقال پر ملال سے پورا ایک مہینہ پہلے انھوں نے لکھا تھا اب پڑھئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۸۶۔ نمبر ۹ بنک روڈ۔ لکھنؤ۔ ۲۷ جنوری ۱۹۱۲ء

جناب عالی مدظلہٗ۔ تار پہونچا۔دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔میری حالت یہ ہے کہ ابھی تک تبخیر کا دورہ چلا جاتا ہے۔شام کے قریب ٹیمپریچر بڑھ کر ۹۹ یا ۹۹½ ہوجاتا ہے۔پہلے کی طرح سر میں اور آنکھوں میں درد تو نہیں ہوتا مگر دن بھر حلق خشک رہتا ہے۔ہر چند تدبیریں کی جاتی ہیں مگر حلق کی خشکی نہیں جاتی۔ہر وقت ایک عجیب قسم کی ترق رہتی ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔کھانا بھی نہیں کھایا جاتا۔بمشکل سے تین چار توس شوربے کے ساتھ کھاتا ہوں۔تبخیر کے ساتھ پیشاب میں بھی بہت زیادتی ہوجاتی ہے۔اب مجھے تقریباً علی گڑھ آنے سے مایوسی ہوتی جاتی ہے۔

(نوٹ ماقبل) ۵۲ مولوی سید وزیر حسن صاحب آگے چل کر آنریبل سر وزیر حسن ہوئے اور لکھنؤ چیف کورٹ کے چیف جسٹس بنے (مؤلف)

ایک تجویز میرے ذہن میں آئی ہے جس میں آپ کا فائدہ ہے کہ جناب والا کو آرام بھی لینا چاہیے اور سب لوگوں کی خواہش بھی پوری ہو جاتی ہے - وہ تدبیر یہ ہے کہ جناب والا بدستور سکریٹری رہیں اور میرا تقرر جناب والا بطور جوائینٹ سکریٹری کے فرمالیں - جوائینٹ سکریٹری کی حیثیت سے میں تمام کام انجام دے سکوں گا اور جو کام جناب والا خود پسند فرمالیں گے وہ انجام دیں گے اور جب تک چاہیں گے امروہہ میں آرام فرماسکیں گے - میں بخوشی عہدۂ جوائینٹ سکریٹری کے لئے رضامند ہوں - شکر ہے کہ میری بڑی خوش قسمتی ہوگی کہ میں ایک مرتبہ پھر جناب کے تحت میں کام کرسکوں گا - یہ تجویز نہایت آسانی کے ساتھ ممکن ہے اور جناب والا اس پر پوری غور فرمالیں مگر اس کے متعلق صرف دو شرطیں ہیں - ایک تو یہ کہ مجھ کو مکان بلا کرایہ ملے دوسرے بصورت سفر خرچ ملے اور غالباً ان شرائط کی منظوری میں زیادہ دقّت نہوگی -

اُمید ہے کہ جناب والا کا مزاج بہمہ وجوہ خیریت سے ہوگا - نور چشم مشتاق احمد سلمہ کو دُعا - فقط زیادہ حد ادب - خادم کمترین

"محمد عزیز مرزا"

(مولوی حکیم سید[۵۳] علی صاحب کے ایک خط موسومہ نواب صاحب کا کچھ حصہ مع جواب ملاحظہ ہو - مؤلف)

خط نمبر ۸۷ - ۲۱ر اکتوبر

جناب مطاع معظمی - تسلیم - جو سوال میں جناب عالی کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ ایک راز سربستہ ہے جسے بہت مجبوریوں سے ذریعہ تحریر ہذا عرض کرتا ہوں - وہ سوال یہ ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت کی حسب ایماء جناب کی طلبی سابقہ خدمات کے لئے ہو تو جناب انکار تو نہ فرمائیں گے

---

۵۳ " اودھ کی طرف کے متوطن نہایت ذی علم آدمی تھے - ابتدا میں وکالت کرتے تھے - بعد ازاں سررشتہ عدالت میں دیوانی کو رکھا دیا تھا پنشن جج کی خدمت سے وظیفہ لیا (کارنامہ سروری صفحہ ۲۶۵ نوٹ - مؤلف)

کرنل بار صاحب کو اعلیٰ حضرت کے ساتھ ابھی بفضلہ تعالیٰ ہمدردی ہے اور چاہتے ہیں کہ کسی حد تک اعلیٰحضرت کو مدد دیں۔ حسن اتفاق سے مجھے ایک صاحب مل گئے ہیں جن کو کرنل صاحب کی رفاقت، رازداری ورسوخ کا شرف حاصل ہے۔ انہوں نے مجھ سے حتمی وعدہ کرلیا ہے کہ وہ اس کام کو بہ حسن اسلوب کرادیں گے، بشرطیکہ پہلے معلوم ہو جائے کہ جناب انکار تو نہ فرمائیں گے۔ وہ تو اس تحریک پر ابھی سے تل گئے تھے مگر میں ان کے سوال کا تشفی بخش جواب نہ دے سکا اور کس طرح دے سکتا تھا۔ میرا ارادہ یہ ہوا ہے کہ کرنل صاحب بطور خود اعلیٰ حضرت کو جناب کی طلبی کا مشورہ دیں لیکن سب سے پہلے ان سے وعدہ لیا جائے گا کہ جناب کو ہر باب میں حتی الوسع مدد دیتے رہیں گے اور جب کہ خود اس کے بانی ہوں گے تو ضرور ہی مدد دیں گے۔ خدا کرے مجھے میرے سوال کا جواب نعم ملے اور میں خدائے قادر کا نام لے کر ان کو تحریک کی اجازت دوں ...... مگر مجھے جواب جلد ملے۔ مبادا وقت جاتا رہے اور مجھے مدۃ العمر کف افسوس ملنا پڑے ..... خاکسار محمد سید علی۔

خط نمبر ۲۸۔ امروہہ۔ ۲۸ ؍ اکتوبر ۱۹۰۱ء بوم دوشنبہ۔

جناب مخدومی و مکرمی مولوی حکیم سید علی صاحب سلامت۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ لکھنؤ سے واپس آنے میں مجھ کو توقع سے زیادہ توقف ہوگیا اور کل امروہہ پہونچ کر آپ کا عنایت نامہ بجنسہٖ اسی طرح سربمہر پایا جس کی رسید میری طرف سے عزیز القدر محمد صبغت اللہ صاحب نے لکھ دی تھی۔ میں نے خود ہی اس کو کھولا اور چاہا کہ کل ہی جواب لکھوں لیکن اتوار کی وجہ سے رجسٹری متعذر تھی۔ بہر حال اب عنایت نامہ کا اور اس قدیمی محبت کا جس سے وہ عنایت نامہ تحریر ہوا ہے دلی شکریہ قبول فرمایئے۔ اور کامل یقین رکھیے کہ جہاں تک اس معاملہ کا تعلق میری ذات سے ہے انشاء اللہ تعالےٰ وہ راز ہی رہے گا۔

اب رہا جواب ارشاد۔ وہ نہایت صاف اور نہایت سہل ہے۔ یہ امر تو بحث ہی سے خارج سمجھنا چاہئے کہ حضرت پیرو مرشد ملک مجھ کو کوئی حکم فرمادیں اور خدانخواستہ اس میں کمی کی

سرتابی میری طرف سے ہو۔ جو خاوندیاں کہ حضرت ظل سبحانی کی طرف سے مجھ جیسے اپنے ایک ناچیز غلام کی نسبت مبذول ہوئی ہیں ان کے لحاظ سے کسی قسم کا غور بھی میرے مشرب میں کفر ہے لیکن اس سے مجھ کو البتہ اختلاف ہے کہ میرے واسطے خارج سے حضرت بندگان عالی متعالی پر کوئی اثر ڈالا جاوے ؎

رفتن بہ پائے مردی ہمسایہ در بہشت
حقّا کہ با عقوبت دوزخ برابر است

والسلام۔ خاکسار مشتاق حسین

اُمید ہے کہ ایک سطر اس عریضہ کی رسید میں مہربانی سے تحریر فرما دیجئے گا۔

(نواب وقار الملک بہادر نے جو آخری درخواست فرماں روائے دکن حضور پرنور نواب میر عثمان علی خاں بہادر نظام ریاست حیدرآباد کی جناب اقدس میں روانہ کی تھی چونکہ اس سے نواب صاحب کے کردار کے بعض گوشوں پر روشنی پڑتی ہے اس لئے اس درخواست کا کچھ حصہ اب ملاحظہ فرمائیے۔ مؤلف)

مکتوب نمبر ۹۶

اقدس حضور پُرنور بندگان عالی حضرت فرماں روائے حیدرآباد۔ دکن ادام اللہ اقبالہ

بعز عرض میرساند

سرکار عالی کے نمک خواروں میں فدوی کا ایک بیٹا محمد احمد مرحوم تھا جس نے میرے زمانہ قیام حیدرآباد دکن بیرسٹری کی سند حاصل کی اور دوسرے سال انتقال کیا۔ اس کے بعد محمد احمد کی تین بہنوں نے جو تعلیم اور تربیت اور شادی سے فارغ ہو چکی تھیں یکے بعد دیگرے اس دنیا سے کوچ کیا اور اسی عرصہ میں میری پہلی بیوی کا بھی انتقال ہو گیا اور دوسری بیوی سے خدا نے اپنے فضل و کرم سے میری اس ضعیفی میں مجھ کو ایک لڑکا اور ایک لڑکی عنایت کی۔ لڑکے کا نام مشتاق احمد ہے اور وہ اب پندرھویں سال میں ہے اور اس وقت ہیرو دون کیمبرج اسکول میں تعلیم پا رہا ہے اور لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہے اور میری دوسری بیوی نے بھی

یہ دونوں اولادیں چھوڑ کر انتقال کیا جس کے بعد میری تیسری شادی ہوئی۔۔۔۔۔ اور ایک بہت لمبی فہرست میرے ایسے متعلقین کی ہے جن کا رزق خدا نے میرے ساتھ اتارا ہے۔ مجھ سے جہاں تک ممکن ہے میں نے اپنے اور ان سب کے قوت لایموت کے واسطے پوری کفایت شعاری سے کوشش کی ہے اور جو تھوڑی بہت جائداد از قسم زمینداری موروثی و مکسوبہ ذاتی مجھ کو بہم پہونچ سکی ہے اس کا ایک وقف نامہ گورنمنٹ کے جدید قانون وقف علی الاولاد کے بموجب لکھ کر مکمل کرا دیا ہے لیکن ملاحظہ وقف نامہ سے ظاہر ہوگا کہ اس کی آمدنی اتنے بڑے اخراجات کے واسطے مطلق کفایت نہیں کر سکتی اور درحقیقت تمام بار سرکار عالی کے عطیہ سات سو روپیہ حالی میری حین حیاتی پنشن تک ہے۔ میری عمر اب اٹھترویں سال میں ہے صحت کے لحاظ سے کوئی اطمینانی حالت نہیں ہے۔ حیدر آباد دکن کی ملازمت کی حالت میں اور اس کے بعد علی گڑھ کالج کے آنریری سکریٹری شپ کے طویل زمانہ خدمت گزاری میں مجھ کو دماغی کاموں سے مہلت نہ مل سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علی گڑھ کالج ہی کے زمانہ سے مجھکو فالج کا دورہ شروع ہوا اور گزشتہ سال جب میں منصوری میں تھا تو وہاں اس قدر سخت دورہ مجھکو ہوا کہ زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی اس کے بعد بھی متواتر فالج کے دورے مجھ کو ہوئے اور اب سے تین ماہ قبل پانچویں مرتبہ فالج میں مبتلا ہوا اور اب سے ایک ماہ قبل چھٹا دورہ فالج کا اس قدر سخت ہوا کہ میرا دہنا ہاتھ بے کار ہو گیا۔ ناتندرستی صحت کی جو حالت ہونا چاہئے وہ ظاہر ہے۔ بخلاف دوسرے تکلیف دہ امراض کے ضعف بہت زیادہ بڑھ گیا ہے اور بصارت میں کمی آگئی ہے۔ سماعت میں قصور ہے۔ بغیر امداد دوسرے شخص کے جنبش نہیں کر سکتا۔ سہو و نسیان بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس پر صغیر سن بچوں اور اہل و عیال کی فکر کسی وقت پیچھا نہیں چھوڑتی اور پنشن سے بھی پوری طرح ان فکروں کی تلافی نہیں ہوتی۔ میں نے سرکار کا بہت نمک کھایا ہے اور اب تک سرکار ہی کا نمک خوار ہوں اور ایک ایسے وابستہ دامن دولت کے توقعات اس کشمکش اور پریشانی کی حالت میں جو کچھ ہو سکتے ہیں وہ سرکار عالی ہی کی ذات سے وابستہ ہیں اور دلی شکر گزاری و احسانمندی

کے ساتھ یہ بھی عرض کرنا ضرور ہے کہ فدوی کی جو قدردانی سرکار عالی سے فرمائی گئی ہے اور جس کا صرف بال بال ہی شکر گزار نہیں بلکہ ایک دنیا اس سے واقف ہے اس نے میری پوزیشن کو ابتدا سے اس وقت تک بہت احترامانہ حالت میں رکھا ہے لیکن آئندہ اس کی حفاظت میرے اختیار سے باہر ہے اور نہایت ادب و عاجزی کے ساتھ میں اپنے اس تمام قصہ کو اب اول اللہ تعالٰے جل شانہ کی حفاظت میں اور اس کے بعد سرکار عالی کی حفاظت میں دیتا ہوں خصوصاً اپنے فرزند مشتاق احمد کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ اور خاص کر اس کی یورپ کی تعلیم کا مسئلہ جو اس زمانہ کے لوازم سے ہے سرکار کی توجہ کا محتاج ہے جو کچھ اس کے متعلق مجھ سے کوشش ممکن تھی میں نے کی .... لیکن یہ سب چھوٹی رقمیں ہیں اور یورپ کی تعلیم کے واسطے کفایت نہیں کر سکتیں - ایک ؏۵۴ وہ زمانہ تھا کہ اپنے بڑے فرزند محمد احمد مرحوم کی تعلیم یورپ اور بیرسٹری وغیرہ کے اخراجات کے واسطے جبکہ سرکار عالی کے متعدد عہدہ داروں کو تعلیمی وظائف دئے جا رہے تھے میں نے اپنی پیش قرار تنخواہ کے لحاظ سے اس رقم کی درخواست پیش کرنے کی جرأت نہ کی اور میں نے باوجود اپنے دوستوں کے مشورہ کے جو کچھ خرچ ہوا اپنی ذات سے خرچ کیا - اس وقت کی حالت کے لحاظ سے سوائے اس کے کہ سرکار عالی سے امداد کی درخواست کیجائے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا اور یہ امر کہ وہ امداد کیا ہوگی یہ سب سرکار عالی کی غریب پروری اور شاہانہ فیاضی پر منحصر ہے ...."

(اب اسی سلسلہ میں نواب سر فریدوں جنگ بہادر کا ایک خط موسومہ نواب وقارالملک بہادر پڑھیئے۔ شاہان دکن کی یہی فیاضیاں تھیں جو اپنے نمک خواروں کا دل موہ لیا کرتی تھیں۔ اور جن پر جذبۂ وفاداری کی بنیاد رکھی جاتی تھی ۔ مؤلف)

؏۵۴ یہاں سے آخر فقرہ تک کی عبارت کتاب "وقار حیات" کے صفحات ۳۲۲ و ۳۲۳ پر نقل ہوئی ہے - مؤلف -

خط نمبر ۹۰- سیف آباد - حیدر آباد دکن - ۸ مرفروری ۱۹۱۶ء

خانگی

مکرمی و معظمی و محترمی دام الطافہ - تسلیم - آپ کی انگریزی چٹھی کے ساتھ آپ کی درخواست معروضہ ۵ رجنوری ۱۹۱۶ء جو بنام نامی و اسم گرامی بندگان حضرت تھی اُس کے وصول ہونے پر میں نے اس کو مع وقف نامہ اپنے معروضہ کے ساتھ (جس میں آپ کی کارگزاریوں کا مفصل کارنامہ مندرج تھا) بارگاہ خسروی میں گزراننے کی عزت حاصل کی تو اس پر بذریعہ فرمان مبارک مؤرخہ ۲ر ربیع الاول ۱۳۳۴ہجری یہ ارشاد خسروی ہوا تھا کہ عرضی مع وقف نامہ واپس کیجاتی ہے مسٹر گلینسی اور سر فریدوں جنگ بہادر کی مشترکہ رائے عرض کی جائے - چنانچہ بہ تعمیل ارشاد اقدس متفقہ رائے عرض کی جانے پر فرمان مبارک مترشحہ ۲۵ ر ربیع الاخریٰ ۱۳۳۴ھ جو شرف صدور لایا اُس کی نقل مرسل خدمت ہے - اس کے معاینہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ بندگان حضرت نے براحم سلطانی آپ کے فرزند مشتاق احمد صاحب کے نام آپ کی موجودہ پنشن میں کوئی وظیفہ جاری فرمانے کے عوض ایک جداگانہ وظیفہ تعلیمی اس طرح جاری فرمایا کہ ان کی موجودہ سولہ (۱۶) سال کی عمر سے بیس (۲۰) سال کی عمر تک سو روپیہ کلدار ماہانہ اور اس کے بعد سے پچیس سال کی عمر تک ڈھائی سو (۲۵۰) روپیہ ماہانہ ملا کرے بشرطیکہ اُن کی تعلیمی حالت قابل اطمینان رہے - مجھے امید ہے کہ اس وظیفہ منظورہ سے آپ کے صاحبزادہ کی تعلیم میں مدد ملیگی - اس بارہ میں باضابطہ اطلاع آپ کی خدمت میں محکمہ فینانس سرکار عالی سے راست وصول ہوگی - مجھے آپ کے مزاج کی ناسازی کی کیفیت معلوم ہونے سے نہایت ہی رنج و افسوس ہوا - خداوند تعالیٰ آپ کو صحت مرحمت فرمائے اور دیرگاہ سلامت رکھے -

آپ کا مخلص دلی . . . .

" فریدوں " - بخط انگریزی -

(حضور پُر نور نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام دکن خلد آشیاں کلکتہ تشریف لے جانے والے ہیں۔ اتفاق سے انہی دنوں وہاں پر مسلمانوں کا ایک تعلیمی اجتماع بھی ہو رہا ہے جس میں نواب وقار الملک مدعو ہیں مگر حضور نظام کا پروگرام سُن کر حضور کی اجازت حاصل کئے بغیر کلکتہ کا اپنا ارادہ ملتوی کر دیتے ہیں اور ذریعہ معروضہ اس صورت سے مطلع کرتے ہوئے حضور پر نور کا عندیہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس درخواست سے جواب درج کی جاتی ہے نواب وقار الملک کی محتاط طبیعت کا اندازہ لگانے میں بڑی مدد ملے گی۔ مؤلف)

خط نمبر ۹۱۔ اخباروں سے معلوم ہوا کہ حضرت ظل سبحانی کا ورود میمنت لزوم کلکتہ میں ۲۳ دسمبر کو ہوگا اور غرہ جنوری تک کلکتہ میں رونق افروزی رہے گی اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں امسال من ابتدائے ۲۷ لغایت ۳۰ دسمبر محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں پہلے سے قرار پا چکا ہے جس میں فدوی بھی مدعو ہے۔ لیکن ایسے وقت میں جبکہ حضرت ظل سبحانی کلکتہ میں رونق افروز ہوں مجھ سے ایک غلام کا کلکتہ آنا اسی وقت اچھا معلوم ہوتا ہے جبکہ غلام کو حضرت ظل سبحانی کے حضور پر نور میں اداب بجالانے کی عزت بھی حاصل ہو والا فلا۔ پس غلام کا سفر کلکتہ کا صرف حضرت ظل سبحانی کے ایماء پر منحصر ہوگا اور اگر کوئی ایماء نہ ہوا تو اس سے غلام صرف یہی سمجھے گا کہ حضرت ظل سبحانی نے ایسی اجازت خلاف مصلحت تصور فرمائی ہے اور اس حالت میں فدوی اپنا کلکتہ آنا اور جلسہ کانفرنس میں شریک ہونا موقوف رکھے گا۔ زیادہ حد آداب۔

آفتاب دولت واقبال تاباں و درخشاں باد۔ عرضی گزار فدوی مشتاق حسین وقار الملک از امروہہ

ہفتم رجب ۱۳۱۷ھ ہجری نبوی صلعم۔

(اعلیٰ حضرت نواب میر محبوب علی خاں نظام آصف جاہ سادس خلد آشیاں کے انتقال پر ملال کا تار جس وقت نواب وقار الملک کو بمقام علی گڑھ ملا ہے اتفاق سے مؤلف اس وقت ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ اگرچہ میں بہت کم سن تھا مگر وہ بات خوب اچھی طرح سے یاد ہے۔ جیسے ہی تار کا ترجمہ آیا جانے سنا وہ ایک دم ضعف محسوس کرنے لگے اور کھڑے سے گرتے گرتے بچے۔ اب اس سلسلہ کا ایک خط پڑھئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۹۲ - دفتر آنریری سکریٹری علی گڑھ - ۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء نمبر ۵۷۰۵ -

جناب نواب صاحب مخدومی و مکرمی نواب فراموز جنگ بہادر سلامت

تسلیم و نیاز کے بعد عرض ہے کہ والانامہ مورخہ ۹ ماہ آبان ۱۳۲۰ فصلی[۵۵] صادر ہوا - جناب پر جس قسم کی نظر الطاف حضرت خلد آشیانی کی تھی اور جو عقیدت اور محبت جناب کے دل میں حضرت کی طرف سے کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس کے لحاظ سے جو صدمہ اور ماتم و الم جناب کو ہوا ہوگا وہ تھوڑا ہے اور جس جوش کے ساتھ جناب نے پارسی صاحبان کا جلسہ کیا اور حضرت خلد آشیاں کے حق میں دعائے مغفرت کی اور مزار مبارک پر چادریں چڑھائیں حضرت ممدوح درحقیقت اوس کے مستحق تھے بلکہ ان کا درجہ اس سے بلند تھا -

اب ہم لوگوں کے لئے سوائے اس کے کہ حضور مرحوم کو دعائے خیر سے یاد کریں اور ان کے محترم جانشین کے لئے درگاہ ذوالجلال سے ترقی اقبال کی دعا کریں اور کیا چارہ کار ہے یہاں علی گڑھ میں بھی اگرچہ ایک بڑا جلسہ افتتاح کالج کے بعد ہوگا - اس ناگہانی خبر وحشت اثر کے ساتھ جو کچھ ممکن تھا کیا گیا اور نماز جنازہ بھی بہت دھوم کے ساتھ کالج کی مسجد میں پڑھی گئی - قرآن شریف کے ختم بھی ہوئے - رہ رہ کر حضرت خلد آرام گاہ کی خوبیاں یاد آتی ہیں اور بجز کف حسرت و افسوس ملنے کے اور کچھ نہیں بن پڑتا -

(نواب وقار الملک بہادر اور نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی ایک دوسرے کے بڑے قدر دان تھے - ریاست حیدر آباد میں تقریباً ہم عصر تھے - آخر الذکر کی انگریزی زبان اور ادب کی قابلیت مسلمہ تھی - موصوف نے جو قومی اور ملی خدمات انجام دیں اور جس غیر معمولی فراست کے حامل تھے گو اس کے اظہار سے کا یہ موقع نہیں ہے تاہم اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ ممدوح ریاست نظام کے وزارت عظمیٰ کے عہدہ سے سرفراز فرمائے گئے تھے اور بے اختیار جی چاہتا ہے کہ کوئی خدا کا بندہ مواد کو جمع کر کے ان کے سوانح حیات پر بھی قلم اٹھائے -

[۵۵] مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۱۱ء

اب چند خطوط انہیں دنوں کے ملاحظہ ہوں۔ مؤلف)

خط نمبر ۹۳۔ معاف فرمائیے جناب کے ۲۵ دسمبر ۱۹۴۲ء کے گرامی صحیفہ کا جواب اور شکریہ اب تک ادا نہ کر سکا۔ آپ کی اور جناب بیگم صاحبہ کی خدمت میں میری بہت بہت مبارکباد قبول ہو اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل و کرم کیا جو جنابہ موصوفہ کو شفائے کامل ہوئی۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اور ان کو دیر گاہ صحیح و تندرست رکھے۔ میری مبارکبادیں میرے گھر میں سے بھی شریک ہیں اور ہم لوگوں کی برابر یہ تمنا ہے کہ باہم ملاقات کا موقع میسر آوے اور دہلی کے دار السلطنت ہونے کی وجہ سے اس قسم کی توقع کا ہر گونہ موقع ہے۔ میری گذشتہ بیماری کیا تھی کہ موت کا پیغام تھا اور از سر نو زندگی کا حاصل ہونا جس کا نام ہے وہ زندگی گویا مجھ کو حاصل ہوئی اور اس کے بعد بھی میری صحت کی حالت اب تک بہت ہی خراب ہے۔ نسیان اس قدر غالب ہو گیا ہے کہ مسلسل کلام کا سلسلہ قایم رکھنا بسا اوقات مشکل ہوتا ہے اور باتیں کرنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بصارت و سماعت میں بھی کمی ہے۔ قوت اور اختیار میں بھی بہت ضعف ہے۔ جو کچھ خدا کو منظور ہے وہ پیش آ رہا ہے اور ہر حال میں اس کا شکر ہے آپ کی ناتندرستی کے ساتھ ترجمہ مبارک[۵۶] کے ناتمام رہنے کی وجہ سے بہت ہی افسوس ہے اور زیادہ افسوس اس وقت ہوتا ہے جب میں دوسرے بزرگوں کو ترجمہ کرنے میں مصروف پاتا ہوں اور اس وقت بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کے قویٰ ظاہر و باطن میں قوت دے اور آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے یہ کام پورا ہو۔

---

[۵۶] "نواب عماد الملک بہادر قرآن پاک کا ترجمہ شروع کر چکے تھے مگر افسوس ہے بوجہ علالت وہ کام پورا نہ ہو سکا۔ یہ اشارہ اسی کی طرف ہے۔ مولوی فیض محمد صاحب مصنف کتاب "نواب عماد الملک" نے بیس پاروں کا یہ ترجمہ مطبوعہ صورت مرزا حسین علی خاں صاحب مرحوم سابق پروسٹ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں دیکھنا بیان کیا ہے۔ صفحہ ۳۴۔ مولف

مشتاق احمد کو میں نے اب دہرہ دون کے کیمبرج اسکول میں داخل کر دیا ہے جس میں کہ جونیر و سینیر کیمبرج لوکل امتحانات ہوتے ہیں اور اس اسکول میں انگلش تعلیم ایک انگلش لیڈی اور ایک دو یورپین پروفیسروں کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور نصاب تعلیم و نظام تعلیم کیمبرج یونیورسٹی کے مطابق ہے اور پرچہ امتحانات بھی وہیں سے آتے ہیں اور وہیں پرچے جانچے جاتے ہیں عربی کی تعلیم میں نے کئی مرتبہ شروع کرائی مگر رہ گئی - اب پھر انشاء اللہ عربی کے شروع ہونے کا انتظام کیا جائے گا -

مشتاق احمد کی عمر اب ۱۳ سال کی ہے - بچہ کی تعلیم میں گو ہرج واقع ہوا مگر خدا کا شکر ہے کہ ... اس کا ذہن بہت تیز ہے اور اس کے اُستادوں کی عام طور پر رائے یہ ہے کہ اس کی گزشتہ کمی بہت جلد رفع ہوگی - مجھ کو بھی اپنے اس آخر زمانہ میں جو فکر سب سے زیادہ لاحق ہے وہ اس بچّہ کی تعلیم ہی ہے اور خدا ہی پر سب دار و مدار ہے - والسلام

خاکسار - مشتاق حسین -

(آنکھوں کے ایک ڈاکٹر کلب علی صاحب کوہ منصوری پر مقیم تھے اور مسلمان سے عیسائی ہو گئے تھے اور کلب علی کی بجائے (CLEB) نام رکھ لیا تھا - نواب عماد الملک بہادر کے اب دو خط پڑھیے - مؤلف)

خط نمبر ۹۴ - گریٹ ایسٹرن ہوٹل - بمبئی ۲۳ اگست ۱۹۱۵ء

جناب مخدوم و مکرم بندہ - عنایت نامہ چار روز ہوئے مجھے حیدر آباد میں ملا او رمشکور و ممنون کیا - میں کل صبح کی ریل میں حیدر آباد سے روانہ ہو کر آج صبح کو نماز کے وقت یہاں پہونچا تین روز یہاں رہ کر واپس جاؤں گا - یہاں آنکھوں کا امتحان کرا کے عینک بدلوانے کی غرض سے آنا ہوا ہے - آپ مسوری تشریف لے جائیں تو اوایل اکتوبر میں وہاں کی ہوا بہت عمدہ ہوتی ہے غذا کی تبدیلی کا فائدہ انشاء اللہ آپ کو بہت جلد محسوس ہوگا - مرغ کے علاوہ تیتر، بٹیر بھی نہایت عمدہ چیز ہے - بطخ ثقیل ہے کبوتر خوب ہے مگر گاہے ماہے - میرا ۱۹۰۸ء سے اس پر عمل ہے اور

اس خوراک سے مجھے بہت فائدہ ہوا - خاص طور سے وجع المفاصل وغیرہ کے لئے نہایت مفید ہے - ڈاکٹر کلب کو میں نے دو چار پرچے خواجہ[۵۷] صاحب کے ماہانہ رسالہ کے دیدیئے تھے اور اب چند اور رسالے بھیجنے والا ہوں - خود خواجہ صاحب سے بھی ان کی ملاقات کرائی تھی - خواجہ صاحب میرے پاس مسوری آئے ہوئے تھے - مجھے یقین ہے کہ اگر تین چار مہینہ میرا اور ان کا اتفاق یکجائی ہو تو ان کے عقائد درست ہو جائیں - خدا ان کو ہدایت سوے سبیل عنایت فرمائے - مجھے ہمیشہ مسلمان کے عیسائی ہو جانے کا سخت صدمہ ہوتا ہے -

میں تنہا آیا ہوں - اہل خانہ کو ہمراہ نہیں لایا کیونکہ فقط تین دن کے لئے آنا تھا - پرسوں واپس جاتا ہوں - آج ابھی تھوڑی دیر ہوئی ڈاکٹر نے میری آنکھوں کو دیکھ کر کہا کہ کوئی خلل نہیں ہے، مگر عینک بنانے والے نے تھوڑی سی غلطی کی ہے - اس وقت اس عریضہ کو تمام کرتا ہوں - انشاء اللہ تعالیٰ پھر حیدرآباد واپس ہو جانے کے بعد لکھوں گا - زیادہ تسلیم و نیاز دعائے صحت و عافیت -

رقیمہ سید حسین بلگرامی -

خط نمبر ۹۵ - حیدرآباد - ۳۱ اگست ۱۹۱۵ء

جناب مخدومی مکرمی - عنایت نامہ نے مشکور کیا - میں خود آپ کو لکھنے والا تھا کہ مچھلی بہت عمدہ غذا ہے - اس سے دماغ کو قوت پہونچتی ہے اور زود ہضم بھی ہے - آب گوشت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے - اصل گوشت کا بڑا اثر اس کے پانی یعنی عرق میں باقی نہیں رہتا - ڈاکٹر کلب کی بیوی لائق عورت ہے اور چنداں پابند عیسائیت نہیں ہے مگر کسی قدر دماغ والی عورت ہے یعنی اپنی لیاقت کو خود تسلیم کرتی ہے - مگر کوشش کی جائے تو اس پر بھی اثر ہوگا - افسوس ہے کہ ان کے دشمن بہت ہیں - ان کی نیک نامی اور ان کی خدمات اسلامی بعض لوگوں کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں - ہم

---

۵۷ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مشہور مبلغ اسلام سے مراد ہے - انہی خواجہ صاحب کے ورکنگ مشن کو نواب عماد الملک بہادر نے ریاست حیدرآباد دکن سے سرکاری امداد منظور کرا دی تھی (صفحہ ۳۹ کتاب "نواب عماد الملک" مصنفہ فیض محمد صاحب - خ - ت

مسلمانوں کی عجیب حالت ہے - ایک دوسرے کی ترقی کو بہ نظر مسرت نہیں دیکھ سکتے - میں تو خواجہ کمال الدین کی اعانت کو ہر مسلمان کا فرض سمجھتا ہوں - ان کے طفیل سے اسلام کی نسبت جو غلط خیالات شائع تھے وہ سب دور ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں - میں کل شام کے وقت بمبئی سے واپس آگیا - میری اہل خانہ سلام و نیاز عرض کرتی ہیں - رقیمہ بندہ

سید حسین بلگرامی -

(اب داغ دہلوی کے چند خطوط موسومہ نواب وقار الملک بہادر ملاحظہ فرمائیے - مؤلف)

خط نمبر ۹۶ - جناب نواب صاحب مخدوم و مکرم و معظم دام مجدکم -

داغ غریب الدیار تسلیم گزار ہے قبول ہو - ابتدا میں حسب درخواست نیاز مند آپ نے بموجب ارشاد سرکار نامدار نواب مدار المہام بہادر دام اقبالہ کے ایک کاتب میرے پاس مقرر کر دیا تھا - کہ اُس نے اجرائے کار تحریر کیا خصوصاً میر تراب علی صاحب نے حضوری دیوان لکھا کہ بہ سبب میرے پریشان چلے جانے کے وہ ناتمام رہا اور اس زمانہ دراز میں اور کلام بڑھ گیا - چونکہ دیوان تازہ حضور بندگان عالی میں حسب ہدایت جائے گا اور اس کا ذکر آچکا ہے کہ جس وقت میں نے نذر پیش کی ہے عرض کر دیا تھا کہ انشاء اللہ اسے کاتب سے تمام و کمال مرتب کر کے پیش کرتا ہوں لہذا متمنی ہوں کہ آپ دار الطبع سرکار عالی سے میر تراب علی صاحب مذکور کو جلد بھجوا دیجئے کہ اجرائے کار سرکار ہو اور دوسرے کاتب صاحب سے جو لکھوانا شروع کیا وہ خط ہو گیا خراب ہوتا ہے - جو تحریر دار الطبع سے آئی تھی برائے ملاحظہ ملفوف ہے - بعد ملاحظہ واپس ہو - اس دیوان کا حضور میں جانا بہت ہی ضروری ہے - مبادا کہ عتاب ہو - نہایت خوفناک ہوں -

فقط - جمعیت بکام باد

یہ کلام ابھی چھپا نہیں جس قدر موزوں ہو گیا ہے اُس قدر پیش ہوتا ہے - فقط

مرقومہ ۱۵ ار اسفندار ماہ الٰہی ۱۳۰۰ فصلی -

ملتمسہ (دستخط طغریٰ) داغ دہلوی -

خط نمبر ۹۷ -   عالی جناب - تسلیم -   صحت و خوشنودی مزاج سے مسرور فرمائیے

عطیہ سرکاری کا بڑا حصہ سود میں گیا اور صرف ہو کر قریب اختتام ہے میں نے ڈرڈر کر یہ نیاز نامہ لکھا ہے کہ مبادا تقاضہ سمجھا جائے اور خلاف مزاج سامی ہو - ہر ماہ قمری کی پہلی تاریخ ضرورت شدید ہوتی ہے - یہ ملحوظ خاطر مبارک رہے - ایام جمعیت بکام باد -   ۲۲ محرم شریف ۱۳۰۹ہجری -

ملتمسہ - داغ دہلوی

خط نمبر ۹۸ -   ۱۴ صفر ۱۳۰۹ہجری -

جناب نواب صاحب عالی مناصب مخدوم و مکرم دام الطافکم

تسلیم - اول مژدہ صحت و عافیت کا متمنی ہوں کہ دل کو تعلق رہتا ہے - مکرر یہ گذارش ہے کہ موقع ملازمت مجھ کو پیش گاہ سرکار عالی میں کب ملے گا - اس کا امیدوار ہوں - تیسرے مجھ کو اپنا فرض منصبی ادا کرنا لازمی ہے - اس وقت یہ جملہ تاریخی زبان پر آیا -

عروس ترقی مبارک

۱۳۰۹ھ

اگر قبول ہو زہے قدر افزائی - زیادہ نیاز -   ملتمسہ

دستخط طغرٰی -   داغ دہلوی

خط نمبر ۹۹ -   جناب نواب صاحب عالی مناصب مخدوم مکرم سلامت - تسلیم

میں پانچ دن سے مبتلائے درد نقرس ہو کر آلودہ تپ و لرزہ ہوا - از حد تکلیف ہے - بیان نہیں کی جاتی - اللہ رحم کرے - صاحب فراش ہو گیا ہوں - میں نے تبدیل مکان بھی کیا ہے یعنی محبوب گنج کے ایک گوشہ میں ہوں اور منتظر ہوں کہ مولوی شریف الحسن صاحب مرحوم کے متعلق مکان مجوزہ کو چھوڑیں تو اس کو لوں - آپ کی عدیم الفرصتی ظاہر ہے اور میرے اغراض اُس سے ظاہر نو - آج دسویں آذر کی ہے - یہ حال ہے "چوں گوش روزہ دار براللہ اکبر است" - امیدوار ہوں کہ حسب ضابطہ میری تنخواہ کے لئے حکم جاری فرما دیجئے کہ مرض کی شدت ہے اور سخت ضرورت ہے - بطور یاد دہی ملتمس خدمت

ہوا - زیادہ ایام جمعیت بکام باد -

ملتمسہ - رنجور و مہجور - داغ دہلوی

۱۰ ر آذر وقت آٹھ ساعت شب - مرقوم محبوب گنج -

(مخفی مباد کہ یہ خط کراچی کے انگریزی رسالہ "شو" کے جون یا جولائی نمبر میں ۱۹۶۲ء میں

شائع ہو چکا ہے - مؤلف)

خط نمبر ۱۰۰ جناب نواب صاحب عالی مناصب مخدوم و مکرم سلامت - تسلیم -

آپ نے وعدہ مجھ سے لیا تھا کہ کوئی امر تازہ اگر گوش زد ہو اس کی اطلاع ضرور کرنا صیغہ تعمیرات کا حال دفتر محاسبی سے میر مردان علی صاحب منتظم نے جو دریافت کیا اور اس میں بذات خاص توجہ کی اُس کی کیفیت حیرت انگیز ہے منجملہ اور امور کے ایک یہی ہے کہ کئی لاکھ روپیہ بغیر منظوری سرکار عالی دفتر محاسبی سے دفتر تعمیرات نے وصول کر لیا اور صرف ہوا اور امور بھی بہت ہیں - جن کی تفصیل مجھ کو معلوم نہیں - آپ میر مردان علی صاحب کو ضرور تخلیہ میں طلب فرما کر استفسار حال فرمائیں، اور ان کی قدر کریں - کل میرے پاس خانساماں محمد ابراہیم صاحب آئے - میری پرورش کے باب میں جو کچھ بالتفصیل اعلیٰ حضرت دام اقبالہ نے ارشاد فرمایا بموجب حکم وہ اطلاع مجھ کو ہوئی کہ آپ کو ہدایت فرما دی گئی شکریہ مرحمت سلطان و وزیر اعظم و نواب وقار الملک بہادر کس منہ سے کروں چونکہ سال فصلی تمام ہوتا ہے - اُس سے پہلے یہ رقم ملنی چاہئے -

آپ کو نہ کار سرکار سے فرصت نہ رعایت احباب سے نجات، واللہ کہ حال ناسازی مزاج سُن کر کمال ملال ہوا خدا آپ کو دیر گاہ زندہ و سلامت رکھے - آمین ثم آمین -

ملتمسہ

داغ دہلوی

۱۵ ر صفر ۱۳۰۹ہجری

(مولوی محمد قدرت اللہ صاحب ولد منشی محمد علی صاحب نواب وقار الملک کے زمانہ میں ریاست حیدرآباد دکن میں کارگزار تھے اور ماتحتی کے باوجود ان کو جو عقیدت نواب صاحب سے تھی وہ ان کے خطوط سے ٹپکی پڑتی ہے مولوی قدرت اللہ صاحب مرحوم محمد رحمت اللہ صاحب نواب رحمت یار جنگ بہادر سابق کوتوال بلدہ حیدرآباد کے والد ماجد تھے ان مرحوم کے اب چند خطوط موسومہ نواب وقار الملک ملاحظہ کیجئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۰۱۔ یہاں سب خیریت ہے اور حضرت کی خیریت رات دن مطلوب ہے۔ اور کیفیت ڈیوڑھی نواب بشیر الدولہ بہادر کی بھی اُسی طور ہے کہ آگے معروضہ ہوئی تھی۔ سوائے اُس کے کہ کوئی تازہ کیفیت معلوم نہ ہوئی ...... [58] اور رشید الدین خاں مع زنانہ ہوا کھانے سرور نگر جاکر رہے ہیں اور اس شہر میں جابجا بہت آوازہ ہے کہ رشید الدین خاں جو بولے تھے کہ میں نیابت سے استعفیٰ دیتا ہوں اس پر انگریزی سے حکم آگیا ہے کہ رشید الدین خاں کا استعفےٰ منظور کرلو اس واسطے رشید الدین خاں آجکل بہت فکر میں پائے جاتے ہیں اور ظاہر یہ کہتے ہیں کہ میں جورو کی بیماری سے بہت فکر میں ہوں .... معلوم ہوتا ہے کہ کچھ رشید الدین خاں[59] کو باطن میں سرزنش ہوئی ہے اور اب یہ ظاہر شاہ پورجی[60] کا بھی آنا جانا بڑے صاحب[61] کے پاس اتنا نہیں ہے ...... اور بشیر الدولہ بھی سکوت میں ہیں۔

---

[58] کرم خوردہ حصے حذف کر دئے گئے ہیں۔

[59] نواب عمدۃ الملک امیر کبیر بہادر جو نواب سر سالار جنگ اول کے ساتھ شریک ریجنٹ مقرر ہوئے تھے۔

[60] "کارنامہ سروری" میں جو شاہ پورجی صاحب کا بار بار ذکر آیا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ یہ پارسی نژاد صاحب نواب امیر کبیر عمدۃ الملک رشید الدین خاں بہادر کی پائے گاہ یعنی جاگیر میں برسرکار تھے اور ممدوح کو ان پر بے انتہا اعتماد تھا۔ یہاں تک کہ جب کبھی ریذیڈنسی تشریف لے جاتے تھے تو بھی شاہ پورجی کا ساتھ رہنا لازمی تھا۔ نواب امیر کبیر کے بعد نواب سر وقار الامراء نے ان کو اپنے پاس بلالیا تھا اور وہاں پر بھی انہوں نے پسندیدہ خدمات انجام دیں۔

[61] ریاست حیدرآباد میں ریذیڈنٹ کو بڑے صاحب کہا جاتا تھا۔ مؤلف۔

.... اور گوش زد ہوا جو ۱۸۸۵ء مختار الملک[63] اضافہ عہدہ داروں کو کئے تھے سو اس میں بھی رشید الدین خاں فیل ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ فی مابین کیا کیا سوال و جواب ہوئے لاکن بالفعل خزانہ پر مختار الملک حکم دے ہیں کہ اضافہ مذکور تا حکم ثانی نہ دیا جاوے اس واسطے اضافہ عہدہ داروں کا رک گیا ہے اور احمد عبد العزیز[64] صاحب پسر نظام الدین کو آپ کی عنایت سے مہدی علی خاں[65] مجھے حالی پر ملازم رکھ لئے اور آپ کے وقت میں مدار المہام جو خیمہ ہا کی فرمائش کئے تھے وہ تیار ہو کر آ گئے اور داخل بھی ہو گئے باقی تمام حالات شہر و کچہریات وغیرہ اسی طور ہیں کہ حضرت ملاحظہ فرمائے تھے۔ زیادہ حد ادب۔

مرقوم صفر ۱۳۹۶ء عرضی فدوی بے وسیلہ

محمد قدرت اللہ

خط نمبر ۱۰۲ ۲۲ رمضان شریف۔ مقام تعلقہ مدھول۔

بہت روز ہوئے کہ کوئی عریضہ نہیں گزرانا۔ اولاً اس کی معافی چاہتا ہوں۔ اور حضرت کی صحت و سلامتی و بہبودی دارین اور جناب صاحبزادہ صاحب کی خیر و عافیت مطلوب۔ آج صبح صادق کے وقت یعنی ساڑھے چار ساعت ہوں گے بعد سحر کرنے کے کچھ نیند لگی تھی کہ آپ کا خانہ زاد خواب یہ دیکھا کہ حضرت بدستور بلدہ میں تشریف رکھتے ہیں اور یہ آپ کا خانہ زاد حسب عادت آپ کی خدمت میں استادہ ہے (بعد ازاں آنکھ کھل گئی) میں نے اپنا یہ خواب ابھی کسی سے نہیں کہا ہوں۔ خدا معلوم کہ اللہ تعالےٰ اس خواب کی تعبیر کیا دکھاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ وہ روز جلد لاوے کہ میں بدستور اپنے آقائے نعمت کی خدمت میں کھڑا ہوں اور اطاعت کروں۔ آمین۔ یا رب العالمین۔ غلام زادہ مسمی رحمت اللہ کی شادی محمد مظہر حسن صاحب ڈاکٹر کی صاحبزادی سے شعبان

---

۶۳ نواب سر سالار جنگ اول کا خطاب۔

۶۴ نواب عزیز جنگ بہادر شمس العلماء سے مراد ہے۔

۶۵ نواب محسن الملک بہادر کا نام ہے۔ مؤلف۔

میں ہوئی - سب باتیں اچھی ہوئیں - یہ سارا صدقہ حضرت کی جوتیوں کا ہے - جو میں اپنے تادم زیست نہ بھولوں گا - زیادہ حد ادب

عرضی فدوی خانہ زاد

محمد قدرت اللہ - دوم تعلقدار[۶۶] نوبل

خط نمبر ۱۰۳ - حضرت کی صحت و بہبودی دارین مدام مطلوب - حضرت کا عنایت نامہ باشعار زیارت حرمین شریفین شرف ورود وکمال سرفراز کیا - حضرت کے ارادہ مبارک سے دل کو نہایت خوشی ہوئی - حضرت وہاں تشریف لے جائیں تو ضرور اس خانہ زاد کے خاتمہ کے لئے دعا فرمائیں اور یہ بھی دعا کریں کہ خدا پھر اس خانہ زاد کو وہ زیارات مکرمہ نصیب فرمائے - مگر اس تحریر کے دیکھنے سے کہ سرکار سے پیشگی ماہوار نہ ملی اور مکان فروخت کرنے کی نوبت پہونچی کمال رنج گذرا - فدوی صدق دل سے عرض کرتا ہے کہ اگر پیشتر حضرت اس حقیقت سے اس خانہ زاد کو اطلاع فرماتے تو میں برخوردار رحمت اللہ کی شادی ملتوی کرکے قرض حسنہ ضرور چار پانچ ہزار روپیہ حضرت کی خدمت میں گذرانتا اور یہاں وظیفہ کے ماہوار سے وصول کر لیتا مگر افسوس ہے کہ خانہ زاد کو اطلاع نہ فرمائی اور مکان جو ایک ملک تھی اس کو فروخت فرما دیا اور اب بھی گذارش ہے کہ فدوی کے پاس ایک ہزار روپیہ خالی ہے - حضرت کو ضرورت ہو تو طلب فرمالیں یعنی بنگال بنک کے نام کا چک بذریعہ رجسٹری پٹہ[۶۷] روانہ خدمت کرتا ہوں - آپ جس طرح چاہیں اُس رقم کو وصول کر لیں اور فدوی حضرت کا خانہ زاد ہے - میری رقم حضرت کی عین رقم تصور فرمالیں - اگر ضرورت ہو تو فی الفور طلب کر لیں میں وہ نہیں ہوں کہ روپیہ کی صورت دیکھوں بلکہ حضرت کی اس رقم سے مجھے ایک قسم کا فخر و ثواب ہوگا - باقی رہا اس کی ادائی - حضرت خواہ خزانہ پر وظیفہ کے ماہوار سے ادا فرمائیں یا آنکہ بنگال بنک کے نام میرے نام کا چک اجرا فرمالیں یا آنکہ بیت اللہ شریف سے واپس آنے کے بعد ادا کریں کچھ پروا نہیں ہے - حضرت کی جس طرح خوشی ہو اُسی طرح کرتا ہوں -

---

[۶۶] ریاست حیدرآباد میں کلکٹر کو "اول تعلقدار" کہا جاتا تھا - اس طرح دوم تعلقدار سے مراد اسسٹنٹ کلکٹر سے ہوئی -

[۶۷] پٹہ سے مراد ڈاک ہے - مؤلف -

(نواب عزیز جنگ بہادر شمس العلماء مولوی احمد عبد العزیز صاحب فرزند مولوی نظام الدین صاحب مرحوم مدراس کے مشہور اور ذی علم خاندان نوائط کے رکن مصنف تاریخ النوائط۔ آصف اللغات وغیرہ وغیرہ اور نواب وقار الملک کے ان ماتحتوں میں سے تھے جن سے تعلقات ہمیشہ شگفتہ اور خوش گوار رہے اور جانبین کے خلوص ہی کا نتیجہ تھا کہ افسری و ماتحتی کے یہی روابط آگے چل کر دوستانہ مراسم کی شکل اختیار کر گئے اور سلسلہ مراسلت تو آخر سانس کے ساتھ ہی ختم ہو سکا نواب عزیز جنگ بہادر نے تو ان تعلقات کی تجدید کے واسطے آخیر زمانہ میں امروہہ کا سفر بھی کیا اور حیدر آباد سے علیحدگی کے بعد نواب وقار الملک سے ایک بار پھر ملاقات کی۔ نواب غازی یار جنگ بہادر اور نواب دین یار جنگ بہادر انہیں مرحوم کے چشم و چراغ تھے۔ اب اولاد نرینہ میں صرف مولوی رکن الدین احمد صاحب نواب عزیز جنگ بہادر کی یادگار ہیں۔

اب نواب وقار الملک اور نواب عزیز جنگ بہادر کی باہمی مراسلت کے چند خطوط ملاحظہ فرمائیے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۰۴۔ نواب وقار الملک موسومہ نواب عزیز جنگ بہادر۔

منصوری لنیسر لاج۔ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ [۶۸]

جناب مخدومی و مکرمی سلامت۔ تسلیم۔ معاف فرمائیے کہ آپ کے گذشتہ عنایت نامہ کی رسید اور اس کا شکریہ میں اس سے پہلے ادا نہ کر سکا۔۔۔۔ [۶۹]۔۔۔۔ میرا یہ آخر وقت بہت ہی ترددات اور پریشانی میں گزرا ہے۔ چند عرصہ تک تو میں خود بیمار رہا گو کہ کوئی خطرناک حالت نہ تھی اور کچھ عرصہ گھر میں طبیعت علیل رہی اس کے بعد صبغت اللہ علیل ہوئے اور ان کی بیماری خطرناک حد تک ترقی کر گئی۔ اسی طرح اور مختلف تردداتِ لاحق رہے لیکن سب سے اہم مسئلہ جس نے ہوش

---

۶۸ مطابق یکم جولائی ۱۸۹۶ء

۶۹ غیر اہم حصے حذف کر دئے گئے ہیں۔ مؤلف۔

پران کر دیئے۔ مسز محمد احمد کا تہیّہ انگلستان کا تھا اور اس میں بہت زیادہ اہمیت مرحوم کی بچّی کی وجہ سے تھی جس کو کوئی توت بھی اس کی اس صغیر سنی کے زمانہ میں اپنی ماں سے جدا نہیں کر سکتی تھی۔ بارے خدا خدا کر کے مسز محمد احمد نے امسال اپنا وہ قصد ملتوی رکھا اور گو کہ بہ شرط زندگی آئندہ سال پھر اس مشکل کا سامنا ہو گا لیکن مجھ کو کچھ تو مزید غور و فکر کے لئے اور موقع ملا اور پھر یہ سارے قصّے اور بکھیڑے میری جان کے ساتھ ہیں اور اس فانی زندگی ہی کا کیا اعتبار ہے۔ بہر حال انگلستان کے سفر کے التواء کے ساتھ ہی کسی پہاڑ پر جانا ایک ضروری اور محتمم امر تھا جس کو میں نے باوجودیکہ اپنی مالی پریشاں حالی کی وجہ سے میں کسی طرح ایک دن کے لئے بھی گھر سے قدم باہر نکالنے کے قابل نہ تھا، بسا غنیمت سمجھا اور جس طرح بھی ہو سکا اس منصوری کے پہاڑ کو چلا آیا جو میرے لئے ایک خاموش مقام ہے اور ملاقاتوں اور ملاقاتیوں کا یہاں زیادہ بکھیڑا نہیں ہے۔ مرحوم کی اس بچّی کو اب پانچواں سال ہے اور اس کی تسمیہ خوانی کی رسم کا زمانہ آگیا تھا جس کو ہمارے ہاں بسم اللہ کی تقریب کہتے ہیں۔ دوسری صورتوں میں تو اپنے آرام اور تفکرات اور زیر باریوں کے لحاظ سے جس میں میں ایک عرصہ سے مبتلا ہو رہا ہوں ایسی تقریب کا میں خیال بھی نہ کرتا لیکن موجودہ حالات میں اس تقریب کا بالاعلان عمل میں آنا جو ایک بیّن ثبوت اس بات کا تھا کہ بچّی مسلمان ہے اور جس پر آئندہ کسی وقت اگر ضرورت پیش آوے تو ایک معرکتہ الآراء بحث کی بنیاد قایم ہو سکتی ہے ایک بہت بڑی پالیسی تھی لہذا جس طرح بھی مجھ سے ہو سکا اس تقریب سے بھی امروہہ چھوڑنے کے قبل ۱۲ ذی الحجہ کو میں نے فراغت حاصل کی اور اس کے بعد مسز محمد احمد اور بچی کے ساتھ اب تقریباً تین ہفتہ سے یہاں مقیم ہوں اور چونکہ ہمارے ملک میں برسات کا موسم، موسم گرما سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ لہذا وسط اکتوبر سے پہلے یہاں سے واپسی کا کوئی موقع نہیں ہے۔ یہاں آتے ہی مرحوم کی بچّی سخت بیمار رہی اس کو افاقہ ہوا ہی تھا کہ امروہہ سے اطلاع ہوئی کہ صغبت اللہ کی بچی کے جس کی عمر ایک سال تھی چیچک نکلی اور گو کہ

اسی سال اس کے چیچک کا ٹیکہ بھی لگ چکا تھا مگر مرض نے یہاں تک ترقی کی کہ آخر اسی میں اس کا انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون - اس سے پہلے صبغت اللہ کا ایک لڑکا اسی عمر میں گذر گیا تھا اور میری منجھلی لڑکی کے جن کی شادی صبغت اللہ سے ہوئی ہے یہ دو اولادیں تھیں - حیدرآباد سے علیحدہ ہونے کے بعد میرے ہاں یہ چوتھی موت تھی - اس سے پہلے میری بڑی لڑکی کا انتقال ہوا تھا جو ایک بے نظیر صفات کی لڑکی تھی - اس کے بعد محمد احمد کا انتقال ہوا - پھر ایک نواسہ مرا اور اب چوتھی یہ نواسی گئی - اسی لئے ایک چھوٹی سی موت سے ایک عام صدمہ ہم سب کو ہوا ، ابھی یہ غم تازہ ہی تھا کہ معلوم ہوا کہ میری چھوٹی لڑکی کے بھی چیچک نکلی ہے حالانکہ ان کی اب عمر اس قابل نہ تھی اور کئی دفعہ ٹیکے بھی لگ چکے تھے مگر با ایں ہمہ بہت ہی شدائد رہے اور میری یہ حالت کہ نہ روئے رفتن نہ روئے ماندن - بارے کل تار آیا کہ لڑکی کو اب آرام ہونا شروع ہوگیا ہے اور کسی قدر اطمینان کی صورت پیدا ہوئی - والحمد للہ علیٰ ذلک اور آج میں نے یہ عریضہ لکھنے کا قصد کیا ہے -

خاکسار

مشتاق حسین -

۱- اس موقع پر ایک واقعہ مجھے بھی یاد آیا - ۱۹۱۴ء میں جبکہ غالباً پہلی عالمگیر جنگ شروع ہو چکی تھی اور میری علالت کے بعد صحت کے خیال سے ابا جان پھر کوہ منصوری تشریف لے گئے تھے تو ایک روز مجھے ساتھ لے کر "لینسر لاج" مکان پر پہونچے جس میں مسز محمد احمد کے ساتھ ۱۸۹۶ء میں مقیم ہوئے تھے - اور اندر جانا چاہا مگر جب پھاٹک پر ہی پتہ چلا کہ اس میں کوئی کرایہ دار موجود ہیں تو ڈانڈی باہر صحن میں کھڑی کروالی اور دیر تک خاموشی کے ساتھ اس عمارت کی طرف دیکھتے رہے - آخر کار جب میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ آج سے کوئی بیس سال پہلے تمہاری بھابی صاحبہ اور بھتیجی حمیدہ ... کے ساتھ اسی مکان میں

آن کر ٹھیرا تھا۔ اب ان ۔۔ گزرے دنوں کی یاد تازہ کر رہا ہوں۔

۲۔ نواب وقار الملک نے اپنی جس بڑی لڑکی کا ذکر مندرجہ بالا خطوط میں "جو ایک بے نظیر صفات کی لڑکی تھی" کے الفاظ سے کیا ہے۔ ان کا نام مشتاق فاطمہ صاحبہ تھا۔ غیر متعلق ہونے کے باوجود صرف یہ دکھلانے کے لئے کہ اب سے ساٹھ سال پہلے تک بھی ہمارے گھروں میں لڑکیوں کو کیسی تعلیم دی جاتی تھی اور وہ کس قسم کی معاشرت کا زمانہ تھا مشتاق فاطمہ صاحبہ مرحومہ کا ایک خط اپنی چھوٹی ہمشیرہ عزیز فاطمہ صاحبہ مرحومہ کا موسومہ پیش کیا جاتا ہے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۰۵۔ لو بی عزیز فاطمہ - خدا تمہارا بھلا کرے - بیٹھی تھی بچی لے کر یاد آگئیں تم - پھر کس سے بتچی کھولی جاتی - آپ سے پوچھتی ہوں کہ اب کیا باتیں کروں - بھولو کی بہو کا سلام یاد کرکے ہیم صاحب کی بیوی کو کہلا بھیجنا - اس میں کچھ مطلب ہے بھولنا نہیں اور وہ بوا کو بھی سلام کہتی ہیں اور میں نے اس سے کپڑے لینے کی قسم کرلی ہے تو وہ میرے آگے ہاتھ جوڑ رہی ہے کہ خدا کے لئے میری تو قسم مت کھاوے میں نے بھول کر تجھے خراب ململ مہنگی دیدی تھی ۔۔۔۔۔۔۔ [۱] خالہ بی آج اصحاب کہف کو منا رہی ہیں - عجائب علی کی آج برسی ہے بیویاں وہاں جانے کی مار بچا رہی ہیں - لو آتو [۲] پانی لائے اور پردہ ہوا - بھولو کی بہو نے میرے آگے پردہ کیا - ہاں لو بھول گئی - آج چمن کے میاں ڈنبلے سے سدھارے ساری مامائیں انہیں رونے گئی ہیں - جمیل احمد [۳] پڑھنے کو باہر گئے ہیں - پانوں کی تھالی آئی لو اب بنا چکی اور خط لکھتی ہوں - والدہ صاحبہ کی خدمت میں آداب عرض کردینا اور کہنا دو تھان سبز ٹول کے سوا تین روپیہ کے بارہ گز کے لئے ہیں مگر دُھل کر وہ ٹول خراب ہو جاتی ہے - یہاں بھی جاڑوں

---

[۱] غیر ضروری حصہ حذف کیا گیا۔

[۲] سقہ کا نام ہے۔

[۳] نواب صاحب کے نواسے اور مشتاق فاطمہ صاحبہ کے لڑکے مرحوم - مؤلف -

کی ضرورت سے دو تھان لئے گئے ہیں۔ میں نے بھی لے لئے ہیں۔ لحاف رضائیاں، توشکیں ایسے کاموں کو اچھی ہے اور اچھی لٹول کی تلاش میں ہوں مل گئی تو لے لوں گی۔ مگر پہونچاؤں کس طرح۔ پارسل کی تو وہ حقیقت ہوگی کہ دمڑی کی ٹھیا ٹکا سر منڈائی۔

بھائی بس اب میں سینا سیوں گی۔ میں نے اتنا مغز مارا اور تم نہ بولیں۔ گونگا بھی کوئی ہوتا تو بول اُٹھتا۔ چمن کے میاں ابھی مرے نہیں مگر شام تک یا صبح تک شاید چل دیں۔ سب کو درجہ بدرجہ دعا سلام۔ خاکسار

"مشتاق فاطمہ"

(اب نواب عزیز جنگ بہادر کے خطوط کا سلسلہ شروع ہوتا ہے آگے جو خط آتا ہے وہ اس قدر کرم خوردہ ہے کہ اکثر جگہ کی سطور اور الفاظ غائب ہیں۔ مؤلف۔)

خط نمبر ۱۰۶ نواب عزیز جنگ بہادر موسومہ نواب وقارالملک۔

۱۶ امرداد ۱۳۱۹ھ

حضرت ولی نعمت مدظلہ العالی۔ قدم بوس

عنایت نامہ ۲۴ مارچ پہونچا۔ اس عرصہ میں سخت مشکلات میں مبتلا رہا۔ خود بخار اور آثار نمونیا سے متاثر رہا۔ میرا منجھلا لڑکا علی الدین احمد معمر ۱۴ سال بخار میں مبتلا رہا رکن الدین احمد ہشت سالہ لڑکا نزلہ و بخار میں پریشان رہا۔ نو مولود دونوں بچے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور بران کائٹس سے سخت علیل رہے پھر میری چھوٹی دو لڑکیاں بخار میں مبتلا رہیں گویا قریب قریب دونوں ان کی ماؤں کے سوا سارا گھر فریش تھا۔ اور وہ دونوں بھی بچوں کی تیمار داری میں نیم جاں رہیں۔ پناہ بخدا۔ گھر کی عجیب حالت رہی اور خاتمہ اس کا دو جگر خراش واقع پر ہوا، اور دونوں نو مولود ۸ امہینہ کی عمر کے ایک ہی دن جاں بحق واصل ہوئے۔ ان دونوں میں سے خصوصیت سے ایک کی مفارقت کا صدمہ مجھے بے حد ملول کر دیا ہے۔ اسے تمام عمر نہیں بھول سکتا۔ وہی

ایک بچہ تھا جس سے میرا تعلق بہت زیادہ تھا۔ رات دن میرے بغیر اس کو چین نہیں پڑتا تھا اس کی عمر بھی تو ۱۸ مہینہ تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حالات اور اس کی زبان اُس کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اطوار تعجب خیز تھے۔ آج کہ اس کے انتقال کو ایک ہفتہ گذرا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ایک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی کے آنکھوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں رُکتے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گھر خاموش اور ویران ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ باپ ہے۔ ماں کی حالت ناگفتہ بہ ہے جن کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے رحلت کے بعد بھی ایک لڑکا تھا اب ان کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لڑکی باقی ہے ۶ سالہ جو خود علیل ہے اور اس کی علالت کی سبب اس کی مرحوم بھائی کی رحلت ہے۔ وہ اس کی تیمارداری میں رات دن گھلے جاتے ہیں خدا کو جو منظور رہے انّا للہ و اِنّا الیہ راجعون ۔ اس عرصہ میں مولوی سید حسین بلگرامی سے بالکل نہ مل سکا۔ اور نہ ابھی چند روز تک ملنے کے قابل ہوں۔ ذرا اطمینان ہو تو اول وہی کام کروں گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے متعلق صفائی کی کارروائی حضوری میں پیش ہو چکی ہے اور وہاں سے کوئی حکم اب تک نہیں آیا اور میری ہی اپنی خواہش پر اس کارروائی کا سلسلہ وہاں تک پہونچا اس لئے کہ مجھ کو اندیشہ تھا کہ اگر صرف مدارالمہام اور معین المہام کی منظوری کا نفاذ بھی ہو جاتا تو مخالفین کی کوشش سے شاید کوئی خرابی پیدا ہوتی۔ اب اگر بارگاہ اقدس سے منظوری ہو گئی تو میرے لئے یہ عمدہ عذر ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حکم خداوندی کے لحاظ سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے اور اگر منظوری نہ ملے تو چشم ما روشن دل ما شاد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا کو جو منظور ہے وہ ہوگا۔ باقی حالات بخیریت ہیں۔ کاشت انگور کی کتاب غالباً پہونچی ہوگی ۔

آپ کا خادم

عزیز جنگ احمد عبد العزیز۔

خط نمبر ۱۶۷ - عزیز باغ - حیدر آباد - یکم اردی بہشت ۱۳۰۳ ف

آقائے نعمت ادام اللہ اقبالہم - تسلیم بعد تعظیم

.... نواب سر آسمان جاہ بہادر دام اقبالہم کی شاید بعض نفری اور ناعاقبت اندیش لوگوں نے سرکار عالی وقار[۷۳] کی طرف سے کچھ رنجش پیدا کرادی ہے - اور نیز انہیں لوگوں کی رائے سے شاید کوئی ایسی کوششیں بھی ہو رہی ہیں جن کو عاقبت اندیش لوگ نہ صرف بے فائدہ خیال کرتے ہیں بلکہ سلطنت کی خیر خواہی کے لحاظ سے بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر بالفرض اِن کوششوں میں کامیابی ہوئی تو موجودہ صحبتوں کے لحاظ سے وہ کامیابی ریاست کے لئے مضرت بخش ہوگی اور موجودہ ریاست کی جو حالت ہے اُس کامیابی سے بدرجہا مفید ہے -

سرکار عالی وقار کا بالضرور یہ خیال ہے کہ آپ کی تحریر نواب سر آسمان جاہ بہادر کی بارگاہ میں نہ صرف ان کی خیر خواہی پر شامل ہوگی بلکہ اُس میں ملک اور ریاست کی بہتری کا ہر حال میں خیال اور لحاظات رہیں گے اور[۷۴] اس تحریر سے ان رنجشوں کی اندفاع کی بھی امید ہے جو ناحق پیدا ہوئے ہیں .... انتظام جدید میں جو مالگذاری میں ہوا مولوی علی حسین صاحب کی تعلقداری خالی ہوئی - اگرچہ کہ علی حسین صاحب کا تقرر نظامت بندوبست پر ہوا ہے مگر منصرمانہ کا لفظ ساتھ ہے لہذا تعلقداری مذکور کا انتظام بھی منصرمانہ تقرر طلب تھا - سرکار نے اس کی آٹھ سو روپیہ ماہوار یعنی میرے حالیہ دو سو روپیہ کی ترقی کے ساتھ فدوی کے لئے محفوظ فرمادی ہے - نواب اعظم یار جنگ بہادر[۷۵] نے بے حد مخالفت کی اور تین بار سرکار کو حکم دینے کی نوبت آئی - بارے وہ حکم جاری ہوا اور میرے پایگاہ میں رہنے تک وہاں غلام علی صاحب قریش منصرم کئے گئے اور پایگاہ

---

[۷۳] نواب سر وقار الامرا بہادر کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے -

[۷۴] غیر ضروری حصہ حذف کیا گیا -

[۷۵] مولوی چراغ علی صاحب سے مراد ہے - مؤلف

ہیں فدوی کے نام کی اجرائی کا حکم ہوا اس لئے کہ دیوانی کی تنخواہ (۸۰۰) ہو چکی ہے اور ۵۰ روپئے گاڑی کا الاؤنس اور سرکاری گاڑی اس کے علاوہ ہے۔ بہر حال خداوند کریم کا ہزار ہا شکر ہے اور آپ کی بندگی کا اعتراف یہ سارا نتیجہ انہیں مبارک ہاتھوں کی بنیاد ہے۔

فدوی زادگان اور احمد اللہ قدم بوس عرض کرتے ہیں اور والد ماجد تسلیم نیاز مندانہ مولوی سید ابو تراب صاحب سخت بیمار ہیں اور مولوی احمد اللہ بالفعل انکے منصرم کار نیابت ایل کا کام کر رہے ہیں۔ فدوی

احمد عبد العزیز۔

خط نمبر ۱۰۸ - ۱۷ر شعبان ۲۷ھ

قبلہ حاجات مدظلہٗ العالی - قدم بوس ....

میں اس عرصہ میں بہت پریشان رہا اس لیے اس کی تفصیلی کیفیت عرض نہ کر سکا۔ برخوردار غازی الدین احمد بعد صحت اورنگ آباد جا کر پھر علیل ہو گئے اور اسی حالت میں ان کو بلوانا پڑا۔ اس عرصہ میں جو مشکلات مجھ پر پیش ہوئیں ان سے مولوی عزیز مرزا صاحب بہت متاثر ہوئے اور کل ان کو اپنے دفتر میں مساوی ماہوار سے کر لیا۔ سنا ہے کہ سرکار نے اس پر کچھ اعتراض کیا ہے اگرچہ کوئی امر اعتراض کے قابل نہیں ہے لیکن حواشی سرکار کی عنایت ایسی ہی رہی ہے۔ خدا معلوم تصفیہ کیوں کر ہوگا۔ بہر حال کل سے بندہ زادہ ان کے دفتر میں کارگزار ہے اور سب آپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے ورنہ اس حالت میں مجھ کو ایسے اسباب کہاں ہوتے کہ ایک لڑکے کا قیام میرے ساتھ بلدہ میں ہوتا۔ خداوند کریم کا شکر ہے۔

آصف اللغات کی دوسری جلد قریب الختم ہے۔ انشاءاللہ ماہ آئندہ میں شائع ہوگی۔ حالی صاحب کے جس ریویو کو علی گڑھ اخبار نے طبع کیا ہے اس کا شکریہ عرض کرتا ہوں۔ نواب والیسرائے بہادر نے میرے نام یہ حکم بھیجا ہے کہ آصف اللغات کو ان کے نام نامی سے معنون کروں۔ یہ بھی ایک عزت ہے پہلی جلد کا انعام (۵۰۰) گورنمنٹ آف انڈیا سے

مل گیا ہے - جس سے بہت بڑی مدد ملی پہلی جلد کا مجموعی صرف ۱۳۰۰/ ہے - جس میں یہ امداد کچھ کم امداد نہیں ہے - واکر صاحب نے حضور پر نور کی خدمت میں رپورٹ کی ہے کہ (ضا۵) فی جلد ہماری ریاست سے بھی ملنا چاہئے - خداوند کریم کا فضل ہی فضل ہے - اسی سے امید ہے کہ اس کی منظوری کرائے ورنہ یہاں کے حالات تو حضرت سے مخفی نہیں ہیں مہاراجہ[۷۶] نے بھی روتے دھوتے واکر صاحب سے اتفاق کیا ہے - مختلف مقامات سے صاحبان علم اور اخبارات نے بھی اس لغت کی بڑی تعریف کی ہے - ریزیڈنٹ صاحب فرماتے تھے کہ والسرائے کی کونسل کے بعض ممبران نے جو فارسی زبان سے واقف ہیں، اس کو بہت پسند کیا ہے - دھیمی رفتار سے کچھ فروخت بھی ہو رہی ہیں - اور ایک وسیع پیمانہ پر اسٹاف بڑھا دیا ہے - تاکہ ہر چھٹے مہینہ میں ایک جلد شائع ہو سکے - ۲۸ جلدوں میں سے دو جلد ہوئی ہیں - اللہ مالک ہے - میرا قصد مصمم ہے کہ جنوری کے زمانہ تعطیلات میں رامپور کے نواب صاحب سے بذریعہ ریزیڈنسی ملوں - وہ بھی ایسے کاموں میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور اپنی اور کتابیں بھی نذر دوں اور بالآخر آصف اللغات کو بھی پیش کروں اس وقت تک دونوں جلدیں ہو سکیں گی - اس سفر میں انشاءاللہ المستعان قدم بوس عالی سے بھی سرفراز ہوں گا - [۷۷]...... ہز آنر کے پاس سے ڈپوٹیشن[۷۸] کا نتیجہ کیا ہوا - اس کا سخت انتظار ہے اور سچ یہ ہے کہ اس ڈپوٹیشن سے میں سخت مخالفت رکھتا ہوں - اللہ خیر کرے -

یہ عریضہ روانہ ہونا ہی چاہتا تھا کہ عنایت نامہ ۱۸ اگست..... آج پہونچا - خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ دولت خانہ میں صحت ہوئی اور صاحبزادہ کا مزاج درست ہو گیا - ڈپوٹیشن کی کامیابی کی بابت

---

[۷۶] مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر وزیر اعظم و پیشکار ریاست سے مراد ہے -

[۷۷] غیر ضروری حصہ حذف کر دیا گیا -

[۷۸] غالباً اس ڈپوٹیشن کی طرف اشارہ ہے جو اب محسن الملک بہادر کی شبانہ روز محنت شاقہ کے بعد مسلمانوں کی طرف سے سر آغا خاں کی زیر سرکردگی یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو بمقام شملہ لارڈ منٹو وائسرائے کی خدمت میں پیش ہوا تھا اور جس کو ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا آغاز سمجھنا چاہیئے - مؤلف

اس سے زیادہ مسرت ہوئی اور اطمینان - ولایت کو مولوی عزیز مرزا صاحب کے صاحبزادے تشریف لے گئے ہیں - مجھ غریب کی ایسی قسمت کہاں ہے جو ایسی ہمت کر سکتا - مشکلات لاحقہ کی وجہ سے ایک دو بچوں کو علی گڑھ تک بھی نہیں بھیج سکتا تا بہ انگلینڈ چہ رسد -

مولوی عطاء اللہ صاحب مرحوم کی بی بی کے نام پائیگاہ سے (۵۰) عصہ روپیہ وظیفہ ہوا اور بڑے صاحب کو جو دفتر فنانس میں (۱۰۰ ما) کے ملازم تھے (۲۰۰ ماہر) کا عہدہ پائیگاہ میں دیا گیا - زمانہ علالت میں بدفعات ۲۰۰۰ ر کا سلوک ہوا - بروز وفات ۱۰۰۰ ر کا عطیہ ہوا - بہر حال خدا اس علاقہ کو دیرگاہ سلامت رکھے - جہاں اس قدر بھی لحاظ ہوا .... فدوی

احمد عبد العزیز

خط نمبر ۱۰۹ - حیدر آباد - عزیز باغ - ۱۶ خورداد - روز سہ شنبہ

قبلہ حاجات آقائے ولی نعمت مدظلہ العالی - قدمبوس -

میرے دونوں رجسٹر شدہ عریضے پہونچے ہوں گے اور علی الدین احمد کی علالت کی اطلاع ہوئی ہوگی - اب دو ہفتے کے بعد بخار نے ان کا پیچھا چھوڑا - ابھی ضعف و ناتوانی ہے - دو روز سے مدرسہ عالیہ کے سالانہ امتحان میں بہ مجبوری جا رہے ہیں - ورنہ سخت نقصان ہوتا - چار دن اور امتحان رہے گا اور پھر کالج کو ڈیڑھ مہینہ کی تعطیل ہو جاوے گی ....[1] آج کل پھر میرا مزاج بگڑ گیا ہے وجع الاعصاب میں ترقی ہے دعا فرمائیے خداوند کریم مجھ کو اس بلا سے بچا لے - بچے آداب کرتے ہیں -

عبد اللہ کسمنڈوی - سید محمد رضوی وکیل کا اخراج اور نواب محی الدولہ بہادر ناظم مذہبی وصدالصدور کے خطابات ضبط اور خدمت سے موقوفی - سلطان یاور جنگ کو توال بلدہ عہدہ سے جدا اور افضل نور خاں افسر خفیہ پولیس موقوف اور ان دونوں کو وظیفہ - لال خاں افسر سٹی پولیس کو توال بلدہ اور عبد الواحد خاں امین برطرف اور ایک دفعدار رسالہ مخبری عہدہ

---

(۱) غیر ضروری حصہ عبارت حذف کیا گیا - مصنفہ -

صدر امینی پر مقرر۔ غرض جو کچھ ہو رہا ہے اس سے بہت خوف ہوتا ہے۔ خداوند کریم سکون اور اطمینان کا زمانہ لائے۔ فدوی

احمد عبد العزیز۔

خط نمبر ۱۱۰۔ حیدر آباد۔ عزیز باغ۔ جمعہ ۲ر آزر ۲۵ ف ۸ر اکتوبر۔

قبلہ حاجات آقائے ولی نعمت مدظلہ العالی۔ قدم بوس۔

عنایت نامہ ۲۳ر ستمبر نے ورود فرما کر سرفراز فرمایا۔ بلدہ سے میری روانگی اور حصول قدمبوسی کا زمانہ جس جس طرح قریب ہوتا جاتا ہے میری تندرستی ترقی کر رہی ہے۔ آصف اللغات کی جلد ہشتم بھی انشاءاللہ تعالےٰ ایک ہفتہ میں ختم ہو جائے گی۔ حضوری دعوت عیدالضحیٰ ۱۰ ذی الحجہ تک ہو جائے گی اور انگریزی سالانہ ایٹ ہوم ۲۱ر اکتوبر کو ہے۔ جس کو ۸ ایوم باقی ہیں۔ برخوردار علی الدین احمد[۷۹] کا امتحان مال ۱۹ر آزر سے ۲۵ر تک ہے۔ میری روانگی انشاءاللہ المستعان ۲۹ر آزر م ۴ر نومبر روز پنجشنبہ کو ہوگی۔ اگر میں تقریب مبارک میں شریک ہو سکتا تو بیشک میرے لئے باعث افتخار تھا۔ لیکن مندرجہ بالا پابندیوں کی وجہ سے میں اس سے محروم ہو جاتا ہوں۔ بہرحال قدمبوسی کی سعادت تو انشاءاللہ میری قسمت میں ہے ایک خیال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تعطیل محرم کے آغاز میں چلوں جو ۱۳ر نومبر سے آغاز ہوتی ہے۔ میرے منصوبہ سے صرف ۹ دن بعد۔ اس میں یہ فائدہ ہے کہ میرے ساتھ بڑا خادم زادہ غازی الدین رہے گا۔ پہلے منصوبہ میں تیسرا خادم زادہ علی الدین احمد[۷۹] میرے ساتھ رہے گا۔ بہرحال روانگی بمبئی کے راستہ سے اجمیر ہوگی اور اجمیر سے دہلی اور دہلی سے امروہہ۔ اس عرصہ میں ایک اور عریضہ بھی قریب زمانہ روانگی میں گذرانوں گا اور اجمیر شریف سے روانگی کے وقت بذریعہ تار عرض کروں گا انشاءاللہ المستعان ریزیڈنسی کی سالانہ دعوت میں بوجہ خاص میری شرکت بہت ضروری ہے اور حضوری جلسہ میں تو واجبات سے ہے۔ اس لئے کہ دوسری

---

[۷۹] نواب دین یار جنگ بہادر سے مراد ہے۔ مؤلف

دعوت ہے جس میں میری شرکت کی امید کی جاتی ہے۔ شاہزادوں کے ختنہ کی گل پوشی کی رسم بھی اسی دن ہے۔ ایک جامہ دار کا خلعت مجھ کو بھی عطا ہوا ہے۔ اور میں نے تاریخ ختان بھی تیار کی ہے۔ جو بروز جلسہ پیش کروں گا جس کی نقل ذیل میں کی گئی ہے۔ اس کو فریم کے ذریعہ اعلیٰ پیمانہ پر تیار کیا ہے۔

تاریخ فارسی

زہے ختان دو شہزادگان[۸۰] گل اندام — دو گل بدامنت اے گل تراش گیر دجمع
بصنع تحفہ چہ آئینہ دادروشن طبع — ز بزم سلطان گرفتہ گل دو شمع

۱۳۳۳ھ

تاریخ اُردو

دکن میں ہر طرف ہے دھوم شہزادوں کی ختنہ کی — مبارک آپ کو اے بندہ پرور جشن سلطانی
خوشا جشنے کہ بروابستگان دامن دولت — گراں قیمت قبائے جامہ واری ذات ارزانی
اسی جشن ہمایوں میں ولی نعمت کے صدقہ سے — نمک خواران دولت کی ہوئی ہے آج مہمانی
سلامت یا خدا شاہ جواں بخت وجواں دولت — رہے قایم الٰہی تا قیامت دور عثمانی

ولا[۸۱] نے عرض کی تاریخ اس تقریب سنت کی
ہوئی شہزادگاں راحت جاں کی مُسلمانی

(۱۳۳۳)

باقی حالات بخیریت ہیں۔ میری اور آپ کی خادمہ کی جانب سے نیز تمام بچّوں کی جانب سے خدمت عالی اور محل مبارک امّی (والدہ مکرمہ) کی خدمت میں قدم بوس عرض ہے اور صاحبزادوں کے لئے دعا۔ آپ کا فدوی۔ احمد عبد العزیز

مکرمی مولوی صبغت اللہ صاحب اور مولوی فیاض رسول صاحب اور حافظ تصدق حسین صاحب کی خدمت میں تسلیم عرض کرتا ہوں۔

---

[۸۰] شہزادگان بلند اقبال نواب اعظم جاہ بہادر اور نواب معظم جاہ بہادر سے مراد ہے۔
[۸۱] نواب عزیز جنگ بہادر ولاؔ تخلص کرتے تھے۔ مؤلف۔

(اب نواب وقارالملک بہادر کا ایک خط موسومہ مولوی کبیرالدین صاحب پڑھئے جس میں
نواب عزیز جنگ بہادر کا تعارف کروایا گیا ہے۔ مولف)

خط نمبر ۱۱۱۔ امروہہ۔ ۲ فروری ۱۹۰۷ء

جناب قاضی صاحب مخدومی و مکرمی کبیرالدین صاحب بیرسٹرایٹ لا سلامت۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہٗ۔ میرے معزز و محترم دوست نواب عزیز جنگ بہادر حیدرآباد سے عازم بمبئی ہیں تاکہ ہز میجسٹی[۸۲] امیر صاحب خلداللہ ملکہ کے حضور میں آداب بجالانے کی عزت حاصل کریں اور اپنی مصنفہ و مؤلفہ کتب مفیدہ کا ایک مجموعہ حضور ممدوح میں بطریق نذر پیش کریں جس کی نسبت جناب خاص عالی شان بہادر ریزیڈنٹ حیدرآباد دکن نے بھی پولیٹکل افسر ہر ہی لشکر سے تحریک کی ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ آپ بھی جناب ممدوح سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ جو حیدرآباد کے عہدہ داروں میں بے مثل لایق شخص ہیں۔ مجھ کو اپنے تمام زمانہ قیام حیدرآباد دکن میں مختلف دفاتر اور محکموں میں جناب ممدوح کے ساتھ کام کرنے کی عزت حاصل ۔ ہی ہے۔

جناب ممدوح کے اس چندروزہ قیام بمبئی میں اگر جناب ممدوح کو کوئی مدد جناب کی طرف سے درکار ہو تو امید ہے کہ آپ اس سے دریغ نہ فرمائیں گے اور جو مدد کہ اس طرح پر آپ ان کو دیں گے وہ گویا عین میرے اوپر آپ کی عنایت ہوگی۔ خاکسار

مشتاق حسین

نواب وقارُالملک کو وزارت بھوپال کی پیش کش

(بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ ریاست حیدرآباد دکن سے سبکدوشی کے بعد ریاست بھوپال نے نواب وقارالملک بہادر کو اپنے عہدہ نیابت یا وزارت پر طلب کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب اسی سلسلہ کی کچھ مراسلت ملاحظہ فرمائیے۔ مؤلف)

---

۸۲ ہز میجسٹی امیر حبیب اللہ خاں مرحوم والی افغانستان سے مراد ہے۔ مؤلف

خط نمبر ۱۱۲ - عالی مناصب والا مناقب مولوی مشتاق حسین صاحب وقار الملک دام اقبالہٗ

بعد سلام مسنون آنکہ کل (کے) روز سرکار عالیہ[83] دامت اقبالہا نے ارشاد فرمایا کہ تم بطور خود مولوی صاحب ممدوح سے دریافت کرو کہ اگر آپ کے لئے واسطے نیابت ریاست بھوپال سلسلہ جنبانی کی جاوے تو آپ اس کو منظور فرما کر کیا تنخواہ ماہوار لیں گے ......[84] فقط

المرقوم ہفت دہم ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ ہجری

راقم نیاز محمد عالم میر خاں - بخشی ڈیوڑھی خاص

(اس خط کا جو جواب نواب وقار الملک نے ادا کیا چونکہ اس میں ان کی حیدرآباد کی زندگی کا بھی کچھ تذکرہ آگیا ہے اس لئے وہ تحریر اب تمام و کمال پیش کی جاتی ہے - مؤلف)

خط نمبر ۱۱۳ - امروہہ - بست و چہارم ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ[85] سہ شنبہ -

جناب بخشی صاحب مخدومی محمد عالم میر خاں صاحب زاد لطفکم -

السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ - عنایت نامہ ہفت دہم ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ[86] ہجری کا شکریہ عرض ہے - جس میں آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ "اگر میرے واسطے نیابت ریاست بھوپال کی سلسلہ جنبانی کی جاوے تو میں اس کو منظور کر کے کس قدر تنخواہ ماہوار پر رضامند ہو سکوں گا -

جواباً گذارش ہے کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے عہدہ کے نام کے تعلق کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا - عہدہ کا نام چاہے کچھ بھی ہو میں جس چیز کا خواہش مند ہوں وہ آقا کا اعتبار و اعتماد ہے اور بس - اور تنخواہ کی نسبت یہ ہے کہ دراں حالیکہ ایک دن بھی میرے کام کو وہاں کسی نے نہیں دیکھا تو امروہہ میں بیٹھ کر میرا یہ عرض کرنا کہ اس قدر تنخواہ سے کم پر رضامند

---

[83] نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرماں روائے ریاست بھوپال سے مراد ہے -

[84] غیر ضروری عبارت حذف کر دی گئی ہے -

[85] اور [86] مطابق ستمبر ۱۹۰۲ء - مؤلف -

نہوں گا درحقیقت میرے لئے ایک قسم کی بدتمیزی میں داخل ہوگا۔ سرکار عالیہ دامت اقبالہا و سلطنتہا جو کچھ بھی بالفعل تجویز فرمادیں اس میں مجھ کو کچھ بھی عذر نہ ہوگا اور اس موقع پر شاید نامناسب نہ ہوگا اگر میں اپنی جدید آباد کی تنخواہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کردوں تاکہ اگر موقع ہو تو اس کو بھی آپ سرکار عالیہ سے عرض کرسکیں۔

میں نواب سرسالار جنگ اول مرحوم و مغفور کے وقت میں حسب الطلب حیدرآباد گیا تھا۔ وہاں اول میری تنخواہ چار سو روپیہ وہاں کے سکہ سے مقرر ہوئی تھی۔ اس کے بعد چند ہفتہ کیواسطے عدالت دیوانی خورد بلدہ حیدرآباد کی نظامت کی خدمت سپرد ہوئی جس کے اختتام پر میں نواب بشیر الدولہ[۸۷] صدرالمہام عدالت کا معتمد مقرر ہوا۔ اور ایک سو روپیہ ماہوار اسمیں اضافہ ہوا۔ اس کے بعد وہاں ایک شدید قحط سالی واقع ہوئی جس میں تمام اضلاع کے محتاج خانوں کا انتظام علاوہ اپنی معتمدی کے کام کے میرے سپرد رہا۔ بعد اختتام قحط میری تنخواہ میں دو سو روپیہ ماہوار کا اضافہ ہوا اور پھر چند ہی مہینہ بعد میری تنخواہ اُسی عہدہ صدرالمہامی عدالت میں ایک ہزار روپیہ کردی گئی۔ اس کے بعد نواب سرسالار جنگ مرحوم و مغفور اول نے مجھ کو گل برگہ صدر تعلقدار بہ مشاہرہ بارہ سو روپیہ ماہوار مقرر فرمایا اس جدید عہدہ کی نذر پیش کرنے کے لئے جس وقت میں نواب صاحب ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوا تو نواب صاحب نے فرمایا کہ تمہارے گل برگہ بھیجنے پر حیدرآباد کی خلقت اور خصوصاً غریب لوگ مجھ سے زیادہ شکایت کرتے ہیں اور ان کی خواہش سے میں بے پروائی کرنا نہیں چاہتا۔ تم گلبرگہ جاؤ اور اپنے عہدہ کا چارج لے کر وہاں سے حیدرآباد چلے آؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ایک ہی دو ہفتہ بعد پھر اسی بارہ سو روپیہ ماہوار پر نواب سرسالار جنگ مرحوم مغفور اول نے مجھ کو اپنا خاص معتمد صیغہ عدالت و کوتوالی مقرر کیا۔ اس کے بعد ان کے فرزند نواب سرسالار جنگ ثانی کے زمانہ میں میری تنخواہ میں پانسو روپیہ ماہوار کا اور اضافہ ہو کر بہ ماہوار سترہ سو روپیہ مجلس انتظامی صیغہ مالگذاری کا رکن مقرر کیا گیا اور جب وہ مجلس

---

[۸۷] سرآسمان جاہ بہادر۔ مؤلف۔

تخفیف میں آئی تو بہ اضافہ دو سو روپیہ ماہوار مصارف متعلقہ اعزازی شل نوبت و روشن چوکی و ماہوارات شاگرد پیشہ وغیرہ صوبہ شرقی کا صوبہ دار مقرر ہوا اسی عرصہ میں مجھ کو خطاب خانی و بہادری جنگی سے (انتصار جنگ) سرفرازی بخشی گئی۔ اس سے تقریباً دو سال کے بعد نواب سر آسمان جاہ بہادر کے عہد وزارت میں میں معتمد مالگذاری مقرر ہوا جس عہدہ سے تمام ریاست کے صیغہ ہائے وصول مالگذاری و کروڑگیری و آبکاری و اسٹامپ و جنگلات و انتظام تعمیرات تالاب ہائے وغیرہ ذرائع آبپاشی و تحقیقات جاگیرات و دیگر عطیات سرکاری کی نگرانی متعلق تھی۔ اور معادن و ریلوے کے کاغذات بھی میرے ہی توسط سے سرکار میں پیش ہوتے تھے۔ اور ان تمام کاموں کے علاوہ وزیر اعظم و حضور عالی نظام خلد اللہ ملکہ، کے فی مابین اور وزیر اعظم و ریزیڈنٹ صاحب کے فی مابین سفارت کا نہایت ہی نازک کام بھی میرے ہی متعلق تھا۔ اس زمانہ کی میری کارگذاریوں کے لحاظ سے سر ڈینس فٹزپیٹرک[۸۸] بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی سابق ریزیڈنٹ حیدرآباد و حال ممبر کونسل سکریٹری آف اسٹیٹ نے اپنے زمانہ لفٹنٹ گورنری پنجاب میں اپنی اس چٹھی موسومہ لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی و اودھ میں جس کی ایک مطبوعہ نقل[۸۹] میں نے بمقام امروہہ دی تھی۔ میری نسبت یہ فقرہ تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے اُن کے بدترین دشمن کو بھی اس کے سوا کہتے نہیں سُنا کہ اُن کا دامن آلودگی سے بالکل پاک ہے۔ اس ملک کے لوگوں میں جن سے مجھے واسطہ پڑا ہے وہ سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ ایمان دار و کارگذار ہیں اور اُن کی وہ دانائی جو انہوں نے وزیر اور نظام اور ریزیڈنٹ کے تعلقات درست

---

[۸۸] SIR DENNIS FITZPATRICK -

[۸۹] اس اصل چٹھی کو جس کا اردو ترجمہ کتاب "وقار حیات" کے صفحات ۳۵۷ تا ۳۵۹ پر دیا گیا ہے اب انگریزی میں ملاحظہ کیجئے۔ مؤلف (سلسلہ نوٹ ۸۹ اگلے پر ملاحظہ ہو)

رکھنے میں کی ہے انحصار تعریف سے باہر ہے اس عرصہ میں میری تنخواہ پانچ سو روپیہ ماہوار کا اضافہ
ہوا یعنی اب میری تنخواہ چوبیس[۲۴] سو روپیہ ماہوار ہو گئی تھی اور اس کے بعد مزید خاص تنخواہ کے نام
سے ایک رقم جو غالباً اٹھارہ ہزار روپیہ تھی چند سال گزشتہ کی بابت مجھ کو اور مرحمت ہوئی
جس کے لحاظ سے درحقیقت میری تنخواہ اس وقت بشمول دو سو روپیہ لوازم اعزازی کے تین
ہزار روپیہ سکہ حیدر آباد سمجھی گئی تھی (تقریباً دو ہزار چھ سو روپیہ سکہ انگریزی) اور اسی زمانہ
میں حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ سلطنتہٗ نے مجھ کو ایک بہت عالی شان کوٹھی مرحمت فرمائی جو بفضلہ تعالیٰ
بطور ...... [ن۹۰] ...... مثلاً بعد نسلٍ اب تک میری ملکیت میں ہے اور اس کا کرایہ مجھ کو مل رہا
ہے۔ نیز اس زمانہ میں میرے خطابوں میں بھی دولائی و ملکی کا اور اضافہ ہوا (وقار الدولہ
وقار الملک) آخر میں جب مجھ کو میری درخواست پر وظیفہ عنایت ہوا حضور پُر نور خلد اللہ
ملکہٗ و سلطنتہٗ نے حکم میں تجویز فرمایا ہے کہ سب سے بڑی شرح وظیفہ کی ہمارے ہاں
چھ سو روپیہ ہے لیکن بہ لحاظ حسن کارگزاری اور بہ لحاظ مدار المہام کی سفارش کے ایک سو
روپیہ ماہوار اور اس پر اضافہ کئے جاتے ہیں اس طرح پر سات سو روپیہ ماہوار وظیفہ سکہ
حیدر آباد علاوہ کرایہ کوٹھی کے مجھکو حیدر آباد سے اب ملتا ہے اور کرایہ کا اوسط محسوب
کرکے تقریباً نو سو روپیہ ماہوار سکہ انگریزی وہاں سے اب وصول ہوتے ہیں اور حضور ریاستِ

ن۹۰ پڑھا نہیں جا رہا - مؤلف

(سلسلہ نوٹ نمبر ۸۹ گذشتہ صفحہ سے)

LIEUTENANT-GOVERNOR
PUNJAB.

Simla :
10 September, 1893

My dear Crosthwaite,

Molvi Mooshtaq Husain of Amroha, or to give him the title he received at Hyderabad, Nawab Vicarool-Moolk, has asked me (I enclose his letter) for a letter of introduetion to you. I think such a letter would more properly come from Trever Plowden who succeeded me at Hyderabad and whose knowledge of Hyderabad affairs is more upto-date than mine is; but as Mooshtaq Husain was the Minister's right-hand man, while I was at Hyderabad and the man with whom for the most part, I had to do business, and as I was at Hyderabad long enough to judge of his character, it seems to me that I cannot reasonably refuse to state the opinion I formed of him.

Hyderabad as you know is not like British India. There is always a strong and bitter opposition to the minister for the time-being, and in the struggle thence resulting, you cannot of course expect the most trusted Secretary of the Minister to behave exactly like a high officer in British India. He must to a certain extent show favour to his chief supporters, and disfavour to his opponents. Mooshtaq Husain was accused of doing this, and though what was said on this point (I am speaking only of my own time) was much exaggerated, there was as might be expected some truth in it, but this to some extent pardonable feeling apart I considered Mooshtaq Husain's conduct, while I was at Hyderabad, in all respects, worthy of admiration.

I never heard his worst enemy speak of him otherwise than as absolutely above corruption. He was the most thorough and conscientious worker I have met among the natives of this country, and his tact in keeping things, straight between the Minister, the Nizam and the Resident is beyond all praise I may add that though he is a deeply religious Musalman, he is broad and liberal in his views, and in his treatment of people of other denominations. When I had got so far, I thought I ought to send this to Plowden to read before dispatching it to you. I enclose the letter with which he has returned it.

Yours faithfully,
(Sd/-) D FITZPATRICK

Simla, 19-10-93

Oct. 24, 93
Lieutenant Governor's Camp,
N.W.P. & Oudh.

My dear Fitzpatrick,

I have received your letter about Moulvi Mooshtaq Hussain and it will be a pleasure to me to make his acquaintance. I return you the encloures of your letter.

Yours sincerely
CHARLES CROSTHWAITE

خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے بقائے سلطنت وصحت وعافیت کے لئے خداوند تعالیٰ سے دعا کرتا رہتا ہوں۔

بالآخر مختصراً یہ ہے کہ اگر سرکار عالیہ دامت اقبالہا وسلطنتہا کا منشائے مبارک یہ ہو کہ وزارت کی تنخواہ حالیہ سے کم تقرر فرمادیں تو جو کچھ بھی سرکار عالیہ اپنی خوشی سے تجویز فرمادیں اُس کو میں نہایت افتخار کے ساتھ اپنے حق میں موجب خیر وبرکت سمجھوں گا۔

زیادہ والسلام۔ خاکسار

"مشتاق حسین"

(اس سلسلہ کا دوسرا خط اب پڑھئے)

خط نمبر ۱۱۵ - امروہہ - ربیع اول ۱۳۲۰ ہجری یوم جمعہ -

نحمدہ ونصلی

مخدومی مجتبی عالم میر خاں صاحب۔ زاد لطفکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اپنے عنایت (نامہ) رقم زدہ شہر حال کا شکریہ قبول فرمائیے اور جو بعض امور جواب طلب عنایت نامہ میں ہیں اُن کی نسبت میں اپنے ناچیز خیالات ذیل میں عرض کرتا ہوں۔ اس امید سے کہ جیسا آپ نے تحریر فرمایا ہے میرے معروضات سرکار عالیہ دامت اقبالہا وسلطنتہا کے حضور میں مہربانی سے پیش کئے جاویں گے۔

اول عہدہ کا نام آئندہ بجائے وزارت کے نائب الریاست ہونا۔ جہاں تک کہ اس مسئلہ کا تعلق میری ذات سے ہے مجھ کو اس کے متعلق کچھ عذر کرنے کا منصب نہیں ہے کہ "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" مجھ کو اس میں کچھ عذر نہیں ہے۔ نوکر کو درحقیقت جس چیز کی ضرورت ہے وہ اس کے واسطے اس کے آقا کا اعتبار ہے اس کے عہدہ کا نام چاہے کچھ بھی ہو۔ لیکن خلاف دیانت اور خلاف شرط وفاداری ہوگا۔ اگر اس موقع پر میں یہ عرض کروں کہ اس قسم کے امور خود ریاست کی پولیٹکل عظمت پر بہت کچھ موثر ہوا کرتے ہیں اگر تنخواہ کو یا اختیارات

کو کم کرنا منظور ہے تو بہ حالت لقب وزارت بھی کم کئے جا سکتے ہیں اور اگر اُن مشکلات کو کچھ کم کرنے کی غرض سے یہ تجویز ہے جو وزیر کی تقرری اور علٰحدگی کے وقت پیش آتی ہیں تو میرے نزدیک تو یہ مشکلات لقب کی تبدیلی کے بعد بھی باقی رہیں گی۔ اور شہنشاہی گورنمنٹ کی کوئی منظوری اگر اس وقت بحالت وزارت ضروری ہے تو یہ ضرورت مجوزہ تبدیلی کے بعد بھی بدستور باقی رہے گی۔ کیونکہ گو نیابت اور وزارت دونوں کا مفہوم واحد ہے لیکن وزارت کا لقب عرفاً زیادہ منزلت رکھتا ہے اور اس کو کھو دینا ریاست کا ایک پولیٹیکل نقصان ہے اور آجکل کی حالت یہ ہے کہ اگر کسی ریاست میں وہاں یہ عہدہ دار از لقب نایب یا کامدار وغیرہ ملقب ہو اور وہ ریاست اس بات کا ارادہ کرے کہ اس عہدہ کو وزارت کے لقب سے بدل دے تو غالباً پولیٹیکل افسران اور شہنشاہی گورنمنٹ کی طرف سے بہ لحاظ خلاف شہر المُلک اس میں تامل ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر وزارت کا لقب دور کر کے نایب یا کامدار وغیرہ کا کوئی لقب اختیار کیا جاوے تو اُس تنزل پر وہ کوئی اعتراض نہ کریں گے لہٰذا یہ امر خود سرکار عالیہ ہی کے دوبارہ غور فرمانے کے قابل ہے اور مجھ کو تو بذات (خود) اس باب میں کوئی اصرار نہیں ہے۔ میں تو آقا کے اعتبار کا اپنی نسبت البتہ خواہش مند ہوں اور رہوں گا دیگر ہیچ۔ دوسرا مسئلہ ہے تنخواہ کا کہ بالفعل ایک ہزار کلدار اور آئندہ کام دیکھنے کے بعد ترقی۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ میں خود اپنی عزت اس میں سمجھتا ہوں کہ اپنے آقا کے فیاض ہاتھوں سے جو کچھ بھی حاصل کروں وہ اپنے کام سے مطمئن کرنے کے بعد حاصل کروں۔ حیدرآباد دکن میں بھی میں نے جس قدر ترقی حاصل کی وہ بھی دفعتاً واحدۃً نہیں کی۔ نوٹ[۹]..... اور جن کاموں کا ذکر کہ سر ڈنس فٹنر پیٹرک صاحب کی چٹھی میں ہے اور جن میں میرا بہت ہی زیادہ وقت صرف ہوتا تھا یعنی کہ سفارت مابین وزیر اعظم و ریزیڈنٹ و حضور نظام خلداللہ ملکہ وہ علاوہ میرے معروضہ بالا کارہائے متعلقہ معتمدی مالگذاری کے تھے اور سب سے بڑا امتحان جس میں بفضلہ تعالیٰ حیدرآباد میں آخر وقت تک مجھ کو کامیابی ہوئی وہ یہ تھا کہ کوئی دبیہ میرے

نوٹ[۹] چونکہ الفاظ کے تھوڑے سے تغیر و تبدیل کے ساتھ اس جگہ وہی تفصیل درج ہے جو پہلے خط میں آچکی ہے اس لئے وہ حصہ حذف کیا جاتا ہے۔ مؤلف۔

دامن پر اپنے آقا کی وفاداری اور نمک حلالی کے خلاف نہیں لگا ....[91] چونکہ سرکار عالیہ نے ایک ہزار کلدار کے واسطے ارشاد فرمایا ہے مجکو یہ جراءت نہیں ہے کہ میں اُس کے خلاف کچھ عرض کر سکوں اگرچہ جائز تو ہے کہ اس قسم کے امتحان جب ایک جگہ ایک شخص دے چکا ہو تو دوسری جگہ بھی پاس سمجھا جاوے لیکن سرکار عالیہ کی مرضی جب کہ ایک طرح پر ظاہر ہو چکی ہے تو میں اپنی طرف سے اُس کے برخلاف کچھ عرض کرنا خلاف ادب سمجھتا ہوں اور میں صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ ایک ہزار کا تعین بھی بالفعل نہیں فرمایا جاوے (اور) فرمان سرفرازی خدمت میں یہ درج کر دیا جاوے کہ بالفعل جو کچھ مرحمت ہوگا وہ مد خرچ کے طور پر ہوگا اور تنخواہ کا تعین آئندہ عمل میں آوے گا۔ اُس کے بعد میں ماہ بماہ کوئی رقم جو ایک ہزار کے اندر ہی اندر ہوگی لیتا رہوں گا جب تک سرکار عالیہ بعد اطمینان کامل تنخواہ کے تعین کی نسبت کوئی حکم صادر فرمائیں اور اس خرچ لیتے رہنے کی نسبت بھی جو اس وقت میں نے عرض کیا وہ صرف اس وجہ سے ہے۔ اول تو یہ کہ نکتہ چیں اشخاص سرکار عالیہ کے انتظام پر یہ اعتراض نہ کریں کہ بلامعاوضہ ایسی بڑی خدمت سپرد کر دی گئی ہے اور دوسرے میری نسبت سرکار عالیہ کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ خدانخواستہ میری یہ خواہش کہ بالفعل میں کچھ بھی نہ لوں کسی رعونت پر بنی ہے ورنہ میں تو اپنا افتخار اسی میں سمجھتا کہ تا تصفیہ معاملۂ تنخواہ میں یونہی بطور ایک درم ناخریدہ غلام کے اپنی ایک ایسی سرکار عالیہ کی خدمات انجام دیتا جس نے بغیر میرے کسی استحقاق کے میری ایسی عزت افزائی فرمائی تھی۔ تیسری بات آپ کے عنایت نامہ میں یہ ہے کہ میرے سوا تین اور صاحبوں کے نام بھی گورنمنٹ میں پیش ہوں گے۔ نیز آپ نے براہ الطاف مجھ سے یہ بھی دریافت فرمایا ہے کہ جس وقت میرا نام بہ شمول دیگر صاحبان گورنمنٹ میں لکھا جاوے تو آیا میں بھی اس امر کی کچھ کوشش کر سکوں گا کہ میری ہی نسبت گورنمنٹ سے

---

[91] یہاں پر ایک کوٹھی کے شاہی عطیہ کا تذکرہ ہے جو پہلے خط میں آچکا ہے اس لئے یہ فقرہ حذف کیا گیا۔ مؤلف۔

منظوری ہو گذارش یہ ہے کہ جب کوئی ایسا عہدہ خالی ہوتا ہے تو متعدد اشخاص پر اس کے متعلق نظر پڑا کرتی ہے اور متعدد اشخاص اپنے آپ کو بطور امیدوار کے پیش کرتے ہیں - کچھ لوگوں کیواسطے بڑی بڑی سفارشیں وصول ہوتی ہیں - اس وقت بلاشبہ والیان ملک کو ان میں سے کسی ایک کے انتخاب کا کام کچھ آسان کام نہیں ہوتا اور ان کو ضرورت پڑتی ہے کہ اس انتخاب میں وہ اپنے خیر اندیشوں اور معزز دوستوں اور پولیٹیکل مشیروں اور گورنمنٹ ہند سے مشورہ لیں اور یہ سب کارروائی بالکل صیغہ راز میں ہوتی ہے اور اس میں کوئی ضرورت اس بات کی نہیں ہوتی کہ جن لوگوں کی نسبت ایسا مشورہ کیا جاتا ہے اُن سے کچھ دریافت کیا جاوے لہذا سرکار عالیہ بطور خود ہی جس طرح مناسب سمجھیں گی اس کو طے فرمالیں گی اگر کوئی خاص وجہ ایسی ہے جس کے لحاظ سے فہرست امیدواران میں میرا نام درج ہونے سے قبل میری رضامندی اس کی نسبت معلوم ہونی ضرور ہے تو اس وقت میں نہایت ادب اور عاجزی کے ساتھ اُس سے معافی کا خواستگار رہوں گا و علیٰ ہذالقیاس نہ میں ایسی کوشش اپنی طرف سے کرنی پسند کروں گا جس کا مطلب یہ ہو کہ مجھکو دوسرے حضرات پر تفوق حاصل ہو اور خصوصاً... وہ حضرات جن کا نام خود سرکار کی طرف سے پیش کیا گیا ہو اور میں کیونکر کسی اور کے مقابلہ میں اپنی برتری ثابت کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہوں جب کہ میں دوسرے سب بزرگوں کو اپنے سے ہر طرح برتر سمجھتا ہوں - میں بخوبی اس بات کو سمجھے ہوئے ہوں کہ جو کامیابیاں اور نمایاں کامیابیاں مجھ کو اپنی گذشتہ عمر میں حاصل ہوئی ہیں وہ محض اللہ تعالےٰ جل شانہ کے فضل و کرم سے حاصل ہوئی ہیں نہ کہ میری قابلیت کی وجہ سے - البتہ اگر صرف میرا ہی ایک نام پیش ہوتا اور دوسروں کا کوئی مقابلہ نہ ہوتا تو اس وقت مجھ کو کوئی عذر اس میں نہ تھا کہ میں صاحبان پولیٹیکل ایجنٹ اور ریذیڈنٹ بہادر کی خدمت میں حاضر ہوں اور حضور وائسرائے کشور ہند کے شرف باریابی سے بھی مشرف ہوں اور یہ بھی میں بالا بالا بطور خود نہ کرتا بلکہ خود سرکار عالیہ سے معرفی کے خطوط حاصل کر کے ان خطوط کے ذریعہ سے ان افسروں سے ملتا - گذشتہ مہینہ میں جب

آپ سے امروہہ میں ملاقات ہوئی تھی تو میں نے اپنے ایک ارادے کا آپ سے ذکر کیا تھا جو آپکی تشریف آوری سے قبل میرا تھا اور وہ یہ کہ اپنے صوبہ کے نواب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر سے معرضی کی چٹھی لے کر میں حضور وائسرائے سے اس موسم میں بمقام شملہ ملنا چاہتا ہوں لیکن جب آپ کی ملاقات کے بعد یہ دوسرا منصوبہ پیش آگیا تو لامحالہ مجھکو اپنا وہ قصد ملتوی کر دینا پڑا کیونکہ اگر اپنے پہلے ارادہ کے مطابق وائسرائے سے ملتا اور منصوبہ کا ذکر نہ کرتا اور اس کے بعد یہ معاملہ ان کے سامنے پیش ہوتا تو کچھ اچھا نہ ہوتا اور بدون سرکار عالیہ کی مرضی و اجازت کے میں اپنی طرف سے ایسا ذکر بھی نہیں کر سکتا تھا اور سرکار عالیہ کی مرضی کے بعد وائسرائے سے ... اس قسم کی ملاقات یا تذکرہ بلا توسط ریزیڈنٹ و پولیٹیکل ایجنٹ بے قاعدہ بھی ہوتا اور غیر مفید بھی۔

مخدومی۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ میری اس گزارش کی نسبت کہ کیوں میں بھی دیگر معزز حضرات کے ساتھ اپنا نام پیش ہونا نہیں چاہتا کوئی غلط فہمی نہ ہو لہذا مجھ کو کسی قدر صراحت سے عرض کرنے کی اجازت دیجئے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ حیدر آباد سے علٰحدہ ہونے کے بعد میں نے تو اپنے وہ ہتیار جن سے اس قسم کی جنگوں میں کام لیا جاتا ہے بالکل کھول رکھے تھے ورنہ اگر میں اس قسم کی امیدواری کی عار کو جس میں ناکامی کا احتمال و امکان ہوتا ہے برداشت کر سکتا ہوتا تو اس قسم کی خدمتوں پر اور اپنے وطن کے قرب و جوار ہی میں کبھی کا مقرر ہو چکا ہوتا۔ آپ کی ملاقات نے میرے اوپر ایک خاص اثر ڈالا اور اُس وقت جو ترغیب مجھ کو بھوپال کے متعلق پیدا ہوئی وہ صرف تنخواہی معاوضہ کے لحاظ سے نہیں ہوئی بلکہ اس ترغیب کی اصل محرک سرکار عالیہ دامت اقبالہا و سلطنتہا کی وہ شاہانہ نوازشس اور ان کی نگاہ دوربیں کی جس سے کہ مجھ جیسے ایک دور افتادہ گوشہ نشیں کو اس وقت یاد فرمایا گیا ایک مقناطیسی کشش تھی اور ایک امنگ اس بات کی کہ ایک اسلامی ریاست میں جہاں تک بھی امکان میں ہو مخلوق خدا کو راحت پہونچانے میں

سعی کی جاوے اور اس ذریعہ سے دنیا میں اپنے آقا کا اعتبار اور خوشنودی حاصل کرنی جو ایک نوکر اور غلام کے لئے معراج ہے اور آخرت میں اللہ تعالےٰ جل شانہ وعم نوالہ کے فضل وکرم کا امید وار رہنا۔ اس صاف صاف گزارش اور سمع خراشی کے بعد جس کی طوالت کی میں معافی چاہتا ہوں اور جس میں میں نے ہر ایک امر مستفسرہ کی نسبت اپنے حالات کو عرض کر دیا ہے۔ اب سرکار عالیہ کی جس طرح مرضی مبارک ہو اس کی بجا آوری کو میں ہر طرح اپنے لئے موجب عزت وافتخار و باعث نجات دارین سمجھوں گا۔ اور اب اس عریضہ کو سرکار عالیہ دامت اقبالہا وسلطنتہا کی دعائے ترقیات عمر ودولت و اقبال پر ختم کرتا ہوں۔ والسلام۔

خاکسار

مشتاق حسین

(اب ایک اور خط اسی سلسلہ کا ملاحظہ ہو - مؤلف)

خط نمبر ۱۱۶ - معظم مکرم مصدر عنایت رستم جناب مولوی مشتاق حسین صاحب۔ وقار الملک زاد اللہ مدارجہم - تسلیم - مع التکریم - اگرچہ جناب والا کو تعجب ہو گا کہ میں بے شرفیابی ملازمت یہ عریضہ روانہ خدمت کرتا ہوں - مگر آں معظم کے صفات حمیدہ واوصاف برگزیدہ نے جو مقناطیسی اثر سے آراستہ ہیں مجھ کو اس عریضہ نگاری پر آمادہ کیا - معلوم ضمیر منیر ہو کہ حضور سرکار رئیسہ عالیہ دام اقبالہا نے دو نائب ریاست رکھنا تجویز فرمایا ہے جن کی تنخواہ ہزار ہزار روپیہ ماہوار رکھی گئی ہے - چنانچہ ایک نائب کی تجویز ہو چکی دوسرے کی در پیش ہے چونکہ جناب کے حسن انتظامات اور خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام مہمات اور ترقی محاصل اور رضامندی وخیر خواہی آقا کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا جو ریاست حیدرآباد میں جناب سے واقع ہوئے زبان زد خاص وعام ہے اس لئے تہ دل سے چاہتا ہوں کہ یہ تعلق ملازمت جناب والا کے یہ اوصاف نمایاں اس ریاست میں ظاہر ہوں - پس جناب سے استمزاج کرتا ہوں کہ اگر عہدہ نیابت اس ریاست کا جس کی تنخواہ اوپر ذکر کر چکا ہوں منظور خاطر والا ہو

تو میں بحضور سرکار عالیہ دام اقبالہا گذارش کروں - امید ہے کہ میری التماس حضور ممدوحہ میں فخر قبولیت حاصل کرے گی - جواب سے جلد سرفراز فرمایا جاؤں -

خدمت عالی میں اس امر کے گذارش کرنے کی ضرورت نہیں کہ میری اس معروضہ کا اظہار و افشا کسی پر نہ ہو کیونکہ جناب خود افشائے راز کے قبوحات کو مجھ سے زیادہ جانتے اور سمجھتے ہیں جو نزدیک عقل دور اندیش عاقبت بیں کے کسی طرح مستحسن نہیں - فقط

۲۳ ستمبر ۱۹۰۲ء - راقم کمترین کنج منوہر لال میر منشی

ڈیوڑھی خاص حضور سرکار رئیسہ عالیہ ریاست بھوپال دام اقبالہا

(اب کنج منوہر لال صاحب کے اس خط کا جواب پڑھئے - موٴلف)

خط نمبر ۱۱۷ - جناب مخدومی منشی کنج منوہر لال صاحب - میر منشی ڈیوڑھی خاص زاد الطافکم - تسلیم - عنایت نامہ صحیفہ رقم زدہ ۲۳ ستمبر حال کل کی ڈاک سے بصیغہ رجسٹری ورود ہوا - جس میں آپ نے براہ عنایت مجھ سے دریافت کیا ہے کہ آیا میں بھوپال کی ریاست میں نیابت کا عہدہ منظور کروں گا جس کی تنخواہ ہزار روپیہ ہوگی اور یہ کہ اگر میں، اس کو منظور کروں تو اُس حالت میں آپ مہربانی سے اس تجویز کو بحضور سرکار دامت اقبالہا پیش کریں گے اور امید ہے کہ حضور ممدوحہ دامت اقبالہا براہ خاوندی اُس کو قبول فرمائیں گی - مہربانی سے اول میرا دلی شکریہ اپنی اس غائبانہ عنایت کے لحاظ سے قبول فرمائیے اور اُس کے بعد میں اس گذارش کی معافی چاہتا ہوں کہ چونکہ مجھ کو جناب کی خدمت میں اس سے قبل کوئی سابقہ شرف نیازمندی حاصل نہیں ہے اور نہ میں جناب کے رسم الخط اور دستخط کی شان سے واقف ہوں - لہذا قبل اس کے کہ اس باب میں کچھ عرض کروں میں نے اس کو بہتر سمجھا ہے کہ یہ عریضہ جناب کے نام نامی پر بداشت عہدہ سامی مرسل کروں اور جب اُس کے جواب سے اطمینان ہو جاوے کہ وہ عنایت نامہ آپ ہی کا ہے تو اس وقت جو کچھ مجھ کو عرض کرنا ہو

وہ عرض کروں۔ باقی جو خیالات کہ اس احقر کی نسبت عنایت نامہ میں ظاہر فرمائے گئے ہیں وہ صرف جناب کا حسن ظن ہے ورنہ من آنم کہ من کہ دانم۔ اور اگر درحقیقت حیدرآباد میں مجھ سے کچھ خدمات ایسی ہوئی ہیں جو قدر شناسوں کی نگاہ میں پسندیدہ ہوں تو وہ ایک بہت چھوٹا سا حصہ اُن فرائض کے ادا کا سمجھا جاوے گا جو کہ حیدرآباد کی ریاست ابد مدت کی ملازمت کی وجہ سے میرے اوپر عائد ہوتے تھے۔ عدم افشائے راز کی نسبت جو جناب نے تحریر فرمایا ہے وہ بہت واجبی ہے اور میرا بہت کچھ مشق کیا ہوا مضمون ہے اور مدت العمر میرا عمل درآمد یہی رہا ہے کہ اپنے آقا کے سوا جس کے ہم لوگ جان نثار اور نمک خوار ہوتے ہیں اور ہر ایک سے کوئی بات جو راز میں داخل ہو مخفی رکھی جانی چاہیئے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس بات کا ارادہ کرتا ہوا یا اقرار کرتا ہوا پایا جاوے کہ وہ اوروں کا کوئی راز اپنے آقا سے بھی مخفی رکھے گا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے دل میں چور ہے اور ایک نہ ایک دن وہ اپنے مالک کے خلاف سازش میں مبتلا ہو جاوے گا۔ اعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔ آخر میں پھر آپ کی اس عنایت کا شکریہ عرض ہے۔ زیادہ والتسلیم۔

خاکسار

مشتاق حسین

(اب بخشی صاحب کا موسومہ ایک دوسرا خط پیش ہے۔ مولف)

نحمدہ و نصلی۔

جناب مخدومی و مکرمی بخشی صاحب زاد الطافکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

بھوپال میں جو انتظامات بالفعل پیش ہیں انہیں کے متعلق میرے پاس بھوپال سے ایک صاحب کا خط آیا ہے جن کے نام وغیرہ بیان کرنے سے امید ہے کہ آپ مجھ کو اس وقت معاف فرما دیں گے ان صاحب سے مجھ سے پہلے کوئی ملاقات نہیں ہے اور ان کو غالباً یہ معلوم نہیں ہے کہ سرکار عالیہ دامت اقبالہا و سلطنتہا کی نظر توجہ اپنے اس غلام پر پہلے سے مبذول ہے۔ لہٰذا مراتب مندرجہ تذکرہ بالا کے لحاظ سے ایک لفافہ عرضداشت سربمہر ملفوف ہٰذا ہے اور میں مشکور

ہوں گا اگر آپ اس کو سرکار عالیہ میں پیش فرما کر جو کچھ اس پر ارشاد ہو گا اس سے احقر کو اطلاع دیں گے

اخباروں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالےٰ آپ کے علاقہ میں بارش اچھی ہو گئی ہے، اس سے بہت اطمینان ہوا۔ اور امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیریت ہو گا۔ اور بحمد اللہ کہ احقر بھی خیریت سے ہے۔

والسلام۔ خاکسار

مشتاق حسین

(مندرجہ بالا خط میں جس "عرضداشت سربمہر" کا ذکر ہے اب اس کو پڑھئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۱۹۔

بعرض سرکار عالیہ دامت اقبالہا میرسانم

فدوی کے پاس کل ایک خط بھوپال سے آیا ہے اور جو جواب کہ اس کا فدوی نے ادا کیا ہے دونوں کی نقول حضور عالیہ کے ملاحظہ کی غرض سے گذارنی جاتی ہیں۔ غالباً صاحب راقم خط کو یہ علم نہیں ہے کہ اس قسم کے معاملات کے متعلق حضور عالیہ کی نظر توجہ ابتدا ہی سے اپنے اس غلام کی نسبت مبذول ہے۔ لیکن چونکہ ہر وقت کے حاضر باش تابعدار بسا اوقات بدون ارشاد صریح کے بھی اپنے مالک کی مرضی کو معلوم کر لیتے ہیں۔ لہذا اگر صاحب راقم خط کا مضمون اتفاق سے حضور عالیہ کے منشاء مبارک کے مطابق ہو تو نہایت ادب سے یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ اس وقت تک جس قدر گذارشات بھی فدوی نے حضور عالیہ میں پیش کی ہیں ان میں فدوی نے اپنی طرف سے کسی امر پر مصر ہونے کو خلاف ادب سمجھا ہے۔ ہر ایک چیز کو حضور عالیہ ہی کی قدردانی پر محمول کیا ہے اور اگر اس سے زیادہ فدوی کو کچھ عرض کرنے کی اجازت ہے تو شاید یہ بہتر ہو گا کہ فدوی کو اول سرکار عالیہ کے قدموں میں حاضری کی اجازت دی جاوے تاکہ چند روز فدوی وہاں حاضر رہ کر وہاں کے موجودہ انتظاموں کو دیکھے اور آئندہ کے طریقہ کارروائی کو سمجھے اور تفصیل کے ساتھ ہر ایک امر کے متعلق حضور عالیہ میں عرض و معروض کا موقع ملے اور اس موقع پر خود حضور عالیہ کے پیش گاہ سے جن نکات اور باریکیوں پر آگہی بخشی جاوے گی وہ فدوی کے لئے نہایت قیمتی آگہی ہو گی اور اس مزید غور و خوض کے بعد سرکار عالیہ کو اس امر کا تصفیہ فرمانے

میں آسانی ہوگی کہ آیا فدوی کی ذات سے سرکار عالیہ کے ملک اور اہل ملک کے لئے ظاہراً کچھ بہتری کی امید ہے یا نہیں اور فدوی بھی اس وقت اپنی حالت کی نسبت قابل اطمینان تصفیہ کر سکے گا۔ آئندہ جیسا کہ حضور عالیہ کے نزدیک مناسب ہو وہی اولیٰ اور انسب ہے۔

زیادہ حد ادب۔

آفتاب دولت واقبال تاباں و درخشاں باد۔

عرضی گذار

فدوی مشتاق حسین

۹۲

از امروہہ۔ بست و سوم جمادی الثانی ۱۳۲۰ ہجری

(ملازمت بھوپال کے سلسلے کا ایک اور دلچسپ خط موسومہ نواب وقار الملک اور اس کا دلچسپ تر جواب پڑھئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۲۰ - جاورہ - سنٹرل انڈیا

محلہ مغلپورہ - ۳۰ جولائی سنہ ۱۹۰۱ء ایاک نعبد و ایاک نستعین

پرائیویٹ

مخدوم محترم عالیجناب نواب وقار الملک بہادر حفظ اللہ المستعان۔

بعد حمد صلوٰۃ۔ تبلیغ السلام والتحیات واضح ہو۔ مدت دراز سے حالات جناب معلوم نہ ہوئے خیر خواہ حقیقی نے اکثر نیاز نامجات مرسل خدمت کئے جواب التفات سے ممتاز نفرمایا۔ لیکن یاد برابر جی میں رہی اور ایک مرتبہ کی ہمدردی مربیانہ کے واسطے تاحیات منت پذیری ہے۔ اللہ پاک اس محسن و مربی کو بخیر و عافیت خوش و تندرست رکھے۔

ان دنوں بھوپال میں عہدہ وزارت خالی ہے اور جناب ابھی کئی سال تک خدمات ریاست

---

۹۲ مطابق ستمبر سنہ ۱۹۰۲ء مولف۔

علاوہ طاعت آفریدگار انجام فرما سکتے ہیں - کچھ مضائقہ نہیں اگر توجہ اس طرف فرمائی جائے بخیال خیرسگالی یہ بات انسب و بہتر معلوم ہوتی ہے کہ بحضور جناب عالیہ بیگم صاحبہ ایک درخواست بحوالہ کارگذاری دکن بسبیل رجسٹر ابلاغ فرمائیں - کیونکہ ایسا ثابت ہوا ہے کہ حضور ممدوحہ جن صاحب کا انتخاب پسند فرمائیں گی گورنمنٹ بھی بخوشی منظوری دیدے گی - چونکہ اس ریاست کی حکمراں عورت ہیں اس لئے یہاں کی وزارت بہ نسبت دوسری ریاستوں کی وزارت کے زیادہ تر عمدہ و عروج کی ہے -
جناب کا عہدہ معتمد مالگذاری بھی قریب قریب وزارت دکن کے برابر محسوب و متخیل ہوا ہے -
اللہ پاک اگر یہ امید پوری کرے گا اور اس کا فضل شامل حال ہوا تو یہ جاں نثار مشتاق عنایت مند بھی بتوسل اقدس خدمت گذاری جناب فیض مآب میں بکمال وفاداری و عبودیت سعادی رہیگا -

جناب کے عنایت نامہ جو خاکسار نیاز مند دیرینہ کے نام دکن سے اور امروہہ سے صادر ہوئے بغایت خلوص و ہوا خواہی آج تک عاجز کے پاس موجود ہیں - از اخلاق و نیک نہادی جواب محبت سے معزز فرمائیں گے - خداوند کریم نے جو گرامی اوصاف علم و مروت و شریف نوازی ذات خجستہ صفات میں مبعوث فرمائی ہیں وہ ہی سبب جرأت مراسم اتحاد جانبین ہیں -
زیادہ کرم باد - بصدق آل مطیع

سید محمد جلال الدین حسین نظمی کان اللہ لا

مکرر کمترین کو یقین ہے کہ فوراً جناب کی درخواست پر بھوپال سے نہایت اعزاز سے طلبی ہو جائے گی - اگر جناب ارشاد فرمائیں تو جناب کی تعریف کے متعلق مضامین کسی اخبار میں بھیجدئے جائیں - خاکسار - نظمی -

(اب نواب وقار الملک کی قلمی عبارت جو مندرجہ بالا خط ہی کی پشت پر درج ہے ملاحظہ ہو - مؤلف)

"خلاصہ جواب جس طرح آپ نے مجکو اپنا ممنون بنانا چاہا ہے وہ بھی ایک قیمت ہے اور میں ایسے تائیدی مضامین اخبارات سے جس میں مدح و ذم دونوں قیمت ان کی ہیں معافی چاہتا ہوں -
مشتاق حسین - امروہہ ۲ اگست سنہ ۱۹۰۱ء

ہمارے فٹ نوٹ نمبر ۱۰ کے تحت جو تعارفی خط درج ہوا ہے اب اس کی بھی کچھ تفصیل سنئے - یہ وہ زمانہ ہے جب نواب وقار الملک ریاست نظام سے سبکدوش ہو کر اپنے وطن امروہہ کو واپس ہو چکے ہیں اور قدرتی طور پر اپنے صوبہ شمالی مغربی و اودھ کے گورنر سر چارلس کراسٹھویٹ صاحب بہادر سے ملاقات کے خواہاں ہیں - اسی خیال سے انھوں نے سر ڈینس فٹز پیٹرک صاحب بہادر سے جو ان دنوں پنجاب کے گورنر ہیں اور جو نواب صاحب کے زمانہ میں ریاست حیدرآباد کے ریزیڈنٹ رہ چکے ہیں ایک تعارفی خط موسومہ سر چارلس کی درخواست کی ہے - سر ڈینس نے اس تعارفی خط کے دینے میں جو طریقہ اختیار کیا وہ قابل داد ہے اور ہم لوگوں کو جو تعارفی یا سفارشی خطوط کے لکھنے اور لکھوانے پر ہر وقت کمربستہ اور مستعد رہنے کے عادی بن چکے ہیں اور جو ایسے خطوط کی اہمیت سے بالکل ناواقف ہیں سر ڈینس کی محتاط روش سے ایک بہت بڑا سبق ملتا ہے - ذرا غور تو فرمائیے کہ ایک سابق ریزیڈنٹ اگر اپنے زمانہ کے بارہ میں کوئی تعارفی خط کسی کو دیتا ہے تو بعد کے ریزیڈنٹ پر اس کی کیا ذمہ داری عاید ہو سکتی ہے - مگر نہیں صاحب سر ڈینس وہ خط وقار الملک کو اس وقت تک نہیں دیتے جب تک کہ مسٹر پلاوڈن کے پاس جو اس وقت ریاست نظام کے ریزیڈنٹ ہیں اپنا مسودہ پہلے سے بھیج کر استمزاج نہیں کر لیتے اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی دماغ کس طرح کام کرتا ہے اور وہ اپنا عہدہ چھوڑ دینے کے باوجود اس عہدہ کی ذمہ داری کو برابر محسوس کرتا رہتا ہے - دراصل سر ڈینس کی یہ غیر معمولی احتیاط انگریز قوم کی دوربینی - طریق حکومت اور طرز فکر کا ایک بہترین شاہکار ہے -

واضح باد کہ ریزیڈنٹ صاحبان سے ملنے والوں میں ایک نواب سرور الملک بہادر بھی تھے مگر موصوف کوئی خاص اثر ان حلقوں میں نہ چھوڑ سکے - اس کے برخلاف نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کو وہاں جس نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ان دونوں کی قابلیت سے وہ حضرات کتنے متاثر تھے اب اس کا کچھ اندازہ اس خط سے کیجئے جو نواب وقار الملک کے جواب میں سر ڈینس فٹز پیٹرک نے تمام و کمال اپنے قلم خاص سے لکھ کر روانہ کیا ہے اور

جو ممدوح نے تعارفی خط جاری کرنے سے پہلے نواب وقار الملک کو پنجاب سے لکھا ہے)

ترجمہ - شملہ - ۱۹ر اکتوبر ۱۸۹۳ء

خط نمبر ۱۲۲- میرے مکرم نواب - مجھے اندیشہ ہے کہ آپ یقیناً یہ سمجھتے ہوں گے کہ میں نے آپ کے اُس خط کو بالکل نظر انداز کر دیا جو آپ نے ۵ ماہ گذشتہ کو میرے پرائیویٹ سیکرٹری کو لکھا تھا مگر ایسا نہیں ہے، دراصل میں سرکاری آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے بارہ میں سرسی کراستھویٹ کو کوئی خط اس وقت تک نہیں لکھ سکتا تھا جب تک کہ مسٹر پلاؤڈن کی رائے پہلے سے معلوم نہ کر لوں مگر جب آخر کار ان کا جواب مجھے ملا تو میں اس وقت میں حسب معمول کام کے بوجھ سے لدا ہوا تھا - بہر حال میں نے سرسی کراستھویٹ کو اب ایک خط لکھا ہے اور مجھے امید واثق ہے کہ یہ خط آپ کے لئے ایک اچھے تعارف کا کام دے گا اور میں اس کی ایک نقل یہاں ملفوف کرتا ہوں -

جب سے میں حیدر آباد سے آیا ہوں مجھے وہاں کے حالات کے متعلق یا تو بہت ہی کم معلومات ملی ہیں یا زیادہ سے زیادہ وہ ان اطلاعات تک محدود رہیں جو اس عرصہ میں اخبارات میں میری نظر سے گذرتی رہی ہیں اور نہ بہ حیثیت ایک سابق ریزیڈنٹ کے یہ چیز میرے لئے کسی طرح موزوں ہو سکتی ہے کہ میں وہاں کے معاملات سے کوئی سروکار رکھوں مگر آپ کے اور مہدی علی کے حیدر آباد سے چلے آنے کا حال معلوم ہو کر خواہ اس مفارقت کے کوئی بھی وجوہ کیوں نہ ہوں مجھے صدمہ ہوا -

جب کبھی ہمارے راستے آپس میں ملیں گے تو مجھے آپ سے دوبارہ مل کر خوشی ہوگی مگر یہ بات یقیناً آپ کے لئے موجب تکلیف ہوگی کہ ایک لمبا راستہ طے کر کے آپ ایک ایسے شخص کے پاس تشریف لاویں جو اتنا عدیم الفرصت رہتا ہو جتنا کہ میں ہوں -

میں ہوں آپ کا بہی خواہ - ڈی فٹز پیٹرک

(اس جگہ آپ اس جواب کا ترجمہ بھی پڑھتے چلئے جو سر کراستھویٹ نے سر ڈینس فٹز پیٹرک کو اپنے

ہاتھ سے لکھکر روانہ کیا تھا اور جسے آخرالذکر نے نواب وقارالملک کی اطلاع کے لئے امروہہ بھیجدیا تھا۔)

کمپ لفٹنٹ گورنر۔ صوبہ شمالی مغربی اودھ۔

خط نمبر ۱۲۳۔ ۲۲ اکتوبر ۱۸۹۳ء

میرے پیارے نٹز پیٹرک۔ آپ کا خط مولوی مشتاق حسین کے بارہ میں مجھے مل گیا ہے اور اُن سے ملاقات کرنا میرے لئے باعث مسرت ہوگا۔ آپ کے خط کے ملفوفہ جات واپس کرتا ہوں۔ آپ کا صادق۔ چارلس کراستھویٹ۔

(اب ان دونوں خطوط کی اصل عبارت انگریزی میں پڑھئے۔)

۱۲

Sinda, 19-10-93

My dear Nawab,

I am afraid you must think I have altogether overlooked your letter of the 5th ult. to my private secretary; but that has not been the case. The truth is I could not as a matter of official propriety write on your behalf to Sir C. Crosthwaite without previously referring to Mr. Plowden,

and then when his reply came I was as usual overwhelmed with work. I have now written a letter to Sir S. Crosthwaite which I trust will serve as a good introduction for you and I enclose a copy of it. Of affairs at Hyderabad since I left I know little or nothing beyond what I have learned from the newspapers, and as an Ex-Resident it wd. scarcely be proper for me to concern myself with them; but I was sorry to learn of the departure of yourself and Mehdi Ali, to whatever circumstances it may have been due.

I shall be glad to meet you again whenever our paths happen to cross, but it wd. certainly not be worth your while to come a long distance to see so busy a person as I am.

I remain,
Yours truly,
D. FITZPATRICK

To/ The Nawab Mooshtaq Husain
Vicarul-Mulk, Amroha, Moradabad
N.W.P.

نواب بشیر الدولہ سر آسمان جاہ کی ایک پرائیویٹ ضیافت میں مداخلت

(نواب وقار الملک کی اخلاقی جرأت کا اندازہ آپ کو اس درخواست سے ہوگا جو نواب سر آسمان جاہ بہادر کی موسومہ اب پیش کی جاتی ہے۔ مخفی مبادکہ یہ تمام کاغذات اصل درخواستوں کے مسودے ہیں جو نواب وقار الملک کے کاغذات میں ہم کو ملے ہیں۔ واضح ہو کہ جس سلسلہ میں یہ خاص درخواست دی گئی ہے وہ ایک ایسی چیز تھی جس کا دور سے بھی کوئی تعلق نواب وقار الملک کے سرکاری فرائض سے نہ تھا۔ اس معروضہ میں نہ صرف نواب سر آسمان جاہ بہادر کے ایک طریق کار پر اعتراض کیا گیا ہے بلکہ جو دوسری رائے دی جا رہی ہے اس کے مطابق عمل کئے جانے پر اصرار بھی کیا جا رہا ہے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۲۴۔ " دو ساجی صاحب نے جمعہ کے واسطے بریک فاسٹ کے کارڈ تقسیم کئے ہیں جن میں لیڈیز کو پونے دس بجے اور مردوں کو ساڑھے دس بجے بلایا ہے"۔ میں نے اس کی وجہ اُن سے دریافت کی تھی جس کو انھوں نے سمجھایا۔

فدوی نہایت ادب سے اس گذارش کی معافی چاہتا ہے کہ یہ بہت ہی نازک معاملہ ہے اور انگریزی سوسیٹی سے متعلق ہے جو سوسیٹی اس وقت انگلش سلطنت پر بھی حکومت کرتی ہے۔ موجودہ قوتوں میں کوئی قوت انگلش سوسیٹی کی قوت سے زیادہ نہیں ہے۔ اس سے فدوی کا مطلب یہ ہے کہ انگلش سوسیٹی کے متعلق کوئی نئی بات کرنے کے قبل بہت زیادہ غور درکار ہے اور جہاں تک میں نے اس پر غور کیا مجھ کو اس میں سخت مشکلات کا سامنا معلوم ہوتا ہے اور میں نے اپنا فرض سمجھا کہ ایک دفعہ سرکار میں اُس کو عرض کر دوں۔ اگر یہ موقع اس وقت ہوا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ چادر گھاٹ سے لے کر بلارم تک اس کی شہرت ہوگی اور اس بات کی تفتیش شروع ہوگی کہ یہ ملاقات کونسی بیگم صاحبہ سے ہوئی اور پھر ساتھ ہی یہ خیالات پیدا ہوں گے کہ حضور پر نور کی ہمشیرہ صاحبہ سے نواب صاحب نے

کیوں ملاقات نہیں کرائی اور اس کے تین جواب ہوں گے۔

(۱) یہ کہ اُن میں ایسی ملاقاتوں کی قابلیت نہیں ہے اور یہ کہنا کہ ان کو شوق نہیں بمنزلہ اس کے ہوگا کہ قابلیت نہیں۔	کیا سرکار پسند فرماتے ہیں کہ بادشاہ حضرت[93] کی نسبت عام میں ایسے خیالات پیدا ہوں۔
(۲) یا یہ کہ سرکار میں اور بادشاہ حضرت میں ملاپ نہیں ہے۔	کیا سرکار پسند فرماویں گے کہ اس کی شہرت ہو۔
(۳) یا یہ کہ ان کا درجہ بڑا ہے۔	اگر ایسا خیال ہوا تو جو لیڈیز ملاقات کریں گی یہ اُن کی توہین کا موجب ہوگا۔

پھر سرکار اس سے بھی غافل نہ رہیں گے کہ سرکار کے دشمن لوگ اس مضمون سے بہت فائدہ اٹھاویں گے اور مسٹر رودرا کے تار پایونیر کے ذریعہ سے تمام عالم میں شہرت دیدیں گے اور اس کی تردید دشوار ہو جاوے گی۔ اب ایک اور حصہ کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ جب ایک دفعہ انگلش سوسیٹی میں یہ معلوم ہوا کہ چند لیڈیز کی ملاقات بیگم صاحبہ سے ہوئی ہے تو اوروں کو بھی اُس کی خواہش ہوگی اور خصوصاً سرکار کے لئے ہر طرح یہ ایک ضروری امر ہو جاوے گا کہ ریزیڈنٹ صاحب کی صاحبزادیوں سے بھی ملاقات کرواویں ورنہ جہاں سے پھر سرکار نے اس سلسلہ کو ختم کیا اُسی جگہ سے شکایت اور بدگمانی شروع ہوگی اور انگلش سوسیٹی کی شکایت اور بدگمانی سے خدا بچاوے غرض کہ پھر یہ ناممکن ہوگا کہ ریزیڈنٹ صاحب کی صاحبزادیوں سے ملاقات نہ ہوا ور ریزیڈنٹ صاحب کا مزاج سرکار کو معلوم ہے کہ وہ ان معاملات میں کس قدر اپنے درجہ کا خیال کرتے ہیں اور ان پر منحصر نہیں کوئی بھی ریزیڈنٹ ہوتا وہ کبھی اس بات کو برداشت نہ کر سکتا کہ بادشاہ حضرت سے اس کی بی بی یا لڑکیوں کی ملاقات نہ ہو اور دوسری بیگم صاحبہ سے ہو ایک طرف تو یہ مشکلات ہیں اور دوسری طرف سرکار کو

[93] یہ ریاست حیدرآباد میں شاہ وقت کی ہمشیرہ صاحبہ کا لقب تھا۔ مؤلف

بالضرور بادشاہ حضرت کا بھی خیال فرمانا ضرور ہے۔ اس میں کوئی موقع شبہ کا نہیں ہے کہ اس کی خبر ان کو پہونچے گی اور ان کو اس کا رنج ہوگا۔ اس سب سے بھی قطع نظر کر کے حضور پرنور کی طبیعت کا تو سرکار کو بہت خیال رہتا ہے تو کیا اطمینان اس بات کا ہے کہ جو چیز بادشاہ حضرت کے دل کو رنج پہونچاوے گی وہ حضور پرنور کے دل کو رنج نہ پہونچاوے گی۔ نواب وقار الامرا بہادر اور نواب خورشید جاہ بہادر کے گھروں میں کوئی اس کی نظیر شاید نہیں ہے۔ حالانکہ وقار الامرا بہادر کے ایک منکوحہ بی بی دوسری موجود ہیں۔ لیکن انھوں نے ایسی ملاقاتوں وغیرہ کے موقع پر کبھی ان کو سامنے نہیں آنے دیا ہے اور بہت بجا کیا ہے۔ تو ان باتوں کا خیال کر کے اگر حضور پرنور کا دل مکدر ہو جاوے تو اُس بات کو کیوں اختیار کرنا چاہئے۔ غالباً سرکار اس بات سے انکار نہ فرما سکیں گے اگر منجھلے میاں[94] مرحوم و مغفور اس وقت زندہ ہوتے تو سرکار اس قسم کی جرأت کبھی نہ فرما سکتے تو اب جب کہ خدا نے سرکار کو بڑا بنایا ہے تو وہی بات کرنی چاہیئے جو اپنے بڑے کرتے۔

فدوی کو بہت ندامت ہے کہ ایک ایسے معاملہ میں اس طرح عرض کرنے کی ضرورت پڑی لیکن چونکہ عرض کر لے کے سوا کچھ چارہ ہی نہیں تھا لہٰذا یہ مجبوری عرض کیا گیا ہے اور اس کے لئے لائق معافی ہے اور جب تک یہ معلوم نہ ہوگا کہ فدوی کی گذارش منظور ہوئی ہے اس

---

94 نواب عمدۃ الملک امیر کبیر رشید الدین خاں بہادر کی طرف اشارہ ہے جن کو حیدرآباد میں "منجھلے میاں" کہہ کر پکارا جاتا تھا مخفی نہ رہے کہ یہ وہی امیر کبیر بہادر ہیں جن کو حاسدوں نے نواب وقار الملک بہادر سے بدظن کر دیا تھا اور اسی بناء پر ۱۲۹۶ سنہ ہجری مطابق ۱۸۷۸ء میں ان ہی نواب صاحب نے وقار الملک کو ملازمت سے علیحدہ کروا دیا تھا۔ اس واقعہ کے تقریباً بارہ سال بعد اپنے ایسے سخت مخالف کا حوالہ جس عزت و احترام کے ساتھ نواب وقار الملک مندرجہ بالا درخواست میں دے رہے ہیں وہ ہماری نوجوان نسل کے لئے آج بھی ایک بڑا اخلاقی سبق ہے۔ نواب وقار الملک کی اس علیحدگی اور پھر بحالی کی تفصیل کتاب "وقار حیات" کے صفحات ۱۰۵ تا ۱۳۷ پر درج ہے اور ہماری اس کتاب کے عنوان نشان (۴۶) کے تحت بھی اس کا کچھ ذکر آیا ہے۔ مؤلف۔

وقت تک فدوی کو یہ ایک دوسری قسم کا بخار[95] رہے گا۔

آج فدوی کی طبیعت قدرے اچھی ہے۔ زیادہ حد ادب

آفتاب دولت تاباں باد۔

عرضی۔ فدوی مشتاق حسین

معروضہ ۱۸؍ جمادی الاول ۱۳۰۸ھ ہجری

خط نمبر ۱۲۵

نواب سر آسمان جاہ اور نواب سر وقار الامرا کو نواب وقار الملک کی نصیحت

(نواب بشیر الدولہ سر آسمان جاہ بہادر اور نواب سر وقار الامرا بہادر ریاست حیدر آباد کے شاہی خاندان کے افراد تھے اور دونوں کا حضور نظام سے قریبی رشتہ تھا اور باری باری سے دونوں ریاست کے وزیر اعظم بنے اور نواب وقار الملک کو ان دونوں کے تحت کام کرنے کا موقع ملا جن دنوں میں ان دونوں کے درمیان اختلافات رونما ہوئے نواب وقار الملک حیدر آباد سے علٰحدہ ہو چکے تھے۔ اس باہمی اختلاف کا اثر ریاست کے مفاد کو بُری طرح متاثر کر سکتا تھا۔ لہٰذا ان دونوں امراء کو جو آپس میں حقیقی چچازاد بھائی بھی ہوتے تھے نواب وقار الملک نے جس طرح امروہہ سے نصیحت کی ہے اب اس انتہائی راز کی مراسلت کو پڑھئے۔ مؤلف۔)

معروضہ موسومہ نواب سر آسمان جاہ بہادر۔

"گو کہ فدوی اپنی علٰحدگی کی تاریخ سے کسی معاملہ متعلقہ ریاست میں کبھی سرکار[96] میں کچھ عرض نہیں کیا مگر اس وقت یہ ایک خاص معاملہ ایسا ہے کہ بلحاظ سرکار کی ان بے انتہا خاوندیوں کے جو فدوی کے حال پر ہمیشہ مبذول رہی ہیں اور بلحاظ سرکار عالی[97] کے حق نمک کے فدوی اپنا

---

[95] اس معروضہ کی پیش کشی کے وقت نواب وقار الملک بخار میں مبتلا تھے۔

[96] لفظ سرکار سے مراد نواب سر آسمان جاہ سے ہے۔

[97] سرکار عالی کے الفاظ سے حکومت نظام مراد ہے۔ مولف

فرض سمجھتا ہے کہ اپنی یہ ناچیز گذارش سرکار میں پیش کرے اور اس لئے نہایت ادب کے ساتھ فدوی یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ حال میں حیدرآباد کے متعلق اخباروں وغیرہ کے ذریعہ سے جن حالات کی اطلاع ملی ہے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں مفصلہ ذیل خیالات پھیلتے جاتے ہیں -

اول یہ کہ سرکار اور مسٹر پلاوڈن[۹۸] کے فی مابین صفائی نہیں ہے -

دوم یہ کہ نواب مدارالمہام حال کے ساتھ سرکار کے تعلّقات ایسے صاف نہیں جیسے کہ سابق میں تھے -

سوم یہ کہ مذکورہ بالا تعلقات کا ناصاف حالت میں رہنا حضرت بندگان عالی متعالی مدّظلہ العالی کی مرضی مبارک کے خلاف ہے -

امر سوم فدوی کے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہے - سرکار کی موروثی تاریخ اور سرکار کا ذاتی طرزِ عمل ابتداء سے لے کر اس وقت تک اس داغ سے بالکل صاف ہے اور ایسا ہی ہونا چاہئے - فدوی سے زیادہ کوئی شخص اس امر سے واقف نہیں ہے کہ حضرت پیر و مرشد بندگان عالی متعالی مدّظلہ العالی کے صغیر سنی کے زمانہ سے کس طرح ہر موقع پر سرکار نے اپنے نزدیک حضرت پیر و مرشد کی رضامندی خاطر کو ہر معاملہ میں مقدم رکھا ہے گو یہ امر آخر ہو کہ کسی معاملہ میں سرکار کو اعلیٰ حضرت قدر قدرت کے نشاء کے معلوم کرنے میں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہو - اور جب حالت یہ رہی ہے تو اب جو خیال اس کے برخلاف پیدا ہوتا ہو اس کو صرف حقارت کی نگاہ ہی سے دیکھنا کافی نہیں ہے بلکہ عملی طور پر بھی اس کا ابطال ضروری ہے اور عملی طریقہ اس کا یہی ہے کہ اول اور دوم قسم کے خیالات کا بطلان عام طور پر ہوتا رہے جس سے یہ تیسرا خیال لوگوں کا خود بخود زائل ہو جاوے گا اب امر اول کے لحاظ سے عرض یہ ہے کہ حیدرآباد کے لئے وہ زمانہ ہمیشہ ایک مبارک زمانہ سمجھا جاتا ہے جب کہ

---

[۹۸] ریاست حیدرآباد کے ایک ریزیڈنٹ کا نام - مؤلف -

حضور پُرنور اور مدار المہام اور ریزیڈنٹ تینوں میں کامل اتفاق ہو اور ایک دوسرے پر کامل بھروسہ رکھتے ہوں جیسا کہ سرکار کے وقت میں سر ڈینس فٹز پٹیرک[99] کا زمانہ تھا لیکن ذاتی اور شخصی بحث کو جو سرکار جیسے اعلیٰ درجہ والوں کا کام نہیں ہے علٰحدہ رکھ کر اس وقت کی موجودہ حالت کو بھی اگر غور سے دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہوگا کہ صرف چند شخصی تبدلات کے بعد ریاست کے لئے وہی قابل اطمینان زمانہ اب بھی موجود ہے یعنی کہ حضور پرنور اور مدار المہام اور ریزیڈنٹ تینوں میں باہم کامل اتفاق ہے اور ایک دوسرے کو کامل اعتماد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہی وہ حالت ہے جس کی حیدرآباد کے لئے تمنا کی جاسکتی ہے اور ہر خیر خواہ ریاست کا کام یہ ہے کہ اس موجودہ قابل اطمینان حالت کے قایم رکھنے کے لئے حتی الامکان سعی کرے۔

امر ثانی کے لحاظ سے کوئی شخص جو سرکار کی آزاد اور رقائق طبیعت سے میری مانند واقفیت رکھتا ہو کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات کو باور نہ کرے گا کہ سرکار کو پھر ایک ایسے بوجھ کے اُٹھانے کی خواہش ہے جس کو اب تک بھی سرکار نے محض اپنے مالک کی بہتری کے لحاظ سے اٹھایا تھا۔ سرکار نے نہ کبھی ابتداء میں مدار المہامی کے واسطے کوشش کی اور نہ انتہا میں اور ہمیشہ صرف صداقت اور راست بازی اور ریاست کی اصلی خیر خواہی سے تعلق رکھا۔

مَیں تو خدا کا شکر ادا نہیں کرسکتا کہ بعد اس انقلاب کے بھی جو کہ عمل میں آیا ہے، وزارت سرکار ہی کے خاندان میں رہی جس کی نسبت بلا تامل یہ تسلیم ہونا چاہئے کہ سرکار کا اصل منصوبہ پورا ہوگیا ورنہ فدوی کا خیال تو یہ تھا کہ اگر بار بار امراء کی وزارت میں ایسے ہی انقلاب ہوتے رہیں گے تو آخر کار شہنشاہی گورنمنٹ حضور پرنور کو غالباً یہ مشورہ دینے پر

---

[99] SIR DENNIS FITZPATRICK

مجبور ہوگی کہ اب ملک کے فائدہ کی غرض سے باہر سے کوئی تجربہ کار شخص اس نازک اور اہم ذمہ داری کے کام کے لئے بلایا جاوے اور گو اس وقت محض خداوند تعالیٰ جل شانہ کے فضل و کرم سے یہ بلا ملک پر سے ٹل گئی ہے لیکن اگر وزارت میں پھر کوئی اسی قسم کا تزلزل واقع ہوا تو وہ وقت جو اس وقت ٹل گیا ہے کچھ بہت دور نہیں چلا گیا ہے اور صرف ایک قلم کی گردش ایک ایسا نظارہ ملک کے لیئے موجود کر دے گی جس پر ہر بہی خواہ ملک کو افسوس کرنا پڑے گا - اور اگر سرکارین میں بدستور اتفاق و یک جہتی قایم رہے تو عالیجناب نواب وقار الامرا بہادر کی مدار المہامی تو گویا خود سرکار کی ایسی قسم کی مدار المہامی ہوگی جس میں محنت تو کچھ کرنی نہ پڑے اور قابو سب کچھ حاصل رہے اور جب تک فدوی حیدرآباد میں تھا اور جب تک کا علم فدوی کو ہے اس وقت تک کی حالت تو یہ تھی کہ نواب صاحب ممدوح نے ہمیشہ صدق دل سے اپنے فرائض کو سرکار کی مدار المہامی کے نیک بنانے میں صرف کیا اور ایسے مواقع پر بھی سرکار کی تائید اور غائبانہ سرکار کی حفاظت کی جب کہ ہر قدم پر اس بات کا اندیشہ تھا کہ حضور پر نور ان کارروائیوں کی وجہ سے خود اُن سے ناراض نہ ہو جائیں اور یہ ایسا خطرناک مقام تھا کہ کسی اِن کے سے درجہ والے کا بلکہ ان سے بہت فروتر درجہ والے شخص کا بھی اس وقت ثابت قدم رہنا بہت ہی مشکل امر تھا اور جس وقت کہ وزارت میں تبدل واقع ہوا ہے تو وہ ایسی حالت تھی کہ تبدیلی رک نہیں سکتی تھی - نواب وقار الامرا بہادر اگر مدار المہام مقرر نہ ہوتے تو دوسرا کوئی اور شخص مدار المہام ہو جاتا اور پائیگاہی خاندان اس منصب سے محروم ہو جاتا جو آج بھی بفضلہ تعالےٰ اُس کو بدستور حاصل ہے -

پھر ایک اولےٰ بات بھی ہے جس کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ حیدرآباد میں ہمیشہ وہ امرا فائدہ میں رہے ہیں اور فائدہ میں رہیں گے جنہوں نے اپنے آپ کو مدار المہامان وقت کی مخالفت سے علٰحدہ رکھا ہوگا - سرکار کی مدار المہامی کی بنیاد زیادہ تر اسی پر

تھی کہ سرکار کا نام نامی میر لائق علی خاں مرحوم کے مخالفین میں شمار نہیں ہوتا تھا اور حال ہی میں نواب وقار الامرا بہادر کو بھی بہت بڑا فائدہ اسی امر سے پہونچا کہ ان کے تعلقات ابتداء سے سرکار کے ساتھ درست اور بہتر حالت میں چلے آتے تھے۔ اور اعلیٰ حضرت قدر قدرت اور گورنمنٹ آف انڈیا اس کو بخوبی سمجھے ہوئے تھے کہ عالی جناب نواب صاحب ممدوح کی مدار المہامی میں موجودہ وقت کے انتظام میں زیادہ اُلٹ پلٹ نہ ہوگی۔ برخلاف اس کے اگر کوئی اور شخص مدار المہام مقرر ہوتا تو معلوم نہیں کہ اس وقت تک کیسا انقلاب عظیم ہو چکا ہوتا لیکن چونکہ وہی شخص اب مدار المہام ہیں جو سرکار کے تمام مخفی رازہائے سرکاری میں بھی بہ ذات خود شریک تھے تو ہر ایک قسم کارانہ بدستور محفوظ اور مدار المہامی کی پالیسی بجنسہٖ و بلفظہٖ وہی قائم کی گئی ہے جیسی کہ سرکار کے وقت میں تھی اور جو بنیادیں سلطنت کے مفید سرکار کے وقت میں پڑ چکی تھیں انشاء اللہ تعالیٰ اس مدار المہامی میں ان سب کی تکمیل ہوگی اور سرکار نے اپنے وقت میں جن مفید اور ضروری کام کو مثلاً بیس سے شمار کر کے چھوڑا ہے نواب صاحب ممدوح جب اُن کو وقت ملے گا اُس کی شمار اکیس سے شروع کریں گے اور ان تمام کاموں میں ضرور ہے کہ سرکار کی مدد ان کے شامل حال رہے اور انہی تمام لحاظات سے فدوی پھر مکرر یہ عرض کرتا ہے کہ درحقیقت یہ موجودہ مدار المہامی سرکار ہی کی مدار المہامی ہے اور سلطنت کی اور خود سرکار کے موجودہ اور آئندہ کے فوائد اور مقاصد کے لئے جس چیز کی اب ضرورت ہے وہ صرف یہ ہے کہ سرکارین میں بدستور اتفاق و اتحاد قائم رہے اور جو لوگ اس کے برخلاف سرکار میں کچھ عرض کرتے ہوں ان کی نسبت فدوی صرف ایک ہی بات عرض کرے گا کہ اگر وہ محض لایعقل نہیں ہیں تو ضرور اپنی غرض کے بندے ہیں اور اس کارروائی میں وہ اپنی جیبیں روپیہ سے بھرنی چاہتے ہیں دگر ہیچ۔

اور اب ان مناسب احتیاطی گذارشات کے بعد حقیقت تو یہ ہے کہ فدوی یہ بھی

عرض نہیں کر سکتا کہ سرکارین کے باہمی تعلقات کی کشمکش کی خبریں کہاں تک صحیح ہیں۔ دل تو یہی چاہتا ہے کہ وہ سب خبریں غلط ہوں اور یہ عرضداشت صرف چاک کر کے ردی ٹوکری میں ڈال دینے کے لایق رہ جاوے۔ لیکن چونکہ زمانہ ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہے جو اس قسم کی کوششوں ہی میں اپنا مطلب سمجھا کرتے ہیں لہذا کچھ تعجب بھی نہیں ہے اگر بعض صاحبوں کے طفیل سے معاملات اس حد کو پہونچ گئے ہوں۔ سابق میں بھی جو لوگ سرکار کی وزارت کے خلاف کوشش کیا کرتے تھے وہ برابر اسی فکر میں رہتے تھے کہ سرکارین کے دلوں میں کسی نہ کسی طرح کدورت پیدا کر دیں اور اب بھی جو لوگ موجودہ وزارت کو نقصانات پہونچانا چاہتے ہوں گے ان کی اول اور آسان کوشش یہی ہوگی۔ پس اگر درحقیقت اس کشمکش کی کچھ اصلیت ہے تو یہ امر صرف سرکارین کے ہی لئے نہیں بلکہ خود ریاست کے حق میں کسی طرح مضرت سے خالی نہیں ہے اور اس لئے جس قدر جلد ممکن ہو اس کی اصلاح ضرور ہے اور جس طرح فدوی نے سرکار میں یہ عرضداشت پیش کرنے کی جرأت کی اسی طرح میں ایک عرضداشت عالی جناب وقار الامرا بہادر کی خدمت میں بھی پیش کرنا چاہتا ہوں اور اس کو کھلے ہوئے لفافہ میں اس عرضداشت کے ساتھ ملفوف کرتا ہوں۔ بعد ملاحظہ سرکار ہی ان کے پاس اپنے کسی معتمد کے ذریعہ سے اس کو مرسل فرما دیں اور بلاشبہ ممکن ہے۔ کہ سرکار کو بلحاظ اپنی کلانیت خاندان اور اپنے بزرگانہ بلکہ پدرانہ درجہ کے یہ خیال ہو کہ اس قسم کی تحریک سرکار کی طرف سے نہ ہو بلکہ دوسری طرف سے ہو لہذا فدوی نے یہ عرضی نواب صاحب ممدوح کے نام نامی پر اپنی طرف سے تحریر کی ہے تاکہ وہی ایک ذریعہ اس بات کا ہو جاوے کہ عالی جناب ممدوح اس کو ملاحظہ فرما کر خود اپنی طرف سے گفتگو شروع فرما دیں اس کے بعد سب سے زیادہ ضرورت اس معاملہ میں یہ ہے کہ جو صاحب اس گفتگو میں متوسط ہوں وہ ایسے ہوں جو ٹھیک ایک طرف کا پیام دوسری طرف پہونچا دیں اور خود بھی اصلاحی خدمات ادا کرنے کی لیاقت اور قوت رکھتے ہوں۔ حیدرآباد میں اکثر یہ درمیانی اشخاص جس طرح پر کارروائی کرتے ہیں اس سے

مصالحت بجائے آسان ہونے کے اور مشکل ہو جاتی ہے اور سرکار کو تو خود اس بات کا بہت زیادہ تجربہ ہو چکا ہے اور سرکار کو یاد ہو گا کہ بعض صاحب جو اپنے آقاؤں کا پیغام سرکار کے پاس لاتے تھے وہ ایک دو باتوں کے بعد اپنے آقاؤں ہی کی شکایت کرنے لگتے تھے اور اس وقت ان کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی تھی کہ جس کام کو آئے ہیں اس کو پورا کریں بلکہ اس وقت وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ سرکار ان سے خوش ہو جاویں اور ان کے کسی بچہ کا کوئی منصب ہو جاوے یا اور کوئی اسی قسم کا نفع ان کو پہونچ جاوے اور اس طرح وہ اپنے آقاؤں کے مقاصد کو اپنی ذاتی اغراض پر سے قربان کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتے تھے - ایسے لوگ متوسط ہو کر کیا فائدہ پہونچا سکتے ہیں - فدوی کے نزدیک سرکار مولوی ابوالحسن صاحب کے ہاتھ فدوی کی یہ عرضداشت ملفوفہ نواب وقارالامرا بہادر کی خدمت میں بھیجیں - انہیں کو اس معاملہ میں متوسط رکھیں اور چونکہ یہ کوشش صلح کی ایک کوشش اور کارروائی خود مدارالمہام وقت کے ساتھ ہوگی اس میں کوئی اندیشہ مولوی ابوالحسن صاحب کے واسطے بھی نہیں ہے اور اسی طرح یہ بھی ضرور ہے کہ اثنائے گفتگو میں اول سے آخر تک رازداری قایم رہے جس کو ان سے بہتر دوسرا کوئی شخص انجام نہیں دے سکتا - اور اب اس سے زیادہ کچھ اور عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے بجز اس کے اس طویل گذارش کی نسبت نہایت ادب اور عاجزی کے ساتھ سرکار سے معافی چاہوں جس کے پیش کرنے پر محض بہ تقاضائے جوش جاں نثاری فدوی نے جرأت کی ہے اور دعا ہے کہ خدا اس کو قبولیت کا شرف بخشے - زیادہ حد ادب -

عرضی - فدوی مشتاق حسین وقارالملک از امروہہ

معروضہ ۵ شوال ۱۳۱۱ھ ہجری یوم پنجشنبہ

(اب نواب سر وقارالامرا بہادر کی موسومہ عرضداشت پڑھیے - مؤلف)

خط نمبر ۱۲۶ - سب سے پہلے فدوی اس بات کی معافی چاہتا ہے کہ جب سے فدوی سرکار کے قدموں سے رخصت ہوا ہے کبھی کوئی عرضداشت سرکار میں پیش نہیں کر سکا اور جن وجوہ سے

فدوی یہ جرأت نہ کر سکا وہ بوادید حالات زمانہ اس قدر صاف ہیں کہ فدوی کو اپنی اس معذرت کی تائید میں کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور دوسری گذارش یہ بھی اول ہی ضرور ہے کہ چونکہ فدوی یہ عرضداشت خود نواب مدارالمہام سرکار عالی، دام اقبالہم کی جناب اقدس میں پیش کر رہا ہے لہٰذا اس کی نسبت یقیناً سرکار یہ خیال نہ فرماویں گے کہ وہ کوئی ناجائز مداخلت ریاست کے مصالح ملکی میں ایک ایسے شخص کی طرف سے ہے جس کو ریاست سے اب وظیفہ پانے اور دعا کرنے کے سوا اور کوئی تعلق نہیں رہا ہے - اور اب فدوی نہایت ادب کے ساتھ اس پردرد روایت کے بیان کرنے کی اجازت چاہتا ہے جس نے اس عرضداشت کے پیش کرنے پر فدوی کو مجبور کر دیا ہے اور وہ روایت یہ ہے کہ خدانخواستہ سرکار کے اور عالی جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر دام اقبالہم کے فی مابین اب وہ پہلی سی صفائی قائم نہیں رہی ہے - دل سے دعا نکلتی ہے کہ خدا کرے یہ منحوس روایت غلط ہو لیکن اگر اس کی کچھ بھی اصلیت ہے تو یہ امر نہ صرف سرکارین کے لئے بلکہ سرکار عالی[ن۱] کی سلطنت کے لئے بھی مضر اور خطرہ سے خالی نہیں ہے - جن دو دلوں[۲] کسی وقت بھائی بھائی کے نہیں بلکہ باپ اور بیٹے کے سے تعلقات رہے ہوں - آج اگر ان کے تعلقات میں اس قسم کا فرق آگیا ہو کہ خلقت کی زبان پر عدم صفائی اور کشش کے الفاظ جاری ہونے لگیں تو بجز ملک کی بدقسمتی کے اور اس کی نسبت کیا کہا جا سکتا ہے -

جس وقت میں فدوی کو سرکار کے قدموں میں حاضر رہنے کی عزت حاصل تھی اس وقت سرکار کو معلوم ہے کہ عالی جناب نواب صاحب ممدوح کے اصول کارروائی کیا تھے - وہ اصول یہ تھے -

اول - اپنے ملک کی خیر خواہی اور فرماں برداری -

دوم - رعایا کے ساتھ سچا انصاف جس کی تعلیم مسلمانوں کو اسلام نے دی ہے -

---

ن۱ ریاست حیدر آباد میں حکومت نظام کے لئے "سرکار عالی" کے اور حکومت ہند کے لئے "سرکار عظمت مدار" کے الفاظ استعمال ہوتے تھے - مؤلف -

سوم۔ سرکار شہنشاہی کے ساتھ سرکار عالی کے تعلقات کا عمدہ حالت میں رہنا۔

چہارم۔ سرکار ممدوح کے ذاتی تعلقات سرکار کے ساتھ عمدہ حالت میں رہنا۔ عالی جناب نواب صاحب ممدوح نے جس طرح دوسرے اصولوں کا ہمیشہ خیال رکھا اس سے کم کسی وقت اس چوتھے اصول کے قایم رکھنے میں کوشش نہیں فرمائی جو بظاہر ان اول الذکر تین عظیم الشان اصولوں کی فہرست میں مشکل سے منسلک ہونے کے قابل معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ اس قدر باوقعت اصول انتظام کا تھا کہ اس کی وقعت کا اندازہ وہی لوگ اچھی طرح کر سکتے ہیں جو واقف ہیں کہ حیدرآباد کی مدارالمہامی کس قدر مشکل کام ہے اور اس کے لئے کیا کیا سامان ضروریات سے ہیں۔ اسی کے ساتھ بلاشبہ مجھ کو یہ اقرار کرنا چاہئے کہ جس طرح اس اصول کے قایم و شاداب رکھنے میں ایک طرف ہمدردانہ شفقتوں کا اظہار ہوتا رہا دوسری جانب سے بھی اسی طرح فرزندانہ اظہار عقیدت مندی میں بھی کبھی کوئی کوتاہی نہیں ہوئی اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ تمام ریاست کے لوگوں پر کیا بڑے اور کیا چھوٹے اس اتفاق اور اتحاد کا ایک رعب چھایا ہوا تھا اور اس کا انتظام پر بھی بہت عمدہ اثر پڑتا تھا۔ اب کہ انتظام کی ذمہ داری سرکار پر ہے وہی تمام ضرورتیں اس وقت سرکار کو بھی پیش ہیں اور چونکہ عالی جناب نواب صاحب ممدوح ایک کافی عرصہ تک مدارالمہامی کا بار برداشت کرنے کے بعد اس خدمت سے سبکدوش ہوئے ہیں تو سرکارین کی ذات ہائے خاص اور سلطنتی مقاصد اور ملکی انتظام رعب و داب اور سازش اور فتنہ جوگروہوں کو مایوس کر دینے کی غرض سے بیش ازبیش اس امر کی ضرورت ہے کہ ہر شخص علانیہ طور پر بغیر کسی شبہ کے یہ سمجھتا رہے کہ سرکارین میں وہی دیرینہ اتفاق اور اتحاد بدستور قایم ہے اور روزبروز ترقی پر ہے۔ فدوی کا عقیدہ ....

....

یہ ہے کہ جہاں تک سرکارین کی ذات ہائے خاص کا تعلق ہے وہاں تک بجز محبت اور یکجہتی کے اب بھی غالباً دوسرا کوئی مادہ موجود نہو گا۔ لیکن سرکار بخوبی واقف ہیں کہ حیدرآباد میں ایسے

لوگوں کی کمی نہیں ہے جو رات دن اسی تاک میں لگے رہتے ہیں کہ ذرا کہیں کوئی موقع پاویں اور ایک ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کر دو اچھے دلوں میں کدورت پیدا کر دیں اور روز بروز اس آگ پر پنکھے جھلتے رہیں اور بہت سے لوگ وہاں ایسے بھی ہیں کہ جب اپنے آقا کی طرف سے دوسری جگہ کوئی پیام لے کر جاویں تو اس وقت زیادہ تر کوشش ان کی اس امر کی ہوتی ہے کہ چاہے ان کا مقصد خاک ہی میں مل جاوے مگر جس سرکار میں وہ پیام لے کر آتے ہیں وہ سرکار خود ان پیام لانے والے صاحب سے خوش ہو جاویں لہذا بہت زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ شخص جو اس درمیان میں ڈالا جاوے بہت ہی احتیاط سے منتخب کیا گیا ہو - پھر ایک خاص امر قابل گذارش یہ بھی ہے کہ ایسے عالی درجہ تعلقات میں جیسے کہ سرکارین کے تعلقات ہیں اتفاقاً کوئی کشش آجاتی ہے تو معاً ایک حجاب دونوں طرف دلوں میں حائل ہو جاتا ہے اور ہر ایک کو اس بات کا انتظار رہتا ہے کہ صفائی کی تحریک دوسری طرف سے ہو لیکن اس موقع پر صاف یہ عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں کہ سرکار گو اس وقت مدار المہام وقت ہیں مگر دوسری جانب بھی پدرانہ شفقتوں کا عظیم الشان درجہ قایم ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ مدار المہامی کا منصب سرکار کو اور بھی فروتنی کی طرف مائل کرنے والا ہے - لہذا فدوی بہت ادب سے یہ مضبوط توقع کر سکتا ہے کہ اس عارضی حجاب کے اٹھا دینے کی غرض سے ابتدائی تحریک سرکار ہی کی طرف سے زیبا ہے اور اب اس بات میں ایک لمحہ کی دیر بھی نہ ہونی چاہئے اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جہاں اس نے اور بہت سی اپنی نعمتیں سرکار پر مبذول فرمائی ہیں وہاں اس نے ایک خاص دل بھی سرکار کو بخشا ہے اور وہ فیاض دل بغیر کسی تامل کے سرکار کو ہر وقت اس بات پر آمادہ کرتا رہے گا کہ اپنے ایک ایسے بڑے کی بزرگداشت میں کوئی کوتاہی سرکار کی طرف سے نہ ہونے پاوے جنہوں نے ہمیشہ کامل شفقت کی نگاہ سرکار کی طرف رکھی ہے اور اس موجودہ مدار المہامی کی بنیاد انہیں ہاتھوں کی قائم کی ہوئی ہے اور خدا معلوم اور

ان کے کیا کیا نیک ارادے اور نیک خواہشیں رہی ہیں جن کے اظہار کی بھی نوبت نہیں آئی - اور اب اس کے بعد فدوی کی جرأت نہیں ہوتی کہ بجز دعائے ترقی عمر و دولت و اقبال اور کچھ زیادہ عرض کروں بلکہ جو کچھ عرض کیا گیا اس کو فدوی اپنے درجہ اور رتبہ سے متجاوز پاتا ہے اور نہایت ادب و عاجزی کے ساتھ اس جسارت کی معافی کا خواستگار ہوں جس پر محض میرے ولولہ جاں نثاری اور حق نمک خواری نے اس وقت مجھ کو مجبور کر دیا اور جس کو اب السعی منی والاتمام من اللہ پر ختم کرتا ہوں۔

عرضداشت فدوی مشتاق حسین وقار الملک - از امروہہ - پنجم شوال ۱۳۱۱ھ ہجری

(نواب وقار الملک نے مندرجہ بالا دو عرضداشتوں کا جو پہلا مسودہ مرتب کر کے نواب سر آسمان جاہ بہادر کے ملاحظہ میں گذارنا تھا اس میں کسی قدر ترمیم کی رائے دی گئی تھی چنانچہ جو دو عرضداشتیں اوپر پیش کی گئیں وہ ترمیم شدہ عبارت کی ہیں۔ اس سلسلہ میں مولوی ابوالحسن صاحب کا مندرجہ ذیل خط موسومہ نواب وقار الملک دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ مولف -)

خط نمبر ۱۲۷ - خانگی و راز - جناب والا نوازش نامہ ۱۹ ر رمضان مع سر بمہر لفافہ کے مولوی مظہر اللہ صاحب کی معرفت وصول ہوا - اس کے دوسرے ہی روز یعنی چہار شنبہ کو میں سرور نگر (جہاں کچھ عرصہ سے جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا) گیا اور سرکار کے سامنے سر بمہر لفافہ پیش کر دیا اور جو خط میرے نام تھا وہ بھی پڑھ کر سنا دیا سرکار نے لفافہ کو خود کھول کر مجھ سے پڑھوایا - تحریرات کے مضامین سے مجھ کو تو پورا اتفاق ہے (بہ استثنائے اس فقرہ کے جس میں کچھ عنایت آمیز کلمات میری نسبت آپ نے لکھے ہیں) اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں اسی قسم کی تائید میں اب تک رہا ہوں اور سرکار بھی اس کے مخالف نہیں ہیں لیکن دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک پیتا ہے۔ سرکار کو اندیشہ ہے کہ ان کی کسی کارروائی سے ان کے مضر کوئی نتیجہ نہ ہو - جہاں تک کہ میرا خیال ہے سرکارین کے ذاتی خیالات ایک دوسرے کی نسبت واقعی محبت آمیز ہیں مگر بعض خارجی اثروں کی وجہ سے ذرا

دبے ہوئے ہیں مثلاً بڑے[101] سرکار کا یہ گمان ہے کہ اس وقت مصالحت کا اظہار یا اشتہار شاید چھوٹے سرکار[102] کو اپنے اغراض و مقاصد کے خلاف معلوم ہوتا ہو اور اس گمان کی ان کو ایک وجہ بھی ہے - جہاں تک کہ میرا خیال ہے اگر آپ کی تحریرات میں ذرا سا تغیر ہو جاوے تو پھر سرکار کو بھی کوئی اعتراض کی گنجایش نہ رہے - آپ کی تحریرات کے صرف ایک فقرہ کو سرکار حال کی مصلحتوں کے خلاف سمجھتے ہیں گو میری رائے میں اعتراض زیادہ اہم نہیں ہے یعنی عرضداشت موسومہ نواب وقار الامرا میں سے وہ درمیانی فقرہ جو آپ نے بعد کو اضافہ کیا ہے اور جس میں آپ نے سرکار کے انگلستان سے واپسی کے وقت کا ایک تذکرہ لکھا ہے وہ حذف کر دیا جاوے اور اسی کا اشارہ دوسری عرضداشت کے صفحہ ۲ میں بھی ہے جہاں میں نے پنسل سے نشان کر دئیے ہیں - اگر اس ترمیم کے بعد آپ عرضداشت پھر بھیجیں گے تو غالباً سرکار کو آپ کی صلاح پر چلنے میں کوئی عذر نہ ہوگا - یا سب سے بہتر طریقہ سرکار کے نزدیک یہ ہے جس میں کوئی دقت غالباً آئندہ نہ ہوگی کہ آپ دونوں عرضداشتیں اول بدست وقار الامرا بہادر کی خدمت میں جس ذریعہ سے کہ آپ مناسب سمجھیں بھیجیں اور وہاں سے وہ سرکار کو اطلاع دیں یا یہ کیا جاوے کہ چھوٹے سرکار کی عرضی راست ان کے پاس مع نقل اس عرضی کے جو بڑے سرکار کے نام ہو بھیج دی جائے اور بڑے سرکار کی اصل عرضی یہاں بھیج دی جائے ان تینوں صورتوں میں سے کسی طرح بھی امید ہے کہ معاملات لخواہ طے ہو جاویں - میرا تعلق جہاں تک ہے آپ اطمینان فرما سکتے ہیں کہ یہ معاملہ قیامت تک راز ہی رہے گا اور نہ میں کسی پبلک کام میں اپنا ذاتی نفع کبھی مد نظر رکھتا ہوں - میں درحقیقت دل سے چاہتا ہوں کہ صفائی کامل ہو جاوے ورنہ سب سے زیادہ نقصان

---

[101] نواب سر آسمان جاہ بہادر کی طرف اشارہ ہے جو عمر و رتبہ دونوں میں بڑے تھے -

[102] نواب وقار الامرا بہادر سے مراد ہے - مؤلف -

مجھ ہی کو پہونچے گا۔ اس لئے میری غرض خاص بھی اسی سے وابستہ ہے گو میں دل سے یہی چاہتا تھا کہ میری وساطت نہ ہو۔ مجھ میں ایسے اہم کاموں کی اہلیت بھی نہیں ہے مگر سرکار نے آپ کی تحریر کے بموجب مجھکو ہی تجویز کیا ہے۔ قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند۔ خیر ہرچہ بادا دا۔ اگر میری ناچیز کوششوں سے کوئی نتیجہ مرتب ہوگا تو مجھ کو موجب فخر ہوگا۔ نواب وقارالامرا بہادر کے نام کی کوئی تحریر سربمہر لفافہ میں اگر آپ میرے ذریعہ سے بھیجیں تو اس[۱۰۳] کے پہنچا دینے میں بھی مجھ کو کوئی عذر نہ ہوگا لیکن کسی ذریعہ سے بھی بھیجیں بہتر ہے مگر مولوی واحد علی صاحب[۱۰۴] کے ذریعہ سے بھیجنے کی میں صلاح نہ دوں گا۔ ان کے دل میں دوسابھائی کی طرح کوئی بات ٹھیر نہیں سکتی جب تک کہ وہ دو چار شخصوں سے صیغہ راز ہی میں اس کا تذکرہ نکر دیں۔ میں نے اپنی رائے سے سرکار کو زبانی اطلاع بھی کر دی تھی۔ پھر نقول وغیرہ کے بھیجتے وقت بلحاظ ان کے ارشادات جو میں نے تحریری اطلاع دی وہ بھی آج سرکار نے مجھ کو واپس کر دی اور اس کو بھی میں صرف آپ کی ذاتی اطلاع کے لئے ملفوف کرتا ہوں۔ بعد معائنہ آپ اس کو چاک فرما سکتے ہیں۔ آج مجھ کو سرکار نے پھر سرور نگر بلا کر کاغذات واپس دئے تھے اور آخری ہدایتیں فرمائی تھیں جن کے بموجب یہ عریضہ لکھا گیا۔ آپ کی اصل عرضیاں ترمیم کے لئے واپس ہیں میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ وزارت گو کسی بھائی کے پاس رہے (یا کسی ایک کے بھی پاس نہ رہے کیونکہ ابھی اس کی نسبت کوئی امید نہیں ہے) لیکن باہمی تعلقات مثل سابق کے رہنا چاہیں یعنی اگر وزارت بڑے سرکار کے پاس عود کر آئے تو سب باتوں کو محو کر کے بڑے سرکار کو اپنی تقویت

---

[۱۰۳] یہ صاحب نواب سرآسمان جاہ بہادر کے غالباً پرسنل اسٹاف میں تھے اور گل باغ حیدرآباد میں رہتے تھے۔

[۱۰۴] نواب سرآسمان جاہ کے پاس ایک شریف النفس صایب الرائے پارسی دوسابھائی نامی انتظام کارخانہ جات وجمعیت وجاگیرات کے واسطے موجود تھا" (منقول از کارنامہ سروری صفحہ ۲۱۸) ان کا پورا نام دوسابھائی نوشیرواں جی تھا اور نواب سرآسمان جاہ بہادر کے پرائیوٹ سکریٹری کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ مؤلف۔

کے واسطے بھی لازم ہے کہ چھوٹے سرکار پر پورا پورا اعتماد کریں اور مثل سابق مدد لیں اور علیٰ ہذالقیاس دوسری اور تیسری حالت میں بھی - کسی کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ دوسرے کے ساتھ دشمنی کرنے سے فلاں وبہمان مجھ سے خوش ہوں گے یا دوستی کے اظہار سے فلاں ناراض ہوں گے - خاکسار، محمد ابوالحسن-

(جن مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ خط ہے اور جن کا تذکرہ اوپر کی درج شدہ دو عرضداشتوں میں ہوا ہے اب ان کے متعلق بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجئے - یہ مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی مرحوم نہایت متدین - راست گو اور اپنی حکومت اور آقا کے ایک وفادار ملازم تھے - بدایوں صوبہ یو-پی کے شیوخ صدیقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے - حیدرآباد ریاست میں چیف جج عدالت دیوانی رہے اور دو سال تک سرسید احمد خاں بہادر کے سی - ایس - آئی - بانی ایم - اے - او - کالج - علی گڑھ کے پرائیویٹ سکریٹری اور پرسنل اسسٹنٹ رہے - اس زمانہ میں سرسید مرحوم و مغفور انڈین لیجس لیٹو کونسل کے رکن تھے اور اس کار خدمت کے متعلق ممدوح نے جو سرٹیفکٹ[۱۰۵] مولوی ابوالحسن صاحب کو دیا تھا اب آپ اس کو پڑھیئے - مؤلف)

" دو برس تک یعنی جب تک میں گورنمنٹ آف انڈیا کی لیجسلیٹو کونسل میں ممبر رہا مولوی ابوالحسن میرے پاس بطور پرسنل اسسٹنٹ کے رہے - اس عہدے کے لئے ایسے شخص کی مدد درکار تھی جو انگریزی میں لائق اور سب سے زیادہ یہ کہ ایمان دار اور معتمد اور رازدار ہو - یہ سب صفتیں مولوی ابوالحسن میں موجود تھیں اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ انھوں نے مجھ کو اس مشکل کام میں ہر طرح کی مدد دی اور نہایت ایمانداری اور مستعدی اور رازداری سے کام کیا اور ان کی انگریزی کی قابلیت نے مجھ کو بڑی مدد دی وہ برابر کلکتہ اور شملہ میں

ن ۱۰۵ منقول از عکسی خط شائع شدہ در " خطوط سرسید " مرتبہ سر راس مسعود مرحوم بار دوم ۱۹۳۱ء

میرے ساتھ رہے ہیں میں احسان مندی کے ساتھ یہ سارٹیفکیٹ اُن کو دیتا ہوں۔ مقام علی گڑھ

سید احمد

۱۴ جنوری ۱۸۸۱ء

(اس سے واضح ہوگا کہ نواب وقار الملک نے بھی ان کو قابل بھروسہ سمجھا اور راز کے اہم ترین کام اُن کے سپرد کئے تو وہ یونہی بلاوجہ نہ تھا۔ مؤلف)

(اب نواب وقار الملک بہادر کی ایک درخواست ملاحظہ ہو جو نواب سر وقار الامرا بہادر کی موسومہ ہے جو ان دنوں ریاست نظام کے مدار المہام یعنی وزیر اعظم تھے اور جنھوں نے نواب سر آسمان جاہ بہادر کی جگہ پُر کی تھی۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۲۸۔

سرکار عالی متعالی دام اقبالہم

بعز عرض میر سانم

بہ سلسلہ اپنی گذارش ۱۹ ماہ حال کے فدوی بہت ادب کے ساتھ اس گذارش کی معافی چاہتا ہے کہ اپنے وظیفہ کی درخواست پیش کرتے وقت میں اپنی مالی مشکلات کی طرف سے غافل نہیں تھا لیکن وہ وقت ہی ایسا تھا کہ اگر مجھ کو دوسرے ہی دن ایک وقت کے کھانے کا بھی کہیں سہارا نہ رہا ہوتا تو بھی بتقاضائے غیرت وحمیت میں اپنا وہ درخواست ضرور ہی پیش کرتا۔ اور جس امیرانہ اور فیاضانہ خاوندی سے اس نازک وقت میں سرکار نے مسٹر ہرمزجی کے ذریعہ سے عالیجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر کے پاس اپنی طرف سے یہ پیام بھیجا کہ اگر مشتاق حسین کے واسطے بھائی اپنی طرف سے کچھ نہ کریں تو باوجود اپنی مقروضی کے میں اسی وقت سے اس کو ایک ہزار ماہوار دیا کروں گا مدت العمر میں اُس کے عہدہ ادائے شکر سے ادا نہیں ہوسکتا لیکن سرکار کو یاد ہوگا کہ جب سرکار کی اس خاوندی کا شکریہ ادا کرتے وقت فدوی نے اسی وقت عرض کیا تھا کہ مجھ کو جو کچھ بھی توقع ہے وہ صرف

سرکار کی ذات سے ...... ہے اور جب مجھ کو کوئی ضرورت ہوگی سرکار ہی سے عرض کروں گا۔

پھر جو واقعات کہ اُس کے بعد پیش آئے وہ یہ ہیں۔

(۱) بڑی سرکار[۱۰۶] نے تو باوجود اپنی قدیمی بے انتہا نوازشات اور اپنے ان فیاضانہ اشارات کے جو سرکار کے پیام کے جواب میں تھے اور جن کا صاف مطلب یہ تھا کہ اجرائے وظیفہ کے بعد میرے اس وقت کے عہدہ کے مقابلہ میں جو کمی رہ جاوے گی اس کو سرکار ممدوح بطور خود پورا فرما دیں گے اور جو بوادید حالات ایک معتدل سی بات اور کوئی بڑی بات بھی نہ تھی آج تک کبھی ایک پیسہ ماہوار کے اجراء کا بھی خیال نہ فرمایا اور نہ میری ہی غیرت نے تقاضا کیا کہ میں اپنی طرف سے اس باب میں کوئی تحریک کرتا۔

(۲) پھر جو وظیفہ جاری ہوا اس میں حضرت ظلّ سبحانی کے زبانی ارشاد سے جو سرکار سے بالمشافہ فرمایا گیا سو روپیہ ماہوار کی اکھٹی کمی ہوگئی اور اب تک اتفاقات سے سرکار کو کوئی موزوں وقت نہیں ملا جس میں سرکار کی طرف سے تکملہ وظیفہ کے لئے پیش گاہ حضرت اقدس واعلیٰ میں تحریک ہوتی۔

(۳) فدوی کی حالت جو مالی مشکلات کی وجہ سے پہلے ہی سے خراب ہو رہی تھی اس کو دوسری اس قسم کی مصیبتوں نے جو خدا دشمن پر بھی نہ ڈالے اور بھی اس درجہ خراب کر دیا جو ناگفتہ بہ ہے اور بہر حال خدا کا شکر ہی شکر ہے۔

(۴) البتہ ان تمام تفکرات کی حالت میں تسکین کے قابل اگر کوئی امر وقوع میں آیا تو وہ یہ تھا کہ خداوند تعالےٰ جل شانہ نے اپنے فضل عمیم سے سرکار کو عہدہ مدارالمہامی سے سرفراز فرمایا گو کہ مجھ جیسے خادم کے الحاج مرام کے لحاظ سے سرکار دام اقبالہم کا دست قدرت یوں ہی ہر طرح فراخ تھا۔ اب مذکورہ بالا حالات اور واقعات اور ان تمام مراحم اور نوازشات کے لحاظ سے جو سرکار کی طرف سے ہمیشہ فدوی کی نسبت مرعی رہی ہیں آیا مجھ کو سرکار سے

---

[۱۰۶] یہ اشارہ نواب سر آسمان جاہ بہادر کی طرف ہے جو عمر رشتہ اور خاندانی اعزاز کے لحاظ سے سرنظار الا مرا بہادر سے بڑے تھے

کسی اس مدد کی توقع رکھنی چاہئے یا نہیں جس کے بغیر اب اس وقت فدوی کی آبرو پر بنی ہوئی ہے اور اسی کے ساتھ میری درخواست کی حقیقت پر نظر فرمائی جاوے جس میں اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہا گیا ہے کہ جب تک سرکار کو میری توسیع وظیفہ کے لئے موزوں اور مناسب وقت ملے اس وقت تک میری یہ کاربرآری جس کو میں اس وقت اپنی جان بخشی سے تعبیر کر رہا ہوں قرض حسنہ کے طور پر فرما دی جاوے حالانکہ اگر میں اس سے کچھ زیادہ بھی عرض کرتا تو شاید کہ اس کا مستحق تھا اور یہ تو ظاہر ہے کہ باوجود اُن تمام تفکرات (کے) جو سرکار کو اپنے منصب عالی کے لحاظ سے لاحق رہی ہیں میری اس جان بخشی کے لئے سرکار کا صرف ایک ادنیٰ سا اشارہ بھی کافی اور وافی ہے اور اب دعا ہے کہ خداوند تعالےٰ جل شانہ ہمیشہ سرکار کو با ایں ہمہ جاہ و حشمت سلامت باکرامت رکھے اور آفتاب دولت و اقبال ہمیشہ تاباں و درخشاں رہے۔

عرضی۔ فدوی مشتاق حسین۔ از کوہ منصوری۔ ۲۴ محرم ۱۳۱۵ سنہ نبوی ہجری صلعم
یوم شنبہ یوم البت و بارک اللہ یوم البت۔

یادداشت مولوی مشتاق حسین صاحب موسومہ ریزیڈنسی

(نواب سرسالار جنگ بہادر اول کے انتقال کے بعد ان کی جانشینی کے سلسلہ میں جو یادداشت مولوی مشتاق حسین صاحب نے ریزیڈنسی میں پیش کی تھی اور جس کا صرف ایک خلاصہ "وقار حیات" کے صفحات ۶۹ تا ۷۲ پر شائع ہوا ہے اور "تذکرہ وقار" کے صفحات ۳۰ تا ۳۳ پر جس کے صرف چند فقرے درج ہوئے ہیں اب اس یادداشت کو تمام و کمال ملاحظہ فرمائیے۔ مؤلف)

یادداشت

خط نمبر ۱۲۹ - نواب صاحب کی وفات پر جو ہر ایک آیندہ وقت بھی ریاست کے لئے نہایت افسوس کی بات ہوتی خاص کر اس وقت میں اور بھی بے انتہا حسرت اور رنج کے قابل ہے جب کہ ایک طرف حضرت بندگان عالی عنقریب عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کو تھے جو دنیاوی

مقاصد سے مرحوم کا سب سے اعلیٰ مقصد تھا اور دوسری طرف ہر ایک صیغہ اور سررشتہ کے وہ ملکی انتظامات اپنی اخیر اصلاح کے ذریعہ مکمل ہوا چاہتے تھے جن کو تیس برس متصل اور بے نہایت تکان اور نہایت استقلال اور عاشقانہ محنت کے ذریعہ سے مرحوم نے اس حالت تک پہونچایا تھا۔ ملکی انتظامات کی یہ آخیر اصلاح اگر شروع نہوئی ہوتی تو آئندہ کی گورنمنٹ کا آسان کام شاید صرف اس قدر رہ جاتا تھا کہ وہ اس وقت تک جب تک کہ حضرت بندگان عالی انتظامات کو اپنے ہاتھ میں لیں مرحوم کے نقش قدم پر چلتی رہے لیکن چونکہ اب وہ انتظامات شروع ہو چکے ہیں وہ آسانی باقی نہیں رہی ہے اور اب صرف ایک ایسی گورنمنٹ کی حاجت ہے جو اُن انتظاموں کو جو کہ ملک کے فائدہ کی غرض سے اختیار کئے جاتے تھے مکمل کرے اور یہ خیال کہ ایسے بڑے بڑے انتظام آئندہ کسی فرصت کے وقت کے لئے اُٹھا رکھے جاویں اس ترقی کی ایک بڑی روک کا باعث ہوگا جس سے ملک گذر رہا ہے اور اگر ایک دفعہ وہ ترقی روک دی گئی تو ملک کو سخت نقصان پہونچے گا۔ ترقی اور تنزل کے درمیان کوئی ایسا فاصلہ نہیں ہے جس کو ایک ٹھیری ہوئی حالت سے تعبیر کر سکیں۔ کوئی ترقی جب کہ رک جاوے تو اسی وقت سے تنزل کا آغاز سمجھا جاتا ہے اور تنزل جب کہ روک دیا جاتا ہے تو وہ آیندہ ترقیوں کی علامت ہوتی ہے۔ پس اگر اس وقت میں کوئی ایسی علامت ظاہر کی جاوے جس سے عارضی طور پر ہی ترقیات کی روک ہوتی ہو تو واقع میں وہ کوئی عارضی روک نہوگی بلکہ درحقیقت وہ ایک علامت ملک کے تنزل کی سمجھنی چاہیئے پھر اگر ایسا ارادہ کیا بھی جاوے تاہم انتظام جدید کے متعلق ایسے بہت سے کام باقی رہتے ہیں جن کو مکمل کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ مالگذاری کی مجلس قائم ہو چکی ہے اور صدر المہام مالگذاری کے بہت سے بلکہ قریب قریب کل اقتدارات اس کو منتقل ہو چکے ہیں تو اب یہ ایک لازمی امر ہے کہ صدر المہام مالگذاری کے اقتدارات اور طرز کارروائی اور اُن تعلقات کو از سرِ نو فیصل کیا جاوے جو کہ مدار المہام کو صدر المہام سے ہونے چاہئیں اور ایسا فیصلہ اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک کہ وہ دستور العمل طے نہ ہو جس کی ترتیب

صدر المہاموں اور مدار المہام کے باہمی تعلقات کے قرار دینے کے واسطے شروع ہوئی تھی۔

موجودہ مجلس عالیہ عدالت کو جو ایک پورے ہائی کورٹ کی قوت دینے کا ارادہ کیا گیا تھا بڑی سعی اور کوشش اور محنت اور بہت سی باوقعت آراء کی شرکت سے جن میں نواب بشیر الدولہ بہادر صدر المہام عدالت اور مجلس عالیہ عدالت کے بعض معزز اراکین اور بعض دیگر تجربہ کار افسر شامل تھے اس کا دستور العمل مرتب ہوا ہے اور وہ بالکل تیار رکھا ہوا ہے اور صرف صدر المہاموں اور مدار المہام کے باہمی تعلقات فیصل ہونے کے انتظار میں اس کا اجرا ملتوی تھا۔ اسی طرح مجلس عالیہ عدالت کے اس جدید دستور العمل کے اجراء سے صدر المہام عدالت کے اقتدارات کا جدید تصفیہ لازم ہوا جاتا ہے۔

مجلس عالیہ عدالت اور محکمہ صدر المہامی عدالت کی موجودہ حالت سمجھانے کے لئے مجھکو یہ کہنا کافی ہے کہ ایک پورے ہائی کورٹ کے اس ملک میں دو حصے ہو رہے ہیں۔ ایک جوڈیشل کارروائی کا اور دوسرا ایگزیکٹو کارروائی کا۔ جوڈیشل کارروائی بہ استثنائے بعض اختیارات کے مجلس سے متعلق ہے بہ تحت نگرانی محکمہ صدر المہام عدالت یعنی منسٹر آف جسٹس اور ایگزیکٹو کارروائی صدر المہام عدالت کے محکمہ سے متعلق ہے بہ نگرانی مدار المہام یعنی چیف منسٹر۔ لیکن اول حصہ میں سے بھی بعض نہایت ضروری اختیارات سے مجلس محروم ہے۔ مثلاً مجلس کو آج یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے فیصلہ کی تجویز ثانی کر سکے اور جب ایسی ضرورت پیش آتی ہے تو صدر المہام بلکہ مدار المہام تک سے اس کی اجازت چاہی جاتی ہے اور اگر وہاں سے انکار ہو جاتا ہے تو مجلس اپنی تجویز کے مطابق عمل نہیں کر سکتی۔ اسی طرح باوجود اس کے کہ مجلس عالیہ عدالت۔ عدالت کا ایک سب سے اعلیٰ محکمہ ہے لیکن اس بات پر قادر نہیں ہے کہ کسی مقدمہ کو ایک محکمہ ماتحت سے دوسرے محکمہ ماتحت میں یا اپنی تجویز سے منتقل کر سکے۔ دوران مقدمہ میں ایسے کتنے ہی احکام عدالت ہائے ماتحت سے صادر ہوتے ہیں جن کی اصلاح بطریقہ نگرانی یا بہ سماعت مرافعہ متفرقہ بالضرور مجلس کے اختیار میں ہونی چاہئے لیکن مجلس کو بالفعل

ایسا اختیار نہیں ہے اور یہ سب اختیارات جو مجلس کے استعمال کے قابل تھے صدر المہام اور مدار المہام کے محکموں سے متعلق رہے ہیں۔

حال کی جدید اصلاحوں کا منشا یہ تھا کہ جس قدر نقصان مجلس کے جوڈیشل اختیارات میں ہے وہ رفع کر دیا جاوے اور وہ کل اختیارات مجلس کو دیدیئے جاویں اور مزید براں ایگزیکٹیو حصہ جس قدر کہ ہائی کورٹ کی شان کے مناسب ہو مجلس سے متعلق کر دیا جاوے۔ پس اگر بڑے سے بڑا التواء ان اصلاحوں میں بالفعل جائز بھی رکھا جاوے (گو کہ یہ التواء بھی کسی طرح افسوس سے خالی نہ ہوگا) لیکن مجلس کی جوڈیشل قوت میں جو کمی واقع ہے وہ تو آئندہ ایک دن کے لئے بھی ناقابل برداشت ہے۔

مجلس عالیہ عدالت کے لئے نواب صاحب مرحوم نے بنگالہ کی گورنمنٹ سے ایک نہایت لایق عدالتی عہدہ دار (حافظ عبدالکریم خاں صاحب) کو طلب کیا جو کئی مہینہ سے یہاں آئے ہوئے ہیں اور پندرہ سو روپیہ ماہوار پاتے ہیں۔ اس تمام عرصہ میں عہدہ دار موصوف نے اپنی توجہ کو یہاں کے دستورات مجاریہ کی واقفیت اور جدید ضوابط عدالت کی کارروائی میں مصروف رکھا ہے۔ ان کا تقرر مجلس کی میر مجلسی پر صرف اسی انتظار میں ملتوی تھا کہ مجلس کا جدید دستور العمل نافذ ہو لیوے۔ پھر اس تقرر کے ساتھ بعض اراکین کا مجلس سے تخفیفاً علیحدہ کرنا ناگزیر تھا جو کہ تخفیف کے قابل سمجھے جاتے کیونکہ اس وقت مجلس میں اور آئندہ چار رکن اور ایک میر مجلس کا تقرر تجویز ہوا تھا اور مرحوم کو منظور یہ تھا کہ جب کہ مجلس کا کام بہ نسبت سابق کے زیادہ ہوا جاتا ہے اور ایک رکن کی تعداد میں کمی کر دی جاتی ہے تو ایسے لایق شخص اس میں داخل کئے جاویں جو اس بہت بڑی ذمہ داری کا کام عمدگی کے ساتھ انجام دے سکیں اس کے علاوہ مجلس عالیہ عدالت کے اراکین اور میر مجلس کی تنخواہوں کا معاملہ ہے جس کا تصفیہ بلا توقف (ضروری ہے) اراکین سب چھ سو روپیہ خالی تنخواہ پاتے ہیں اور منصرم میر مجلس ایک ہزار اور آئندہ ان تنخواہوں میں بھی کافی اضافہ

منظور ہوا تھا اور جب کہ مجلس مالگزاری اسی جدید انتظام میں قایم ہو چکی ہے اور اس کے ارکین کی تنخواہ سترہ سترہ سو روپیہ مقرر اور جاری ہو چکی ہے تو ممکن نہیں ہے کہ مجلس عالیہ عدالت کی تنخواہوں کے نقص کو اب رفع نہ کیا جاوے - اسی کے ساتھ ان شکایتوں کے رفع کر دینے کا بھی یہی موقع تھا جو دیگر حکام عدالت کو اپنی ماہوارات کی قلت کی نسبت چلی آتی تھیں اور جن سے برابر اسی انتظام جدید کا وعدہ تھا -

دیوانی عدالتوں میں جو اصلاح مد نظر تھی وہ بھی اس قابل نہیں ہے کہ اس سے چشم پوشی کی جاوے - مال اور فوجداری کے حاکموں سے جہاں تک ممکن ہو دیوانی کے کام علیحدہ کر لینا مناسب ہے جس کے واسطے اضلاع میں منصف اور صدر منصف اور میر عدل (میر عدل کا نام دیوانی سمت قرار پایا ہے) تجویز ہوئے تھے - اس انتظام کی نسبت بعد ہ صرف اس قدر ترمیم مناسب خیال کی گئی تھی تا کہ دفعتاً اس کو جاری نہ کیا جاوے اور اول اول صرف ان مقامات سے شروع کیا جاوے جہاں دیوانی کا کام بالفعل زیادہ ہے - انہیں مقاصد سے مرحوم نے اودھ کمیشن سے ایک نہایت لائق عہدہ دار مولوی مہدی حسن کو جو انگریزی اور عربی اور فارسی اور اردو چاروں زبانوں اور انگلش لا اور فقہ اور شاستر سے بخوبی واقف ہیں طلب فرمایا تھا اور حال ہی میں وہ تین برس کی رخصت بوضع سالم تنخواہ وہاں سے لے کر یہاں آچکے ہیں اور کسی عہدہ پر مقرر ہونے کے منتظر ہیں -

کوتوالی کے صیغہ میں جو اصلاحیں مد نظر تھیں اور جن کے مقدم اصول یہ ہیں کہ آئندہ اضلاع کی کوتوالی کا انتظام بہ نسبت صدر المہام کوتوالی کے محکمہ مقیم بلدہ کے زیادہ تر ایک ایسے با اقتدار افسر کی نگرانی میں سپرد کیا جاوے جو بذات خود تمام اضلاع میں دورہ کر کے ہر ایک امر کی نگرانی اور بند و بست میں مصروف رہ سکے اور تعلقداران و صدر تعلقداران جو اضلاع و ہمات میں مال اور عدالت کے اعلیٰ حاکم اور اپنے اپنے

ضلع اور سمت کے اعلیٰ افسر ذمہ دار ہیں امور کوتوالی میں زیادہ پر رعب مداخلت قائم رکھ سکیں۔ اور بلدہ و بیرون بلدہ کی کوتوالیوں کی دو جدا گانہ حکومتیں جو بلحاظ ان تعلقات اور قربتوں کے جو اس کل مجموعی آبادی کو باہم ہے انتظام میں ہمیشہ مخل ثابت ہوئی ہیں آئندہ الگ کر دی جاویں وہ اس قدر ضروری ہیں کہ کوئی گورنمنٹ جو آئندہ قایم ہو لامحالہ اس کو ان امور کی نسبت فوراً توجہ کرنی چاہئے سرکاری خدمات کے لئے اہل ملک کو تیار کرنے کا مسئلہ جس پر اس وقت میں سب سے زیادہ اور نہایت فیاضی کے ساتھ مرحوم کی توجہ مصروف تھی نہایت ضروری مسئلہ ہے۔ ان تجویزوں کا مطلب یہ تھا کہ خاص ملک کے معززین میں سے ایسے دو قسم کے لوگ منتخب کئے جاویں جن میں سے بعض ایک مناسب حد تک تعلیم پائے ہوئے ہوں اور ملک کے اندر یا برار وغیرہ کے علاقوں میں) ان کو کام سیکھنے کے لئے بھیجا جاوے اور بعض جن کو تعلیم کی ضرورت ہو ان کی تعلیم کا قرار واقعی بندوبست کیا جاوے اور یہ ارادہ کر لیا گیا تھا کہ مناسب اور سہل شرائط کے ساتھ دونوں قسم کے امیدواروں کی ذاتی ضروریات کا کل خرچ سرکار اپنے پاس سے ادا کرے۔ امیدواروں کے انتخاب اور ان کی آئندہ نگرانی اور کارروائی جاری کرنے کے لئے مرحوم نے ایک مجلس قایم کی تھی جس میں کپتان کلارک صاحب بہادر میر مجلس اور دیگر اکثر اشخاص رکن تھے۔ مجھ کو بھی اس مجلس کی رکنیت کی عزت حاصل تھی اور اسی جمعہ کو جس میں ملک کی بدقسمتی سے نواب مرحوم کا جنازہ اٹھا، مجلس کا پہلا اجلاس مرحوم کے آئینہ خانہ میں منعقد ہونے کو تھا۔ یہ تمام مفید اور نہایت ضروری تجویزیں جن کو مرحوم نے شروع کیا تھا ضرور اس لایق ہیں کہ آئندہ کی گورنمنٹ بغیر ضایع کرے وقت کے ان کو پورا کر کے مرحوم کی روح کو خوش کرے۔ اسی کے قریب قریب اور انتظامات کا حال ہو رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک صیغہ میں جن اصلاحوں کا خیال کیا گیا تھا وہ کوئی تازہ خیال نہیں تھا بلکہ سالہا سال کے تجربہ کے بعد وہ اصلاحیں تجویز ہوئی تھیں اور بہت سی اصلاحوں کی نسبت مدت سے سرکار عالی اس

بات کا وعدہ کرتی چلی آئی تھی کہ جدید انتظامات میں ان کا لحاظ کیا جاوے گا اور تمام وہ لوگ جو ملکی انتظاموں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں ایک عرصہ دراز سے ان ترقیات کے منتظر تھے اور اب نہایت بے صبری کے ساتھ اس وقت کا انتظار کرتے تھے جب کہ ہر ایک صیغہ میں مجوزہ اصلاحیں جاری ہوں لہذا نہایت افسوس ہوگا اگر یہ سب امیدیں اس وقت مایوسی میں مبدل ہوں جاویں۔

اب اس کے بعد جس چیز پر مجھ کو توجہ دلانی ہے وہ یہ ہے کہ ان تمام فرائض کے ادا کرنے کے لئے جو آئندہ کی گورنمنٹ سے متعلق ہوں گے ملک میں کس قسم کی گورنمنٹ کی اس وقت ضرورت ہے اور میں بغیر کسی تامل کے نہایت جرأت کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک ایسی گورنمنٹ ہونی چاہئے جو گذشتہ گورنمنٹ کے ساتھ پوری ہمدردی کرتی ہو اور ملک کا بھی اس کے اوپر اسی قسم کا اعتبار ہو جیسا کہ ہز اکسیلنسی نواب مرحوم کی گورنمنٹ کی نسبت تھا اور اب مجھ کو ناگزیر یہ کہنا پڑتا ہے کہ نواب صاحب مرحوم کے فرزند اس گورنمنٹ میں شریک کئے جاویں جن کے ساتھ آج اس ملک میں تمام لوگ ہمدردی کرتے ہیں اور ہر ایک شخص کے دل میں گو کہ وہ بلحاظ اپنے مرتبہ اور درجے کے کتنا ہی بڑا کیوں نہو ان کی موروثی عظمت اور وقعت اور ان کا خاندانی لحاظ اور پاس سمایا ہوا ہے اور جن کے چال وچلن اور اخلاق کی نسبت بھی کسی شخص نے اس وقت تک یقیناً کوئی اعتراض نہیں کیا ہے اور جو ایک ایسے باپ کے ہونہار بیٹے ہیں جس نے نہایت ایمانداری اور قابلیت اور اخلاق اور حلم اور ہمت اور استقلال اور وفاداری کے ساتھ اپنی تمام عزیز عمر ملک اور اہل ملک اور فرمان روائے ملک کی بیش بہا خدمات میں صرف کر دی - کافی یقین و امید ہے کہ برٹش گورنمنٹ بھی غالباً ایک ایسے باپ کے بیٹوں کے ساتھ ویسی ہی ہمدردی کرے گی جیسے کہ خود ملک ان کی ہمدردی کر رہا ہے مجھ کو مرحوم کے جنازہ کی ہمرہی اور سوم کی فاتحہ خوانی میں شریک ہونے کی عزت حاصل تھی - میں بیان نہیں کر سکتا کہ ان مواقع پر شہر والوں نے ان کے ساتھ کس قدر گہری ہمدردی ظاہر کی ہے - میرا یہ مطلب نہیں ہے

اور نہ کسی شخص کا جو کہ ملک اور گورنمنٹ کے ساتھ سچی ہمدردی رکھتا ہو اس وقت میں یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ مرحوم کے کسی فرزند کو ان کے باپ کے پورے اقتدارات بلا شرکت غیرے فوراً دیدئے جاویں گو کہ اس قدر تجربہ اور واقفیت کے لحاظ سے جو مجھ کو اس باب میں ہے کوئی شک نہیں کر سکتا کہ چند عرصہ کے بعد وہ اس ریاست میں ایک ایسے قابل شخص پائے جاویں گے جو ہر طرح اس عہدہ کے قابل ہوں۔ اس وقت جو کچھ مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مرحوم کے بڑے فرزند نواب میر لایق علی خاں بہادر منصرم مدار المہام مقرر کئے جاویں اور ان کے ساتھ ایسے چند افراد جو اعتبار اپنے مرتبہ اور تجربہ کے اس بڑی ذمہ داری کے لایق اور سابق کی گورنمنٹ کے کاموں اور انتظاموں کے ساتھ ان کو ایکسا نوع کی ہمدردی ہو اس وقت تک کے واسطے شریک کئے جاویں جب تک کہ حضرت بندگان عالی متعالی عنان حکومت خود اپنے ید قدرت میں لیں۔ کاغذات جو تجویز کے لئے معتمدوں کے دفتر سے پیش ہوتے ہیں ابتداءً وہ منصرم مدار المہام کے سامنے پیش ہوں اور وہ ان پر اپنی تجویز لکھ کر دیگر امراء و شریک کے سامنے پیش کریں اور اتفاق یا غلبہ آرا کے بعد پھر وہ کاغذات منصرم مدار المہام کے ذریعہ سے جاری ہوں۔ اس قسم کے کسی اصول کے تسلیم ہو جانے کے بعد یہ سب امراء اور منصرم مدار المہام بہ شرکت معتمدین باہمی صلاح و مشورہ سے کارروائی کے تفصیلی قواعد خود مرتب اور برٹش گورنمنٹ کے اطمینان خاطر کے واسطے پیش کر سکیں گے اور اس طرح پر نواب میر لایق علی خاں بہادر کو ہر ایک کام میں پوری قابلیت حاصل اور ظاہر کرنے کا بخوبی موقع ملے گا اور بتدریج وہ اپنے آپ کو اس امر کی قابل ثابت کر سکیں گے کہ آئندہ تنہا اس کام کے انجام دینے کی جو ان کے عہدہ کے مناسب ہے کافی قابلیت رکھتے ہیں اور اس وقت حضور پر نور کو آسانی کے ساتھ یہ موقع حاصل ہوگا کہ ان کی قابلیت اور تجربہ کے لحاظ سے ان کے ساتھ سلوک ہوں نواب میر سعادت علی خاں بہادر مرحوم کے دوسرے فرزند نواب اکرم الدولہ بہادر کے منصرم

مقرر کئے جاویں جو اپنی پر افسوس اور طولانی علالت کے سبب سے اپنی صدر المہامی مالگذاری کی خدمات ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ ان کی منصری میں مطلق کوئی محل تردد کا نہیں ہے کیونکہ ان کے ماتحت ایک پوری مجلس مالگذاری ہوگی جس کے ہاتھ میں ایک آزاد دستور العمل اپنے اقتدارات واختیارات کا موجود ہے اور ان سے بالاتر مدار المہام کا محکمہ ہوگا جو چند تجربہ کار امراء کی شرکت کی وجہ سے قابل اطمینان حالت میں ہوگا۔ اور چونکہ صدر المہام مالگذاری کے کل اقتدارات قریب قریب اس وقت مجلس مالگذاری کو منتقل ہو چکے ہیں لہذا یہ بات نہایت آسان ہوگی کہ مدار المہامی کے محکمہ سے اس قدر کارروائی ان سے متعلق کی جاوے جو ان کے مناسب حال سمجھی جاوے اور آئندہ وقتاً فوقتاً جس قدر ان کا تجربہ ترقی کرتا رہے اس کارروائی میں بھی وسعت ہوتی رہے۔ اس موقع پر مجھ کو غالباً اس امر پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ جس حالت میں پرائم منسٹر کی ایک پوری اور آزاد قوت اور صدر المہام مالگذاری کی پوری قوت مع بہت سے وسیع اقتدارات کے مرحوم کے خاندان میں تھی تو مجوزہ صورت میں ان عہدوں کا نہایت محدود حالت اور بہت سی شراکتوں اور نگرانیوں میں ایک خاندان میں رہنا کسی طرح ایک امر قابل توجہ نہ سمجھا جاوے گا۔ میں نو برس سے اس سرکار کا ملازم ہوں اور اس تمام مدت کا ایک بڑا حصہ میں نے صدر المہامی عدالت کی معتمدی میں گذارا ہے اور اب تھوڑے عرصہ سے مدار المہام کی معتمدی عدالت و کوتوالی کی عزت مجھ کو حاصل ہے۔ ان عہدوں کے تعلقات کے لحاظ سے مجھ کو اہل شہر اور اہل ریاست کے خیالات پر بہت کچھ مطلع ہونے کا موقع ملا ہے خاص بلدہ میں کوئی اور صیغہ اور سررشتہ ایسا نہیں ہے جس کے اس قدر متعدد محکمہ جات بلدہ میں ہوں جس قدر کہ عدالت و کوتوالی کے ہیں نہ اس قدر کثرت کے ساتھ کسی دوسرے صیغہ اور سررشتہ سے اہل شہر کی اس قدر ضرورتیں متعلق ہوتی ہیں جس قدر کہ عدالت و کوتوالی کے ساتھ۔ لہذا جس قدر موقع مجھکو یہاں کی عام طبائع پر واقف ہونے کا ملا ہے اس کو میں اپنی معلومات کا کافی ذریعہ خیال کرتا ہوں اور اس کے لحاظ

سے آخر میں پھر اس بات کے بیان کرنے کی معافی چاہتا ہوں کہ نواب مدار المہام مرحوم کے فرزندوں کی یہ سرفرازی علی العموم ملک کے لئے خوشی اور اطمینان کا موجب ہو گی اور تمام ملک برٹش گورنمنٹ کا ممنون اور اس کے انصاف کا بدل معترف ہو گا اور اس کے ذریعہ برٹش گورنمنٹ ایک ایسی گورنمنٹ قایم کرنے پر قادر ہو سکے گی جو خواہ بہ لحاظ اس ریاست کے قدیم آئین اور مدارج اور خواہ بلحاظ ملک کی موجودہ حالت اور اہل ملک کی عام طبایع کے اور خواہ بہ لحاظ ان ضرورتوں کے جن کا آیندہ گورنمنٹ کو انجام دینا ناگزیر ہے ہر ایک گورنمنٹ سے جس پر اس وقت خیال اور ذہن منتقل ہو سکتا ہے بہتر ہو گی۔

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ ہجری - ۱۶ فروری ۱۸۸۴ء

(واضح ہو کہ مندرجہ بالا (بخط جلی) یہ آخری فقرہ بھی کتاب "وقار حیات" کے صفحہ ۲۰۱ پر شایع ہو چکا ہے۔ مولف)

نواب وقار الملک کا خط موسومہ اخبار "مخبر دکن" مدراس

(نواب وقار الملک کا جو خط اب پیش کیا جاتا ہے پتہ نہیں کہ اخبار نے اس کو شائع کیا یا نہیں۔ اگر شائع نہیں ہوا ہے تو اہل ملک پہلی بار حیدر آباد دکن کے ایک نہایت دل چسپ مگر سبق آموز واقعہ سے روشناس ہوں گے اور اگر اس خط کی اشاعت ہو چکی ہے تو بھی آج تقریباً نوے ۹۰ سال کے بعد موجودہ نسل اس کو شوق سے پڑھے گی لیکن اگر اتفاق سے ان دفتوں کے کوئی ایسے صاحب بھی اس کو پڑھیں جو اس سلسلہ سے پہلے سے واقف ہیں تو یہ چیز ان کے لئے قند مکرر ثابت ہو گی۔ مخفی مباد کہ کتاب "وقار حیات" کے صفحہ ۲۰۷ پر اس خط کا صرف آخری فقرہ جس کو خط کشیدہ کر دیا گیا ہے شایع ہو چکا ہے۔ مولف)

خط نمبر ۱۳۰- امروہہ - ۲۷ اپریل ۱۸۹۶ء

بخدمت جناب سید محمد عبد القادر صاحب مالک و مہتم اخبار مخبر دکن - مدراس -

جناب من - آپ نے اپنے اخبار مخبر دکن مطبوعہ ہشتم فروری ۱۸۹۶ء میں اس عنوان سے کہ "مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب اور دکن پوسٹ" اپنے ایک خاص نامہ نگار کا مضمون مشتہر فرمایا ہے -

اس مضمون میں ایک یہ فقرہ بھی درج ہے "نواب سر آسمان جاہ بہادر کے عہد میں مولوی مشتاق حسین صاحب المخاطب نواب انتصار جنگ بہادر نے مولوی صاحب موصوف (یعنی مولوی سید یوسف الدین صاحب کو) تعلقداری محبوب نگر پر منصرمانہ روانہ کرکے خوش اسلوبی کے ساتھ صرف خاص کی ماہوار بند کرادی اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ مولوی صاحب موصوف کے پاس انتصار جنگ بہادر کا ایک دستی خط موجود تھا (اور اب تک موجود ہے) جو زمانہ صوبیداری ورنگل میں مسٹر مہدی حسن میر مجلس ہائی کورٹ کے نام لکھا تھا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی زمیندار کے مقدمہ میں انتصار جنگ بہادر نے خود (للہ) چودہ ہزار روپیہ رشوت لی اور چودہ ہزار روپیہ مسٹر مہدی حسن کو رشوت دینی چاہی مولوی صاحب موصوف سے وہ خط مانگا گیا اور انہوں نے اس کے دینے سے انکار کیا حالانکہ انہوں نے اس خط سے کسی قسم کا نقصان انتصار جنگ بہادر کو نہیں پہونچانا چاہا تھا"

میں نے اگرچہ اپنے ذاتی معاملات میں اخباروں کے مضامین پر بہت کم خیال کیا ہے لیکن مذکورہ بالا فقرہ میں چونکہ میرے دستی خط کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے ممکن ہے کہ ان لوگوں کو بھی جو نیک نیتی کے ساتھ معاملات دیکھتے ہیں کوئی خیال پیدا ہو لہذا ایسے ایک مضمون کی نسبت شاید مجھ کو کوئی نوٹس لینی چاہیئے اور امید ہے کہ آپ میرا یہ سالم خط من اوّلہ الی آخرہ، اپنے اخبار میں درج فرما دیں گے -

۲- میں نے اخباروں کی نکتہ چینی کو اپنی نسبت ہمیشہ تحمل کے ساتھ برداشت کیا ہے اور ہر ایک معاملہ کو ہمیشہ پبلک کی فراست اور ان کے منصفانہ فیصلہ پر چھوڑا ہے -

۳- میرے جس دستخطی خط کا مذکورہ بالا فقرہ میں ذکر کیا گیا ہے میں ایسے کسی خط کے واقعی ہونے سے مطلق انکار کرتا ہوں اور میں آمادہ ہوں اور بخوشی تمام اجازت دیتا ہوں کہ وہ خط پبلک کے سامنے پیش کیا جاوے۔ البتہ میرا ایک اور دستی خط ضرور ہے جس کی کیفیت میں بیان کرتا ہوں اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی کی عبارت توڑ مروڑ زبردستی اس سے یہ مطلب گڑھا گیا ہے جب کہ باوجود ہر قسم کی دھینگا مشتی کے بھی اس عبارت سے اس قسم کا مطلب پیدا نہیں ہو سکتا۔

۴- اپنے زمانہ صوبیداری ورنگل میں میں ایک سال بہت طویل دورہ میں مصروف تھا جہاں مجھ کو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ میرے متعلقین جو حیدرآباد میں مقیم تھے ان (کے) واسطے کچھ خرچ بھیجوں اور اس کے علاوہ بعض دیگر مقامات ہندوستان کو بھی مجھکو بعض رقوم منی آرڈر کے ذریعہ سے معمولاً بھیجنی تھیں لہذا میں نے اپنے دورہ پر سے ایک چیک چند سو روپیہ کا بنگال بنک واقع حیدرآباد دکن کے نام پر اپنے حساب میں نواب مہدی حسن خاں فتح نواز جنگ بہادر میر مجلس عالیہ عدالت کی خدمت میں جو اس وقت خاص حیدرآباد میں مقیم تھے بھیجا اور جس خط میں وہ چیک ملفوف تھی اس میں وہ سب تفصیل درج کر دی گئی تھی جس کے مطابق وہ روپیہ صرف ہونے والا تھا۔ میں خود انگریزی نہیں جانتا اس لئے وہ چیک کسی اور شخص کے قلم سے لکھی گئی تھی جنہوں نے غلطی سے چیک میں بجائے سیکڑہ کے ہزار لکھ دیے یعنی چیک میں جس قدر سیکڑے لکھنے چاہئے تھے اس قدر ہزار لکھے گئے اور اگرچہ میں انگریزی ہندسوں کو پہچانتا ہوں لیکن معلوم نہیں کہ اس وقت کیا اتفاق پیش آیا جو اس غلطی پر میرا خیال رجوع نہ ہوا۔ بہرحال یہ چیک جب کہ نواب فتح نواز جنگ بہادر کے پاس پہونچا اور انہوں نے اس کی رقم کو خط کی مندرجہ تفصیل سے مقابلہ کیا تو انہوں نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ چیک لکھنے والے کی غلطی ہے اور بنگال بنک کے ایجنٹ کو انہوں نے لکھا کہ یہ درحقیقت اس قدر ہزار کا چیک نہیں ہے جو اس میں درج ہے بلکہ اس قدر سیکڑے ہیں

سے مطلوب ہیں۔ ایجنٹ موصوف نے اول تو یہ عذر کیا کہ جس شخص نے چک پر دستخط کئے ہیں اسی کے دستخطوں سے اس کی اصلاح ہونی چاہئے لیکن جب دوبارہ ان سے درخواست کی گئی اور اُن سے یہ کہا گیا کہ رقم پانے والا خود اس کا معترف ہے اور چک بھیجنے والے کے پاس اس کو واپس کرنے سے کارروائی میں بہت ہرج ہوگا تو وہ رضامند ہو گئے اور انہوں نے فتح نواز جنگ بہادر کے دستخط سے رقم کی تصحیح کرا کر اسی قدر سیکڑے جو کہ فی الحقیقت مطلوب تھے بہادر موصوف کو دیدے اور وہ میری ضرورتوں میں میری ہدایت کے مطابق صرف ہوئے اور بنک کے حساب میں میرے نام خرچ میں پڑے۔ اس کارروائی کے بعد نواب فتح نواز جنگ بہادر نے جب مجھ کو خط لکھا تو ایک بے تکلف دوست کی طرح انہوں نے میری اس ناواجب فیاضی پر کہ سیکڑوں کی جگہ ہزاروں کی رقم کے چک دیتا ہوں مجھ کو بہت ہی بے وقوف بنایا جس کا جواب میں نے بھی اسی دوستانہ مذاق اور لہجہ میں دیا۔ یہاں ناظرین کو اب ہمہ تن چشم اور ہمہ تن گوش ہو جانا چاہئے کیونکہ میرا یہی وہ خط ہے جس پر غالباً اس وقت بحث ہے۔ میرے اس خط کی عبارت قریب قریب یہ تھی کہ "چک کے بھیجنے میں میری کوئی بے وقوفی نہ تھی۔ فیاض لوگوں کی فیاضی کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ انہیں میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ سیکڑوں کا خرچ بتلا کر ہزاروں کی چک میں نے آپ کو بھیج دی۔ اگر آپ نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا تو یہ آپ کی عقل کا قصور ہوگا نہ کہ میری عقل کا۔" اور باقی عبارت خط کی اگر کچھ تھی تو اس قدر معمولی تھی جس سے وہ حصہ خط کا محض ایک مذاق رہ جاتا تھا۔ اس خط میں نہ کسی زمیندار کا ذکر تھا نہ کسی مقدمہ یا معاملہ کا۔ زمیندار یا مقدمہ کے معاملہ کا اس میں کوئی لفظ بھی نہ تھا۔

۶۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ کے بعد مجھ کو معلوم ہوا کہ میرا کوئی دستخطی خط حیدر آباد میں کسی کے ہاتھ آ گیا ہے جس کے ذریعہ سے میں نے کئی ہزار روپیہ نواب فتح نواز جنگ بہادر کے پاس رشوت کے طور پر اپنے صوبہ سے بھجوائے تھے اور یہ کہ کسی صاحب نے اس کو نواب

مدار المہام تک پہونچایا ہے - اول مرتبہ جب میں نے یہ خبر سنی تو مجھ کو خیال ہوا کہ یہ کوئی بہت بڑی جعل سازی ہوئی ہے مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد میرا ذہن اپنے اس مذکورہ بالا خط کی طرف منتقل ہوا جس کے بعد ایک موقع پر میں نے عالی جناب نواب مدار المہام ممدوح سے یہ سب قصہ بیان کیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ اگر کسی صاحب نے آپ سے بیان کیا ہے کہ میرا ایسا کوئی خط ان کے پاس ہے جس سے میرے اوپر کوئی الزام عائد ہوتا ہے تو ان صاحب کو مجبور کیا جاوے کہ وہ اس خط کو پیش کریں مگر نواب مدار المہام نے مجھ سے اس بات کا اقرار نہ فرمایا کہ ان کے سامنے کوئی ایسا بیان ہوا ہے اور ارشاد فرمایا کہ کسی کی ایسی بیہودہ بات اعتبار نہ کرنی چاہئے اور اب چونکہ بعض لوگوں کو اس خط کی اصل حقیقت حیدرآباد میں خود میری زبان سے معلوم ہو چکی تھی تو وہ معاملہ اس وقت کان لم یکن سا ہو گیا اور اس کے بعد سے اس خط کا کوئی ذکر میرے سننے میں نہیں آیا تھا - یہ بھی بیان کر دینے کے قابل ہے کہ وہ زمانہ نواب سر آسمان جاہ بہادر کی وزارت کا زمانہ تھا جس کی نسبت کوئی یہ خیال کر سکے کہ اس زمانہ میں میرے کسی دباؤ کی وجہ سے یہ معاملہ دبا دیا گیا ہو گا بلکہ وہ زمانہ نواب عماد السلطنت سر سالار جنگ بہادر ثانی کا زمانہ تھا جب کہ میں صرف ایک صوبہ دار تھا اور میرا کوئی خاص رسوخ گورنمنٹ میں نہ تھا اور ایسے متعدد با اقتدار صاحب رسوخ اشخاص اس وقت موجود تھے کہ اگر ان کو کچھ بھی موقع میرے بدنام کرنے کا مل سکتا تو وہ اس میں ایک لمحہ بھی توقف نہ کرتے -

۷- یہ ہے کل حقیقت میرے اس خط کی اور اس کی تصدیق کیواسطے خود اس خط کی عبارت اور اس کی تاریخ تحریر اور میرے دورہ کا زمانہ اور وہ اصل چک جو میں نے بنگال بنک کے نام جاری کی تھی اور اس کی تاریخ تحریر اور صاحب ایجنٹ بنک بنگال اور نواب فتح نواز جنگ بہادر کی باہمی خط وکتابت اور اس چک کی اصلاح رقم کے متعلق نواب فتح نواز جنگ بہادر کے دستخطوں سے یہ تمام تحریری شہادتیں وہیں خود اس وقت حیدرآباد میں موجود ہیں -

۸- اور یہ ایک صریح تہمت ہے کہ مولوی سید یوسف الدین کا تعلقداری محبوب نگر پر مقرر ہونا اس خطا کے کسی اثر کی وجہ سے تھا۔ جو لوگ حیدر آباد کے چند سال گذشتہ (کے) حالات سے کچھ بھی واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر کو مسند وزارت پر متمکن ہونے کے بعد سب سے پہلے جو ایک اہم اور مشکل کام پیش آیا وہ ان کے زمانہ سے پیشتر کے تخفیف یافتوں کا انتظام تھا۔ یہ انتظام دو وجہ سے زیادہ مشکل ہو گیا تھا۔ اول تو یہ کہ اکثر صورتوں میں وہ تخفیف اطمینان کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی تھی۔ متعدد نظائر ایسی بھی موجود تھیں کہ جن میں زید ایک عہدہ سے تخفیفاً علحدہ کیا گیا تھا اور بہت خفیف ترمیم اور محض برائے نام تبدیل اسماء عہدہ کے ساتھ مکرر اسی عہدہ پر بعض جدید امیدوار کے طور پر یا ترقی کے ذریعہ سے مقرر کر دیا گیا تھا۔ ایک زیادہ لایق اور عمدہ صفات کے شخص کو تخفیف میں ڈال دیا گیا تھا اور اس سے کم لایق اور کم عمدہ صفات والا شخص اسی عہدہ پر مقرر کر دیا گیا تھا۔ اور دوسرے یہ کہ باستثنائے ان معدودے چند لوگوں کے جن کو کوئی رسوخ حاصل تھا باقی سب کے سب سخت پریشانی میں مبتلا تھے۔ نہ تو ان کی تنخواہ ہی ملتی تھی اور نہ وظیفہ یا انعام ہی مل سکتا تھا تاکہ اس کے بعد وہ بطور خود اپنے کسی اور شغل میں مصروف ہوتے۔ ان تخفیف یافتوں کی تعداد پانسو کے قریب تھی جن کی فریاد اور زار نالی کی صدائے بازگشت اس وقت حیدر آباد کے ہر گلی کوچہ سے سنائی دیتی تھی اسی جم غفیر میں سے ایک مولوی یوسف الدین صاحب بھی تھے۔

۹- نواب سر آسمان جاہ بہادر نے نہایت معتدل سیر چشمی اور فیاضی کے ساتھ ان تشنہ زبان وادی ناکامی کے حال زار پر توجہ فرمائی اور جس قدر لوگ ان میں سے ایسے پائے گئے جو آئندہ سرکاری خدمت کے قابل نہ تھے ان سب کو فوراً وظیفہ یا انعام دیدیا جس کے وہ اپنی مدت ملازمت وغیرہ کے لحاظ سے مستحق تھے اور باقی جو سرکاری خدمات کے قابل تھے ان کی تنخواہ تاریخ تخفیف سے جاری کر کے ان کے دامنوں اور جیبوں کو روپوں سے بھر دیا اور قطعی حکم نافذ فرمایا کہ آئندہ جو جگہ جس دفتر میں خالی ہو وہ انہی لوگوں کو ان کے درجہ

اور تنخواہ اور قابلیت کے لحاظ سے دی جاوے اور یہ کہ کوئی نیا شخص کسی چھوٹی خدمت پر بھی بغیر نواب مدار المہام کی خاص منظوری کے اس وقت تک مقرر نہ کیا جاوے جب تک وہی تخفیف یافتگان مذکورۂ بالا سب کے سب مقرر نہ ہولیں - پھر جس ہمت اور حوصلہ کے ساتھ یہ حکم جاری کیا گیا تھا اسی استقلال کے ساتھ اس کی تعمیل بھی ہوئی اور بجز اس کے کہ بعض متوفی ملازموں کے ورثائ کو ان کی لیاقتوں کے مناسب کوئی کوئی خدمت نواب مدار المہام کی خاص منظوری سے ملازمان متوفی کے پرورش اور پرداخت کے لحاظ سے دی گئی ہو جو کہ ایک مہذب وطن دوست حکمرانی کا لازمہ تھا اور کسی نئے شخص کے تقرر کے واسطے شاذ ونادر ہی وجوہ بہم پہونچ سکی ہوں گی - نتیجہ یہ تھا کہ بہت زیادہ زمانہ گذرنے نہ پایا تھا کہ قریباً قریباً تمام ان تخفیف یافتوں کو خدمتیں مل گیئں جو سرکاری خدمات کی انجام دہی کے لیئے ہر طرح قابل تھے - اور اس طرح پر ایک طرف صدہا محض بے وسیلہ اشخاص اپنی روزی سے لگ گئے اور دوسری طرف خزانہ عامرہ ان کے ماہوارات کے بارسے سبکدوش ہو گیا اور جس وقت گورنمنٹ کو مولوی یوسف الدین صاحب کے مناسب جگہ مل گئی تو ضلع محبوب نگر کی تعلقداری جو ان کی ماہواری زمانہ تخفیف کے مساوی تھی تو اس پر ان کا ہی تقرر ایک ہزار روپیہ ماہوار پر کر دیا گیا اور جو ماہوار کہ وہ زمانہ تخفیف میں پا رہے تھے وہ بند کر دی گئی - پوری طرح یاد نہیں کہ وہ صرف خاص کی ماہوار تھی یا دیوانی کے علاقہ کی -

۱۰- میں نے تخفیف یافتوں کے اس انتظام کو کسی قدر اس موقع پر اس لئے تفصیل سے بیان کر دیا ہے کہ لوگ اس بات کو دیکھیں کہ مولوی سید یوسف الدین صاحب کی نسبت جن حالات میں کوئی ماہوار بند کی گئی اور وہ حیدر آباد کے ضلع پر بھیج دیئے گئے اُن کو یہ بھی معلوم رہے کہ جن حالات میں یہ کارروائی ہوئی وہ کیا حالات تھے - اور کیا حالات اس اطمینان دلانے کے لئے کافی نہیں ہیں کہ جو برتاؤ مولوی صاحب کی نسبت اس وقت گورنمنٹ کی طرف سے ہوا وہ صرف ایک ایسا برتاؤ تھا جو ان کے قسم کے اور صدہا ملازمین کے ساتھ عین اس وقت میں برتا گیا تھا اور برتا جا رہا تھا خاص قسم کا برتاؤ ممکن نہ تھا جس کو خواہ مخواہ ہی دوسری طرح

سمجھ لیا جاوے اور یہ بات ہی دوسری ہے جو کسی چیز کو دیکھنے سے پہلے آنکھوں پر سیاہ عینک لگالی جاوے جس کے بعد نہایت صاف اور شفاف سفید رنگ بھی سیاہ ہی نظر آوے گا۔

۱۱۔ اب مذکورۂ بالا واقعات اور حالات سے قطع نظر کر کے اگر تھوڑی سی عقل سے کام لیا جاوے تو بھی صاف طور پر ثابت ہو سکے گا کہ جو شکایت پیش کی گئی ہے وہ قطعی بے اصل ہے فرض کرو کہ فی الواقع وہ کوئی ایسی دستاویز ہے جس سے مجھکو ضرر پہونچ سکتا تھا اس کو مولوی یوسف الدین صاحب (نے) جائز معاملہ کے لئے کسی نہ کسی (طرح) حاصل کر لیا تھا اور وہ اُن کے قبضہ میں تھی تو اس صورت میں کیا اُن کا یہ تقرر تعلقداری محبوب نگر پر میری طرف سے بطور رشوت یا بطور خوشامد کے تھا تاکہ مولوی صاحب موصوف اس دستاویز کے ذریعہ سے مجھکو کوئی نقصان نہ پہونچاویں۔ یہ تو نہ تھا۔ مگر آپ کے نامہ نگار صاحب جو از سر تا پا مولوی سید یوسف الدین صاحب کا جامہ پہنے ہوئے ہیں آج تک اس تقرر کے شاکی معلوم ہوتے ہیں اور جب کہ باوجود اس تقرر کے بھی مولوی صاحب نے وہ خط مجھ کو حوالہ نہ کیا تو صریح ظاہر ہے کہ ان کے تقرر کی کارروائی ان کے واسطے میری طرف سے کوئی رشوت یا خوشامد نہ تھی تو پھر کیا وہ کارروائی کوئی سزا تھی یا ایک تازیانہ اس پاداش میں کہ کیوں انہوں نے اس خط کو ظاہر کیا تھا اور یا وہ ایک ایسی پالیسی تھی اس مقصد سے کہ موصوف جب باہر کسی ضلع میں چلے جاویں گے تو پھر وہ اور زیادہ لوگوں کو وہ خط نہ دکھلا سکیں گے۔ لیکن اگر کسی شخص میں ذرا سی بھی عقل اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی انصاف ہوگا تو وہ اس دوسرے سوال کا جواب بھی نفی میں پاوے گا۔ محبوب نگر کوئی جزیرہ انڈمان سے بڑھ کر کوئی ایسا مقام نہیں ہے جہاں آدمی ایک دفعہ جا کر پھر وہاں سے زندہ واپس نہیں پھر سکتا اور یہ کہ وہاں ڈاک ہے نہ کوئی دوسرا ذریعہ آمد و رفت اور نہ وہ کوئی ایسا لامعلوم ٹاپو ہے جہاں سال کے کسی موسم میں کوئی جہاز تک گذر نہیں سکتا۔ مولوی سید یوسف الدین صاحب کے واسطے کون امر مانع ہو سکتا تھا جس سے وہ اپنے تقرر پر عہدہ تعلقداری محبوب نگر کے بعد مجھکو ضرر پہونچانے پر قادر نہو سکتے تھے۔ میرے درجہ کے آدمی کے لئے اس سے زیادہ اور کون سی بے عقلی کی کارروائی

ہوتی جو ایک ایسے اعلیٰ عہدہ۔۔۔۔ اور ایک ایسے مضبوط اور مستقل مزاج اور سخت طبیعت کے شخص کے غصّہ کو اپنی نسبت بھڑکاتا جس نے باوجود میرے مانگنے کے بھی مجھ کو اس خط کے دینے سے صاف انکار کر دیا تھا اور اگر بد قسمتی سے میں ایسی بے عقلی کا کام کر بھی بیٹھا تھا تو کیا اب تک میں اس کا نتیجہ برداشت نہ کر چکتا اور کم از کم یہ کہ اگر اس خط میں کچھ بھی تاثیر مجھ کو ضرر پہونچانے کی ہوتی تو اب تک وہ کبھی کا پبلک کے سامنے پہونچ چکا ہوتا نہ یہ کہ عنقا کی طرح جب کسی نے سُنا اس کا نام ہی نام سننے میں آیا دگر ہیچ۔

۱۲- بات حقیقت میں صرف اس قدر ہے کہ جن صاحبوں نے اول اول میرے اس خط کو حاصل کیا انہوں نے جب کہ اس خط کی ظاہر عبارت دیکھی تو اپنے نفوس قدسیہ پر قیاس کر کے کچھ اس قسم کا نتیجہ اس سے نکالا ہوگا جیسا کہ ابتدا (میں) انہوں نے اس کو بعض اشخاص کے سامنے ظاہر کیا مگر جب ہی کہ ان کو اس کی اصل کیفیت معلوم ہو گئی تو پھر انہوں اس کو پبلک میں لانا بے کار سمجھا- تاہم معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس مشہور مقولہ پر عمل کر کے کہ داشتہ آید بکار، ابھی تک اس کو لگائے رکھا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے- ابھی حال میں اور میرے ہی وطن امروہہ میں ایک شخص نے راستہ چلتے کوئی ایک پتھر پایا جس پر یرقان وغیرہ کا کوئی زرد رنگ لگا ہوا تھا- اس نے سمجھا کہ یہ قیمتی چیز اس کے ہاتھ لگی ہے اور بعض خوش مذاق لوگوں نے اس کی قیمت بھی سیکڑوں سے بڑھ کر رفتہ رفتہ ہزاروں تک پہونچا دی اور اس کو یقین دلایا گیا کہ اگر احتیاط سے اس کو فروخت کیا جاوے گا تو یہ چیز خریدنے والوں کے واسطے لاکھوں میں بھی سستی ہے- غرضکہ چند روز تک خوب خوب بولیاں اس پر بولی جاتی رہیں مگر بالآخر اس کے قابض کو معلوم ہونے لگا کہ اس کے ساتھ مذاق ہو رہا ہے اور چیز ویز کچھ بھی نہیں ہے لیکن باوجود اس کے کہ اب اچھی طرح اس کو معاملہ کی حقیقت منکشف ہو گئی ہے تاہم اس چیز کو جس نے ایک وقت میں اس کو ایسی بڑی بڑی توقعات دلائی تھیں کتنے حسرت بھرے دل کے ساتھ اپنے پاس اس کو محفوظ رکھتا ہے اور ہرگز اس کو جدا کرنا

پسند نہیں کرتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ بجنسہ وہی کیفیت ان صاحبوں کے ہاتھ میرے اس خط کی ہو رہی ہے اور مجھ کو اب تک معلوم نہیں کہ مولوی سید یوسف الدین صاحب کا تعلق حقیقت میں اس خط سے کچھ رہا ہے یا نہیں یہ نام میں نے اس خط کے متعلق کبھی نہیں سنا تھا اور جو نام کہ اس خط کی شہرت کے متعلق سنا گیا تھا وہ ایک اور صاحب کا نام تھا جن کو نواب عماد السلطنت مرحوم کے پاس اعلیٰ درجہ کا تقرب حاصل تھا۔ نہ کہ مولوی یوسف الدین صاحب کا۔ لیکن الغیب عند اللہ اگر آپ کے نامہ نگار مولوی صاحب کے کوئی رازدار ہیں تو بے شک یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ[107]......

وہ مضمون بھی جناب ممدوح کے علم اور ایماء سے لکھا گیا اور جناب ممدوح ہی خیر سے وہ شخص تھے جنھوں نے اس خط کو ابتداءً کسی نہ کسی طرح پر حاصل کیا تھا اور یہ کہ اب تک بھی وہ خط ان کے قبضہ میں ہے۔ اور اگر ایسا ہے تو بلی کو اب تھیلے سے باہر نکل آنا چاہئیے اور خواہ بہ حیثیت ایک حملہ آور شخص کے خواہ دوسری جس حیثیت سے کہ ان کو مناسب معلوم ہو اس خط کو پبلک کے سامنے پیش کریں اور جو کچھ اس سے ثابت کر سکتے ہوں وہ ثابت کریں۔

۱۳۔ دوسرا ایک مضمون میری نسبت آپ کے ۱۹ مارچ ۱۸۹۶ء کے اخبار میں اس عنوان کے تحت کہ "مولوی مشتاق حسین صاحب" چھاپا گیا ہے۔ اس میں آپ کے نامہ نگار صاحب نے میری نسبت فرد قرار داد جرائم لکھنے میں اپنے نزدیک کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن بایں ہمہ کوہ کندن و ایک پرِ کاہ بھی اپنے مدعا کے ثبوت میں پبلک کے سامنے پیش نہ کر سکے۔ فارجع البصر هل ترىٰ من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئاً وهو حسیر[108]، اور مجھ کو آپ کے ان نامہ نگار صاحب کے جواب میں اس کے سوا

---

[107] یہ حصہ عبارت صاف طور پر پڑھا نہیں جا رہا۔

[108] ترجمہ:۔ پھر دوبارہ نگاہ کر۔ کہیں نظر آتی ہے تجھ کو دراڑ۔ پھر لوٹا کر نگاہ کر دو دو بار۔ پلٹ آئے گی۔ تیرے پاس نگاہ رد ہو کر۔ تھک کر (پارہ ۲۹۔ سورۃ الملک۔ قرآن مجید ترجمہ شیخ الہند محمود حسن اور مولانا شبیر احمد۔ مطبوعہ مدینہ پریس۔ بجنور ۱۳۵۷ ہجری صفحہ 729۔ مولف۔

اور کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آنانکہ حساب پاک دارند از محاسبہ باکے ندارند۔

۱۴۔ آخر میں آپ اپنی خدمت میں بھی مجھ کو کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجئے اور معاف فرمائیے اگر میں یہ کہوں کہ آپ کے ان وعدوں پر جو آپ نے اپنے اخبار کے اجرا کے وقت پبلک کے سامنے کئے تھے کچھ بہت زمانہ نہیں گزرا ہے لیکن کیا ان کا یہی ایفا ہے جو آپ فرما رہے ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے مہربانی سے آپ اپنی قانونی ذمہ داری پر بھی غور کریں۔ دو پتھر اور ایک لکڑی کی کل کے ذریعہ سے یہ منصب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا کہ اناپ شناپ جس شخص کی نسبت جو جی میں آئے لکھ مارے۔ نہ گھاٹی دیکھے اور نہ خندق اور کسی اخبار کے مالک کی ذمہ داری اس سے مطلق کم نہیں ہوتی کہ مضمون مابہ البحث اس کا اپنا لکھا ہوا نہیں ہے اور کسی نامہ نگار کا ہے اور اب مجھ کو دیکھنا ہے کہ آپ اپنی حفاظت کا کون سا طریقہ کام میں لانا مناسب سمجھتے ہیں۔ والسلام۔ من اتبع الہدیٰ

خاکسار۔ مشتاق حسین وقار الملک۔

سابق معتمد مالگذاری سرکار عالی حیدر آباد دکن

(مخفی نہ رہے کہ نواب وقار الملک بہادر مرحوم کے مندرجہ بالا بیان کی تائید اس مضمون سے بھی ہوتی ہے جو کتاب "سوانح عمری نواب سر آسمان جاہ مرحوم" کے صفحات ۱۸۴ تا ۱۸۶ پر زیر عنوان "انتظام تخفیف یافتگان" درج کیا گیا ہے۔ اور جس کو تیج رائے جیو صاحب مہتمم خزانہ متفرقات سرکار پائیگاہ نواب سر آسمان جاہ بہادر ریاست نظام نے ۱۳۱۲ ہجری میں مرتب و شائع کیا ہے۔ یہ کتاب غالباً کتب خانہ سالار جنگ بہادر۔ کتب خانہ آصفیہ اور پائیگاہ آسمان جاہی کے کتب خانہ حیدر آباد دکن میں بہ آسانی دستیاب ہو سکتی ہے۔ ہم کو مولوی حسین احمد زبیری صاحب کے مشہور کتب خانہ میں یہ کتاب مولوی امداد احمد زبیری صاحب بی اے (علیگ) نے جو ان کے برادر خورد ہیں مہربانی سے بمقام میرٹھ پڑھنے کو عنایت فرمائی تھی۔ مؤلف)

"کارنامہ سروری"

اب ہم آپ کو ریاست حیدر آباد دکن کے ایک دلچسپ اور سبق آموز باب سے روشناس کرواتے ہیں -

"نواب سرور الملک کے تین متضاد بیانات"

(۱) سرور الملک سرور الدولہ نواب آغا مرزا بیگ خاں بہادر سرور جنگ مرحوم و مغفور کو حضور پُر نور اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں نظام دکن خلد آشیاں کی استادی کا شرف حاصل تھا اور نہایت رسوخ یافتہ تھے - موصوف کی سوانح خود نوشت جو کارنامہ سروری[109] کے نام سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی ہے اُردو زبان میں ایک قابل قدر اضافہ ہے مگر جن واقعات کا اس میں اظہار کیا گیا ہے ان میں کے بعض واقعات تضاد بیانی سے متاثر پائے جاتے ہیں - چونکہ ہمارے ان صفحات کا بنیادی تعلق نواب وقار الملک بہادر مرحوم سے ہے اس لئے جو متضاد بیانات ان مرحوم کے متعلق نواب سرور الملک بہادر نے دئے ہیں ان کا تجزیہ یہاں پر کرنا ضروری پایا جاتا ہے -

جو کتاب "وقار حیات"[110] آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس - علی گڑھ کی طرف سے شائع ہوئی ہے اس میں نواب وقار الملک کی ایک عرض داشت موسومہ حضور نظام میر محبوب علی خاں بہادر خلد آشیاں درج ہے - اس سلسلہ میں مولوی محمد امین زبیری صاحب مرحوم نے اپنی کتاب "تذکرہ وقار"[111] کے صفحات ۷۴ و ۷۵ پر حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے -

"نواب وقار الملک اگرچہ حیدر آباد سے نہایت کامیابی کے ساتھ اور تمام عمر کے لئے فکر معاش سے

---

۱۰۹ مطبوعہ مطبع مسلم یونیورسٹی ۱۳۵۲ ہجری / ۱۹۳۳ء بمقام علی گڑھ -

۱۱۰ مطبوعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۳۴۴ ہجری / ۱۹۲۵ء -

۱۱۱ مطبوعہ عزیزی پریس - آگرہ ۱۳۵۷ ہجری / ۱۹۳۸ء -

مستغنی ہو کر سبکدوش ہوئے تھے لیکن آخر دور میں اعلیٰ حضرت کے اعتماد زائل ہونے کے صدمہ نے ان کی روح کو ہمیشہ بے چین رکھا اور یہ بے چینی اس لئے اور بھی سخت تھی کہ ان کو ازالہ اعتماد کا سبب معلوم نہ ہو سکا حتیٰ کہ اس کا پتہ تو اس حکم میں بھی جو استعفے پر صادر ہوا تھا "موجود نہ تھا۔"

نواب وقار الملک کی اس عرضداشت کا متعلقہ فقرہ کتاب "وقار حیات" کے صفحہ ۳۵۶ سے اب پیش کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ عرضداشت امروہہ سے ۸ ۱۸۹ء میں بماہ اکتوبر روانہ کی گئی تھی۔ "دسمبر گذشتہ میں جب کہ فدوی اپنی بیوہ بہو مسز محمد احمد کو انگلستان رخصت کرنے کی غرض سے بمبئی گیا ہوا تھا تو وہاں سے واپسی کے وقت علی گڑھ کے مقام پر نواب سرور الملک بہادر سے فدوی کی ملاقات ہوئی اور پندرہ سولہ گھنٹہ فدوی اور وہ ایک ہی جگہ رہے اور اس عرصہ میں سب ہی قسم کی باتیں اُن سے رہیں۔ اسی وقت میں جب کہ فدوی ان سے یہ ذکر کر رہا تھا کہ اصل وجہ حضرت ظل سبحانی کی ناخوشی خاطر کی مجھ کو اب تک معلوم نہیں ہو سکی کہ کیا تھی تو انہوں نے بے ساختہ جواب دیا کہ وہی سیزدہ سالہ رپورٹ جو نواب سر آسمان جاہ بہادر کی مدار المہامی میں ریاست کے مداخل و مخارج کی نسبت مرتب ہو کر سر ڈینس فز پیٹرک[۱۱۲] صاحب کو دی گئی اور اس میں حضرت کی فضول خرچیوں کا ثبوت بہم پہونچایا گیا تھا وہی رپورٹ تمہاری نسبت حضرت ظل سبحانی کی ناخوشی کی بنیاد تھی۔ نواب سرور الملک بہادر کی یہ صاف صاف تقریر اور ان کا بے تصنع لب و لہجہ ایسا تھا کہ جو کچھ انہوں نے کہا فدوی کے دل میں بیٹھ گیا اور اپنے دل میں فدوی نے کہا کہ الحمد للہ مرض تشخیص میں آگیا ہے اور بظاہر میں فدوی نے اپنی حالت اس وقت ایسی قایم رکھی کہ گویا نئی بات معلوم نہیں ہوئی اور اب فدوی نہایت

---

[۱۱۲] SIR DENIS FITZPTRICK ان دنوں حیدرآباد میں ریزیڈنٹ تھے۔ مؤلف

ادب سے یہ عرض کرتا ہے کہ اس سیزدہ سالہ رپورٹ کے معاملہ میں فدوی ذرہ برابر بھی قصور وار نہیں ہے۔"

اسی واقعہ کے متعلق مولوی محمد ابن زبیری صاحب مرحوم وظیفہ یاب مہتمم تاریخ حکومت بھوپال کی کتاب "تذکرہ وقار" کے صفحات ۷۶ تا ۷۸ کی یہ عبارت اب ملاحظہ ہو۔

"مولف تذکرہ جبکہ ۱۹۱۸ء میں مفصل سوانح عمری کا مواد جمع کر رہا تھا لکھنؤ میں مولوی ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر کی معیت میں نواب سرور جنگ سے ملا اور ان سے بعض حالات اور بالخصوص اعلیٰ حضرت کی ناراضی کے اسباب دریافت کئے تو نواب صاحب موصوف نے جو کچھ بیان کیا وہ یہ تھا کہ۔

"جب مولوی مشتاق حسین نے وزیر اعظم کی وساطت سے اپنا استعفےٰ بھیجا تو حضور نظام نے مطلقاً کسی کو اس کی اطلاع نہیں دی لیکن جب امپریل سروس ٹروپس کا معاملہ ہوا تو خود اعلیٰ حضرت نے اس عرضداشت کا جس کے ساتھ درخواست پیش ہوئی تھی ایک نہایت طولانی جواب لکھا جو نہایت سخت تھا۔ امپریل سروس ٹروپس کا مسئلہ گورنمنٹ آف انڈیا اور گورنمنٹ نظام کے مابین درپیش تھا۔ مولوی مشتاق حسین صاحب نے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ تجویزیں وقتاً فوقتاً سرکار انگریزی کو بھیجیں ان میں اگرچہ کہ اس امر کا برابر اعتراف کیا کہ نظام گورنمنٹ امپریل سروس ٹروپس دے گی مگر کچھ ایسی پیچیدگیاں پیدا کی تھیں کہ یہ مسئلہ طے نہیں ہوتا تھا۔ جب لارڈ لینسڈاون[۱۱۳] حیدرآباد کی وزٹ کے لئے روانہ ہوئے اور پونا تک پہونچ چکے تو میں نے حضور نظام سے عرض کیا کہ اس مسئلہ کا تصفیہ لارڈ لینسڈاون کے آنے سے قبل ہو جائے تاکہ ان کو اس بارہ میں کہنے کا موقع نہ ملے۔ حضور نے کہا کہ پہلے ریزیڈنٹ سے دریافت کرو کہ لارڈ لینسڈاون

۱۱۳؎ والیسرائے ہند (LORD LANSDOWN) ۔مولف۔

جو حیدر آباد آرہے ہیں اس مسئلہ کو تو نہ چھیڑیں گے مگر دریافت کرنے پر ریزیڈنٹ نے کہا کہ وہ تو خاص اسی مسئلہ کو طے کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ حضور نظام نے یہ سُن کر مثل طلب کی اور مجھے دیکھنے کے لئے کہا۔ میں نے اس کو دیکھ کر عرض کیا کہ اس میں ہر جگہ ٹرولیس دئے جانے کا وعدہ ہے لیکن مولوی مشتاق حسین نے پیچیدگیاں بہت ڈال دی ہیں۔ اس اطلاع سے حضور برافروختہ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ سولہ سو سوار دے جاویں گے اور ریزیڈنٹ کو بھی بلا کر اطلاع کر دی۔ .... اس کے بعد وقار الامرا کو لکھا گیا کہ مولوی مشتاق حسین سے جواب طلب کر کے پیش کریں مگر قبل اس کے کہ جواب پیش ہو حضور نے یہ خیال کر کے کہ لارڈ لینسڈاون آرہے ہیں اور ممکن ہے کہ سیکرٹریوں سے بلا کر گفتگو کریں رات کو حکم دیا کہ مولوی مشتاق حسین لارڈ لینسڈاون کے آنے سے قبل ہی بلدہ سے روانہ ہو جائیں"۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ نواب سرور الملک بہادر کا یہ بیان اس بیان سے بالکل مختلف ہے جو انہوں نے وجہ ناراضگی حضور نظام کے متعلق خود نواب وقار الملک کو دیا ہے۔ یہی نہیں۔ بلکہ "کارنامہ سروری" کے صفحہ ۳۱۹ پر نواب محسن الملک پر خود کو رشوت دینے کے الزام کا حوالہ دیکر نواب سرور الملک تحریر فرماتے ہیں کہ "جب سب بیانات داخل ہو گئے تو حضور پر نور نے مسٹر پلاوڈن[۱۱۴] کو طلب کیا میں تو بری کیا گیا مولانا[۱۱۵] کو حکم جلد ممالک محروسہ سرکار عالی سے نکل جانے کا ہوا مہدی حسن فتح نواز جنگ یہ حال دیکھ کر مع میم صاحبہ لکھنؤ روانہ ہوئے اور مولوی مشتاق حسین شہر بدر کئے گئے۔ سر آسمان جاہ بے گناہ خدمت وزارت سے معزول ہو گئے" بہ الفاظ دیگر نواب سرور الملک بہادر ایک ہی معاملہ کے متعلق دسمبر ۱۸۹۷ء میں بمقام علی گڑھ نواب وقار الملک بہادر سے ایک وجہ بیان فرماتے ہیں۔ مولوی محمد امین زبیری صاحب سے بموجودگی مولوی ظفر الملک علوی صاحب اکیس سال بعد ۱۹۱۸ء میں بمقام لکھنؤ بالکل دوسری وجہ ظاہر فرماتے ہیں اور پھر خود اپنی کتاب "کارنامہ سروری" میں نواب سرور الملک بہادر نواب وقار الملک کی علٰحدگی کو نواب محسن الملک

---

[۱۱۴] ان دنوں ریزیڈنٹ تھے۔ [۱۱۵] نواب محسن الملک سے مراد ہے۔ مؤلف

بہادر پر خود کو رشوت دینے کے الزام سے مربوط کر دیتے ہیں - رشوت دینے کا یہ تذکرہ "کارنامہ سروری" کے صفحہ ۳۰۹ سے شروع کر صفحہ ۳۱۹ پر ختم ہوتا ہے لیکن ان گیارہ صفحات میں کسی جگہ بھی وقار الملک کا مطلق کوئی ذکر نہیں ہوا ہے اور بس ایک دم آخری سطور میں "مولوی مشتاق حسین شہر بدر کئے گئے" کے الفاظ ہماری نظر کے سامنے آجاتے ہیں -

ایک اور بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا فقرہ "میں تو بری کیا گیا.......... معزول ہو گئے" سے یہی ظاہر پڑتا ہے کہ نواب محسن الملک نواب فتح نواز جنگ مولوی مشتاق حسین اور نواب سر آسمان جاہ بہادر چاروں کے چاروں اس رشوت میں ملوث ہوئے اور اپنے عہدوں سے فوراً الگ کر دیئے گئے مگر واقعہ یہ ہے کہ مولوی مشتاق حسین وقار الملک کا تقریباً ایک ماہ پہلے کا پیش کردہ استعفے ۲۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۸۹۲ء کو منظور ہوا اور انہوں نے ۲۳ اکتوبر کو حیدر آباد کو الوداع کہا[116] مگر نواب محسن الملک اس کے بعد نہ صرف وہیں مقیم رہے بلکہ نواب سر آسمان جاہ بہادر کے معتمد علیہ کے طور پر کار سرکاری انجام دیتے رہے اور یکم محرم سنہ ۱۳۱۱ھ[117] مطابق ۱۵ جولائی سنہ ۱۸۹۳ء کو نواب وقار الملک کی روانگی کے تقریباً نو ماہ کے بعد حیدر آباد سے رخصت ہوئے - نواب فتح نواز جنگ بہادر کی حیدر آباد سے علیحدگی بتاریخ ۲۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۰ھ[118] مطابق ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۸۹۲ء ذریعہ فرمان مبارک مولوی مشتاق حسین صاحب کے ساتھ عمل میں آئی اور نواب سر آسمان جاہ بہادر نواب محسن الملک کی روانگی کے پانچ مہینے بعد ۷ جمادی الاول[119] سنہ ۱۳۱۱ھ مطابق سنہ ۱۸۹۳ء کو اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوئے - واقعات مندرجہ بالا سے ظاہر ہوگا کہ جو تاثر نواب سرور الملک پیدا کرنا چاہ رہے ہیں وہ درست نہیں ہے، ناظرین غور فرمائیں کہ کیا ایک ایسے شخص کو

---

116 کتاب "وقار حیات" صفحہ ۳۱۰ -

117 کتاب "کارنامہ سروری" نوٹ نمبر ا صفحہ 319

118 " وقار حیات" صفحہ ۳۰۹ -

119 کتاب "کارنامہ سروری" نوٹ نمبر ۲ صفحہ ۳۱۹ - مؤلف -

جس پر رشوت کا الزام ثابت ہو چکا ہے اور جس کی علیحدگی کے احکام اعلیٰ حضرت جاری فرما چکے ہیں وزیر اعظم کا دست راست بن کر تقریباً ایک سال تک کام کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ پھر اس جگہ آپ اُس تار کو بھی ملاحظہ فرمائیں جو نواب محسن الملک بہادر کی وفات کی اطلاع ملنے پر حیدرآباد دکن سے بطور تعزیت کے قائم مقام سیکریٹری ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم کے نام پر علی گڑھ بھیجا گیا تھا اور جس کا ترجمہ اب پیش ہے۔

"حضور نظام نے نہایت ہی رنج کے ساتھ اپنے قدیم ملازم محسن الملک بہادر کے انتقال کی افسوسناک خبر سُنی اور مجھے حکم دیا ہے (پرائیویٹ سکریٹری سے مراد ہے) کہ میں آپ سے درخواست کروں کہ آپ مہربانی سے ٹرسٹیان، اسٹاف اور طلبائے مدرسۃ العلوم کو ہز ہائی نس کی دلی تعزیت ان کے اس عظیم نقصان کی بابت پہنچا دیں۔

میں یہ بھی اطلاع دے سکتا ہوں کہ نواب مرحوم نے جو ملکی خدمات حیدرآباد کی اور جو تعلیمی خدمات مسلمانوں کی انجام دی ہیں ان کی نسبت اظہار پسندیدگی کے طور پر ہز ہائی نس نے تین سو روپیہ ماہوار وظیفہ تاحین حیات نواب صاحب مرحوم کی بیوہ کے لئے پہلے ہی منظور فرما لیا ہے۔"

(منقول از کتاب "تذکرہ محسن" مرتبہ مولوی محمد امین زبیری صاحب مرحوم صفحہ ۲۵۹)

اگر نواب محسن الملک کی ریاست نظام سے علیحدگی ایک سازش کا نتیجہ ہوتی اور واقعی وہ مرحوم رشوت کی وہی روسیاہی لے کر دکن سے رخصت ہوئے ہوتے جس کا ذکر اس شد و مد کے ساتھ نواب سرور الملک بہادر نے اپنے صفحات میں کیا ہے تو کیا اعلیٰ حضرت حضور نظام نواب میر محبوب علی خاں بہادر غفران مآب ایسا ہی رنج و افسوس ظاہر کرتے اور جذبات سے اتنا بھرا ہوا پیام تعزیت روانہ فرماتے۔

کام کیا کرتے تھے یہاں پر نواب محسن الملک بہادر کے ایک خط کا فقرہ جو نواب وقار الملک کا موسومہ ہے نقل کیا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آخر الذکر کی روانگی کے بعد بھی جو خدمت محسن الملک بہادر نو ماہ تک انجام دیتے رہے اس کی نوعیت کس قدر اہم تھی۔ حیدر آباد دکن ۲۰ رجمادی الثانی سنہ ۱۳۱۱ھ .... اب ہمارا حال سنئے کہ نواب صاحب[120] نے مجھ پر پورا اعتماد کیا اور آپ کے بعد مجھ سے زیادہ کسی کو اپنے کام کے لایق نہ جانا اور مجھ سے کام لیا اور میں نے بھی نہایت وفاداری اور خیر خواہی سے اپنا فرض ادا کیا اور اپنے آپ کو ریاست کے کام میں وقف کر دیا مگر کچھ ایسی پڑ گئیں کہ اب تک کوئی سعی پوری نہ ہوئی اور نہ اطمینان حاصل ہوا۔ کوشش بدستور جاری ہے اور حضرت اقدس و اعلیٰ کے احکام کی تعمیل اور مرضی مبارک کے مطابق کام کرنے میں ہم سب سرگرم ہیں۔ کیا عجب ہے کہ نواب صاحب کی وفاداری اور اطاعت اپنا نیک نتیجہ دکھائے اور شورش بند ہو جائے۔ ورنہ بہت جلد بندہ بھی پہنچتا ہے اور علی گڑھ میں آکر ملتا ہے .... محسن الملک[131]

اب قارئین کرام ہی تصفیہ فرمائیں کہ جو تضاد ہم نے دکھلایا ہے آیا وہ تضاد ان مختلف بیانات سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ ہماری نظر اس تضاد پر پڑی تو محسوس ہوا کہ جب ایک ایسے اہم معاملہ میں بلا ضرورت نواب سرور الملک بہادر اس طرح پر مختلف باتیں بیان کر سکتے ہیں تو ان کے دوسرے الزامات اور بیانات بھی مجروح و مشتبہ قرار پائیں گے۔ اس لئے ہم نے بعض اور بیانات کو بھی جانچا اور پرکھا تو یہی صورت حال نظر آئی اور اس کا تفصیلی حال آگے درج کیا جاتا ہے۔

---

[120] نواب سر آسمان جاہ بہادر کی طرف اشارہ ہے۔

[131] کتاب "مکاتیب" مرتبہ مولوی محمد امین زبیری صاحب مارہروی مطبوعہ شمسی مشین پریس آگرہ صفحہ ۳۲ سے نقل کیا گیا۔ مؤلف۔

نواب وقار الملک کو امپریل سروس ٹروپس کا غلط طور پر ذمہ دار قرار دینا

(۲) "کارنامہ سروری" کے صفحہ ۳۱۹ تا ۳۲۲ پر حسب ذیل عبارت درج ہے۔

"کرنل مارشل کے وقت میں ایک تگڈم یعنی حکومت ثلاثہ قایم ہوئی۔ کرنل مارشل نواب افسر جنگ بہادر اور سید عبدالحق دلیر جنگ بہادر رکن اس تگڈم کے ہوئے اور باہم یہ رائے قرار پائی کہ معلوم نہیں کہ آسمان جاہ بہادر کے وقت میں یہ فلک کج رفتار کیا رنگ بدلے۔ کوئی کام ہم کو ایسا کرنا چاہئیے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ہماری ممنون ہو جائے پھر ہم کو کون اکھاڑ سکتا ہے۔ پس ایک خط حضور پر نور کی طرف سے صدر صوبہ دار اقلیم ہند یعنی نواب گورنر جنرل وایسرائے بہادر کو لکھا گیا کہ ہم سرحد افغانستان کے انتظامی اخراجات کے واسطے اس قدر رقم پیش کش کرتے ہیں۔ اس راز سے صرف دو بیرونی شخص واقف تھے ایک نواب محسن الملک دوسرے مسٹر فردون جی[۱۲۲] (جن کو نواب محسن الملک نے اپنی ذاتی اغراض کے واسطے کرنل مارشل کے پاس مقرر کیا تھا) چنانچہ گورنمنٹ آف انڈیا نے بجائے نقد امداد کے فوجی امداد قبول کر لی اور اس کا نام امپریل سروس فورس (افواج خدمت شاہی) رکھا گیا مگر یہ فلک بازی گر اپنی رفتار سے کیا باز آتا تھا۔ نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین خاں بہادر نے اپنے زمانہ میں پہلا کام یہ کیا کہ کرنل صاحب کو انگشت شم قرار دے کر ریل پر سوار کر دیا۔ سر عبدالحق کہ سالہائے دراز سے رقیب نواب محسن الملک کے تھے اور ہر موقع پر ان کو نیچا دکھاتے تھے بالآخر بمبئی کے ہوٹل کے منیجر بنا دئے گئے۔ یہ تو سب کچھ ہوا مگر ریاست پر بار عظیم پڑ گیا اور وزرائے کوچک[۱۲۳] کی ہمت عالی ادھر مصروف ہوئی

---

۱۲۲ پارسی نژاد یہ صاحب آگے چل کر محض اپنی ذاتی قابلیت سے سلسلہ بہ سلسلہ ترقی کرتے ہوئے ریاست نظام کے عہدہ وزارت پر فائز ہوئے اور نواب فریدوں ملک فریدوں جنگ کے خطاب سے سرفراز فرمائے گئے۔

۱۲۳ جہاں جہاں وزرائے کوچک کے الفاظ آئے ہیں ان سے مراد وقار الملک اور فتح نواز جنگ ہیں۔ مؤلف۔

کہ اس بارِ عظیم سے ریاست کو بچا لینا چاہئے مگر راستہ غلط چلے ۔ دلیرانہ انکار کے عوض گورنمنٹ کے ہر تقاضہ پر ہاں جی ہاں کہتے اور معاملہ کو ڈھیل میں ڈالتے جاتے تھے یہاں تک کہ مسٹر پلاؤڈن کا عہدہ سفارت آگیا اور وزارت درہم برہم ہوگئی ادھر گورنمنٹ آف انڈیا کو ہاں جی ہاں جی کی روش پر غصہ آگیا اور آخیر مراسلات اُن کے یہ آئے کہ آپ خود تو بانی اس فوج کے قیام کے ہوئے اور دیگر ریاست ہائے اقلیم ہند نے پیش قدمی کر کے فوجیں مرتب کرلیں مگر آپ ہاں جی ہاں جی کہتے ہوئے سب سے پیچھے رہ گئے اور اب تک کوئی کارروائی نہیں کی گئی لہٰذا صدر صوبہ دار اقلیم ہند[۱۲۴] بذات خود حیدرآباد میں آکر اس لیت و لعل کو ختم کردیتے ہیں ان مراسلات کو ان حضرات اور نواب وقارالامراء وزیر فوج نے چھپا رکھا تھا اور حضور پُرنور کو اس کی اطلاع بھی نہ تھی ۔ اتفاقاً مسٹر پلاؤڈن نے اس کا ذکر مجھ سے کیا اور کہا کہ میں دوستانہ کہتا ہوں کہ ہز ہائینس جلد اس کا فیصلہ فرما دیں ۔ کب تک یہ ہوتا رہے گا کہ ہماری ریاست بڑی ہے لہٰذا ہم اپنی قدر و منزلت کے موافق افواج دیں گے اور اس کے واسطے ہماری مالی حالت اس وقت مناسب نہیں ہے ۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایک طرف ہوم گورنمنٹ اب صبر نہیں کرسکتی اور لارڈ لینسڈاون جو آرہے ہیں وہ بہت ناراضی کی حالت میں آرہے ہیں بہتر ہے کہ ہز ہائینس اس معاملہ کو ان کے آنے سے پیشتر ختم کردیں، اور تھوڑی بہت جس قدر فوج وہ مناسب حال سمجھیں نامزد کردیں ۔ میں نے کہا کہ ہز ہائینس کو مطلق اس کا علم نہیں ہے ۔ میں اس کی مثل منگوا کر اس کی کیفیت ملاحظہ اقدس میں پیش کروں گا اور اس کے بعد آپ کو اطلاع دوں گا ۔ چنانچہ مثل طلب کر کے ملاحظہ اقدس میں پیش کی ۔ فرمایا مسٹر پلاؤڈن کو کل بلالو میں خود اس معاملہ کو طے کردوں گا ۔ مسٹر پلاؤڈن نے یہ رائے دی کہ یور ہائینس اس وقت سولہ سو سوار ہم کو عنایت فرمائیں

---

[۱۲۴] وائسرائے ہند سے مراد ہے ۔ مؤلف

اور آج ہی اس مضمون کا خط ان کو لکھ بھیجیں۔ سرور جنگ نے بڑی خیر خواہی کی ہے کہ اس معاملہ سے آپ کو مطلع کر دیا ورنہ لارڈ ڈلینڈاون معلوم نہیں کیا راستہ اختیار کرتے۔ ریزیڈنٹ کے جانے کے بعد مجھ کو ارشاد ہوا کہ اس مضمون کا خط مسٹر پلاؤڈن کو فوراً لکھ بھیجو۔

یہ سن کر میرے ہوش اڑ گئے اور عرض کیا کہ سولہ سو سوار کے بار کا تحمل ریاست میں مطلق نہیں ہے اور پھر ان کی ترتیب و تہذیب گورنمنٹ کرے گی۔ کنٹنجنٹ کی مثال سامنے موجود ہے۔ امپیریل پیمانہ پر یہ فوج مرتب ہوگی۔ فرمایا اب میں اقرار کر چکا ہوں۔ اس مضمون کا خط میرے ملاحظہ میں پیش کیجئے۔ میں مغموم و محزون اپنے دفتر چلا آیا اور خیال کیا کہ عوام میں اس بدنامی کا ٹیکا میرے ماتھے پر لگے گا۔ تمام شب مجھ کو نیند نہیں آئی۔۔۔۔۔ صبح کو میں نے مسودہ لکھ کر بوقت باریابی ملاحظہ اقدس میں پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور ایک ایک لفظ اس کا بغور پڑھ لیں۔ فرمایا میں نے پڑھ لیا مضمون ٹھیک ہے اور اس پر دستخط فرمانے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ مسودہ ہے۔ میں صاف کر کے پیش کروں گا مگر ایک بار مکرر حضور اس کو ملاحظہ فرمالیں۔ دوبارہ اس کو پڑھ کر فرمایا سب ٹھیک ہے آپ صاف کر کے پیش کریں۔ میں نے اسی وقت اس کو صاف کیا اور دستخط مبارک حاصل کر کے خود اس کو مسٹر پلاوڈن کے پاس لے گیا۔ انہوں نے اس خط کو پڑھ کر کہا میرا شکریہ عرض کر دینا۔ میں اس خط کو آج ہی روانہ کئے دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ مکرر اس خط کو پڑھ لیں۔ میں ایک غریب آدمی ہوں اور معاملہ بہت بڑا ہے۔ انہوں نے دوبارہ اس کو پڑھ کر کہا کہ یقین ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے بڑا شکریہ اس خط کا آئے گا۔ اور لارڈ ڈلینڈاون کی ناراضی مبدل بہ خوشنودی ہو جائے گی۔"

یہاں ناظرین غور فرمائیں کہ حضور پر نور جب خط کے لکھنے کی ذمہ داری نواب سرور الملک بہادر پر عاید فرماتے ہیں۔ اس وقت ان کو احساس ہوتا ہے کہ "امپیریل سروس ٹروپس کے سولہ سو سوار کے بار کا تحمل ریاست میں مطلق نہیں۔" اور یہ "سن کر میرے ہوش اڑ گئے۔"

اور یہ اندیشہ دامن گیر ہوا کہ عوام میں اس بدنامی کا ٹیکا میرے ماتھے پر لگے گا چنانچہ اس پریشانی میں رات کی نیند تک غائب ہو جاتی ہے۔ لیکن جب "تذکرہ وقار" کے صفحہ ۷۷ پر نواب سرور الملک محمد امین زبیری صاحب سے بیان فرماتے ہیں کہ "حضور (نظام) نے یہ سن کر مثل طلب کی اور مجھے دیکھنے کے لئے کہا میں نے اس کو دیکھ کر عرض کیا کہ اس میں ہر جگہ ٹروپس دیئے جانے کا وعدہ ہے۔ لیکن مولوی مشتاق حسین نے پیچیدگیاں بہت ڈال دی ہیں۔ اس اطلاع سے حضور برافروختہ ہوئے" تو اس وقت اس نزاکت کا ان کو مطلق کوئی خیال نہیں ہوتا اور جب امپیریل سروس ٹروپس کی منظوری کا خط مرتب کرنے پر مجبور کر دئے جاتے ہیں۔ اس وقت احساس ذمہ داری سے متاثر ہوتے ہیں اور حضور کو اس کے روانہ کرنے سے باز رکھنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ جب ایک ذرا سا خط لکھتے وقت ان کی یہ حالت ہوتی ہے تو سوچئے کہ جس شخص کے کاندھوں پر اس اہم کارروائی کا سارا بوجھ رکھا ہوا تھا۔ اور جس کارروائی کو بقول سرور الملک بہادر "کرنل مارشل نواب افسر جنگ اور سید عبدالحق دلیر جنگ بہادر رکن اس تگڈم" نے وزیر اعظم سے بالا ہی بالا راز میں اپنے اغراض کی خاطر اعلیٰ حضرت کی طرف سے گورنمنٹ آف انڈیا کے پاس پیش کیا تھا اور جس شخص کو ریاست کی سقیم مالی حالت کا نواب سرور الملک سے بہت زیادہ اندازہ تھا اگر اس شخص نے معاملہ کو طوالت میں ڈال کر ریاست پر سے اس بلا کو ٹالنا چاہا تو کیا وہ کوشش اس قابل تھی کہ اس کی بنا پر اعلیٰ حضرت کے دل کو نواب وقار الملک کی طرف سے مکدر کر دیا جائے۔

ملحوظ خاطر رہے کہ اس معاملہ میں نواب سرور الملک کا اپنا خیال تو یہ تھا کہ ہاں جی ہاں جی کہہ کر معاملہ کو ڈھیل میں ڈالنے کی بجائے دلیرانہ انکار کر دینا چاہیئے تھا چنانچہ صفحہ ۳۲۰ کا مندرجہ فقرہ ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں کہ "یہ تو سب کچھ ہوا مگر ریاست پر بار عظیم پڑ گیا اور وزرائے کو چک کی ہمت عالی اور منشاء ... ہوئی کہ اس بار عظیم سے ریاست کو بچا لینا چاہیئے مگر راستہ

غلط چلے۔ دلیرانہ انکار کے عوض گورنمنٹ کے تقاضہ پر ہاں جی ہاں جی کہتے اور معاملہ کو ڈھیل میں ڈالتے جاتے تھے یہاں تک کہ مسٹر پلاوڈن کا عہد سفارت آگیا اور وزارت درہم برہم ہوگئی"۔ تعجب ہے کہ نواب سرور الملک بہادر اس موٹی سی بات کا اس جگہ اندازہ نہ فرماسکے کہ ہاں جی ہاں جی کی رٹ اور دلیرانہ انکار کی عدم جسارت صرف اس بنا پر تھی کہ ریاست کے وزیر اعظم نواب سر آسمان جاہ بہادر کے علم و اطلاع کے بغیر اعلیٰحضرت کی طرف سے ایک نہایت گراں اور اہم وعدہ کا پیش کش گورنمنٹ آف انڈیا کو راست کروادیا گیا تھا۔ ایک طرف ریاست کے مالی وسائل کی کمی اور دوسری طرف شاہی وعدہ کا پاس و لحاظ ہی وہ چیز تھی جس نے حکومت کو ہیچ کنم میں مبتلا کردیا۔ اور صاف صاف انکار کرنا ناممکن ہوگیا۔

مقدمہ الماس کی حقیقت

(۳) نواب سرور الملک بہادر نے "کارنامہ سروری" کے صفحہ ۲۸۷ پر تحریر فرمایا ہے کہ "اب سنئے کہ امپریل ڈائمنڈ (ہیرے) کا مقدمہ کھڑا ہوگیا اور اس قدر طول اس کو ہوا کہ تمام ہندوستان میں اس کا غل مچ گیا اور یعقوب (JACOB) بیگ صاحب نے مدعا علیہ نے حضور پرنور کی شہادت اس غرض سے طلب کرائی کہ نہ شہادت پیش ہوگی نہ مقدمہ کو طول ہوگا مگر مولوی مشتاق حسین خان بہادر وقار الملک اپنی ضد پر قایم رہے اور سر ڈینیس فٹز پیٹرک ریزیڈنٹ کو ہموار کرکے حضور پرنور کو کمیشن میں طلب کراکے اظہار ان کا قلمبند کرادیا۔......" اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۹۱ پر لکھتے ہیں کہ حضور پرنور نے ارشاد فرمایا کہ اب آپ میری سنئے۔

مشتاق حسین مہدی حسن اور ریزیڈنٹ صاحب نے مجھ کو عامہ خلایق کے سامنے حقیر کیا۔ زبردستی ایک ادنی ہیرے کے واسطے میرا بیان لکھوایا اور کوئی فائدہ نہ ہوا۔ معاملہ اب تک چل رہا ہے۔ اس صدمہ نے میرا یہ حال کردیا..........."

مندرجہ بالا عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کو باور یہی کرایا گیا کہ ان کا بیان کرانے میں مشتاق حسین صاحب کا ہاتھ تھا۔ لیکن خود وقار الملک نے جو عرضداشت امروہہ سے اپنی صفائی میں حضور پر نور کے ملاحظہ اقدس میں پیش کی تھی اس کا وہ حصہ اب پڑھیئے جو ہیرے کے اسی مقدمہ سے متعلق ہے۔

۱۴۔ الماس کا مقدمہ[۱۲۵]

الماس والے مقدمہ کا ذکر بھی اس وقت درمیان میں آیا تھا جب کہ فدوی اپنی خدمت سے علحدہ ہوا تھا اور چونکہ اس مقدمہ کی کل کارروائی سے حضرت پیر و مرشد ظل سبحانی کو ذاتی علم ہے لہذا اس کی نسبت کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے بجز اس کے کہ فدوی اس وقت حیدر آباد میں موجود نہ تھا بلکہ اپنی بیماری کی وجہ سے کوہ مہابلیشر پر تھا۔ اور جب ہی کہ فدوی کو مہابلیشر پر اطلاع ہوئی کہ اس قسم کے معاملت پیش ہے تو فدوی نے مدار المہام کی خدمت میں لکھا کہ اگر بنک کو دونوں طرف سے ضامن کر دیا جائے تو سب اطمینان کے ساتھ کارروائی ہو سکے گی لیکن میری گذارش حیدر آباد میں اس وقت پہونچی جب کہ مسٹر جیکب روپیہ لے کر حیدر آباد سے روانہ ہو چکے تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد فدوی حیدر آباد اس وقت آیا جب کہ سر ڈینس فٹز پیٹرک کو اس کارروائی کی اطلاع ہو چکی تھی اور انہوں نے بذات خود حضرت پیر و مرشد کو بالمشافہ مشورہ دیا۔ اس وقت ان کو مدار المہام کی طرف سے ایک طرح کی ناخوشی سی بھی تھی کہ مدار المہام نے ریزیڈنٹ صاحب کو کیوں اس معاملہ سے بے خبر رکھا۔

حضرت پیر و مرشد کو سر ڈینس فٹز پیٹرک کی وہ حلفی شہادت یاد ہوگی جو اس مقدمہ

---

۱۲۵ کتاب وقار حیات صفحہ ۳۴۱۔ مؤلف

میں انہوں نے کمیشن کے سامنے دی تھی اور اس سوال کے جواب میں کہ آیا یہ اطلاع ریزیڈنٹ کو مشتاق حسین کے ذریعہ سے ہوئی انہوں نے صاف صاف کہا کہ یہ اطلاع مجھ کو مشتاق حسین سے نہیں ہوئی بلکہ دوسرے کے ذریعہ سے ہوئی تھی اور اس کے بعد سے جو کچھ کارروائی الماس کی واپسی اور مقدمات کے دایر ہونے کی ہوئی وہ سب ریزیڈنٹ صاحب اور حضرت ظل سبحانی کے باہم مشورہ اور ارشاد پر ہوئی۔ فدوی اگر ذمہ دار ہے تو اس گذارش کا ذمہ دار ہے جسکی وجہ سے وہ جریدہ غیر معمولی حضرت پیرو مرشد کے اظہار قلمبند ہونے کے متعلق جاری ہوا لیکن حضرت پیرو مرشد کو یہ یقیناً یاد ہوگا وہ جریدہ قلم بندی اظہار کی بنیاد نہیں تھا بلکہ اظہار قلمبند ہونے کی تجویز مقدمہ دائر ہونے کے بعد کلکتہ میں ہو چکی تھی۔ کمیشن جاری ہو کر حیدرآباد میں آچکا تھا۔ مسٹر وڈرف بیرسٹر حضرت کی طرف سے اور مسٹر انورار ٹی جیکب کی طرف سے حیدرآباد پہونچ گئے تھے۔ اظہار لئے جانے کی تاریخ وغیرہ سب مقرر ہو چکی تھی۔ مسٹر وڈرف پیرو مرشد کے حضور میں باریاب ہو چکے تھے۔ اظہار لئے جانے میں صرف دو روز باقی رہ گئے تھے جب کہ فدوی کو اس غیر معمولی جریدہ کا خیال پیدا ہوا۔ پس جریدہ غیر معمولی اگر جاری نہ ہوتا تو بھی اظہار قلم بند ہی ہوتا جریدہ کی اجراء سے تو صرف یہ غرض تھی کہ ایک طرف تو عامہ رعایا کو اطمینان حاصل ہو جاوے اور حضرت پیرو مرشد کے اظہار قلم بند کو وہ ایک مسلمان بادشاہ کے درجہ کے خلاف نہ سمجھیں اور دوسری طرف اہل ملک کو جو کہ عدالتوں کو اکثر تحقیر کی نظر سے دیکھنے کے خوگر رہے تھے ایک نہایت مفید سبق ملے اور تیسری طرف دیگر اقطاع ملک اور گورنمنٹ آف انڈیا اور اخباروں میں جو یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ مسٹر جیکب کو ایک کثیر رقم بغیر کسی ضمانت کے حوالہ کر دی گئی اور اسی قسم کے دوسرے خیالات جو پیدا ہو گئے ہیں وہ سب دفعتاً ایسے خیالات کے ساتھ بدل جائیں کہ ہر طرف سے حضرت پیرو مرشد کی نسبت تعریف ہی تعریف کے نعرے بلند ہوں اور یہ ایک ایسی خیر خواہانہ رائے تھی کہ نواب سر آسمان جاہ اور سر ڈینس فٹز پیٹرک اور مسٹر وڈرف نے اس سے اتفاق کیا اور حضرت پیرو مرشد نے بھی اس سے

اتفاق فرمایا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ یہ جملہ مراتب بوجہ احسن حاصل ہوئے اور حضرت پیرو مرشد کے لئے اس قدر دعائیں مخلوق کے دل سے نکلیں کہ اس کا بیان نہیں ہو سکتا اور ہندوستان سے لے کر انگلستان تک اور رعایا سے لے کر گورنمنٹ آف انڈیا تک اور تمام اخباروں میں بھی بالاتفاق تحسین و آفرین کے سوا دوسری بات کوئی سنائی نہیں دی اور اس عام مسرت کی وجہ اس سال ہی حضرت پیرو مرشد کی سالگرہ مبارک کے موقع پر رعایا نے اسی جریدہ وغیرہ کی کارروائی کے شکریہ میں بہت کچھ غیر معمولی طور پر اپنے جوش خیر خواہی کا اظہار کیا تھا۔ پھر حتی الامکان اس کوشش میں بھی غفلت نہیں ہوئی ہے کہ اظہار کے قلم بند ہونے کی نوبت نہ پہونچے اور معاملہ بہ صلح فیصل ہو جائے۔ چنانچہ اسی لئے مسٹر انورا ایٹی کی فیس دو روز تک سرکار عالی کی طرف سے ادا کی گئی اور مقدمہ بار بار ملتوی کیا گیا اور کوشش کی گئی کہ مسٹر جیکب بذات خود حاضر ہو جائیں جس کے بعد فیصلہ آسان ہو جائے گا لیکن مسٹر جیکب اس وقت کسی طرح حاضر نہوے اور اس کے بعد ہوا جو کچھ ہوا اور گو کلکتہ ہائی کورٹ پر کسی کا قابو نہیں چل سکتا تھا لیکن انجام کار اس قدر تو ضرور رہا کہ نصف قیمت پر الماس سرکار عالی کے ہاتھ آیا، اور گو حضرت پیرو مرشد کو تکلیف ضرور ہوئی لیکن دنیا نے اس وقت کے فرماں رواؤں میں مدتوں کے بعد ایک ایسا نمونہ دیکھ لیا جو اپنے ملک کی خدمت گذاری میں زبان اور قلم سے ویسا ہی کام لے سکتے ہیں جیسا کہ ضرورت کے وقت اپنی تلوار سے اور یہ پر مشقت خدمت ان خدمات سے کسی طرح دوئم درجہ کی خدمت نہ تھی جو حضرت پیرو مرشد کے اجداد امجاد رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اپنے ملک کے مقاصد کی غرض سے میدان ہائے جنگ میں ادا کی تھیں اور بیس بائیس لاکھ کی رقم بھی اگر نقد بچ رہی تھی تو وہ مجھ جیسے ایک محدود شخص کے خیال سے کوئی ایسی قلیل رقم نہیں تھی جس کو نظرانداز کر دیا جاتا۔ تمام ممالک محروسہ سرکار عالی کی رعایا جب صبح سے شام تک سال بھر محنت کرتی ہے تب بھی سرکار عالی کو بعد منہائی اخراجات سلطنت اس قدر رقم پس انداز نہیں ہوتی اور جہاں تک خود کی

کی گذارشات کا تعلق اس معاملہ سے ہے فدوی بہ ادب تمام عرض کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ کوئی گذارش بھی جو کہ فدوی نے کی ہوگی ایک شمہ برابر بھی اس میں کوئی امر خلاف واقعہ نہ ہوگا اور نہ کبھی فدوی نے کوئی غلط اُمید دلائی ہوگی۔ غلام سبز باغ دکھلانے والا آدمی نہیں رہا۔ فدوی کا ہمیشہ خیال رہا ہے کہ وقت نکل جاتا ہے اور بات باقی رہ جاتی ہے[۱۲۶]۔

اس وقت نواب سرور الملک اور نواب وقار الملک دونوں کے بیانات ہمارے سامنے ہیں۔ آخرالذکر کی جس عرضداشت سے اوپر کے صفحات میں کچھ حصّہ نقل کیا گیا ہے وہ عرضداشت حضور پر نور نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام دکن خلد آشیاں کے دورِ حکومت کے ان اہم واقعات سے بحث کرتی ہے جو نواب وقار الملک کے زمانہ میں ریاست میں رونما ہوئے اور جن سے ان کا اپنا تعلق رہا۔ ان واقعات کے سلسلہ میں نواب وقار الملک پر جو اعتراضات ہوئے تھے ان سب کا جواب نمبروار اس تحریر میں دیا گیا ہے۔ مگر سب سے اہم بات جو ہم کو یہاں دکھلانی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ نواب وقار الملک نے اپنی یہ صفائی متعلقہ فرماں روائے وقت کے جناب اقدس میں پیش کر دی۔ پھر جو بے ساختگی اس کی عبارت میں ہے اور جس طرح کھلی کھلی صاف صاف باتیں ایک ایمان دار خدا ترس وفاشعار۔ نمک خوار خود کی بے گناہی کے ثبوت میں اپنے شاہ ذی جاہ کے حضور میں بطور صفائی کے پیش کر رہا ہے اور جن کو پڑھ کر بعض مقامات پر آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں وہ ایک بہت غور طلب چیز ہے لیکن اس کے برخلاف " کارنامہ سروری " حضور پر نور کی نظر سے نہیں گذر سکی کیونکہ وہ خلد آشیاں کے انتقال فرما جانے کے برسوں بعد شائع ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو متقدر ہستی اس کتاب کے حسن و قبح اور واقعات مندرجہ کتاب کی

---

[۱۲۶] صفحات ۳۴۱ تا ۳۴۴ کتاب " وقار حیات "۔ مؤلف

صحت و عدم صحت کی سب سے بہتر نقاد ثابت ہو سکتی تھی وہ درمیان سے اٹھ چکی تھی۔ اگر یہ کتاب حضور پر نور کے عین حیات شائع ہو جاتی تو ان دونوں بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی حیثیت تقریباً مساوی قرار پاتی مگر یہاں تو حال یہ ہے کہ اصل کتاب کی اشاعت جو اردو میں ہے مصنف کے دنیا سے کوچ کرنے کی منتظر نظر آتی ہے۔ پھر جو چیز ملک کے سامنے سب سے پہلے لائی جاتی ہے وہ اصل کتاب نہیں بلکہ اس کا انگریزی ترجمہ ہے ہر شخص تسلیم کرے گا کہ ہندوستان میں وہ انگریزی داں طبقہ جو اس کتاب کے ترجمہ "مائی لائف" (MY LIFE) کو انگریزی میں آسانی کے ساتھ سمجھ سکے اس کی تعداد بہت محدود ہے جبکہ اردو داں طبقہ اتنا کثیر ہے کہ دونوں کی تعداد کا تقابل تضیع اوقات کا موجب ہوگا اور لطف یہ ہے کہ سنہ طباعت کو راز میں رکھنے کے لئے انتہائی کوشش کی گئی معلوم ہوتی ہے اور پتہ ہی نہیں چلتا کہ آخر کارنامہ سروری کا مسودہ لکھا کب گیا تھا اور اگر نواب ذوالفقار جنگ بہادر ایم۔اے (کینٹب) مرحوم فرزند اکبر نواب سرور الملک نے اپنے "تعارف" کے صفحہ ۳ پر جو "کارنامہ سروری" میں شائع فرمایا ہے یہ ظاہر نہ کر دیا ہوتا کہ اس کی اشاعت سے دو سال پہلے نواب جیون یار جنگ بہادر مرحوم نے "مائی لائف" شائع کی ہے تو ہم کو اس ترجمہ کے سال اشاعت کے متعین کرنے میں بھی بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا کیونکہ اس ترجمہ میں کسی جگہ بھی سنہ طباعت کا ذکر نہیں ہے حد یہ ہے کہ خود مطبع کی طرف سے جو سنہ عام طور پر درج کر دیا جاتا ہے وہ تک انگلستان جیسے ملک کے طبع شدہ اس ترجمہ میں غایب ہے اور بظاہر اصل اردو کتاب پر اس کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کو اولیت دینے کی بھی کوئی وجہ ذہن میں نہیں آتی اور جن چند احباب سے اس موضوع پر تبادلہ خیال کیا گیا وہ بھی کوئی اطمینان بخش توجیہہ اس کی نہ کر سکے۔ یہاں یہ بات بھی ظاہر کر دینی چاہئے کہ ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ اس پر اصل کا دھوکا ہونے لگے لیکن باقی سب مواد جوں کا توں رہے مگر اصل کتاب کی ترتیب مضامین اور اظہار واقعات کا وہ زبردست ردّ و بدل جو "مائی لائف" کے صفحات پر نظر آتا ہے ہم نے

وہ بات کسی دوسرے ترجمہ میں نہ دیکھی نہ سُنی مگر یہ مسئلہ ایک جداگانہ بحث کا طالب ہے۔ اور اس چیز کو ہم انہیں الفاظ تک محدود رکھتے ہیں۔

بہرحال خاص الخاص بات یہ ہے کہ اصل کتاب مصنف کے سامنے شائع نہیں کی گئی اور اس غیر معمولی تعویق کے وجوہ پر مطلق کوئی روشنی نواب ذوالقدر جنگ بہادر نے بھی نہیں ڈالی۔ پھر وہ "مرتب" کی حیثیت سے ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ حضور پُرنور نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام دکن سلہ۱۹۱۱ء میں رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ نواب محسن الملک نے سنہ۱۹۰۷ء میں انتقال فرمایا اور کتاب میں یہی وہ صاحب ہیں جن کی قابلیت اور دانائی کو نواب سرور الملک بہادر نے دل کھول کر اور اپنے سے بڑھ کر تسلیم فرمایا ہے[۱۲۷] اور یہی وہ ہستی ہے جس پر رشوت جیسے سنگین الزام کو عاید کر کے سب سے زیادہ چوٹ کی گئی ہے۔ رہے نواب سرور الملک کے دوسرے رفیع ہم عصر نواب وقار الملک تو وہ بھی سنہ۱۹۱۷ء میں دنیا سے کوچ کر گئے مگر عقل حجت طلب محسوس کرتی ہے کہ شاید بہت سے زخم خوردہ اب بھی ایسے باقی تھے جن کے متعلق اطمینان نہ تھا اور جن کی طرف سے مقابلہ کا خوف دامنگیر رہا۔ چنانچہ مائی لائف کے پیش لفظ میں نواب جیون یار جنگ بہادر خود ہی اس طرف اشارہ بھی کر رہے ہیں[۱۲۸]۔ لہٰذا "مائی لائف" کے نام سے مسخ شدہ ایک انگریزی ترجمہ پیش کر کے پبلک کا پہلا ردّ عمل معلوم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور مقدمہ بازی کے دروازہ کو ہر طرح سے بند کر لیا گیا۔ مثلاً اگر مدعی سامنے آئے تو قدم قدم پر دشواریوں کا سامنا کرے۔ پریس اس کا ہندوستان کے باہر سے چنا گیا۔ "کارنامہ سروری" کی اشاعت "مرتب" صاحب فرماتے ہیں اور ادھر سنہ۱۹۳۳ء میں اس کے مصنف نواب سرور الملک کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ ادھر "کارنامہ سروری" اردو میں جو اصل کتاب ہے شائع

---

۱۲۷ کارنامہ سروری صفحہ ۲۷۳ اور صفحہ ۲۷۷

۱۲۸ مائی لائف کے اس FOREWORD یعنی پیش لفظ کا اقتباس نقرہ صفحہ ۲۹۲ پر ملاحظہ ہو۔ مولف

کردی جاتی ہے اور اس اطمینان کے ساتھ یہ سب کام ہوتا ہے کہ گویا اب حیدرآباد اور

And further, even if there were no question of divulging secrets of State, the very fact that some of the characters delineated by him are still living, would be a sufficient reason for withholding many incidents that would be interesting from a historical point of view. The omitted details with regard to men and matter may perhaps, at some future date, be given in a second edition of this work (Page VI of the Foreward "MY LIFE", translated by Nawab Jiwan Yar Jung Bahadur, London, Arthur H. Stockwell (Limited), 29 Ludgate Hill, E.C. 4).

ترجمہ: - مزید برآں اگر رازہائے سلطنت کے افشا کا کوئی سوال سامنے نہ بھی ہو تو بھی یہ بات کہ بعض ایسے لوگ جن کا خاکہ یہاں کھینچا گیا ہے، ہنوز بقید حیات ہیں۔ بہت سے ایسے واقعات کے اظہار کے روک رکھنے کے لئے وجہ جواز ہوگی جن کا بیان کر دینا تاریخی اعتبار سے موجب دلچسپی ہوتا۔ ایسی تفصیلات جو چند افراد و مسائل کے بارہ میں یہاں ترک کر دی گئی ہیں۔ - وہ ممکن ہے کہ آگے چل کر کسی وقت اس موجودہ کتاب کی دوسری اشاعت میں شریک کی جا سکیں۔

(مائی لائف کے پیش لفظ کا صفحہ (VI) ترجمہ نواب جیون یار جنگ بہادر)

وہاں کے حکام اور ارباب حل و عقد کے حالات پر یہ کتاب حرف آخر ہے اور اس کی بنیاد کو کوئی چیز نہ ہلا سکے گی۔

نواب سر آسمان جاہ بہادر کو نا اہل ثابت کرنیکی ناکام کوشش

۴۔ یہاں ایک اور بات بھی صاف کر دینی مناسب پائی جاتی ہے "کارنامہ سروری" کے صفحہ (۲۸۰) پر ہم پڑھتے ہیں کہ مولوی اشتیاق حسین صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ تم ناحق گوشہ نشیں بنے ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ میں نواب صاحب سے تمہاری صفائی کرا دوں گا۔ میں نے ہر چند عذر کیا مگر وہ پکڑ کر لے گئے۔ آسمان جاہ نہایت مستقل مزاج اور کوہ وقار از حد کم سخن تھے۔ مجھ سے بخندہ پیشانی ملے مگر اثنائے گفتگو میں ذکر نواب خورشید جاہ امیر کبیر کا آگیا۔ مجھ سے فرمایا کہ آپ ان کے پاس جایا کرتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میری ان کی قدیم راہ رسم ہے اور ان کے فرزند میرے شاگرد ہیں۔ یہ سن کر وہ چپ ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد مولانا مجھ کو باہر لے آئے اور کہا کہ آپ نے غلطی کی جو یہ جواب دیا مگر میں سنبھال لوں گا۔ اب اصل مطلب سنو۔ نواب صاحب کا حال تم خود جانتے ہو۔ پوتڑوں کے امیر ہیں اور اہل سازش سے بھی تم خوب واقف ہو۔ نواب صاحب نے کئی معروضے حضور پر نور میں داخل کئے کہ اضلاع سے مجھ کو بلا کر اپنے پاس رکھیں مگر اب تک کوئی جواب عطا نہیں ہوا۔ اگر آپ سچے خیر خواہ ریاست کے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ دروازہ سازش کا بند ہو اور کار ریاست میں خلل واقع نہ ہو تو آپ میرے بارے میں ضرور کوشش کیجئے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۲۷۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "نواب سر آسمان جاہ دوڑے ہوئے انگلینڈ سے آئے اور خلعت وزارت سے سرفراز ہوئے"۔ صفحہ ۲۸۱ پر درج ہے کہ......

حضور پر نور نے کل اختیارات حل و عقد جو وزارت پناہ[۱۲۹] و مہاراج[۱۳۰] و نواب[۱۳۱] وزیر کو حاصل تھے نواب

---

۱۲۹ سر سالار جنگ اول سے مراد ہے۔

۱۳۰ مہاراجہ نرندر پرشاد بہادر کی طرف اشارہ ہے۔

۱۳۱ سر سالار جنگ ثانی نواب لائق علی خاں سے مطلب ہے۔ مؤلف

سر آسمان جاہ کو عطا فرما کر مختار کل ریاست ابد مدت کر دیا۔ آگے بڑھئے "صرف اہم معاملات میں ضروری معروضات مع اپنی رائے اور تجویز کے نواب صاحب کی طرف سے اور ان کے نام اور دستخط سے مولوی مشتاق حسین صاحب داخل کر دیا کرتے تھے۔ گویا درحقیقت وزیر اعظم جناب مولانا اور ان کے شریک فتح نواز جنگ بہادر تھے۔ نواب صاحب فقط دستخط کے مالک تھے۔"[۱۳۲] دوسری جگہ اسی صفحہ (۲۸۲) پر نواب سرور الملک رقم طراز ہیں " اب تین وزیر حیدر آباد میں ہو گئے ایک وزیر اعظم برائے دستخط اور وزیر کوچک برائے انتظام ریاست اور ایک انگشت ششم کرنل مارشل"۔ صفحہ ۲۹۷ پر یہ عبارت ہے " الغرض سر آسمان جاہ کو جب خلعت وزارت عطا ہوا تو وہ بھی حکومت خود مختاری کی ہوس میں مبتلا تھے"۔ اور صفحہ ۳۲۶ پر نواب سر آسمان جاہ کو " وہ امیر ابن امیر سادہ لوح" کے الفاظ سے نواب سرور الملک نے یاد فرمایا ہے۔

نواب سر آسمان جاہ بہادر کے متعلق ان فقروں کو مکرر ملاحظہ فرمائیے:۔

" آسمان جاہ دوڑے ہوئے انگلینڈ سے آئے "

" نواب صاحب فقط دستخط کے مالک تھے "

" وزیر اعظم برائے دستخط "

" وہ امیر ابن امیر سادہ لوح "

اب اس چیز کے اظہار کے لئے تو آپ کوئی مزید ثبوت طلب نہ فرمائیں گے کہ نواب سرور الملک نواب سر آسمان جاہ بہادر کو اپنا سخت مخالف سمجھتے تھے اور جو موقع بھی ان کو " کارنامہ سروری " کے صفحات میں ملا وہ انہوں نے نواب سر آسمان جاہ کی عدم قابلیت و عدم صلاحیت کے ثابت کرنے کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اپنے اس خیال کو مزید تقویت پہنچانے کی خاطر انہوں نے نواب وقار الملک کے منہ سے ان کو " پوتڑوں کے امیر ہیں " کا خطاب دلوایا ہے۔

---

[۱۳۲] کارنامہ سروری صفحہ ۲۸۲ - مؤلف

٭ کارنامہ سروری" کا جو انگریزی ترجمہ " مائی لائف" میں شائع ہوا ہے اس کے صفحہ ۲۵۱ پر اس مطلب کو لفظ (SIMPLETON) یعنی بے وقوف سے ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ " پوتڑوں کے امیر" کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے وقارالملک کی متانت سنجیدگی اور بردباری کے مدنظر کیا کوئی شخص باور کرے گا کہ انہوں نے سرآسمان جاہ جیسے اپنے مربی سرپرست اور اعلیٰ ترین عہدہ دار وقت کے لئے بے وقوف یا پوتڑوں کے امیر کے الفاظ اور پھر وہ بھی نواب سرورالملک بہادر کے سامنے استعمال کئے ہوں گے۔ وہ مرحوم تو ایسے الفاظ اپنے بڑے سے بڑے مخالف کے لئے بھی استعمال کرنے کے عادی نہ تھے۔ ان کے دل میں نواب سرآسمان جاہ بہادر کی کتنی وقعت تھی اس کا اندازہ اس فقرہ سے ہو سکتا ہے جو نواب ممدوح کی پیٹھ پیچھے ان کے اقتدار کے خاتمہ اور انتقال کے بعد اور اپنے حیدرآباد کو خیرباد کہہ دینے کے بعد ان کی صفائی میں حضور پرنور کی موسومہ اپنی عرضداشت مورخہ ۱۴ جمادی الاول ۱۳۱۶ھ ہجری (مطابق اکتوبر ۱۸۹۸ء) میں تحریر کیا ہے اور جو تمام وکمال کتاب " وقار حیات" کے صفحات ۳۲۷ تا ۳۶۳ پر شایع ہو چکی ہے اور وہ فقرہ یہ ہے۔

"اس بات[۱۳۳] کی ہر طرح پر امید تھی کہ حضرت ظلّ سبحانی اپنے ایک ایسے خیرخواہ بلا اشتباہ کو جیسے کہ سرآسمان جاہ تھے بالضرور بہت جلد اپنی شاہانہ نوازشات سے عفو فرمائیں گے۔"

نواب وقارالملک نے اگر ایک " سادہ لوح " امیر کی آڑ میں وزارت کی توجیہ یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے مگر غور تو کیجئے کہ نواب سر سالار جنگ اول جیسا مدبر جس کی قابلیت اور جس کے تدبر کے نواب سرورالملک خود بھی مداح رہے ہیں وہ سرآسمان جاہ کی تائید کیوں کرتا رہا۔ پھر ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کے پنجاہ سالانہ جشن جوبلی کے موقع پر ۱۸۸۷ء

---

۱۳۳ " وقار حیات " صفحہ ۳۳۹ ۔ مؤلف

میں ریاست نظام کی نمائندگی کے لئے سر آسمان جاہ ہی پر سب کی نظر کیوں پڑی حالانکہ وقار الملک اس موقع پر ان کے ساتھ نہ تھے - یہ بھی یاد رہے کہ ولایت میں نواب سر آسمان جاہ بہادر جہاں جہاں بھی تشریف لے گئے اور جس کسی سے بھی ملے ہر ایک ہی نے ان کے گن گائے ہیں اور اس زمانہ کے انگلستان کے اخبارات ان کی ثنا و توصیف سے بھرے پڑے ہیں - پھر نواب سر سالار جنگ بہادر اول نے خود اپنے سفر یورپ کے دوران نواب مکرم الدولہ بہادر کے ساتھ انہیں کو اپنا قایم مقام مقرر کروایا تھا[۱۳۴] منجملہ اور بہت سی دوسری باتوں کے اگر یہ چند اہم حقیقتیں بھی نواب سرور الملک کو نواب سر آسمان جاہ کی ذاتی قابلیت کا ثبوت فراہم نہ کر سکیں تو چارہ کار ہی کیا ہے مگر شاید ایک حد تک نواب سرور الملک بے چارے مجبور بھی تھے کیونکہ جیسے کہ کارنامہ سروری کے صفحات گواہ ہیں ان کی تمام کوششیں اس پر مرکوز تھیں کہ جس طرح بھی ہو اپنے مربی و سرپرست نواب خورشید جاہ بہادر کو ریاست کا وزیر اعظم بنوا دیں اور اس کے لئے ضروری تھا کہ ان کے سوا ہر ایسے امیر ریاست کو جو وزارت کے عہدہ پر فائز ہو سکتا تھا ناقابل ثابت کریں چنانچہ نواب سر آسمان جاہ بہادر کی مخالفت بھی اسی کوشش کا لازمی نتیجہ تھی -

اس جگہ روزنامہ پیسہ اخبار لاہور مورخہ ۲۸ جولائی ۱۸۹۸ء کا حسب ذیل اقتباس مزید دلچسپی سے پڑھا جائے گا -

" نواب سر سالار جنگ اعظم سے آپ کا رابطہ اتحاد نہایت مستحکم تھا اور تقریباً ہر روز ان سے مل کر معاملات ملک داری طے کیا کرتے تھے .... جب نواب مختار الملک بہادر ۱۸۷۵ء میں ولایت تشریف لے گئے تو اس وقت وزارت اور ریجنسی کا کام نواب سر آسمان جاہ بہادر کی سپردگی میں دیا گیا جس کہ انہوں نے نواب مکرم الدولہ بہادر کی شرکت

---

۱۳۴ - ملاحظہ ہو کتاب "تذکرہ وقار" صفحہ ۱۳ نوٹ نمبر ۱

میں نہایت لیاقت وجفاکشی کے ساتھ انجام دیا اور حسن کارگزاری کے صلہ میں گورنمنٹ ہند نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ۱۸۷۶ء میں جس وقت پرنس آف ویلز ہندوستان تشریف لائے تو نواب سرآسمان جاہ بہادر اپنے چچا رفیع الدین خاں بہادر شمس الامرا امیر کبیر بہادر کی جانب سے شہزادہ ممدوح کی پیشوائی کے لئے بمبئی تشریف لے گئے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں جس وقت اعلیٰ حضرت حضور انور دربار قیصری میں شریک ہونے کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے تو نواب سرآسمان جاہ بہادر بھی اعلیٰ حضرت ظل سبحانی کے ہم رکاب تھے۔ ۱۸۸۲ء میں جس وقت نواب سرسالار جنگ اعظم کا انتقال ہوا تھا اس وقت سرآسمان جاہ بہادر ریجنسی کونسل کے مستقل ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۳ء کے آخیر میں جس وقت اعلیٰ حضرت حضور انور نمائش کلکتہ کو معائنہ فرمانے اور حضور وائسرائے سے ملاقات کرنے کلکتہ تشریف لے گئے تو اس وقت آسمان جاہ بہادر ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کی پنجاہ سالہ جوبلی کے جشن میں اعلیٰ حضرت حضور انور کی جانب سے شریک ہونے کے لئے ولایت بھیجے گئے۔

نواب سرور الملک اور ریزیڈنسی کا منصوبہ

۵۔ انصاف کا تقاضہ ہے کہ اسی جگہ یہ بات بھی ظاہر کر دی جائے کہ نواب محسن الملک مرحوم پر رشوت دہی کا جو الزام "کارنامہ سروری" میں اس شدومد کے ساتھ لگایا گیا ہے اس کی تردید مولوی محمد امین زبیری صاحب کے اس مواد سے تمام وکمال ہو جاتی ہے جو کتاب "تذکرہ محسن"[۱۳۵] کے صفحات ۷۵ تا ۶۷ پر شائع ہوا ہے۔ دراصل سازش جو ہوئی وہ مسٹر بلاڈن اور نواب سرور الملک کے درمیان نواب سرآسمان جاہ اور نواب محسن الملک وزیر ومعتمد دونوں کو بدنام کر کے علٰحدہ کروانے کے لئے ہوئی۔ چنانچہ "کارنامہ سروری"

---

۱۳۵ "تذکرہ محسن" طبع شدہ جامع برقی پریس دہلی ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۵ء پبلیشرز انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۲۔ دفتر اخبار سرگزشت علی گڑھ۔ ۳۔ مسلم یونیورسٹی۔ بک ڈپو۔ علی گڑھ۔

کے صفحہ ۳۰۸ پر تحریر ہے کہ۔

"میری خوش قسمتی سے مسٹر پلاوڈن کسی خاص وجہ[۱۳۶] سے مہدی حسن کے مقدمہ میں میرے طرف دار بن گئے تھے۔ میں نے حضور پرنور کو مشورہ دیا کہ اگرچہ یہ اہل سازش کے دام میں آچکے ہیں اور مغلوب الغضب ہیں۔ مگر حضور پرنور ان کو اپنا ممنون احسان کریں اور خط صدر صوبہ دار اعلیم ہند کو لکھ بھیجئے کہ تا تکمیل قانونچہ مبارک[۱۳۷] مسٹر پلاوڈن کا تبادلہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ بڑے حضور پرنور نے پسند فرمائی اور چند یوم کے واسطے سازشوں کا سد باب بخوبی ہوگیا"۔ یعنی دوسرے الفاظ میں سرور الملک بہادر نے حضور نظام خلد آشیاں سے سفارش کر کے پلاوڈن صاحب ریزیڈنٹ کو جب کہ ان کی مدت قیام ختم ہو رہی تھی گورنمنٹ آف انڈیا سے توسیع دلوادی۔ کارنامہ سروری کے صفحہ ۳۲۱ کے مندرجہ ذیل فقرہ کی طرف قارئین کرام کی توجہ بطور خاص منعطف کرائی جاتی ہے۔

"مسٹر پلاوڈن نے یہ رائے دی کہ یور ہائینس اس وقت سولہ سو سوار ہم کو عنایت فرمائیں اور آج ہی اس مضمون کا خط مجھ کو لکھ بھیجیں۔ سرور جنگ[۱۳۸] نے بڑی خیرخواہی کی ہے کہ اس معاملہ سے آپ کو مطلع کر دیا ورنہ لارڈ لنس ڈاون معلوم نہیں کیا راستہ اختیار کرتے"۔
اس فقرہ سے ریاست کے ریزیڈنٹ حضور نظام پر سرور الملک کی خیرخواہی واضح کر رہے ہیں اور ان کے اس احسان کی طرف حضور کو بطور خاص متوجہ کر رہے ہیں جو لارڈ لنس ڈاون والیسرائے ہند کی ناخوشی سے اعلیٰ حضرت کو بچا کر سرور الملک نے رئیس ریاست پر کیا ہے۔
اب ذرا مدارج کارروائی ملاحظہ ہوں۔

۱۳۶۔ "کسی خاص وجہ" کا دلچسپ فقرہ ملاحظہ ہو۔ اس وجہ پر سے راز کا پردہ اٹھانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

۱۳۷۔ یہ ایک دستور تھا جو ریاست کے بہتر نظم و نسق کے خیال سے حضور نظام خلد آشیاں نے مرتب کروایا تھا۔

۱۳۸۔ اس فقرہ کے اوپر لکیر ہماری کھینچی ہوئی ہے۔ مؤلف

۱۔ مسٹر پلاوڈن کے حسب خواہش سرور الملک بہادر سولہ سو سواروں کے دئے جانے کی منظوری کا خط اعلیٰ حضرت کی طرف سے خود لکھ کر ریزیڈنسی حاضر ہوتے ہیں (صفحہ ۳۲۲ "کارنامہ سروری")

۲۔ اس کے معاوضہ میں ریزیڈنٹ صاحب حضور نظام کے سامنے سرور الملک کی خیرخواہی کے گن گاتے ہیں اور حضور پر نور کو باور کرا لیتے ہیں کہ لارڈ ڈلہوزی لٹن کے غیظ و غضب سے اس وقت سرور الملک نے رئیس ریاست کو بچا لیا ہے (صفحہ ۳۲۱ "کارنامہ سروری")

۳۔ اس احسان کا بدلہ سرور الملک یوں ادا فرماتے ہیں کہ مسٹر پلاوڈن کی جو مدت قیام ریاست ختم ہو رہی تھی اس میں حضور پر نور سے گورنمنٹ آف انڈیا میں سفارش کرا کے توسیع دلواتے ہیں (صفحہ ۳۰۸ "کارنامہ سروری")

اتنے باہمی تعلقات پیدا کر لینے کے بعد اگر پلاوڈن صاحب سے نواب سرور الملک بہادر نے رشوت کا نام لے کر نواب سر آسمان جاہ اور نواب محسن الملک کی علٰحدگی کا راستہ ہموار کروالیا تو اس میں تعجب کی بات ہی کیا ہے۔ پھر نواب سرور جنگ بہادر کی جو یادداشت (MEMORANDUM) مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۸۹۷ء مائی لائف میں شائع کی گئی ہے وہ بھی نواب صاحب موصوف کی تضاد بیانیوں کا ایک زبردست ثبوت فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ مائی لائف کے صفحہ (۳۰۲) پر اس میمورنڈم کا حسب ذیل فقرہ درج ہے۔

The Jawad-Husain case, which has become proverbial in Hyderabad circles, was got up with the but too thinly-disguised intention of ultimately incriminating Sir Asman Jah through Mehdi Ali, one of his Secretaries, who was supposed to have patronised the accused; but before the case could finish, Mr. Plowden gained his object another way by so magnifying the circumstances of the Lakh Bribery as to force His Highness's hand into removing Sir Asman Jah and Mehdi Ali.

ترجمہ: جواد حسین کا مقدمہ حیدر آباد میں ضرب المثل بن چکا ہے اور جس نیت سے وہ شروع کیا گیا تھا گو اس کے چھپانے کی کوشش کی گئی مگر تاڑنے والے اس حقیقت کو تاڑ ہی گئے کہ وہ مقدمہ محض اس لئے تراشا گیا تھا تاکہ جس طرح بھی بن پڑے ان کے ایک معتمد مہدی علی کا نام لے کر نواب سر آسمان جاہ کو اس معاملہ میں لپیٹ لیا جائے۔ اور مہدی علی کے بارہ میں یہ تصور کر لیا گیا تھا کہ انھوں نے ملزم کی پشت پناہی کی ہے مگر قبل اس کے کہ کارروائی ختم ہو مسٹر پلاوڈن نے اپنا مقصد دوسری طرح سے یوں حاصل کر لیا کہ انھوں نے ایک لاکھ کی رشوت کی شکایت کو اتنا بڑھا چڑھا دیا کہ ہز ہائنس کو مجبور ہو کر نواب سر آسمان جاہ اور مہدی علی کی علٰحدگی کے احکام جاری کرنے پڑ گئے۔

اس فقرہ کی آخری سطور کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ مسٹر پلاوڈن نے اپنے اس مقصد میں کہ نواب سر آسمان جاہ اور ان کے معتمد مہدی علی صاحب (نواب محسن الملک) کو کسی نہ کسی طرح علٰحدہ کروا دیں ایک لاکھ کی رشوت والی کارروائی کے ذریعہ سے کامیابی

حاصل کرلی یعنی ان دونوں کی جس علٰحدگی کے لئے مسٹر بلاؤڈن عرصہ سے سرگرداں اور کوشاں تھے اس علٰحدگی کے احکام ایک اور طریقہ سے حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو گئے لیکن نواب سرور جنگ بہادر ۱۹۲۳ء میں جبکہ انہوں نے اپنی یہ سوانح خود نوشت طباعت کے لئے مسلم یونیورسٹی پریس کے حوالہ کی ہے یہ بھول گئے کہ اب سے چھبیس (۲۶) سال پہلے ۱۸۹۷ء میں اپنے محولہ بالا میمورینڈم میں وہ کیا لکھ چکے ہیں اور کس طرح سر آسمان جاہ اور مہدی علی صاحب کی علٰحدگی کی ساری ذمہ داری مسٹر بلاؤڈن کے سر ڈال آئے ہیں۔ اس سلسلہ میں "کارنامہ سروری" کے صفحہ (۳۱۸) پر نواب محسن الملک کی اس خواہش کا اظہار کرکے کہ اب معاملہ کو رفع دفع کر دیا جائے نواب سرور الملک، ان کو جواب دیتے ہیں کہ "اب اصل حال تم سے کہتا ہوں۔ جس دن تم نے وہ رقعہ بھیجا میں نے خود حضور پرنور کو نذر گذران دی اور مسٹر بلاؤڈن کو بھی اطلاع کر دی۔ اب اصلاح اس کی میرے ہاتھ سے نکل چکی ہے"۔ پھر کارنامہ سروری" کے صفحات ۳۰۸ تا ۳۱۹ ملاحظہ طلب ہیں جہاں پر نواب سرور جنگ بہادر نے اس ایک لاکھ کی رشوت کے معاملہ میں مسٹر بلاؤڈن کی ملی جلی کارروائیوں پر خوب کھل کر روشنی ڈالی ہے اور یہ دکھلایا ہے کہ ہم دونوں کی اس ترکیب کا نتیجہ یہ نکلا کہ وزارت بدل گئی۔ لہذا ہم متعلقہ عبارت کے جستہ جستہ فقرے یہاں مکرر نقل کرنے کی معافی چاہتے ہیں۔

"میری خوش قسمتی سے مسٹر بلاؤڈن کسی خاص وجہ سے .... میرے طرفدار بن گئے تھے۔ میں نے حضور پرنور کو مشورہ دیا کہ اگرچہ اہل سازش کے دام میں آچکے ہیں اور مغلوب الغضب ہیں مگر حضور ان کو اپنا ممنون احسان کریں اور ایک خط صدر صوبہ پنجاب اقلیم کو لکھ بھیجئے کہ تا تکمیل قانونچہ مبارک مسٹر بلاؤڈن کا تبادلہ نہ کیا جائے۔ یہ رائے حضور پرنور نے پسند فرمائی اور چند یوم کے واسطے سازشوں کا سد باب بخوبی ہو گیا .... میں نے عرض کیا اور فدوی مسٹر بلاؤڈن کو بھی اس راز میں شریک کرنا چاہتا ہے فرمایا

کہ ہاں دیکھئے وہ کیا مشورہ دیتے ہیں۔ بہر وہاں سے رخصت ہو کر اسی حالت زار میں ریذیڈنسی پہونچا۔ وہ بھی مجھ کو دیکھ کر افسوس کرنے لگے اور کہا کہ ایسی کیا ضرورت تھی کہ تم نے اس حالت میں یہ تکلیف گوارا کی۔ میں نے تمام رام کہانی ان کو بھی سنائی وہ سُن کر ایک مرتبہ کرسی سے بیتاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا تم نے رقم رکھلی میں نے کہا کہ بجز اس کے کیا چارہ تھا مگر وہ رقم میں نے حضور میں داخل کر دی تب وہ کرسی پر اطمینان سے بیٹھے اور کہا مجھ کو لازم ہے کہ میں فوراً فورن آفس کو رپورٹ کر دوں اور ہز ہائینس فوراً آسمان جاہ سے جواب طلب کریں۔ میں نے کہا ابھی ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ .... میرا خیال یہ ہے کہ چند روز بعد کسی ذریعہ سے یہ لوگ خود اپنے پہلو بچا کر مجھ پر رشوت ستانی کی تہمت لگائیں گے اور آپ کو اطلاع دیں گے اس وقت آپ مجھ سے جواب طلب کریں۔ .... یہ سب گفتگو میں نے پھر بوقت باریابی حضور پرنور سے عرض کر دی۔ ارشاد فرمایا کہ آپ کچھ پروانہ کیجئے اور واقعات لکھ دیجئے۔ .... ارشاد ہوا ٹھیک ہے آپ احکام بنام سر آسمان جاہ جاری کر دیجئے۔ اس پر جو عذر اہلکاران ریاست میں مچا اس کی تفصیل لکھنی فضول ہے۔ سوائے علامہ روزگار مولانا مکرم نواب محسن الملک مہدیعلی خان بہادر کے اور سب کے حواس باختہ ہو گئے لیکن اس شیر بیشہ فطرت و دانائی نے ایسا جواب لکھا کہ اگر اصل واقعات چند ماہ پیشتر حضور پرنور اور مسٹر بلاوڈن کو معلوم نہ ہو جاتے تو مجھکو کہیں منہ دکھانے کو جگہ بھی نہ رہتی۔ .... جب سب کے بیانات داخل ہو گئے تو مسٹر بلاوڈن کو طلب کیا .... میں تو بری کیا گیا۔ مولانا کو حکم جلد ممالک محروسہ سرکار عالی سے نکل جانے کا ہوا .... سر آسمان جاہ بے گناہ خدمت وزارت سے معزول ہو گئے۔ ......"

اب ناظرین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر اور نواب محسن الملک بہادر پر رشوت دہی کا سنگین الزام عاید کر کے ان کو علیٰحدہ کروانے کی ذمہ داری تنہا بلاوڈن صاحب پر عاید ہوتی ہے یا اس کارروائی میں نواب سرور جنگ بہادر بھی برابر

کے شریک ہیں اور قارئین یہ بھی دیکھیں کہ سرور جنگ بہادر نے اپنے میمورنڈم میں جو ذمہ داری مسٹر پلاؤڈن پر ڈالی ہے اور خود کو صاف بچانا چاہا ہے وہ کس حد تک درست ہے۔

حضور نظام کو مغالطہ دینا

۷۔ اب امپیریل سروس ٹروپس کی طلبی کی کارروائی ملاحظہ ہو ۔۔۔

"کارنامہ سروری" کے صفحہ ۲۱۳ پر مسٹر پلاوڈن سے اپنی گفتگو کے سلسلہ میں نواب سرور الملک بہادر تحریر فرماتے ہیں کہ "ہزہائینس کو مطلق اس کا علم نہیں ہے میں اس مثل کو منگوا کر مفصل کیفیت ملاحظہ اقدس میں پیش کروں گا" ان الفاظ کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہے یعنی یہ کہ میں خود مثل منگوا کر پہلے اس کو دیکھوں گا اور اعلیٰحضرت سے اس بارہ میں گفتگو کروں گا۔ اس کے برخلاف جو بیان نواب صاحب ممدوح نے مولوی محمد امین زبیری صاحب کو ۱۹۱۸ء میں اسی سلسلہ میں بمقام لکھنؤ دیا اور جو "تذکرہ وقار" کے صفحہ ۷۷ پر شائع ہوا ہے وہ ملاحظہ فرمائیے۔

"جب لارڈ لینڈاون حیدرآباد کی وزٹ کے لئے روانہ ہوئے اور پونا تک پہونچ چکے تو میں نے حضور نظام سے عرض کیا کہ اس مسئلہ کا تصفیہ لارڈ لینڈاون کے آنے سے قبل ہو جائے تاکہ ان کو اس بارہ میں کہنے کا موقع نہ رہے۔ حضور نے کہا پہلے ریزیڈنٹ سے دریافت کرو کہ لارڈ لینڈاون جو آرہے ہیں اس مسئلہ کو تو نہ چھیڑیں گے مگر دریافت کرنے پر ریزیڈنٹ نے کہا کہ وہ تو خاص اسی مسئلہ کو طے کرنے آرہے۔ حضور نے پیشن کو مثل طلب کی اور مجھے دیکھنے کے لئے کہا۔ میں نے اس کو دیکھ کر عرض کیا.......

...... الخ"

اب اس فقرہ کا مطلب یہی ذہن میں آتا ہے کہ

(الف) لارڈ لینڈاون جب پونا تک پہونچ چکے تھے اس وقت نواب سرور الملک نے گویا

پہلی بار حضور نظام کو توجہ دلائی کہ اس کارروائی کی یکسوئی ان کے یہاں پہونچنے سے قبل ہی کردی جائے مگر اپنی اس گفتگو کا کوئی تذکرہ حضور سے مطلق نہیں کیا جو ان کی اس بارہ میں مسٹر بلاوڈن سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔

(ب) حضور پر نور نے جواب دیا کہ پہلے رزیڈنٹ سے معلوم کرو کہ لارڈ لینڈاؤن جو حیدرآباد آرہے ہیں۔ اس مسئلہ کو تو نہ چھیڑیں گے۔ اگر پہلے ایسی اطلاع نہ دی تھی تو کیا حضور کے اس استفسار کے بعد بھی نواب سرورالملک بہادر کا یہ فرض نہ تھا کہ کم از کم اب تو پوری صورت حال کو حضور پر نور سے عرض کردیں اور صاف صاف کہہ دیں کہ یہ گفتگو تو ہم دونوں میں پہلے ہی ہو چکی ہے۔

(ج) حضور پر نور نے یہ سن کر مسل طلب کی اور سرورالملک کو اس کے دیکھنے کے لئے کہا جنھوں نے اسے دیکھ کر عرض کیا۔ گویا دوسرے الفاظ میں جب حضور نظام نے مسل طلب فرمائی اور اس کے دیکھنے کی ہدایت کی تو اس وقت بھی سرورالملک بہادر نے اس بات کو ظاہر نہیں فرمایا کہ یہ مسل تو میں پہلے ہی دیکھ چکا ہوں۔ میں نے اس کو دیکھ کر عرض کیا کے الفاظ صاف تبلا رہے ہیں کہ جس مسل کو وہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں اب حضور پر نور کے سامنے انجان محض بن کر اسی کو پھر پڑھنا شروع کرتے ہیں اور بعد ملاحظہ اپنی رائے عرض کرتے ہیں۔ اس سے ہم ان گہرے تعلقات کا اچھی طرح اندازہ کرسکتے ہیں جو مسٹر بلاوڈن اور نواب سرورالملک کے درمیان ان دنوں قائم تھے۔

(د) اس کے بعد جب خط تیار ہو جاتا ہے تو مسٹر بلاوڈن کو شخصی طور پر ممنون احسان کرنے کے لئے سرورالملک بہادر اس کو خود ہی لے کر جاتے ہیں اور اس موقع پر مسٹر بلاوڈن سے کہتے ہیں کہ "میں یہ چاہتا ہوں آپ مکرر اس خط کو پڑھ لیں[۱۳۹]۔ سوال یہ ہے کہ

---

۱۳۹ کارنامہ سروری صفحہ ۲۲۲۔ مؤلف۔

مگر خط پڑھوانے پر اتنا اصرار ریذیڈنٹ سے کیوں ہو رہا ہے۔ دلوں کا حال تو خدا ہی کو خوب معلوم ہے۔ ہم گنہگار بندے ہیں اور ممکن ہے ہمارا یہ خیال درست نہ ہو مگر مطلب بظاہر یہ پایا جاتا ہے کہ اگر سرکار کوئی مزید تبدیلی اس خط میں چاہیں تو میں وہ بھی کروا سکتا ہوں۔ پھر اپنی غربت کی طرف ان کو بطور خاص متوجہ کر کے سرور الملک بہادر فرماتے ہیں "میں ایک غریب آدمی ہوں اور معاملہ بہت بڑا ہے"[۱۴۰] کیا ان الفاظ کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ اب حکومت ہند سے مجھے اس کا صلہ دلوادیں۔ چنانچہ مکرر خط پڑھ کر پلاوڈن صاحب جواب دیتے ہیں "یقین ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے بڑا شکریہ اس خط کا آئے گا اور لارڈ لٹیڈ اون کی ناراضی مبدل بہ خوشنودی ہو جائے گی"[۱۴۱] واضح باد کہ یہ پہلا موقع نہیں ہے جو "کارنامہ سروری" میں ہم نواب سرور الملک کی ایسی کوئی قابل اعتراض بات دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ نواب لایق علی خاں سالار جنگ ثانی کی تائید میں جو کاڈری صاحب نے حضور نظام کو (یہ الفاظ سرور الملک) یہ لکھا تھا کہ "آپ کا گدی سے اترنا آسان ہے۔ لایق علی کی معزولی ناممکن ہے"[۱۴۲] "اس خط کے حوالہ سے" کارنامہ سروری" کے صفحہ ۲۵۷ پر اپنی اور حضور پر نور کی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ اندھیر نہیں ہو سکتا کہ ایک نوکر کے واسطے آقا کو سزا دے بیٹھیں .... حضور کیوں رنج فرماتے ہیں۔ جواب ترکی بہ ترکی دیجئے اور اس قصہ کو ختم کر دیجئے۔ اگر حکم ہو تو فدوی اس کا جواب تحریر کرتا ہے اس پر دستخط فرما دیجئے میں نے قلم برداشتہ چند سطور پیش کیں ....
بالآخر میرے اصرار پر قلم اٹھا کر دستخط فرمادئے اور فرمایا...... ٹھیک ہے ان گستاخیوں

---

۱۴۰ کارنامہ سروری صفحہ ۳۲۲

۱۴۱ کارنامہ سروری صفحہ ۳۲۲

۱۴۲ کارنامہ سروری صفحہ ۲۵۶ ۔ مؤلف

کا سد باب ہونا چاہئے یہ فرما کر خط میرے ہاتھوں میں دیا اور فرمایا کہ آپ خود یہ خط مسٹر کاڈری[۱۴۳] کو دیجئے .... میں وہ خط لے کر سیدھا امیر کبیر بہادر کے پاس گیا اور کل حال بیان کر دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا مرحبا۔ ایں کار از تو آں و مرداں چنیں کنند۔ ....

"میں وہاں سے سیدھا ریزیڈنسی گیا۔"[۱۴۴]

ذرا غور تو فرمائیے کہ اپنا مالک اور آقا فرماں روائے دکن اپنے استاد پر بھروسہ کر کے ایک اہم تحریر موسومہ ریزیڈنٹ دیتا ہے اور دینے کے بعد تاکید کرتا ہے کہ آپ خود یہ خط مسٹر کاڈری کو دے دیجئے اور ظاہر ہے کہ ایسا اہم معاملہ بطریق راز ہی ہو سکتا ہے مگر نواب سرور الملک بہادر سب سے پہلے ڈیوڑھی خورشید جاہی کا رُخ کرتے ہیں اور خط لے کر سیدھے نواب امیر کبیر بہادر کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ان سے "کل حال بیان کر دیا۔"[۱۴۵] نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفل ہا۔

اگر نواب سرور الملک بہادر یہ واقعہ اپنی سوانح خود نوشت میں اس طرح خود ہی ظاہر نہ فرماتے تو کیا کوئی دوسرا شخص خواب میں بھی ان کے متعلق ایسا وہم و گمان کر سکتا تھا۔

سرور الملک اور وقار الملک کا فرق

جہاں تک وقار الملک اور نواب سرور الملک کے باہمی تعلقات کا سوال ہے اس کے بارہ میں کارنامہ سروری کے صفحہ ۱۹۹ پر ہم کو حسب ذیل عبارت ملتی ہے۔

"مگر اب انتظام ملک کے دفاتر و محکمہ جات میں شمالی ہند کے حضرات بھی بیشتر بسفارش سرسید احمد خاں آنے لگے۔ چنانچہ ان میں سر برآوردہ مولوی مہدی علی۔ نواب اکرام اللہ خاں کاکوروی

---

۱۴۳ یہ صاحب ان دنوں ریاست نظام میں ریزیڈنٹ تھے۔

۱۴۴ کارنامہ سروری صفحہ ۲۵۸۔

۱۴۵ کارنامہ سروری صفحہ ۲۵۸۔ مؤلف۔

و نواب فدا حسین خاں اور ان کے بعد مولوی مشتاق حسین امروہوی تھے جو آتے ہی اعلیٰ عہدوں پر ممتاز اور مشیر و صلاح کار نواب وزارت پناہ ہو کر مدراسیوں پر غالب آگئے"۔ صفحہ ۲۷۹ پر درج ہے کہ مولوی مشتاق حسین صاحب" اضلاع میں صدر تعلقدار نہایت متدین اور سچے خیرخواہ ریاست اور کمال درجہ جفاکش اور کارگزار تھے اور ہر سازش سے پاک وصاف اور عربی فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور نواب آسمان جاہ کے مشیر خاص تھے"۔ صفحات ۲۸۱ تا ۲۸۲ پر یہ الفاظ ہیں "حضور پُرنور نے کل اختیارات حل و عقد جو وزارت پناہ[۱۴۶] و نہاراج[۱۴۷] و نواب[۱۴۸] وزیر کو حاصل تھے نواب سر آسمان جاہ کو عطا فرما کر مختار کل ریاست ابد مدت کو دیا۔ صرف اہم معاملات میں ضروری معروضات مع اپنی رائے اور تجویز کے نواب صاحب کی طرف سے اور ان کے نام اور دستخط سے مولوی مشتاق حسین صاحب داخل کر دیا کرتے تھے۔ گویا درحقیقت وزیر اعظم جناب مولانا[۱۴۹] اور ان کے شریک فتح نواز جنگ بہادر تھے نواب صاحب[۱۵۰] فقط دستخط کے مالک تھے۔ مولوی مشتاق حسین صاحب میں سوائے ضد اور ہٹ کے اور کوئی عیب نہ تھا۔ ریاست کے خیرخواہ۔ وزارت کے بہی خواہ۔ متدین۔ متقی، پرہیزگار۔ محنت و جفاکشی میں تیلی کا بیل۔ شب و روز قلم دوات کاغذ سے سروکار۔ مگر چونکہ نرے مولوی تھے۔ بلند پروازی میں کبھی ایک منزل کوٹھے سے زیادہ نہ اڑ سکتے تھے۔ انگریزی معاشرت اور انگریزی خیالات سے ناواقف تھے"۔

غرضکہ قارئین ملاحظہ فرمائیں گے کہ جہاں کہیں بھی نواب وقار الملک کا نام نواب سرور الملک

---

۱۴۶ نواب سر سالار جنگ اول سے مراد ہے۔

۱۴۷ مہاراج نریندر پرشاد کی طرف اشارہ ہے۔

۱۴۸ نواب میر لائق علی خاں سالار جنگ ثانی سے مطلب ہے۔

۱۴۹ مولوی مشتاق حسین صاحب۔

۱۵۰ نواب سر آسمان جاہ مراد ہیں۔ مؤلف"

نے اپنی اس کتاب میں لیا ہے وہاں پر طنز کا ایک خاص پہلو اختیار فرمایا ہے جس کی تلخی کو کتاب کا پڑھنے والا فوراً محسوس کر لیتا ہے۔ مگر یہ بات نواب وقار الملک کے کردار کی انتہائی پاکیزگی اور خوبی پر دلالت کرتی ہے کہ باوجود ہر جذبہ مخالفت کے مولوی مشتاق حسین کی ایمان داری وفاکیشی اور ان کے دامن کا سازشوں سے یکسر پاک وصاف ہونا نواب سرور الملک نے بار بار تسلیم کیا ہے اور دشمن کی طرف سے اگر ایسی کوئی شہادت فراہم ہو جائے تو اس کو افضل ترین شہادت مانا گیا ہے۔

اس موقع پر مولوی ابوالحسن صدیقی صاحب کا ایک خط موسومہ نواب وقار الملک نقل کیا جاتا ہے۔

خط نمبر ۱۳۱۔ صیغہ راز۔ حیدرآباد۔ ۱۱ محرم ۱۳۱۱ھ

جناب والا۔ آداب۔ عنایت نامہ مورخہ ۱۴ جولائی وصول ہوا۔ سابق کے مکرمت نامہ کے ساتھ جو عرضی تھی اس کو میں نے مکرر پیش کرنے کی کوشش کی مگر اب تک کوئی موقع نہ ملا اول تو میرا جانا سرور نگر نہیں ہوتا۔ دوسرے اکثر ایسے اوقات جانا ہوا جب دوسا بھائی وغیرہ موجود تھے اور یہ کاغذ کسی کے سامنے پیش کرنے کا تھا نہیں بلکہ دوساجی نے یہ التزام کر لیا ہے کہ جب سرکار[۱۵۱] کے سامنے جاتا ہوں تو وہ بھی ضرور پہونچتے ہیں اور ایک لمحہ کو علیحدہ نہیں ہوتے۔ ایک موقع پر میں نے آپ کی عرضی کا ذکر کیا تو فرمایا پھر کسی روز پیش کرنا۔ بہر حال پرسوں میں نے پیش کر دی تو سن کر فرمایا کہ آج کل کسی ایسی تحریک کا موقع نہیں ہے۔ جب وقت اچھا آئے گا تو وظیفہ کے اضافہ ہی پر کیا موقوف ہے۔ اس سے بھی زیادہ کچھ ہو سکتا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔ یہاں کی موجودہ حالت سے بیشک آپ کو پوری اطلاع نہیں ہے ـــ

---

۱۵۱ نواب سر آسمان جاہ سے مراد ہے۔ مؤلف

حضور[۱۵۲] کا مزاج ہندوستانیوں کی طرف سے بہت برہم ہو رہا ہے اور سنا ہے کہ علانیہ گالیاں دیتے ہیں۔ نواب[۱۵۳] صاحب کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ سرور جنگ جو چاہتے ہیں وہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں سرکار کوئی ایسی تحریک نہیں کرسکتے جو یقینی نامنظور ہو اور سرور جنگ کی طرف سے سخت الفاظ میں جواب آوے۔ گرکنٹھ والے مقدمہ میں اگرچہ وہی تجویز منظور ہوئی جو آپ نے کی تھی لیکن ایک نہایت سخت اور نازیبا الفاظ کی تحریر آئی جس میں آپ کے خلاف بھی بہت کچھ تھا۔ یہ تحریر حضور کے دستخط سے تھی گو ان کی عبارت نہ تھی۔ ایسی حالت میں آپ نواب صاحب کی معذوری اور مجبوری کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ یہ امور میں نے صرف نظیراً آپ کی اطلاع کے لئے خانگی طور پر لکھے ہیں۔ فنانشیل سکریٹری کے عہدہ پر چراغ علی صاحب کا تقرر حضور نے منصرمانہ طور پر منظور فرمایا ہے۔

نواب صاحب یہاں کے حالات سے بہت دل برداشتہ رہتے ہیں۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں دست کش نہ ہو جائیں۔ وقار الامرا بہادر کے ساتھ بھی وہ تعلقات نہیں جو سابق میں تھے۔ آج کل ہر شخص کو نفسی نفسی ہے۔ "خاکسار" ا۔

(اس جگہ انہی مولوی ابوالحسن صاحب کے ایک دوسرے خط کا کچھ حصہ بھی پیش کیا جاتا ہے مولف)

خط نمبر ۱۳۲۔ خانگی و راز۔ حیدرآباد۔ ۱۵ نومبر ۱۸۹۳ء

جناب والا۔ مکرمت نامہ کا جواب علٰحدہ ملفوف ہے۔ میں نے کل آپ کا دوسرا خط سرکار کو سنا دیا مگر کوئی کامیابی ابھی نہیں ہوئی۔ آپ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ کسی ایسے معاملہ میں جو آپ کی ذات خاص سے تعلق رکھتا ہو میں کسی طرح بے توجہی نہیں کرسکتا۔ میں محسن کش نہیں ہوں۔ اگر ہوا کا دیکھنے والا ہوتا (جیسے کہ ہمارے بعض اور دوست ثابت ہوئے ہیں) تو میں بھی سرور جنگ کی خوشامد کر کے کوئی ذاتی فائدہ حاصل کر لیتا جس کا انہوں نے مجھ کو موقع بھی دیا تھا۔ مگر میں نے اپنے اصول کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کیا ہے اس لئے اس باقتدار پارٹی کے ظلموں کا ہدف بننا میں نے اپنا عین فخر سمجھا۔ میری

۱۵۲۔ نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام دکن ۔ مولف

۱۵۳۔ وزیر اعظم نواب سر آسمان جاہ ۔ مولف

موقوفی میں بھی سرور جنگ نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی لیکن سرکار کی عنایت اور آپ کی دعا سے اب تک محفوظ ہوں۔ یہاں کے حالات بیشک آپ کو ٹھیک نہیں معلوم ہیں۔ آج اس بات کا اطمینان نہیں ہے کہ کل کیا ہوگا۔ لیکن اب کچھ آثار اچھے زمانہ کے نظر آنے لگے ہیں۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس وقت میں سرکار بے انتہا تردداتت میں مبتلا ہیں جن کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔ لیکن میرا ارادہ ہے کہ چند روز کے بعد کسی موقع پر میں پھر اس ہوا کے مضمون کو چھیڑوں لیکن دس پندرہ روز سے پہلے موقع نہیں مل سکتا۔ اگر اس عرصہ میں آپ کا کوئی عنایت نامہ بھی اتفاق سے آگیا تو اس موقع کے حاصل ہونے میں مدد ملے گی۔ براہ عنایت اس عریضہ کو بعد ملاحظہ چاک فرما دیجئے۔

خاکسار۔ محمد ابوالحسن۔

نواب سرور الملک بہادر کی خود نوشت سوانح عمری کے جو فقرے اوپر کے صفحات میں نقل کئے گئے ہیں ان سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ انہوں نے نواب وقار الملک کو ہمیشہ اپنا مخالف سمجھا اور یہ کہ حیدر آباد سے نواب وقار الملک کی علیحدگی میں سرور الملک بہادر کا زبردست ہاتھ تھا۔ مگر اس کے برعکس نواب سرور الملک بہادر کی حیدر آباد سے علیحدگی کے بعد انہی وقار الملک نے جو کوشش ان کے دوبارہ حیدر آباد بلوائے جانے کے واسطے بلند ترین سطح پر اپنی خانگی حیثیت سے کی۔ ماننا پڑے گا کہ اس کے لئے وقار الملک ہی کا جیسا دل گردہ درکار تھا۔ آگے جو تحریر درج کی جا رہی ہے وہ نواب وقار الملک کی طرف سے سر ڈینس فٹز پیٹرک کی موسومہ ہے جو حیدر آباد کے ایک نیک نام ریزیڈنٹ رہ چکے تھے اور بوقت تحریر پنجاب کے لفٹننٹ گورنر کے عہدہ سے ترقی پا کر ہندوستان کے سیکریٹری آف اسٹیٹ کی کونسل کے رکن بن کر ولایت کو روانہ ہونے والے تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ اس کو وقار نے اس کارروائی کی کوئی اطلاع نواب سرور الملک کو کانوں کان بھی نہ ہونے دی ہوگی اور اس تحریر کی عبارت سے بھی کچھ ایسا ہی ظاہر ہو رہا ہے اور اس کا ایک ثبوت شاید

یہ بات بھی سمجھی جا سکے کہ جہاں وقار الملک بہادر کے بیسیوں کاغذات ہم کو ملے وہاں کوئی تحریر جس سے اس خاص پہلو پر کوئی مزید روشنی پڑ سکے دستیاب نہ ہو سکی۔ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

اب وہ تحریر ملاحظہ فرمائیے۔

خط نمبر ۱۳۴ — علی گڑھ[۱۵۴] — مائی ڈیر سر۔

آخر مارچ گذشتہ میں جب آپ کے شملہ تشریف لے جاتے وقت مجھ کو علی گڑھ کے ریلوے اسٹیشن پر آپ سے ملاقات کرنیکی عزت حاصل ہوئی تھی تو میں نے آپ سے حیدرآباد کے معاملات کے متعلق کچھ عرض کیا تھا جس کی یادداشت میں اس کے ساتھ منسلک کرتا ہوں۔

۲۔ میری سروس ۲۰ سال کے قریب حیدرآباد دکن میں رہی جہاں سے میں ایک بڑی مقدار کی پنشن پا رہا ہوں اور جہاں مجھ کو بہت زیادہ ہزہائینس کے حضور میں باریابی کا موقع ملا ہے اور اس لئے میں ہزہائینس کے مزاج اور طبیعت سے بہت زیادہ واقف ہوں اور یہ حیثیت ایک نمک خوار ریاست کے اگر میں وہاں کے معاملات کے متعلق کچھ عرض کروں تو غالباً وہ میری بیجا جسارت نہ سمجھی جاوے گی۔ خاص کر جب کہ وہ مضمون ایسا بھی ہو جس میں برٹش گورنمنٹ کا بھی ویسا ہی تعلق ہو جیسا کہ ہزہائینس کا۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا تھا کہ ہندوستان کے دیسی والیان ریاست جن کو برٹش گورنمنٹ حتی الامکان سب طرح خوش رکھنا چاہتی ہے اب نہ کوئی زیادہ ملک چاہتے ہیں نہ کسی خزانہ کی ان کو برٹش گورنمنٹ سے خواہش ہے۔ وہ جو کچھ چاہتے ہیں اور جن باتوں سے وہ خوش ہو جاتے ہیں وہ اکثر بہت چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں مثلاً ہزہائینس نظام کی نسبت میں ان تمام ذرائع معلومات کی بناء پر جو مجھ کو حاصل ہیں عرض کر سکتا ہوں کہ ان کو اس بات کی خواہش ہے کہ نواب سرور جنگ سرور الملک بہادر ان کے قدیمی استاد جو ان سے علیحدہ کر دئے گئے ہیں وہ پھر ان کے پاس حیدرآباد پہونچ جاویں اور اس کا

---

۱۵۴ قراین بتلاتے ہیں کہ یہ خط غالباً ۱۸۹۳ء کے بعد اور ۱۹۰۲ء سے پہلے لکھا گیا ہے
(مؤلف)

بدیہی ثبوت یہ ہے کہ ہز ہائینس نے باوجود ان کے حیدرآباد سے علیحدہ ہونے کے ان کی تنخواہ جو دو ہزار روپیہ ماہانہ تھی اب تک برابر جاری رکھی ہے اور ان کے ایک فرزند کو انہوں نے ہائی کورٹ کا جج مقرر کیا ہے اور ان کے داماد نواب سر بلند جنگ بہادر کو چیف جسٹس۔ ان کے اور بچوں کی ماہواریں بھی بدستور جاری ہیں اور نواب سرور الملک بہادر کی بیوی کو ابھی تک حضور نے حیدرآباد ہی میں مقیم رکھا ہے جس سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ہز ہائینس کی خواہش ان کی نسبت کس قسم کی ہے اور باایں ہمہ جو ہز ہائینس نے اپنی اس خواہش کا اظہار اپنی طرف سے ریزیڈنٹ سے نہیں کیا تو وہ صرف اس اندیشہ سے کہ کہ مبادا برٹش گورنمنٹ ان کو ایسا مشورہ نہ دے اور میں ہز ہائینس کی طبیعت سے بخوبی واقف ہوں۔ وہ حتی الامکان کبھی اپنی کسی بڑی سے بڑی خواہش کا اظہار بھی اس وقت تک نہیں فرمانا چاہتے جب تک کہ حضور کو یہ اطمینان نہ ہو کہ وہ خواہش قبول بھی ہوگی۔ لیکن جب ایک طرف سے ہز ہائینس اس درجہ احتیاط اور برٹش گورنمنٹ کا لحاظ فرماتے ہیں۔ تو دوسری جانب سے حضور والیسرائے کو ہز ہائینس کی خواہش کی نسبت بھی خاص التفات فرمانا ضرور ہے۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا تھا کہ اس معاملہ کے متعلق مجھ کو بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی ...قسم کا کوئی اشارہ تک بھی ہز ہائینس کی طرف سے نہیں ہوا۔ یہ جو کچھ ہے میں نے اپنے یقین کی بناء پر عرض کیا ہے اور سب سے بہتر اور قابل اطمینان طریقہ کارروائی کا اس کے متعلق یہ ہوگا کہ ریزیڈنٹ بالمشافہ ہز ہائینس سے اس معاملہ کا ذکر فرماکر دریافت فرمالیں۔ اس میں کسی قسم کی غلط فہمی کا موقع نہ ہوگا۔

۳۔ جناب عالی نے کمال مہربانی سے میری اس تمام گذارش کا خلاصہ قلم بند فرمالیا تھا اور ارشاد فرمایا تھا کہ نتیجہ سے بھی مجھ کو اطلاع دی جائے گی لیکن چونکہ ریاستوں کے معاملات اسی قسم کے ہوتے ہیں جن میں اکثر دیر ہو جایا کرتی ہے میں نے اس عرصہ تک یاددہی مناسب نہ سمجھی تھی

مگر اب جب کہ معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ موسم میں جناب اس سے بڑے عہدہ پر انگلستان کو تشریف لے جانے والے ہیں تو میں نے ایک دفعہ اس یاد دہی کی جرأت کی ہے۔

۴۔ اور آخر میں اس طوالت کی معافی چاہتا ہوں میں ہوں آپ کا ادنیٰ ترین خادم۔

خاکسار

نواب مشتاق حسین

صرف یہ دکھلانے کے لئے کہ راقم السطور کے علاوہ ایک دوسرے صاحب نے نواب سرور الملک بہادر کے متعلق کیا رائے قائم کی تھی۔ مولوی محمد امین زبیری صاحب مرحوم کی مؤلفہ کتاب "تذکرہ وقار" کے صفحہ (۴۷) پر جو نوٹ نمبر (۱) درج ہے وہ اب پیش کیا جاتا ہے۔

"گذشتہ دہ سالہ سازشوں، امراء کی باہمی رقابتوں۔ وزراء اور ان کے متعمدین کے عزل و نصب میں ایک درباری عہدہ دار نواب سرور جنگ کا ہاتھ اور نام نہایت قوت و طاقت اور شد و مد کے ساتھ شامل رہا جو نواب سر آسمان جاہ اور نواب وقار الملک کے بھی شدید ترین مخالف تھے اور اس بساط پر انہوں نے زبردست کامیابی حاصل کی تھی۔ ان کو، اعلیٰ حضرت کی استادی کا شرف حاصل تھا اور نہایت رسوخ یافتہ تھے لیکن عرصہ دراز تک سر پلوڈن کی مربیانہ شفقتوں سے بہرہ ور رہنے کے بعد انہیں کی قہرمانی نظر کا شکار ہوئے اور ۱۸۹۷ء میں حیدرآباد سے ان کے تعلقات منقطع کرائے گئے۔ عرصہ تک لکھنؤ و اجمیر میں مقیم رہ کر مستقل سکونت علی گڑھ میں اختیار کی ۱۹۳۲ء میں بعمر ۸۴ سال انتقال کیا۔"

نیز محمد امین زبیری صاحب کے اسی "تذکرہ وقار" کے صفحہ (۹۸) پر نواب سرور الملک بہادر کی کتاب "کارنامہ سروری" کے بارہ میں حسب ذیل نوٹ نمبر (۱) پڑھنے کے قابل ہے۔

"یہ کتاب نواب سرور جنگ نے حیدرآباد سے واپسی کے بعد "مائی لائف" کے نام سے

شائع کی اور اب تقریباً تیس سال بعد ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ کتاب کا بڑا حصہ حیدرآباد کے سازشی واقعات سے معمور ہے جن کے بیان میں خود ستائی اور دوسروں کی تنقیص کا ایک خاص طرز اختیار کیا گیا ہے۔ کم ہی عہدہ دار ایسے خوش قسمت ہیں جو سرور جنگی قلم کا نشانہ نہیں بنے "

جو تیز و تند لہجہ "کارنامہ سروری" میں نواب وقار الملک کے لئے تقریباً ہر جگہ نواب سرور الملک بہادر نے اختیار فرمایا ہے۔ اگر اس کا مقابلہ اس باوقار لہجہ سے کیا جائے جو ہر قسم کی مخالفت کا علم رکھنے کے باوجود نواب وقار نے اپنی مندرجہ بالا تحریر موسومہ سر ڈینس فٹز پیٹرک میں اور اپنی عرضداشت موسومہ حضور نظام خلد آشیاں میں (جس کا کچھ حصہ اوپر کے صفحات میں یہاں نقل ہوا ہے) نواب سرور الملک بہادر کے واسطے اختیار کیا ہے تو دونوں کے کردار کا فرق بالکل نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ یہاں آپ اس بات کو بھی فراموش نہ فرمائیں کہ حیدرآباد سے علیحدگی کے بعد نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک نے قوم اور ملک کی شاندار خدمات انجام دیں اور سرسید کی جانشینی کا پورا پورا حق ادا کیا۔

کسی متقدم ہستی پر اعتراض کرنا بجائے خود ایک غور طلب بات ہے۔ پھر ہم کو تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اپنا ہر بزرگ قابل احترام ہوتا ہے اور یہ کہ ۔

"خطائے بزرگاں گرفتن خطاست"

اس کے علاوہ نواب سرور الملک بہادر سے تو مؤلف کو کئی طرح کی عقیدت بھی ہے، ممدوح اس شاہ ذی جاہ کے استاد معظم ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ جن کی فرماں روائی میں مولوی مشتاق حسین صاحب کو دکن آنا نصیب ہوا۔ وہ نواب وقار الملک کے ہمعصر ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے اور بھی قابل احترام ہیں اور خود بھی ایک عالم اور اہل قلم تھے مگر جس چیز نے ہم کو ان صفحات کے لئے لکھنے پر مجبور کر دیا وہ یہ جذبہ ہے کہ جن مرحوم

حضرات پر بلا وجہ اعتراضات کئے گئے ہیں ان کی شہرت کو محفوظ کیا جائے۔ نواب سرور الملک اپنے مخالفین پر جو الزامات عاید فرما رہے ہیں چونکہ "کارنامہ سروری" کے صفحات میں بالکل نادانستہ طور پر ان کی تردید و تکذیب بھی اپنے الفاظ میں ساتھ ہی ساتھ کرتے جاتے ہیں اور جن وجوہ کو بنیاد بنا کر چند مقتدر ہستیوں کو مطعون کرنے کی کوشش کی گئی ہے چونکہ وہ بے حد دور از کار اور لاطایل وجوہ ہیں اس لئے ہم سے نواب سر آسمان جاہ ۔ نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کی یہ بے چارگی نہ دیکھی جا سکی کہ مصنف خود ہی اپنے دعووں کو مسمار کرتا جاتا ہو اور یہ بے زبان موت کی بے بسی کے عالم میں سرور الملک بہادر کی تضاد بیانی پر سے نقاب اٹھانے کی سکت نہ رکھتے ہوں ۔ اسی لئے یہ عبارت کرنی پڑی ۔

یہاں ایک خیال جو رہ رہ کر آرہا ہے یہ ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ نواب سرور الملک بہادر مرحوم کے چند منتشر خیالات کی زمین پر اس کتاب کی تصنیف کسی دوسرے گمنام شخص کی کوششوں کی رہین منت ہو اور وہی اس قسم کی متعدد تضاد بیانیوں کا اصل سبب بھی ہو ۔ مگر مولوی مقتدیٰ خاں صاحب شروانی کا جن کے ہاتھوں کتاب کی اشاعت عمل میں آئی ہے بیان ہے کہ "مجھے پوری کتاب کا مکمل مسودہ خود نواب صاحب نے بموجودگی نواب ذوالقدر جنگ بہادر حوالہ کیا تھا۔" (خط مورخہ ستمبر ۱۹۲۶ء موسومہ مؤلف) بہر حال آج نہ حضور پر نور حیات ہیں نہ نواب امیر کبیر بہادر ۔ نہ سر وقار الامرا موجود ہیں نہ سر آسمان جاہ ۔ محسن الملک وقار الملک اور سرور الملک سب ہی اپنے اپنے مقررہ وقت پر خدائے قدوس کی بارگاہ عالی میں حاضر ہو چکے ہیں ۔ اسی طرح سر رچرڈ میڈ مسٹر کاڈری ۔ مسٹر پلاوڈن اور سر ڈینس فٹز پیٹرک ریذیڈنٹ صاحبان بھی دنیا سے کوچ کر چکے ہیں اور اپنے اپنے اعمال کا جواب ہر شخص وہاں دے گا جہاں کسی غلطی یا غلط فہمی کا امکان ہی نہیں اور جہاں مالک کائنات دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دکھائے گا۔

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

لہذا ہم بھی ان حضرات کو دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں اور ان سب کے لئے یکساں طور پر خدا تعالےٰ سے مغفرت کے طالب ہیں کیونکہ انسان کچھ بھی ہو خطا و نسیان کا پتلا ہے۔ اور پھر یہ حضرات تو بہت سی خوبیوں کے حامل بھی تھے اور ایک لفظی تصرف کے ساتھ بقول شاعر "خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والوں میں۔

آخر میں اتنا عرض کرنے کی اور اجازت دیجئے کہ دہلی کے (NATIONAL ARCHIVES) میں اگر حیدرآباد ریزیڈنسی کے متعلقہ اسنلہ ملاحظہ کئے جائیں تو اس کا قوی امکان ہے کہ بہت سے ایسے امور کے بارہ میں جن کا حوالہ کارنامہ سروری میں نواب سرور الملک بہادر مرحوم نے جابجا دیا ہے کچھ اور عجیب و غریب باتیں بھی معلوم ہوں اور ایسے ہی انکشافات حضور پر نور نظام دکن کی پیشی مبارک کی اسنلہ سے بھی ہونے ممکن ہیں بشرطیکہ وہاں تک کسی کو رسائی حاصل ہو جائے۔ افسوس ہے کہ ہم کو ایسے مواقع نہ مل سکے۔

نواب سرور جنگ بہادر نے "کارنامہ سروری" میں ریاست نظام کے ریزیڈنٹ سرچیلی پلاوڈن پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ان کا اپنا نقطہ نظر ہے مگر اس سلسلہ میں خود پلاوڈن صاحب کی ایک تحریر کی نقل ہم کو ملی ہے اور مولوی سید محی الدین صاحب وظیفہ یاب مددگار دفتر ملکی و مالی ریاست نظام نے مؤلف کو عنایت فرمائی ہے لہذا شکریہ کے ساتھ کتاب کے آخر میں اس کو بھی شریک کر دیا گیا ہے۔

سب سے آخری بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا حضرات کے علاوہ مولوی نذیر احمد دہلوی اور مولوی مسیح الزماں خاں صاحب شاہجہان پوری وغیرہ کا بھی جس طرح نواب سرور جنگ بہادر نے ان صفحات میں جگہ بہ جگہ ذکر کیا ہے اور الزامات عائد کئے ہیں ان سب کی صحت بھی مشتبہ قرار پائے گی اور اگر کوئی صاحب ان باتوں کی بھی چھان بین کریں تو دلچسپ واقعات ظاہر ہونے کا قوی امکان ہے۔

"مائی لایف"

ایک ضروری بات "کارنامہ سروری" کے انگریزی ترجمہ کے متعلق بھی عرض کرنی ہے۔ اس کتاب کا جو انگریزی ترجمہ "مائی لائف" کے نام سے نواب سرور الملک بہادر کے فرزند نواب جیون یار جنگ بہادر مرحوم سابق چیف جسٹس ہائی کورٹ ریاست حیدرآباد۔ دکن نے شائع فرمایا ہے وہ ایک انوکھی اور نرالی چیز ہے۔ ترجمہ کو حتی الامکان بامحاورہ رکھنے کی جو کوشش کی گئی ہے وہ تو ہر آئینہ لایق ستائش ہی سمجھی جائے گی۔ اور "مائی لائف" کے "FORE WORD" کے صفحہ VI پر مترجم موصوف نے صاف طور پر ظاہر فرمادیا ہے کہ........

"A translation is best with many difficulties............... .... some of them insurmountable..................... I have, therefore, been obliged to translate some portions freely.......................................

ترجمہ: ہر ترجمہ کو بہت سی دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے اور ان میں سے کچھ مشکلات تو ایسی ہوتی ہیں جن سے عہدہ

ہونا ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا میں اس بات پر مجبور ہوا ہوں کہ ترجمہ کی تمام پابندیوں سے بے نیاز ہو کر کچھ حصوں کا ترجمہ آزادانہ طور پر کر دوں۔

مگر مترجم کا یہ حق کوئی بھی تسلیم نہ کرے گا کہ اصل عبارت کے واقعات کو ترجمہ میں بدل دیا جائے یا ان کو مسخ کر کے پیش کیا جائے۔ لیکن جب اس کسوٹی پر "مائی لائف" کو جانچا گیا اور ترجمہ کا مقابلہ اصل اردو کتاب سے کر کے دیکھا گیا تو ایک عجیب و غریب صورت حال کا سامنا ہوا۔ زیادہ غور و فکر کا موقع تو ہم کو مل نہ سکا کیونکہ مضمون کا یہ عنوان ہمارے موضوع سے ہٹا ہوا ہے۔ پھر بھی سرسری طور پر جو زبردست فرق اور تضاد اردو کی عبارت اور اس کے انگریزی ترجمہ میں ہم کو نظر آیا اب اس کا ایک تقابلی تختہ پیش کیا جاتا ہے۔

"کارنامہ سروری"

(۱)

تذکرہ میں کارنامہ سروری کے صفحہ ۱۹۸ کی عبارت یوں ہے۔" اور جناب مولانا بانی مبانی اس دارالعلوم کے ہوئے جو اب شہر علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے۔" اس فقرہ کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہے یعنی یہ کہ نواب سرور الملک بہادر کے خیال میں ایم۔اے۔او کالج کے اصل بانی مولوی سمیع اللہ خاں صاحب تھے مگر اس کا جو انگریزی ترجمہ کیا گیا ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔ اور اگر پلٹ کر اس کو پھر اردو کا جامہ پہنایا

"مائی لائف"

مائی لائف صفحہ ۱۰۳ پر اس فقرہ کا مطلب ترجمہ میں جس طرح بالکل بدل گیا ہے اب اس کو ملاحظہ فرمایئے۔

"..........and the Moulvi Sahib, on his part, became one of the founders of the College in Aligarh, which is known as the Mohammedan Anglo-Oriental College."

جائے تو وہ کچھ اس طرح ہوگا۔" اور مولوی صاحب محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کے بانیوں میں سے ایک تھے " اردو عبارت کے اصل مطلب کو اس طرح بدل دینا ترجمہ کی تعریف میں نہیں آتا۔

(۲)

کارنامہ سروری کے صفحہ ۱۹۹ پر جہاں نواب سرسالار جنگ بہادر اول کا ذکر ہو رہا ہے حسب ذیل عبارت درج ہے ۔

" نواب وزارت پناہ مولوی مہدی علی کی رفتار اورنگ آباد میں دیکھ کر ہوشیار ہو گئے تھے اور ان میں سے چند اشخاص کو خدمات سے سبکدوش کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا بلکہ اپنے سفید جامے کا دامن دکھا کر فرماتے تھے کہ مہدی علی صاحب نے اس سفید جامہ پر سیاہ دھبہ لگا دیا " اس ترجمہ میں نہ اورنگ آباد کا کوئی ذکر ہے نہ سفید جامے والے فقرہ کا جو بالکل ہی حذف کر دیا گیا ہے۔

اب مائی لائف کے صفحہ ۱۸۴ پر اس فقرہ کا ترجمہ پڑھئے ۔

"H.E. the minister had himself witnessed the behaviour of Mehdi Ali and was determined to relieve some of these gentlemen."

(۳)

صفحہ ۲۰۱ ۔ اور ۲۰۲ پر کارنامہ سروری میں یوں لکھا ہے " میں نے عرض کیا یہ تو

مائی لائف کے صفحہ ۱۸۷ پر اس فقرہ کا

آپ کے قبضہ کی بات ہے - فرمایا کہ یہ بات گورنمنٹ آف انڈیا تک پہونچ گئی ہے اب سفر نہیں رک سکتا - افسوس یہ ہے کہ میری تجاویز انتظام ریاست سب ملتوی اور میری تمنائیں دل کی دل میں رہ گئیں "

ترجمہ یوں ہوا ہے -

'No", he replied, "this letter in the hands of the Government of India will be like a coco-nut in the hands of a monkey."

(۴)

صفحہ ۲۱۷ پر کارنامہ سروری میں یہ فقرہ درج ہے " مولوی نے پاؤں مہاراجہ کے پکڑ لئے "

واضح باد کہ یہاں " مولوی " سے مراد مولوی مہدی علی محسن الملک بہادر سے ہے -

مائی لائف کے صفحہ ۲۰۰ پر اس فقرہ کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے -

" ....and at the interview, the Moulvi, in beseeching the Maharaja to withhold his hand, paid him such a glowing tribute that........"

(۵)

کارنامہ سروری کی عبارت صفحہ ۲۳۰ پر یہ ہے " چودھری واجد حسین تعلقدار گدیہ نے بھی اچھی لیاقت حاصل کی تھی - وہ میرے پاس حیدرآباد آنے والے

صفحات ۲۰۹ - اور ۲۱۰ پر اس فقرہ کا ترجمہ مائی لائف میں حسب ذیل کیا گیا ہے -

تھے مگر جلد انتقال کر گئے۔ شاہد حسین ان
کا جوان بیٹا بھی دفعتاً مر گیا۔"

مخفی نہ رہے کہ جن شاہد حسین کی جوان
مرگی کا ذکر سرور الملک بہادر فرما رہے ہیں
مترجم انہیں صاحب کو زندہ حیثیت سے
پیش کر رہے ہیں اور ان کے جس کردار کا
اصل اردو عبارت میں کوئی تذکرہ نہیں
ہے اس کردار کو ترجمہ میں سراہ رہے ہیں۔

"He wanted to visit me in Hyderabad, but died soon afterwards, and now his son Shahid Husain is of a very pushing character."

(٦)

کارنامہ سروری کے صفحہ ۳۴۲ پر حسب ذیل
عبارت ہے: "الغرض ایک انقلاب عظیم
ڈیوڑھی مبارک میں ہو گیا چونکہ یہ حضرات
قدیم قواعد و ضوابط سے لاعلم تھے اور اہل
یورپ کے شاہی مراسم تو ایک طرف
امرائے عظام تک کی معاشرت سے ناقص العلم
پرانی رفتار غائب، نئی رفتار ناقص آدھا
تیتر آدھا بٹیر والا معاملہ ہو گیا۔ امرائے
عظام تو ان قواعد کے پابند نہ ہوئے
اور دربار و دعوت وغیرہ میں نواب
امیر کبیر و نواب آسمان جاہ بجائے
یونیفارم (وردی) وہی اپنے قدیم لباس

مگر اس پوری عبارت کا ترجمہ ہم کو مائی لائف
میں کسی جگہ بھی نظر نہیں آیا۔ البتہ اس
عبارت سے اوپر کے فقروں کا اور بعد کے
فقروں کا ترجمہ دیکھنے سے یہ اندازہ
ہوتا ہے کہ مائی لائف کے صفحہ ۲۲۰ پر ممکن
ہے حسب ذیل فقرہ میں اس عبارت کا
مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

"In short, a great revolution was taking place at the Royal palace."

میں شریک ہوتے رہے۔ ڈنر سوٹ وغیرہ
کا نام بھی ان کو معلوم نہ تھا۔ گو رفتہ رفتہ
سوائے امیر کبیر دیگر امراء بھی یہ جدید
طریقے اختیار کرنے لگے۔ عام طور پر جو
شامت زدہ نافہمی سے خلاف ان قواعد
کے حاضر ہوتا وہ وحشی سمجھا جاتا۔"

(۷)

کارنامہ سروری کا صفحہ ۲۶۰۔ اس عبارت
سے شروع ہوتا ہے: "اب کیا کیا جائے میں
نے دل میں سوچا کہ اگر حضور پُرنور رضامند ہو کر
نواب لائق علی خاں سے صلح کر لیں گے تو تمہاری
شامت آجائے گی۔"

مائی لائف نے اس فقرہ کا ترجمہ اپنے صفحہ
۲۳۲ پر اس طرح کیا ہے۔

"I humbly replied that whatever Col. Rass had said was true"

کیا اس قسم کے ترجمہ پر فری ٹرانسلیشن
کی تعریف صادق آتی ہے۔

(۸)

کارنامہ سروری کے صفحہ ۲۷۸ پر ایک
پورا باب حسب ذیل الفاظ پر ختم ہو جاتا ہے
"یہاں حضور پرنور تلے ہوئے بیٹھے تھے۔ فوراً
استعفا منظور کر لیا۔" اور ان الفاظ کے بعد
"سر آسمان جاہ کی ولایت سے واپسی" کی
سرخی سے دوسرا مضمون شروع کیا گیا ہے۔

مگر مائی لائف کے صفحہ ۲۴۹ پر اس جگہ ہم کو
حسب ذیل عبارت ملتی ہے۔

"Moulvi Mehdi Ali and Faridunji were both perplexed at this and thought the Colonel had played a trick on them."

(۹)

صفحہ ۲۸۱ پر جہاں نواب لایق علی خاں کا تذکرہ ہو رہا ہے وہاں نواب فتح نواز جنگ بہادر اور ان کی بیگم صاحبہ کے متعلق کارنامہ سروری میں یہ فقرہ درج ہے۔

"مگر چند روزہ زمانہ نواب وزیر میں انہوں نے اور ان کی میم نے نواب وزیر کی صحبت میں کمال رسوخ حاصل کیا اور جب وہ معزول ہوگئے تو بہ امداد مولوی مشتاق حسین مصاحب و مشیر خاص نواب آسمان جاہ بن گئے مگر چونکہ نواب آسمان جاہ سن رسیدہ اور قدیم تہذیب کے پابند تھے میم صاحبہ کی دال وہاں نہ گلی۔"

کیا اس ترجمہ کا اردو کی اصل عبارت سے دور کا بھی کوئی تعلق پایا جاتا ہے۔

انگریزی میں اس فقرہ کا ترجمہ مائی لائف کے صفحہ ۲۸۲ پر حسب ذیل کیا گیا ہے۔

"But in the short regime of Nawab Laiq Ali Khan he and his Mistress secured such influence that when the Nawab was relieved of his office he, with the aid of Moulvi Mushtaq Husain, became a companion and adviser to Nawab Sir Asman Jah."

یہ ترجمہ یہاں ختم ہو جاتا ہے مگر اردو فقرہ کی آخری عبارت "چونکہ نواب آسمان جاہ سن رسیدہ اور قدیم تہذیب کے پابند تھے

میم صاحب کی دال وہاں نہ گلی" کا کوئی ترجمہ کیا ہی نہیں گیا ہے۔

(۱۰)

کارنامہ سروری کے صفحہ ۲۸۴ پر درج ہے "راجہ کشن پرشاد کہ جن کا مفصل حال اپنے مقام پہ درج کیا جائے گا مثل ایک معمولی درباری کے افسر جنگ اور محبوب یار جنگ وغیرہ کے پاس بیٹھنا غنیمت سمجھتے تھے تاکہ حضور پر نور کا سلام میسر آجائے....

مائی لائف کے صفحہ ۲۵۴ پر اس فقرہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"Raja Hari Kishan, the father of Maharaja Sir Kishan Pershad, used, with his companion........."

یہاں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اردو عبارت میں تو راجہ کشن پرشاد کا نام لیا گیا ہے مگر انگریزی ترجمہ میں ان کے والد بزرگوار راجہ ہری کشن سے بحث کی جارہی ہے۔

(۱۱)

صفحہ ۲۸۹ پر کارنامہ سروری میں حسب ذیل الفاظ درج ہیں۔

"میں نے عرض کیا کہ اگر بہ جبر مجھ سے دریافت فرمایا جاتا ہے تو سنئے اس کا نام مس ڈانالی تھا اور اگرچہ میں محفوظ رہا مگر میرے ہم درس و ہم مکتب اس کے حالات سے

مگر مائی لائف کے صفحات ۲۵۸ تا ۲۵۹ پر اس فقرہ کا ترجمہ یوں ہوا ہے۔

"I then said that if I were forced to do so, I should have to say that her name was Miss......... and that she led a fast life."

واقف ہیں۔"

(۱۲)

کارنامہ سروری کے ۳۰۲ صفحہ پر نواب سرورالملک بہادر کے الفاظ یوں ہیں۔

"جب اپنے ہی لوگ ناعاقبت اندیش ہوں اور بدخواہ ریاست بنیں تو غیر سے کیا گلہ ہو سکتا ہے۔ یہ اشارہ نواب امیر کبیر اور ان کے مددگار کی طرف کر کے فرمایا۔........"

مگر مائی لائف کے صفحہ ۲۶۹ اور ۲۷۰ پر جو ترجمہ کیا گیا ہے اس میں نواب امیر کبیر وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے اور وہ ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"When I visited His Excellency he said, when our own men were so short-sighted and disloyal, what right had we to complain of the conduct of strangers?"

(۱۳)

کارنامہ سروری کے صفحہ ۳۰۵ پر عبارت یوں درج ہے۔

"اس کے بعد فرمایا کہ اس کام کے واسطے مجھ کو دو آدمی تجربہ کار اور میرے بہت ہی خیرخواہ ملے ہیں ہر انتظامی نقشہ جو تم دیکھتے ہو ان ہی دو کا جمایا ہوا ہے۔ ایک مولوی فریدالدین خاں دہلوی دوسرا (یہیں نام

مگر مائی لائف کے صفحات میں اردو کا یہ پورا فقرہ غایب ہے اور اس کے صفحہ ۲۷۲ پر جو فقرہ درج ہے وہ یہ ہے۔

بھول گیا شاید پسٹن جی) فلاں پارسی اور
ان کے ساتھ برائے اطمینان اہل بلدہ وعیب
جویان مولوی احمد علی (فرزند مولوی اکبر علی)
کو شریک کر دیا اور فوجی انتظام یعنی نظم جمعیت
مولوی محمود کے سپرد کر دیا سو ایک تو نیچہ قضا
نے اچک لیا دوسرا استعفا دیکر خانہ نشیں
ہو گیا۔ دو صاحب قید خانہ میں زندگی بسر
کر رہے ہیں " دونوں عبارتوں کا یہ فرق
نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

"But I suggested that, His Excellency being a statesman, he would not, even if he gave all his time from morning till midnight, find leisure for such matters of policy as the education of the masses, the material prosperity of the ryots, the raising of the standard of living, and other civilizing influences. There was a vast difference between a Karkoon and a Karfarma (Statesman)."

(۱۴)

کارنامہ سروری میں صفحہ ۲۶۶ پر یہ فقرہ ہے۔
"ان کے بعد مولوی محمد صدیق رکن
رکین گروہ مخالف میرے پاس آئے "

مگر مائی لائف نے اپنے صفحہ ۲۸۱ پر اس
کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

"After him came Moulvi Mohammad Siddik, the leader of the party opposing Maulvi Mehdi Ali"

حالانکہ اردو کی اصل عبارت میں مولوی مہدی علی کا نام یہاں درج نہیں ہے مگر ترجمہ میں اس کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

(۱۵)

کارنامہ سروری کے صفحہ ۳۱۷ کا یہ فقرہ ملاحظہ ہو۔

"میں نے عرض کیا کہ واقعات تو میرے پاس پہلے ہی سے قلم بند ہیں مگر یہ کل بیانات حضور کے پاس داخل ہونے چاہییں اور حضور ہی اس کا تصفیہ فرمائیں۔"

مگر مائی لائف کے صفحہ ۲۸۲ پر اس مقابل والے فقرہ کے بعد حسب ذیل عبارت درج ہے۔

'I added that the interference of Mr. Plowden in internal affairs was not only improper, but would be a bad precedent for the future."

واضح ہو کہ اصل اردو عبارت میں اس جگہ کوئی فقرہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جس کا یہ ترجمہ ہو سکے اور یہ صرف مترجم کا اپنا اضافہ ہے۔

(۱۶)

صفحات ۳۲۰ تا ۳۲۱ پر کارنامہ سروری میں تحریر ہے کہ "ان مراسلات کو ان حضرات اور نواب وقار الامرا وزیر افواج نے

لیکن مائی لائف نے اپنے صفحہ ۲۸۵ پر اس فقرہ کا جس طرح ترجمہ کیا ہے اس میں نواب وقار الامرا وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور وہاں پر صرف

چھپا رکھا تھا اور حضور پر نور کو اس کی اطلاع بھی نہ تھی۔"

اتنا لکھا ہوا ہے کہ۔

"His Highness had not the slightest knowledge of this correspondence."

(۱۷)

کارنامہ سروری کے صفحہ ۲۲۲ پر لکھا ہے کہ "میں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ مکرر اس خط کو پڑھ لیں - میں ایک غریب آدمی ہوں اور معاملہ بہت بڑا ہے۔

مگر مائی لائف نے جو ترجمہ اس کا کیا ہے اس میں غربت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور صفحہ ۲۸۶ پر جو ترجمہ درج ہے وہ یوں ہے۔

"I replied that I wished him to read the letter once more, as the matter was of prime importance."

(۱۸)

صفحہ ۳۳۶ پر کارنامہ سروری میں حسب ذیل عبارت موجود ہے:" میں نے جو یہ زور شور مسٹر پلاوڈن کا دیکھا تو میرے کان کھڑے ہو گئے کوتوال کی رفتار سے میں خوب واقف تھا۔ سوچا کہ کوتوال کی یہ کارروائی دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ مولوی مہدی علی پر حملہ کرنا چاہتا ہے یا اپنی چستی اور مستعدی ثابت کر کے حضور پر نور اور ریزیڈنٹ کو ممنون کیا چاہتا ہے کہ میں نے جان بچائی۔"

اصل اردو عبارت میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ کوتوال بلدہ کے طرز عمل کی . . نواب سرور الملک بہادر تو دو وجوہ تحریر فرماتے ہیں مگر مترجم اس میں ایک تیسری وجہ کے اضافہ کی ضرورت بھی محسوس کرتے ہیں۔ اب مائی لائف کے صفحہ ۲۹۵ پر تحریر کردہ اس فقرہ کا ترجمہ پڑھئے اور اس کی آخری سطور کا مقابلہ اردو عبارت سے فرمائیے جو مقابل پر درج ہے تو یہ بات عیاں ہو جائے گی۔

"When I saw Mr. Plowden taking such interest in the case, I became alert, and began to think that the Kotwal's action could only be attributed to the following three reasons: First, his intention might be to attack Moulvi Mehdi Ali; Secondly, he might want to please the Resident by giving proof of his smartness and activity—that he had saved his life; and Thirdly, that he was working under some special hint from the Resident."

ناظرین مترجم کی اس عبارت پر بطور خاص
توجہ فرمائیں۔

(۱۹)

کارنامہ سروری کے صفحہ ۳۳۸ پر جہاں حسین خاں صاحب باشندہ جاورہ کا ذکر ہو رہا ہے وہاں حسب ذیل فقرہ درج ہے:- "ایسے کوتوال کے اثر میں آگئے کہ میرے پاس آستینیں چڑھا کر آئے اور کہا کہ آپ مجھ کو بددیانت سمجھتے ہیں اور میری شکایت ہر جگہ کرتے پھرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے تو آپ کے تقرر کو نہایت خوشی سے منظور کرایا ہے اور حضرت بندگان عالی حضور پرنور بھی آپ کو اس خدمت کے لائق سمجھتے ہیں مگر وہ آگ بگولہ بنے رہے۔

لیکن مائی لائف کے صفحہ ۲۹۶ پر اس پورے فقرہ کو حذف کر دیا گیا ہے اور اس کا ترجمہ ہم کو پوری کتاب میں کسی دوسری جگہ بھی نظر نہیں آیا۔

(۲۰)

کارنامہ سروری کے صفحہ ۳۳۹ کے آخری الفاظ اور صفحہ ۳۴۰ کی ابتدائی سطور اب پیش ہیں:- "مجھ کو اپنی خدمت موجودہ پر فخر نہیں ہے بلکہ اس امر پر ناز ہے کہ میں ہز ہائینس کا وہ شاگرد ہوں کہ میرے ہاتھ پر تعلیم شروع ہوئی اور میرے ہی ہاتھ پر ختم ہوئی اور میری یہ شیخی کیا کم ہے کہ میرے "رائل ماسٹر" میری دیانت اور امانت پر اعتماد کلی فرماتے ہیں۔"

مگر مائی لائف کے صفحہ ۲۹۸ پر مقابل والے اردو فقرہ کے ترجمہ کے معاً بعد حسب ذیل فقرہ انگریزی میں درج ہے جو اصل اردو عبارت میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

"I reminded him that for services rendered by my family in the Sikh war and the Indian Mutiny the Government, in appreciation of our loyalty, bestowed the state of Badaygaon, in Sitapur, on my uncle Mirza Abbas Baig."

کیا فری ٹرانسلیشن ایسا ہی ہوتا ہے۔

(۲۱)

کارنامہ سروری کے صفحہ ۱۴۳ کے ابتدا میں حسب ذیل فقرہ درج ہے۔

"میں نے کہا کہ یہ سب ہنگامہ افسر جنگ بہادر کا مچایا ہوا ہے۔ آٹھ سو سوار سے زیادہ کسی طرح اس وقت ممکن نہیں ہیں۔ وہ بولے کہ افسر جنگ کا نام ناحق لیتے ہو۔ یہ کارستانی تمہاری ہے۔ میں یا قسمت یا نصیب کہہ کر چلا آیا۔

مگر اس فقرہ کا جو ترجمہ مائی لائف کے صفحہ ۲۹۹ پر کیا گیا ہے۔ اس میں افسر جنگ بہادر کا نام درج نہیں ہے اور وہ حسب ذیل ہے

"*What could I do now, and what reply could I make to this officer?*" I suggested that at this time it was impossible to give more than 800 horse."

یہاں پر قارئین کرام خط کشیدہ عبارت کو اردو کی اصل عبارت سے ملا کر پڑھیں تو پتہ چلے گا کہ دونوں دو جدا جدا چیزیں ہیں - پھر ہی نہیں - بلکہ اردو عبارت کا آخری فقرہ جو الفاظ " وہ بولے " سے شروع ہو کر " کہہ کر چلا آیا " پر ختم ہوتا ہے انگریزی ترجمہ میں شریک ہی نہیں کیا گیا ہے -

(۲۲)

اب اسی صفحہ ۳۴۱ پر کارنامہ سروری کا آخری فقرہ پڑھئے - حضور پر نور نے اس رائے کو پسند فرمایا - مگر یہ ایک جرم اور میری فرد جرائم میں بڑھایا گیا - ایک بار افسر جنگ بہادر چند جاپانی فوجی ساتھیوں کو قلعہ میں لے گئے - میں نے بحکم حضور فوراً وزیر وقت کو لکھا کہ قلعہ جائے ہوا خوری حضرت اقدس و اعلیٰ ہے مناسب ہے کہ بغیر آپ کی اطلاع اور خاص اجازت کے آئندہ کوئی سیاح قلعہ میں جا کر دعوت وغیرہ نہ کھایا کرے -

اس فقرہ کی صرف ابتدائی دو سطروں کا ترجمہ کر کے باقی پورا فقرہ مائی لائف میں نظر انداز کر دیا گیا ہے - چنانچہ اس کے صفحہ ۲۹۹ پر یہ فقرہ یوں درج ہے -

"His Highness approved of this opinion and another count was added to the list of my crimes."

(۲۳)

کارنامہ سروری کے صفحہ ۳۴۶ کی پہلی سطر کے

لیکن اس کے باوجود مائی لائف میں جو فقرہ اس جگہ شریک کیا گیا ہے وہ اردو عبارت

آخری الفاظ" اور مسٹر ہلاوڈن منسٹر سے لے کر
صفحہ کی سب سے آخری سطر کے ابتدائی الفاظ
"دستخط کر دیتے ہیں" تک کا انیس سطور کا ایک
پورا صفحہ کا صفحہ مائی لائف کے ترجمہ میں شریک
نہیں ہے۔ اور ایسا ترجمہ فری ٹرانس لیشن
نہیں کہلایا جا سکتا۔

"Among the Muslims Hassan Mohmundi Abul Fazl had left a name behind as a financier, which would remain a shining example for posterity, though the Hindus as a rule, excel the Muslims in this art. In our own times the Marwaris had distinguished themselves.

میں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ آپ ملاحظہ
فرمائیں گے کہ مائی لائف کے صفحہ ۳۰۳ کی
حسب ذیل عبارت کا کارنامہ سروری میں
کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

پھر یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ کارنامہ سروری کے صفحہ ۳۵۳ سے جو ضمیمہ شریک
کتاب ہے اور نواب سرور الملک ہی کی عبارت میں ہے اس کا مائی لائف میں کوئی ترجمہ
نہیں کیا گیا ہے حالانکہ وہ کتاب کے آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔
اس کے علاوہ مترجم نے اپنے پیش لفظ میں جو مائی لائف کے لئے لکھا ہے ان چند مضامین
کا اشارہ تک نہیں کیا ہے جو اپنی طرف سے اصل کتاب سے ہٹ کر مائی لائف میں بیجا زائد شریک کر دیئے

گئے ہیں - چنانچہ ان کے منجملہ مائی لائف کے اس پیش لفظ کے معاً بعد سی - جی - بروز صاحب کا ۱۸۹۸ء کا تحریر کردہ ایک مضمون جو نواب سرور الملک بہادر سے متعلق ہے نقل کر دیا گیا ہے اور جو اصل کتاب میں موجود نہیں ہے - باقی تین زائد مضامین وہ ہیں جو مائی لائف کے آخر میں APPENDIX کے نام سے شریک کئے گئے ہیں - اس کی تفصیل یہ ہے کہ APPENDIX I کے تحت ایک MEMORANDUM ہے جو مائی لائف کے صفحہ ۳۰۷ سے شروع ہو کر ۳۳۴ صفحہ پر ختم ہوتا ہے اس کے خاتمہ پر " سرور جنگ " لکھا ہوا ہے - بمقام شملہ اور تاریخ تحریر ۱۳ ستمبر ۱۸۹۷ء ہے - یہ مضمون نواب سرور الملک بہادر نے اپنے معترضین کے جواب میں تحریر فرمایا ہے مگر اصل کتاب کارنامہ سروری سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے نہ وہ اس اردو کتاب میں کسی جگہ شریک ہے - APPENDIX II ....

..... میں وہ اڈریس یا سپاسنامہ درج کر دیا گیا ہے جو حضور پرنور کے ملاحظہ میں قیام کلکتہ کے موقع پر منجانب مسلمانان کلکتہ پیش کیا گیا ہے مگر یہ چیز بھی کارنامہ سروری کا جزو نہیں ہے البتہ اس کے صفحہ ۲۲۷ پر نواب ذو القدر جنگ بہادر مرتب کارنامہ سروری نے بطور اپنے نوٹ نمبر ۲ کے متن کتاب سے ہٹ کر اس سپاس نامہ کا جو جواب منجانب حضور پرنور دیا گیا اس کو شائع کیا ہے - رہا APPENDIX III تو اس عنوان کے تحت مائی لائف کے صفحہ ۳۳۸ پر حسب ذیل عبارت قوسین میں درج کی گئی ہے -

(TRANSLATION OF APPENDIX IV IN URDU)

اور اس کے نیچے اصل اردو کتاب کارنامہ سروری کے دیباچہ کے صفحہ ۱۰ سے لے کر صفحہ ۱۶ تک کا ترجمہ دیا گیا ہے اور باقی دس صفحوں کا ترجمہ نظر انداز کر دیا گیا ہے - لیکن صفحہ ۱۶ کا جو ترجمہ دیا گیا ہے اس کا بھی سب سے آخری فقرہ انگریزی جس پر مائی لائف ختم ہو جاتی ہے اور جو الفاظ " THE CHRISTIAN " سے شروع ہو کر الفاظ ARE (INCAPABLE OF DOING) پر ختم ہوتا ہے وہ فقرہ اصل اردو عبارت میں موجود

نہیں ہے اور رمائی لائف کے اس آخری صفحہ ۲۴۳ پر کہاں سے آگیا ہے اس کا بھی کوئی پتہ نہیں چلتا اور بظاہر ایسا پایا جاتا ہے کہ یہ فقرہ مترجم کا اضافہ کردہ ہے۔

ایک شہرت اُڑتی اُڑتی یہ بھی ہمارے کان میں پڑی ہے کہ یہ انگریزی ترجمہ نواب جیون یار جنگ بہادر کا اپنا ترجمہ نہیں ہے بلکہ انہوں نے یہ کام اپنے کسی عیسائی ماتحت سے لیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نواب سرور الملک اور نواب فتح نواز جنگ

اس جگہ ایک بات اور بھی کھٹک رہی ہے۔ کارنامہ سروری کے صفحہ ۲۸۱ پر نواب فتح نواز جنگ بہادر مولوی مہدی حسن صاحب کی قابلیت اور ملازمت ریاست نظام کے بارہ میں جو الفاظ نواب سرور الملک بہادر نے تحریر فرمائے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اپنی بیوی کے شاگرد تھے اور زبان انگریزی ان ہی سے سیکھی تھی نیز یہ کہ مولوی مشتاق حسین صاحب کی سفارش پر ان کو نواب سرور الملک بہادر نے "سفارش کر کے صیغہ عدالت میں ملازم رکھا دیا تھا" ان الفاظ سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید تھوڑی بہت تنخواہ کی کوئی غیر معروف سی خدمت ہو گی۔ چنانچہ صفحہ ۲۸۱ کی یہ عبارت حسب ذیل ہے۔ یہ مہدی حسن فتح نواز جنگ چند روز اپنے بھائی حیدر حسن کے ساتھ ہمارے تعلیم خانہ و تربیت خانہ واقع قیصر باغ لکھنؤ میں میرے ساتھ بھی رہے تھے مگر کچھ حاصل نہ کیا۔ البتہ مسخرہ پن میں ممتاز تھے۔ بعدہ ملک اودھ میں منصف ہوئے۔ ایک ذوقلی میم کو گھر میں ڈال کر پردہ نشیں کر لیا تھا اور اس ہی سے کچھ انگریزی تحریر و تقریر حاصل کر لی تھی۔ ذہن رسا پایا تھا اور بچپن میں کچھ عربی بھی پڑھ لی تھی۔ سر سید احمد خاں سے بیعت کر کے ان کی سفارش بنام وزارت پناہ[۱۵۵] لائے تھے مگر ان کا انتقال ہو چکا تھا اور مہاراج کا عہد وزارت تھا۔ مولوی مشتاق حسین ان کو اپنے ساتھ میرے پاس لائے میں نے سفارش کر کے صیغہ عدالت میں

---

۱۵۵ نواب سر سالار جنگ اول سے مراد ہے۔ مؤلف

ملازم رکھا دیا تھا"۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نواب فتح نواز جنگ بہادر دراصل کیسے تھے اور ان کی "دو غلی میم" کا واقعہ کیا ہے یہ بات ہمارے موضوع سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتی۔ مگر اس سلسلہ میں ایک خاص چیز راقم الحروف کے ذاتی علم میں ایسی ہے جس سے نواب سرور الملک بہادر کے مندرجہ بالا ادعا کی تردید ہو جاتی ہے اس لئے اس کا اظہار اگر اس موقع نہ کیا جائے تو نواب فتح نواز جنگ بہادر کے ساتھ بڑی زیادتی اور ناانصافی ہوگی۔ وہ بات یہ ہے کہ ہمارے انہی کاغذات میں جو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور مولوی محمد امین زبیری صاحب کو دئے گئے تھے۔ چند تحریریں نواب فتح نواز جنگ بہادر کی بھی موجود تھیں اور انھیں کاغذات میں دو ایک خط ان کی بیگم صاحبہ کے انگریزی میں نواب وقار الملک کے موسومہ بھی ہماری نظر سے گذرے تھے۔ تو بیگم فتح نواز جنگ کی روش تحریر اور عبارت جس کا ایک دھندلا سا خاکہ اس وقت ابھی ہمارے ذہن میں محفوظ ہے ایسے نہ تھے کہ جن کی توقع ایک ایسی تعلیم یافتہ عورت سے کی جا سکتی ہے جس نے نواب فتح نواز جنگ کو انگریزی پڑھائی ہو اور راقم الحروف پر جو اثر ان خطوط کے دیکھنے سے پڑا وہ یہ تھا کہ کسی معمولی سی قابلیت کی خاتون کی یہ تحریر و عبارت ہے مگر اس کے برخلاف نواب فتح نواز جنگ کی شان تحریر نہایت پختہ تھی۔ مضمون میں .... ایک خاص زور بیان پایا جاتا تھا اور عبارت آرائی واقعی دل کش تھی۔ لیکن جیسا کہ اس کتاب کے دیباچہ میں ظاہر کیا جا چکا ہے۔ جہاں ہمارے وہ تمام کاغذات واپس نہ مل سکے وہیں یہ تحریریں بھی رہ گئیں۔ ورنہ اس وقت ہم ان کی نقول پیش کر کے اپنے اس بیان کو ثابت بھی کر سکتے تھے۔ مگر نواب سرور الملک بہادر کا بیوی کی قابلیت کو سراہنا اور شوہر کی قابلیت کو گرا کر بیان کرنا اس تمام دشمنی اور مخالفت کے باوجود جو ان دونوں ہستیوں کی آپس میں تھی ہماری سمجھ سے باہر ہے دوسری بات نواب فتح نواز جنگ بہادر کی ملازمت اور عہدہ کی ہے اس کی اہمیت گھٹانے کے لئے نواب سرور الملک بہادر نے جو الفاظ" میں نے سفارش کر کے صیغہ عدالت میں ملازم رکھا دیا تھا" تحریر فرمائے ہیں اس کی تردید کا کچھ ثبوت ہمارے موجودہ

مواد ہی سے مل گیا ہے آپ نے اس کتاب میں کسی جگہ وہ "یادداشت" ملاحظہ فرمائی ہوگی جو نواب وقار الملک نے نواب سر سالار جنگ اول کی اچانک وفات کے ہفتہ بھر کے اندر ریاست نظام کے آیندہ انتظامات کے بارہ میں حیدر آباد ریزیڈنسی کو پیش کی تھی۔ اس یادداشت کا ایک فقرہ یہاں مکرر نقل کیا جاتا ہے جو ہمارے صفحہ (۲۸۳۰) پر درج ہے۔

"دیوانی عدالتوں میں جو اصلاح مدنظر تھی وہ بھی اس قابل نہیں ہے کہ اوس سے چشم پوشی کی جاوے۔ مال اور فوجداری کے حاکموں سے جہاں تک ممکن ہو دیوانی کا علیحدہ کر لینا مناسب ہے جس کے واسطے اضلاع میں منصف اور صدر منصف اور میر عدل (میر عدل کا نام دیوانی سمت قرار پایا ہے) تجویز ہوے تھے۔ اس انتظام کی نسبت بعدہ صرف اس قدر ترمیم مناسب خیال کی گئی تھی کہ دفعتاً اس کو جاری نہ کیا جاوے اور اول اول صرف ان مقامات سے شروع کیا جاوے جہاں دیوانی کا کام بالفعل زیادہ ہے۔ انہیں مقاصد سے مرحوم[۱۵۶] نے اودھ کمیشن سے ایک نہایت لائق عہدہ دار مولوی مہدی حسن صاحب کو جو انگریزی اور عربی اور فارسی اور اردو چاروں زبانوں اور انگلش لا اور فقہ اور شاستر سے بخوبی واقف ہیں طلب فرمایا تھا اور حال ہی میں وہ تین برس کی رخصت بوضع سالم تنخواہ پر وہاں سے یہاں آچکے ہیں اور کسی عہدہ پر مقرر ہونے کے منتظر ہیں"۔ اس فقرہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ "یہ مہدی حسن"۔ مولوی مشتاق حسین کی سفارش پر ریاست میں سرور الملک کے ہاتھوں ملازم نہیں رکھے گئے بلکہ ان کو تو خود نواب سر سالار جنگ اول نے "اودھ کمیشن سے...... طلب فرمایا تھا"۔

اب یہ تصفیہ آپ خود فرمائیں کہ اس موقع پر آپ کس بیان کو ترجیح دیتے ہیں کیا آپ نواب سرور الملک بہادر کے اس بیان کو باور کریں گے جو وہ کارنامہ سروری کے صفحہ

---

[۱۵۶] یہ نواب سر سالار جنگ بہادر اول کی طرف اشارہ ہے۔ مولف

(۲۸۱) پر دے رہے ہیں اور جو اوپر نقل کر دیا گیا ہے یا آپ نواب وقار الملک کے اس بیان کو درست قرار دیں گے جس کو اپنی پوری ذمہ داری کے ساتھ وہ حکومت ہند کے نمائندہ کے سامنے ایک نہایت اہم موقع پر پیش کر رہے ہیں اور جو مولوی مہدی حسن صاحب کے کسی اعلیٰ عہدہ پر تقرر کی طرف صاف اشارہ کر رہا ہے۔

پھر ذرا اس پہلو پر بھی غور فرمائیے کہ جو ہستی ریاست حیدر آباد میں نواب محسن الملک بہادر کی مد مقابل رہی ہو جس کی قابلیت کے معترف نواب وقار الملک بھی ہوں اور جس کو نواب سر سالار جنگ بہادر اول نے پسند کر کے اپنے پاس بلایا ہو اور جس نے اپنی قابلیت کا لوہا ریاست نظام میں اپنے تقرر کے بعد منوا لیا ہو کیا حقیقت میں وہ ایسی ہی پس پشت شخصیت ہو سکتی ہے جیسی کہ نواب سرور الملک بہادر ظاہر کرنا چاہ رہے ہیں خصوصاً جبکہ اپنے ہی الفاظ میں وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہوں کہ سرسید احمد خاں بہادر مرحوم نے اپنی سفارش کے ساتھ ان کو حیدر آباد دکن بھجوایا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مولوی محمد امین زبیری صاحب مرحوم کی کچھ عبارت درج کر دی جائے"۔ نواب مہدی حسن خاں فتح نواز جنگ منجملہ ان عہدہ داروں کے تھے جن کو سر سالار جنگ اول نے انتخاب کیا تھا یہ فتح پور ضلع بارہ بنکی کے باشندے اور اودھ میں منصف تھے۔ حیدر آباد میں عدالت العالیہ (ہائی کورٹ) کے میر مجلس و چیف جسٹس تھے۔ ۱۳۰۴ھ میں بہ تقریب دربار نوروز اعلیحضرت نے فتح نواز جنگ کا خطاب مرحمت کیا تھا۔ فروری ۱۸۸۸ء میں بہ حصول رخصت انگلستان گئے اور وہیں ریلوے اور معدنیات کے ڈایرکٹر مقرر کئے گئے تھے اور بعد کو جب نواب محسن الملک واپس آ گئے تو گورنمنٹ نظام کے ہوم سکرٹیری مقرر ہوئے اور ان کو ہدایت کی گئی کہ انگلستان میں ریلوے اور معدنیات کے کام کا تجربہ بھی حاصل کریں۔ اس کے علاوہ انہوں نے انگلستان کے دوران قیام میں بیرسٹری کی سند بھی حاصل کر لی تھی اور وہ انر ٹمپل میں ابتدائی امتحان سے معاف کر دیے گئے تھے۔ وہ انگلستان کے

نہایت ممتاز طبقوں اور سوسائیٹوں میں نہایت احترام کے ساتھ مدعو کئے جاتے تھے۔ سرکاری تقریبات اور درباروں میں عزت کے ساتھ شامل ہوتے تھے اعلیٰ انگلش سوسائٹی میں اور انگلش پریس پر ان کو خاص رسوخ حاصل تھا۔ ان کے مختلف مضامین تمام اول درجہ کے اخبارات میں نمایاں طور سے شائع ہوتے تھے اور وہ ان کے مداح و معترف تھے ہندوستان اور حیدرآباد کے معاملات پر ان کی تقریریں دلچسپی سے سنی جاتی تھیں۔ سرکاری حلقوں میں اور خاص کر انڈیا آفس میں ان کا بہت کچھ وقار تھا لارڈ لینس ڈاون نے جب وایسرائے ہوکر ہندوستان آرہے تھے ان سے ایک گھنٹہ تک ملاقات کی۔ انہوں نے ایک انگلش لیڈی سے جو ہندوستان ہی میں تھیں شادی کرلی تھی اور اس سبب سے وہ انگریزی ادب و معاشرت سے بھی بخوبی واقف ہوچکے تھے۔ بالآخر ان کے خلاف سازشی کارروائیاں ہوئیں اور انھوں نے بھی بعض اہم غلطیاں کیں اس لئے معطل ہوکر چند دن بعد علٰحدہ کئے گئے۔

(منقول از کتاب "حیات محسن" مرتبہ محمد امین زبیری صاحب شائع شدہ در مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۳۴ء)

"آغا مرزا (نواب سرور جنگ سرور الدولہ سرور الملک) اودھ کے باشندے ہیں۔ سر خورشید جاہ جو سر سالار جنگ کے خاندانی مخالف اور سر آسمان جاہ کے رقیب تھے ان پر خاص مہربانیاں کرتے تھے اور نواب سرور جنگ کو (۶۰۰۰) سالانہ کی جاگیر بھی عطا کی تھی یہ اپنے مربی کی کوشش سے سر سالار جنگ کے انتقال کے پانچ ماہ بعد اعلیٰ حضرت کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے اور چونکہ نہایت ذہین آدمی تھے اس لئے ان کا اعلیٰ حضرت کی طبیعت پر زبردست اثر قائم ہوگیا تھا۔ آتالیقی کے بعد رزیڈنٹ کی سفارشوں سے معتمد پیشی کے عہدہ پر ممتاز کئے گئے اور خاندان کے متعدد لوگوں کے مشاہرات بطور منصب مقرر ہوئے۔ ۳۰ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۶ء

کو بعطائے وظیفہ اپنی خدمت سے علٰحدہ کئے گئے اور ہمیشہ کے لئے حیدر آباد کو خیر باد کہا۔ آغاز ۱۸۹۲ء میں جب کہ نواب فتح نواز جنگ بہ حصول رخصت کشمیر میں تھے ایک نوجوان سدھ تر انامی بنگالی نے جو چادر گھاٹ[۱۵۷] میں اخبار نویسی کا پیشہ کرتا تھا ایک گمنام پمفلٹ شائع کیا جس میں مسز مہدی حسن کی نسبت انتہائی فحش اور گندہ الزامات قائم کئے گئے اور اس کو ایک ذلیل پیشہ ور آوارہ عورت بتلایا گیا اور اس سلسلہ میں انتہائی غلیظ الزامات سابق وزیر عماد السلطنت سالار جنگ ثانی پر بھی لگائے گئے اور پھر ملکہ معظمہ کی لیڈی کی باریابی کا تذکرہ کرکے شریف سوسائٹی کو اس کے ملنے جلنے سے غیرت دلائی گئی۔ اس پمفلٹ کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ فتح نواز جنگ کو اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے ہتک عزت کا دعویٰ کرنا پڑا اور وہ دوران تحقیقات میں معطل کردئے گئے۔ مقدمہ ریذیڈنسی کی حدود میں مجسٹریٹ سکندر آباد کی عدالت میں دائر کیا گیا۔ ملزم کی طرف سے مسٹر نارٹن اور دیگر بیرسٹروں کی خدمات حاصل کی گئیں اور اب جو بڑی بڑی شخصیتیں پس پردہ تھیں نمایاں ہوگئیں۔ عام طور سے نواب سرور جنگ اور شمس العلماء سید علی بلگرامی ملزم کے معاون تصور کئے گئے۔ ثبوت وصفائی میں بڑے بڑے لوگ مثلاً نواب عماد الملک نواب فریدوں جنگ میجر گف وغیرہ کی شہادتیں ہوئیں۔ کمیشن جاری ہوئے اور ڈیفنس کی طرف سے بے دریغ روپیہ صرف ہوا، اور یہ روپیہ مختلف طریقوں اور وعدوں سے عہدہ داروں اور امیروں کی جیبوں سے حاصل کیا گیا اور یہ شہرت دی گئی کہ ڈیفنس کی امداد اعلیٰ حضرت کی خوشنودی کا باعث ہوگی۔ بالآخر بہت سی بدنامیوں اور رسوائیوں کے بعد مقدمہ اس بنا پر خارج ہوگیا کہ حدود ریذیڈنسی میں لائیبل واقع نہیں ہوا۔

(منقول از "حیات محسن" صفحہ ۵۱ - ۵۰ نوٹ ۱)

---

۱۵۷ چادر گھاٹ شہر حیدر آباد دکن کے ایک محلہ کا نام ہے۔ مؤلف۔

ملکی اور غیر ملکی کی بحث

یہ عجیب بات ہے کہ اپنی پسندیدہ خدمات کے باوجود نواب سرور الملک اور نواب محسن الملک نواب وقار الملک۔ اور نواب فتح نواز جنگ بہادر سب کے سب حیدر آباد کی اصطلاح میں غیر ملکی ہی رہے۔ اس لئے کارنامہ سروری پڑھنے کے بعد رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے کہ اگر ان جلیل القدر عہدہ داروں کے باہمی اختلافات وہ شکل وصورت اختیار نہ کرتے جو انہوں نے اختیار کی تو یہ ریاست ان گوناگوں نقصانات سے محفوظ رہ سکتی تھی جو ان خطرات کی آپس کی کش کمش سے اس کو پہونچا۔ حد یہ ہے کہ یہی سرور الملک بہادر جنہوں نے اپنے ان تینوں ہم عصروں کو ریاست سے نکلوایا خود بھی ایک دن انہیں کی طرح حیدر آباد دکن کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوئے اور انہی سے سر چپلی پلاوڈن ریزیڈنٹ نے ان کو وہاں سے چلتا کیا جن کی مدد سے انہوں نے دوسروں کی علحدگی کا راستہ ہموار کیا تھا (ملاحظہ ہو "حیات محسن" صفحات ۵۰ – ۵۱ اور تذکرہ محسن صفحہ ۶۶ – از مولوی محمد امین زبیری صاحب)

بڑی بڑی مفید اسکیمیں اس اختلاف کی نذر ہوگئیں۔ مثال کے طور پر ایک اس اسکیم ہی کو لیجئے جو دکن کے غیر آباد جنگلی علاقہ کو آباد کرنے کے لئے جن دنوں وہ صوبہ ورنگل کے صوبہ دار یعنی کمشنر تھے نواب وقار الملک کے پیش نظر تھی۔ ان کا خیال تھا کہ "تا وقتیکہ ایسا بندوبست نہ کیا جائے جس سے ملک کے لوگوں کو اپنا سرمایہ اور محنت ان ویران جنگلوں کی آبادی میں صرف کرنے کی ہمت نہ ہو کوئی کامیابی نہ ہوگی" اس بنا پر انہوں نے ایک جدید تجویز نہایت تفصیل و وضاحت کے ساتھ پیش کی جس کا ماحصل یہ ہے کہ کم آباد علاقوں میں ان لوگوں کے واسطے جو اس کو آباد کرنا چاہیں ایک نیا حق زمینداری قائم کیا جائے اور بجائے عارضی اور میعادی اجاروں کے دوامی اور مستقل بندوبست ان کا کیا جائے اور اس کو یہاں تک وسعت ہو کر جو لوگ اس جدید حق زمینداری کے حاصل کرنے میں کامیاب

ہوں وہ اپنی حقیقت زمینداری کے اسی طرح مالک سمجھے جاویں جس طرح وہ اپنی دوسری جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ کے مالک ہوتے ہیں اور ان کی وہ حقیت بذریعہ ہبہ و بیع و رہن (مع جائداد دیگر) و انتقالات خانگی کے منتقل ہو سکے.............

اور اس کی صورت یہ ہے کہ غیر آباد جنگلی مواضع میں زمینداریاں قایم کی جاویں اور زمیندارانہ بندوبست کیا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ ملک کے بڑے بڑے راجہ نواب جاگیردار اور ساہوکار نیز دوسرے دولت مند لوگ اپنا سرمایہ مواضع اور جنگلوں کی آبادی میں لگائیں ......" اگر میرے صوبہ میں ایک زمیندار اپنے سرمایہ اور اپنی لیاقت و محنت سے اپنے واسطے ایک ایسا بڑا علاقہ پیدا کرے جو بہ منزلہ ایک سمستان کے ہو جائے (چند بڑے مواضع کی جاگیر کو ریاست حیدرآباد دکن میں سمستان کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ مؤلف) تو اس کو سرکار عالی کے (حکومت نظام سے مراد ہے۔ مؤلف) انتظام کی بہت بڑی کامیابی سمجھوں گا اور سرکار میں سفارش کروں گا کہ وہ بہ منزلہ ایک راجہ یا نواب کے (جیسی حالت ہو) تسلیم کیا جاوے اور سرکار سے اس کو خطاب۔ علم۔ نقارہ اور نوبت و عماری سے سرفرازی ہو تا کہ ملک کے ہر ایک حصہ میں جابجا چہل پہل اور ایک رونق و شان پیدا ہو جائے" (صفحات ۱۲۹ تا ۱۳۱ کتاب وقار حیات" ملاحظہ کیجئے۔ مؤلف) اس اسکیم کی جامعیت اور اہمیت نواب وقار الملک کی دوربینی کا ایک زبردست ثبوت فراہم کرتی ہے کیونکہ یہ تخیل اس تفصیل کے ساتھ ان سے پہلے اور ان کے بعد کوئی دوسرا شخص پیش نہ کر سکا۔

برسوں بعد جب نواب موید الملک سر علی امام بہادر اس ریاست کے وزیر اعظم مقرر ہوئے تو انہوں نے بھی ان غیر آباد علاقوں کی آبادی کے لئے ایک منصوبہ تیار کیا اور موپلوں کو باہر سے لاکر وہاں آباد کرنا چاہا مگر ان کی وہ کوشش جذبہ ملکی و غیر ملکی نے کامیاب نہ ہونے دی۔ اس سے واضح ہوگا کہ ملکی اور غیر ملکی کا جو طریق فکر دکن میں جاری و ساری رہا اور جس کی شدت زمانہ کے ساتھ کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی گئی وہ بھی اس ریاست کی بربادی

میں شریک ہے۔ وہ شخص تو ملکی سمجھا جاتا تھا جو ریاست نظام کے حدود کے باہر سے آنے کے باوجود جنوبی ہند کے کسی علاقہ اور خاص طور پر مدارس سے تعلق رکھتا ہو مگر جو آدمی شمالی ہند سے اور خاص کر صوبہ متحدہ یعنی یو۔پی سے آئے اس کو کبھی ملکی تسلیم نہیں کیا گیا اور وہ غیر ملکی یا آفاقی قرار پایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس ریاست کی سیاست ان دونوں فریقوں میں تقسیم ہو گئی اور حال یہ ہوا کہ "بٹا خون شہیداں چلو چلو گلعذاروں میں"۔ اور دونوں فریق ایک دوسرے کے درپئے آزار ہو گئے۔ راقم الحروف نے ریاست حیدرآباد دکن کی نمک خواری میں کم و بیش ۲۵-۳۰ سال گذارے ہیں اور ہمارے خاندان کا گوشت و پوست سب اسی کا رہین منت ہے۔ کسی خاص شخص یا گروہ پر اعتراض نہیں کیا جا رہا مگر اس کا تاثر یہ ہے کہ جو مدراسی حضرات دکن میں غالباً پہلے سے موجود تھے انہوں نے جب یہ دیکھا کہ شمالی ہند والے وہاں آکر اُن سے اونچے عہدوں اور کرسیوں کی زینت بنتے جاتے ہیں تو ان کو اپنے مستقبل کے لئے خطرہ محسوس ہوا اور ان کا یہی ڈر اور خوف جذبہ ملکی و غیر ملکی کی بنیاد بنا۔ مگر بڑی ناانصافی ہو گی اگر یہاں پر پوری صفائی کے ساتھ یہ بات عرض نہ کر دی جائے کہ ریاست نظام کے فرمانروا اور وہ امرا اور جاگیردار وغیرہ جو در اصل وہاں کے ملکی تھے وہ اس لغویت کا شکار ہونے سے اکثر و بیشتر ہی نہیں بلکہ تقریباً سب کے سب محفوظ رہے۔ وہ بڑے دل والے اور عظیم روایات کے حامل تھے اور اپنے متوسلین اور نمک خواروں کی دل جوئی کرنا تو بس کوئی انہیں سے سیکھے۔ اسی دل جوئی سے نمک حلالی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا اور نمک خوار اپنے آقا پر سے تصدق ہو جانا اپنے لئے باعث صد افتخار سمجھتے تھے۔ افسوس کہ آج کی دنیا اس جذبہ سے خالی ہو چکی ہے اور ملازمت محض ایک کاروباری ذہنیت بن کر رہ گئی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ نواب مختار الملک سر سالار جنگ بہادر اول نے تو زمانہ کی ضرورت کو محسوس کر کے سر سید احمد خاں بہادر وغیرہ جیسے مشاہیر ہند کے مشورہ کے مطابق

لوگوں کو باہر سے بلوا کر بڑے اور اہم عہدے اپنی ریاست میں ان کو عطا فرمائے۔ چنانچہ اس کا کچھ حال آپ ان خطوط میں پڑھیں گے جو ہمارے انہیں صفحات میں آگے درج کئے جا رہے ہیں مگر برا ہوا اس جذبہ ملکی اور غیر ملکی کا کہ جس ریزیڈنسی کی طرف سر سالار جنگ اول جیسا مدبر کسی کو رخ تک کرنے نہ دیتا تھا۔ اس جذبہ نے اسی ریزیڈنسی کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا اور اس ذریعہ سے اپنے مفاد کو آگے بڑھانے اور ریاست کے مفاد کو قربان کر دینے سے ذرا پس وپیش نہ کیا۔ بدقسمتی یہ تھی کہ اس مخالفت اور طرز عمل کا سارا نقصان بجائے ان لوگوں کی ذات کے خود ریاست کو برداشت کرنا پڑ گیا اور بیرونی آزادی سلب ہو چکنے کے بعد جو تھوڑی بہت اندرونی آزادی لے دے کر دکن میں باقی رہ گئی تھی نتیجتاً اس تک سے اس ریاست کو محروم ہونا پڑا۔ مگر یہ بات اسی جگہ ختم نہیں ہو جاتی اور دوسرا مکتب خیال یہ کہتا ہے کہ ملکی وغیر ملکی کے اس جذبہ سے شمالی ہند والے بھی پوری طرح متاثر تھے۔ نواب وقار الملک۔ نواب محسن الملک اور ان کے زمانہ کے بہت سے دوسرے حضرات نے کبھی ملکی وغیر ملکی کی عینک لگا کر چیزوں کو نہیں دیکھا لیکن یہ صورت حال بس انہیں کے دم قدم تک محدود سمجھئے کیونکہ یہ غریبت کا جذبہ اُن کے متوسلین میں ابھرا اور پروان چڑھا۔ اہل مدراس اگر ریاست نظام میں آئے تو انہوں نے اپنے حیدرآبادی بھائیوں کے ساتھ مراسم پیدا کئے۔ ان کے طور طریق کو اپنایا اور شادی بیاہ کر کے ان باہمی تعلقات میں اضافہ کیا اور پھر وہیں کی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ وہ گویا ان مغلوں کی طرح تھے جو باہر سے ہندوستان میں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس کے برخلاف شمالی ہند اور خصوصاً صوبہ یو۔پی کے لوگوں نے انگریزوں کی طرح مقامی باشندوں سے خود کو الگ تھلگ رکھا اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا ہی بناتے رہے اور مستقل بود وباش اختیار کرنے کا ان کو کبھی خیال نہیں آیا اور چونکہ زبان پر پوری طرح قادر ہی نہیں بلکہ اہل زبان تھے اس لئے ان کو مقامی اور مدراسی حضرات پر حاوی ہونے کے مواقع بھی فراہم ہوتے رہے۔ اس کے باوجود شمالی ہند کے جو لوگ

وہاں رہ بس پڑے اور جنہوں نے مقامی لوگوں سے قریب ہونے کی کوشش کی ان کو وہاں پر ہاتھوں ہاتھ لیا اور گلے سے لگایا گیا اور ایمان کی بات بھی یہ ہے کہ یو۔ پی صوبہ میں جنوبی ہند کے خلاف تعصب کی جو آندھی اتنی شدت کے ساتھ آج بھی چل رہی ہے وہ ثابت کرتی ہے کہ جذبہ ملکی و غیر ملکی میں شمالی ہند کے لوگ تو سب ہی سے بڑھ چڑھ کر نکلے اور آج جب یہاں یہ حال ہے تو ریاست نظام میں انہوں نے کون سی کسر اٹھا رکھی ہوگی۔ البتہ یہ قدرت کی ستم ظریفی تھی کہ ترازو کے دونوں پلڑے اس وقت برابر کر دیے گئے۔ جب ریاست حیدرآباد کے "ملکی" ایک دوسرے ملک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور وہاں انہوں نے خود کو غیر ملکی محسوس کیا۔ آخری بات یہ ہے کہ حیدرآباد میں جو کچھ ہوا اس کی ذمہ داری اس زمانہ کے حیدرآباد کے ارباب اقتدار پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے انتہائی ناعاقبت اندیشی سے کام لیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ دل کے پھپولے جل اٹھے، سینہ کے داغ سے۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ مختصر یہ ہے کہ اس جذبہ ملکی و غیر ملکی نے ریاست نظام کو زبردست نقصان پہونچایا اور اس کی ذمہ داری میں دونوں طرف کے حضرات کا حصہ مساوی ہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ چونکہ یہ جذبہ جہاں سر اٹھائے گا اور جب کبھی بھی ابھرے گا سب کو ہمیشہ نقصان ہی پہونچا کر چھوڑے گا اور ملک کی وحدت اور ایکتا کو پارہ پارہ کر ڈالیگا اس لئے یہ آگ جہاں کہیں لگ رہی ہے یا لگتی جاتی ہے وہاں کے لوگوں کو سوچنا ہوگا کہ ہم کدھر جا رہے ہیں اور زمانہ کا تقاضہ کیا ہے۔

نواب وقار الملک کی پہلی علیحدگی از ریاست نظام کی حقیقت

(دوران ملازمت ریاست نظام میں جب نواب وقار الملک ایک مرتبہ ۱۸۷۷ء میں رخصت لے کر اپنے وطن امروہہ گئے تو ریاست گوالیار کے ریزیڈنٹ کرنل ٹیوڈسی سے بھی گوالیار جاکر ملے۔ کرنل صاحب گوالیار سے پہلے حیدر آباد میں ریزیڈنٹ کے اسسٹنٹ رہ چکے تھے اور ان دنوں نواب مختار الملک سر سالار جنگ اول مدار المہام یعنی ریاست کے وزیر اعظم تھے اور حیدر آباد کے نواب شمس الامرا عمدۃ الملک بہادر رشید الدین خاں امیر کبیر ثالث سے باہمی تعلقات راست نہ تھے حضور پر نور نواب میر محبوب علی خاں نظام خلد آشیاں کا صغر سنی کا زمانہ تھا اور اپنی بعض مصلحتوں کی بناء پر حکومت ہند نے نواب امیر کبیر بہادر کو نواب سالار جنگ کے ساتھ شریک مدار المہام بنا دیا تھا۔ حالانکہ دونوں میں زبردست اختلاف تھا۔ نواب امیر کبیر بہادر نواب سر آسمان جاہ کے حقیقی چچا تھے اور چچا بھتیجوں میں خاندانی حقوق واعزاز کے متعلق جھگڑے پیدا ہو گئے تھے اور یہ مخالفت خطرناک صورت اختیار کر چکی تھی۔ نواب امیر کبیر کو باور کرایا گیا کہ اس جھگڑے میں نواب وقار الملک نواب سر آسمان جاہ بہادر کے معین و مددگار ہیں اس وجہ سے وہ ان سے سخت ناراض تھے۔ ایسی حالت میں جب نواب امیر کبیر کو معلوم ہوا کہ نواب وقار الملک کرنل ٹیوڈسی سے گوالیار جا کر ملے ہیں تو ان کو ایک موقع مل گیا اور انہوں نے سر سالار جنگ بہادر کو مجبور کر کے بدون اخذ جواب اس ملاقات کو وجہ قرار دے کر نواب وقار الملک کی علیحدگی کے احکام جاری کروا دئے۔ "کتاب" وقار حیات" کے صفحات ۵۱ تا ۶۲ پر جو تفصیل ان واقعات کی درج ہے اس میں بعض اہم تحریروں کو غالباً مصالح وقت کے

تحت شایع نہیں کیا گیا یا صرف ایک آدھ فقرہ نقل کر دینا کافی سمجھ لیا گیا۔ ان تحریروں کو آج پہلی بار تمام وکمال ملاحظہ فرمائیے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے مولوی سید افضل حسین صاحب کی ایک تحریر پڑھئے جو اس معاملہ پر مزید روشنی ڈالتی ہے اور جو اس وقت تک راز میں رہی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ مولوی سید افضل حسین صاحب جو آگے چل کر ریاست حیدر آباد کے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہو گئے تھے اس وقت نواب سر آسمان جاہ بہادر کی پائے گاہ کے میر مجلس (چیف جسٹس) تھے۔ اب یہ تحریر جو مولوی مشتاق حسین صاحب کی موسومہ ہے پیش کی جاتی ہے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۴۳ - جناب من۔ تسلیم۔ میں اس وقت اُس حالت میں کہ جس کو میں بیان نہیں کر سکتا حیران ہوں کہ خداوند کریم دنیا میں ایسے بھی ظلم ہوتے ہیں جو آج کل ہو رہے ہیں۔ شاید آپ کو کسی تار کے ذریعہ سے اُس روبکار کی اطلاع ہوئی ہوگی جو مولوی مہدی علی[۱۵۸] صاحب کے محکمہ سے آپ کی موقوفی کے بارہ میں جاری۔ اس روبکار کا مضمون نہایت مہمل ہے۔ شاید اُس میں صرف اتنا لکھا گیا ہے کہ امیر کبیر بہادر کی اطلاع کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے بدوں اطلاع و اجازت مدار المہام کسی صاحب سے ملاقات کی اور اس امر سے چشم پوشی نہیں ہو سکتی لہذا برخاست کئے گئے۔ ناپرسانی اور بے انصافی کا تو کچھ ذکر نہیں لیکن جو اصل معاملہ ہے اُس کو نواب[۱۵۹] بشیر الدولہ اچھی طرح سے بیان کرتے ہیں کہ یہ امر بدوں اطلاع مدار المہام کے نہیں ہوا اور نرسنگ راؤجی کی معرفت ان کو اطلاع دی گئی اور یہ اطلاع دہی نہ صرف بشیر الدولہ بہادر کی تجویز سے تھی بلکہ آپ کی درخواست کے بموجب اطلاع دی گئی تھی اور آپ کو بھی بشیر الدولہ بہادر نے اس امر کا یقین کرا دیا تھا کہ میں نے اطلاع دی ہے۔ قطع نظر اس کے وہ

---

[۱۵۸] نواب محسن الملک کا نام۔

[۱۵۹] نواب سر آسمان جاہ بہادر سے مراد ہے۔ مؤلف۔

امر کون سا خلاف قاعدہ ہوا تھا جو ہوا اگر اطلاع ہوتی تو کیا اور نہ ہوتی تب کیا تھا۔ ساتھ رخصت میں ہر شخص کو اختیار رہے کہ جو کام اپنے ذاتی یا صفاتی ہوں ان کو کرے۔ جو ملاقات ہوئی وہ کچھ عہدہ کی حیثیت سے نہ تھی اور یہاں خدمت پر ماموری کی حالت میں خود سرکار نے آپ کو اس کام میں شریک کیا اور آپ کی معرفت بہت سی گفتگو کی۔ اکثر عہدہ داران سرکار عظمت مدار[۱۶۰] کے مقابلہ میں بر وقت ضرورت جوابات ادا کرتے ہیں اور فی الوقت جس سرکار کے نوکر ہیں اس کی منفعت ملحوظ خاطر رہتی ہے اور یہ سب امور اسی رخصت کی بناء پر ان سے ہوتے ہیں جو ان کو سرکار عظمت مدار کے ہاں سے حاصل ہو چکی ہے۔ میں نے آپ کے ایک دوست سے کہا تھا کہ وہ یہ بیان کریں کہ اصل منشاء اس کارروائی کا یہ ہے کہ وہ بشیر الدولہ بہادر کو کسی قسم کی منفعت اس ترک تعلق کی بناء پر نہ پہونچا سکیں اور یہ تدارک بالکل خلاف منشاء کے ہے کس لئے کہ ترک تعلق کے بعد اچھی طرح وہ منفعت پہونچا سکیں گے بلکہ ملازمت کی حالت میں اگر نواب صاحب ان کو منع کرتے تو کبھی ایسا ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی مشورہ خانگی کاموں میں دیتے لیکن کچھ مفید نہیں ہوا اب قصد یہ ہے کہ ضابطہ کے طور سے جب وہ روبکار آئے تو صرف اس بناء پر واپس کیا جائے کہ بے جواب لئے کے ایسا حکم نافذ نہیں ہو سکتا اور خانگی طور پر نواب صاحب کو وہ مضرتیں جو اس فعل سے سرکار کے حق میں خیال کی جاتی ہیں، اور اس امر کا بیان کہ انہوں نے بے اطلاع مدار المہام ایسا کام کیا اور اس کا جو نتیجہ اُس دوستی کے حق میں جو فی مابین [دو] سرکار کے ہے منتج ہوگا اچھی طرح ظاہر کیا جائے لیکن میں نے جو امر سنا کہ وہ زیادہ تر لایق تشویش کے یہ ہے کہ فرمائش کچھ بہت بڑی ہوئی (ہے) صرف برخاست کرنا کافی نہیں سمجھا جاتا غرض معاملہ نہایت پیچیدہ ہے .....[۱۶۱].........

---

[۱۶۰] حکومت ہند کو ریاست نظام میں "سرکار عظمت مدار" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

[۱۶۱] الفاظ پڑھنے میں نہیں آرہے ۔۔ مولف۔

بشیر الدولہ بہادر کو سب سے زیادہ اُس روبکار کا ملال (رہے) جس کا میں نے تذکرہ کیا۔ میں اپنے قلب کی کیفیت نہیں عرض کر سکتا میرا جی چاہتا ہے کہ اس شہر اور نوکری کو بلکہ دنیا کو ترک کر دوں۔ مُنہ سے کہنا علیحدہ امر ہے اور دل سے بات کا ظاہر کرنا الگ ہے۔ میں اور میری آبرو اور جان اور مال دنیا سے جو کچھ رکھتا ہوں وہ سب آپ پر تصدق ہے اگر آپ مجھے شریف سمجھتے ہیں تو میرے اس کلام کا بھی یقین فرمائیے گا۔ اس کے بعد میں اور کچھ اپنے ارادہ کی تصریح نہیں کر سکتا۔

عرضی۔ افضل حسین۔

یہ سب کیفیت کل کی تھی۔ اور یہ خط بھی کل کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن آج دوپہر کو میں نواب صاحب کے پاس گیا اور بواسطہ مولوی سید حسین صاحب[۱۶۲] کے اوس وقت مولوی مہدی علی صاحب اور اکرام اللہ خاں بھی موجود تھے میں نے سرکار کی طرف سے یہ بیان کیا کہ اس کارروائی کا نتیجہ برعکس ہوگا اس لئے کہ صرف دوستی قایم رکھنے کے لئے یہ کام کیا گیا لیکن بشیر الدولہ بہادر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ میں نے آپ کو مطلع کیا اور مولوی مشتاق حسین کو بھی اس بات کی اطلاع دی تھی کہ مدار المہام کو اطلاع ہوگی پس ضرور مولوی صاحب[۱۶۳] .... اور وجوہ جن سے کوئی الزام ان پر عاید نہیں ہوتا جب یہ واقعہ بیان کریں گے تو ضرور آپ اور آپ کے شریک کے مابین رنجش واقع ہوگی۔ نواب صاحب نے اطلاع سے انکار کیا اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ امر آپ کے ...... اور بشیر الدولہ کے درمیان میں ہے مولوی مشتاق حسین کو تو صرف بشیر الدولہ بہادر کی اطلاع کافی ہے۔ مولوی مہدی علی صاحب نے نہیں معلوم کس بناء پر مجھے اس معاملہ میں یہ جو امر میں نے بیان کیا اس کے بیان کرنے کو بالفعل منع کیا ہے اور اس سے کچھ امید پائی جاتی ہے نواب بشیر الدولہ اور محتشم الدولہ بہادر

---

۱۶۲ نواب عماد الملک بہادر سے مراد ہے۔

۱۶۳ الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔ مؤلف۔

بالکل آپ کے ساتھ ہیں اور ہر طرح کی کفالت کا ذمہ کرتے ہیں لیکن بشیر الدولہ کو یہ بھی خیال ہے کہ شاید آپ ان کی کسی استدعاء (کو) نہ قبول کریں گے۔ لیکن جب آپ کے ساتھ کوئی امر وضع داری کا نہیں ہوا تو اب ان امور کا لحاظ کچھ ضرور نہیں ہے جو آپ نے استعفی میں لکھے تھے۔

روبکار آج اس مضمون کا محکمہ میں آیا ہے کہ اس موقوفی کی باضابطہ اطلاع دی جاوے اس کا جواب لکھا جائے گا۔

(اب مولوی مشتاق حسین صاحب کی اس پوری درخواست کا ترجمہ پڑھئے جو فارسی میں ہے اور نواب سرسالار جنگ بہادر کی موسومہ ہے۔ مولف۔)

خط نمبر ۱۳۵- ترجمہ:- خانگی و راز۔

فرمان واجب الاذعان مورخہ ۳ جمادی الثانی ۱۲۹۶ھ صادر ہوا اور مجھے اسی طرح لفافہ میں بند ملا۔ جب ایک عرصہ دراز کے بعد میں نے سرکار کے قلم خاص کی تحریر دیکھی تو گذشتہ دنوں کی یاد تازہ ہو گئی اور آنکھیں بھر آئیں اور سرکار کی عمر و دولت و اقبال کی روزافزوں ترقی کے واسطے میں نے درگاہ مجیب الدعوات میں دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھادئے۔ اس تحریر کے جواب میں ایک لفظ تسلیم کے سوا میرے پاس دوسرا کوئی لفظ نہیں ہے اور چند مختصر سے الفاظ میرے گذشتہ و آئندہ کے اظہار خیالات، اور جملہ مقاصد و مطالب کی ترجمانی کے لئے کافی ہوں گے۔ یعنی یہ کہ جو کچھ بھی پیش آیا اس کے، باوجود میرے اس باطنی خلوص میں جو مجھے اپنے آقا ولی نعمت کے ساتھ رہا ہے ایک نقطہ کی بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے اور آئندہ بھی جب تک زندہ ہوں آپ کا فرماں بردار اور مطیع۔ لیکن صرف حضور والا کے مزید اطمینان کے خیال سے کچھ زائد عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں مصلحت اور ضرورت وقت کے سلسلہ میں جو کچھ بھی ارشاد ہوا ہے وہ بجا و درست اور سراسر حق بجانب ہے اور میں اس کی اہم ترین وجوہ سے پہلے ہی سے واقف ہوں اس لئے اپنی برطرفی کی حد تک جو درحقیقت وقت کا اقتضا تھا مجھے کوئی ملال نہ تھا۔

مگر خانگی طور پر سرکار کی عدم یادفرمائی کا رنج البتہ تھا سو وہ بھی اس تحریر سے دور ہو چکا ہے۔ میرے مکرم مولوی سید مہدی علی صاحب نے اس نیاز مند کی ایک اصل تحریر سرکار کے ملاحظہ میں پیش کی ہوگی ورنہ اس کا مضمون زبانی گوش گزار کیا ہوگا کہ عین اس وقت میں جب کہ مجھے اس کارروائی کا گمان تک نہ تھا مصلحت وضرورت وقت کے بارہ میں میرا ذاتی خیال کیا تھا یعنی یہی کہ مجھے معلوم ہوا کہ جناب نواب امیر کبیر بہادر کو میری ترقی تنخواہ ناگوار گذری ہے اور جناب ممدوح کو اس سلسلہ میں سرکار سے کچھ شکایت بھی پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ سرکار کی اطلاع کے خیال سے میں نے فوراً ایک خط مولوی سید مہدی علی صاحب کو لکھا اور اس میں عرض کیا کہ "جناب نواب امیر کبیر بہادر کی ناراضگی مناسب نہیں ہے اور میں نہیں چاہتا کہ مجھ جیسے عاجز و درماندہ کے لئے ایسے دو حکام کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے کہ جن کے اتفاق رائے اور اتحاد پر ملک کی سب صلاح وفلاح کا دارومدار ہے۔ اگر نواب امیر کبیر بہادر اضافہ کے روک دینے پر مصر ہوں تو وہ اضافہ بلا تامل روک دیا جائے اور اگر جناب ممدوح کی خوشی اسی میں مضمر ہو کہ میرا عہدہ بدل دیا جائے تو بلا لحاظ اس کے کہ حیدرآباد میں رکھا جاتا ہوں یا اضلاع کا تبادلہ ہوتا ہے جہاں بھی مناسب معلوم ہو۔ تبادلہ فرما دیا جائے اور انتہا یہ ہے کہ اگر میری علٰحدگی ہی سے موصوف خوش ہو سکتے ہیں تو بلا کسی تعویق کے میری برخاستگی تک کا حکم صادر فرما دیا جائے" اور اس کے بعد اسی عریضہ میں عرض کر دیا گیا تھا کہ "یہ برخاستگی مجھے ہزار ترقیوں سے محبوب تر اور میرے لئے باعث افتخار ہوگی کہ جو کچھ مجھ ضعیف سے ایسے آڑے وقت میں ممکن تھا میں نے اس کو پورا کر دکھایا اور منفعت خاص کو منفعت عام پر قربان کر دیا۔" اس کے بعد میں نے لکھا تھا کہ "یہ یقین مجھ کو ہر حال میں مطمئن اور قوی دل بنائے رکھے گا کہ جیسے ہی یہ ضرورت وقت مرفوع ہو جائے گی اور ہمارے ولی نعمت کو اللہ کی مہربانی سے اطمینان خاطر نصیب ہوگا تو اس سے دس گنا بڑھ کر تلافی مافات کی صورت نکالی جا سکے گی۔" یہ عریضہ تھا

تاریخ حیدر آباد پہونچا غالباً اسی تاریخ میری علحدگی کا حکم صادر ہوا اس لئے کچھ دن تک میں اس خیال میں مگن رہا کہ یہ حکم میرے اسی عریضہ کا نتیجہ ہے لیکن آخر میں وہ خیال غلط ثابت ہوا اور ایک حسرت سی میرے دل میں رہ گئی اور اس تمام مدت دراز میں جو چھ ماہ کے لگ بھگ ہے میرا وقت عجیب حیرانی میں گذرا ہے ایک طرف جب اپنے جرم پر نظر ڈالتا تھا تو ماننا پڑتا تھا کہ اخلاقی حیثیت سے میں یقیناً قابل مواخذہ قرار پاتا ہوں مگر جب اس جرم کی سزا پر غور کرتا تھا تو دونوں میں کوئی مناسبت نہیں پائی جاتی تھی اور مجھے پورے وثوق کے ساتھ اس کا یقین تھا کہ جو تجویز فرمائی گئی ہے وہ محض ضرورت وقت کے تحت ہے اور اس غلطی کی اصلاح کا نتیجہ نہیں ہے لیکن جب پیش گاہ سرکار سے خانگی اور رازکے طور پر کسی وقت بھی مجھے کوئی دلاسہ نہیں دیا گیا تو ہر طرح کے استقلال کے باوجود دل کا خلجان میرا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا اور حزن و ملال جو کچھ تھا وہ یہی تھا کہ اگرچہ یہ برطرفی وقت کا تقاضا ضرور ہے لیکن جو طرز اختیار کیا گیا وہ میرے حسب حال نہ تھا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگرچہ حکم برخاستگی کے بعد سے میں ملول اور نادم رہا مگر جو خلوص اول دن سے اپنے ولی نعمت کے واسطے میرے دل میں روز افزوں جاگزیں رہا ہے اس پر اس صورت حال کا بھی کوئی اثر نہ پڑ سکا اور میری نیازمندی اس لمحہ تک بدستور ہے پس کس طرح ممکن تھا کہ [۱۶۴] اس موجودہ حالت میں سرکار کی مرضی مبارک کے خلاف حیدر آباد آنے کا قصد کر سکوں چار ماہ سے زائد ہوئے جو ایک تحریر کے جواب میں ۲۹ صفر ۱۲۹۶ھ کے رقم زدہ ایک عریضہ میں جو برائے اطلاع نواب بشیر الدولہ بہادر ان ممدوح کے معتمدین میں سے ایک کا موسومہ تھا میں نے اپنے خیالات کو بے کم و کاست اور بالکل صاف صاف ظاہر کر دیا تھا

---

[۱۶۴] اس زمانہ میں مولوی مشتاق حسین صاحب کے حیدر آباد جانے کی شہرت کے بارہ میں کتاب "وقار حیات" کے صفحات ۵۹ و ۶۰ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے - مؤلف

اس کی نقل بجنسہ وبلفظہ برائے ملاحظہ سرکار اس وقت منسلک کرتا ہوں۔ اس کے بعد دو ایک بار اس سلسلہ میں مراسلت ہوئی اور آخر کار علاقہ داراں جناب نواب صاحب کی طرف سے مجھے ایک دوسرا خط ملا۔ یہاں میں اس کی نقل بھی ملفوف کرتا ہوں۔ اس خط پر کہ علی الاعلان تھا اور بطریق راز نہ تھا۔ جناب نواب محتشم الدولہ بہادر اور جناب نواب بشیر الدولہ بہادر نے میرے مزید اطمینان خاطر کے خیال سے اپنے اپنے دستخط بھی ثبت فرما دئے تھے مگر اس وقت تک بجز شکریہ عنایات ان دونوں حضرات کی فرمائش اور ارشاد کو میں نے کسی وقت بھی قبول نہیں کیا اور جناب ممدوح کے ماہوار عطیہ کی اجرائی کے التواء کے لئے بار بار اصرار کرتا رہا ہوں اور ان دونوں نواب صاحبان سے میں نے ایک حبہ تک نہیں لیا ہے البتہ جناب خداوند نعمت نواب بشیر الدولہ بہادر دام اقبالہم کے الطاف حاکمانہ کی جو نظر پہلے سے خاکسار کے حال پر مبذول رہی ہے اور خاص کر اس تشویش کے زمانہ میں بار بار اور متواتر جناب ممدوح کی پیش گاہ سے پورے اصرار کے ساتھ جو اظہار ہمدردی وخاوندی فدوی کی نسبت ہوتا رہا ہے اس کا ممنون ہوں اور آئندہ بھی جب تک جان میں جان ہے اس کا تہ دل سے ممنون رہونگا۔

صدور مکرمت نامہ حضور نے میرے دل سے ہر قسم کی کوفت وکلفت کے دور کرنے کا جو کام کیا ہے اس کا شکریہ ادا کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔ سب سے بڑی نعمت جس سے میں مستفید ہوا اور جس نے مجھے افتخار بخشا یہ ہے کہ اپنے ولی نعمت کی نظر الطاف وکرم کو میں نے اپنے حق میں ویسا ہی مبذول پایا کہ جس کی توقع مجھے پہلے ہی سے تھی اور ان دیگر بشارتوں کے لحاظ سے جو اس میں درج پائیں سوائے اپنے ولی نعمت کی سلامتی عمر ودولت واقبال کے روز افزوں ہونے کی تمنا کے جو ہم سب فدویوں کے تمام مطالب ومقاصد پر حاوی ہے دوسری کوئی اور ہوس مجھے نہیں۔ ہے۔

سرکار کی ذات خاص سے عطائے ماہوار کے بارہ میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے وہ تو منت بالائے منت کے مصداق اور موجب صد گونہ افتخار رہے۔

کہ اولش خاصہ سے میرا نصیب جاگا اور وابستگان دامن دولت خاص میں فدوی کا بھی شمار ہونے لگا ۔ وہ رقم اگرچہ سرکار کی سخاوت و فیاضی خدا داد کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتی ہے مگر سرکار کی ذات خاص کی آمدنی و خرچ کا بھی مجھے ذاتی علم ہے اور جب اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ سرکار کی دستگیری کے بغیر فصل بہار کا انتظار اگر بالکل ناممکن نہیں تو بھی دشوار تو یقیناً ہے ایک دن رات اس فکر کی نذر ہو گیا کہ سوائے اس کے کہ عطیہ سرکار کا شکریہ ادا کروں دوسرا چارہ کار ہی نہیں ہے[165] مگر کمال ادب سے عرض پرداز ہوں کہ جو کچھ میرے بسر اوقات کے واسطے تجویز فرمایا ہے اگر اس میں کمی فرما دی جاوے تو بھی زندگی گزارنی ممکن ہوگی ۔ میری خواہش ہی نہیں کہ سرکار کی ذات خاص کا کوئی نقصان گوارا کر کے خود اپنی ذاتی ضروریات میں فارغ البالی حاصل کروں یا روپیہ بٹورتا پھروں زندگی کفایت شعاری اور جز رسی کے ساتھ گذر سکتی ہے اور کچھ عرصہ کے لئے تھوڑی سی تنگی میں بھی کیا مضایقہ ہے اور پورے ادب کے ساتھ اس بات کے عرض کرنے کی اجازت کا طالب ہوں کہ جو کچھ بھی اس طرح مرحمت فرمایا جاوے گا اس کو بطور قرض تصور فرمایا جائے آگے چل کر اگر زمانہ نے میرا ساتھ دیا تو ادا کر دونگا اور یہ کارروائی از اول تا آخر بطور راز ہوگی ۔[166]

(نواب وقار الملک کی یہ علٰحدگی جس طرح بلا اخذ جواب عمل میں آئی تھی اس کے مدنظر انہوں نے الزام کی تحقیقات کئے جانے کی درخواست پیش کی ۔ یہ درخواست نواب سرسالار جنگ اول کی موسومہ ہے اور غالباً بوجہ طوالت کتاب "وقار حیات" میں شائع نہ کی جا سکی ۔ اب وہ پوری درخواست مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیے ۔ مولف)

---

۱۶۵ ملاحظہ ہو کتاب "وقار حیات" صفحہ ۶۰ ۔

۱۶۶ دونوں جگہ خط کشیدہ عبارت مندرجہ بالا کا ترجمہ کتاب "وقار حیات" کے صفحات ۶۰ و ۶۱ پر اختصار کے ساتھ شائع ہو چکا ہے اور ان دونوں عبارتوں کے الفاظ کا فرق ترجمہ کے الفاظ کے فرق کا نتیجہ ہے ۔ مولف ۔

خط نمبر ۱۳۶ - بعرض متعالی میرسانم - ازوقت اطلاع حکم برخاستگی خود که خبر از نارضامندی خاطر اقدس میداد، آں قدر ندامت ہا دارم کہ تا ایں قدر عرض مدت به طریق معذرت ہم در سرکار چیزے عرض کردن نتوانستم - بلاشبہ خود را تقصیر وار دو قصور می دانم و اقرار آں ہر دو قصور می نمایم - یکے آنکہ خلاف عادت و طریقہ خود بلا اطلاع سرکار مرتکب امرے شدم - دوم اینکہ بلانسبت خود امر مذکور را خارج از امور متنازعہ و غیر متعلق از واقعات ماتحن وفیہ تصور نمودم، غافل ازایں کہ دیگراں از کارروائی در مغالطہ خواہند افتاد و خیالات دور از کار خواہند بست و ازایں جاست کہ بلا اطلاع آں ولی نعمت بہ اقبال آں پرداختم - اما الزامے کہ نسبت فدوی منسوب شدہ است ازاں بہ کلی بری و بے گناہ ہستم - الزام پیروی مقدمہ جناب نواب محتشم الدولہ بہادر و جناب نواب بشیر الدولہ بہادر نسبت بندہ اصلی نمی دارد - از جناب خداوند نعمت نواب بشیر الدولہ بہادر غیر از تعلق خدمت سرکاری دیگر مرا ہیچ تعلق نبود، و بجز الطاف حاکمانہ کہ البتہ ممنون آں بودم دیگر ہیچ طمع از جناب ممدوح نمی داشتم - حکمے کہ نسبت فدوی صادر گشت بلاتحقیق اصل حال صادر شدہ است و تفتیش اصل حقیقت چنداں دشوار نیست - از جناب کرنل ٹوڈی صاحب بہادر کہ بخدمت جناب ممدوح حاضر شدہ بودم، دریافت شدہ می تواند کہ آیا عرض من از حضوری خدمت موصوف الیہ پیروی مقدمہ مذکور بود یا نے و چوں ہر ملزم و ملازم مستحق آں ست کہ قبل از تجویز سزاے کردار خویش تحقیق الزام منسوبہ اش کماحقہ بعمل آید لہذا بکمال ادب عرض پرداز م کہ حکم قطعی کہ بہ نسبت برخاستگی فدوی قبل از تحقیق واقعہ صادر شدہ ست ازاں درگذشتہ تحقیقات امر واقعہ فرمودہ آید و بعد آں ہرچہ رائے فیض پیرائے قرار باید مطابق آں حکم صادر شود - زیادہ حد ادب - آفتاب دولت اقبال تاباں باد - عرضی فدوی مشتاق حسین معتمد صدر المہام عدالت ہائے سرکار عالی - من مقام علیگڑھ - معروضہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۸۷۹ء

ترجمہ ۔ خدمت والا میں عرض پرداز ہوں کہ اپنی برخاستگی کے حکم کی اطلاع سے کہ جس کے ذریعہ حضور والا کی ناراضگی کا علم ہوا میں اس درجہ نادم ہوں کہ اس تمام دوران میں معذرت کے طور پر بھی سرکار میں کوئی چیز عرض نہ کر سکا۔ میں بلاشبہ اپنے آپ کو دو قصوروں کا مرتکب سمجھتا ہوں اور ان دونوں قصوروں کو تسلیم کرتا ہوں پہلا قصور تو یہ ہوا کہ اپنے طریقہ یا روش سے ہٹ کر سرکار کی اطلاع کے بغیر ایک کام کر گذرا دوسرے یہ کہ بلا نسبت خود اس کو امور متنازعہ سے خارج اور معاملات درپیش شدہ سے غیر متعلق سمجھ بیٹھا اور میں اس بات سے لاعلم تھا کہ دوسرے لوگ میری اس کارروائی سے مغالطہ میں پڑ جائیں گے اور حقیقت سے ہٹ کر نہ معلوم کس کس طرح کے بے سروپا خیالات کو اپنے دل میں جگہ دیں گے اور یہی وجہ ہے جو اپنے ولی نعمت کو اطلاع دے بغیر اس فعل کا مرتکب ہوا مگر واقعہ یہ ہے کہ میں الزام منسوبہ سے بالکلیہ بری اور بے گناہ ہوں۔

فدوی پر جناب نواب محتشم الدولہ بہادر اور جناب نواب بشیر الدولہ بہادر کے مقدمہ کی پیروی کا الزام کوئی اصلیت نہیں رکھتا ہے۔ خداوند نعمت نواب بشیر الدولہ بہادر سے سرکاری خدمت کے علاوہ میرا کوئی دوسرا تعلق نہیں رہا اور سوائے الطاف حاکمانہ کے کہ اس کا ممنون تو البتہ رہا ہوں دوسرا اور کوئی لالچ مجھے جناب ممدوح سے نہیں تھا۔

جو حکم فدوی کی نسبت جاری ہوا ہے وہ تحقیق حالات کے بغیر صادر فرمایا گیا ہے اور اصل حقیقت کو پالینا کچھ ایسا دشوار بھی نہیں ہے کرنل ٹیوڈی صاحب بہادر سے کہ جن کی خدمت میں فدوی حاضر ہوا تھا دریافت فرمایا جا سکتا ہے کہ آیا ان کی خدمت میں میری یہ حاضری مذکورہ صدر مقدمہ کی غرض سے تھی یا گیا۔ اور چونکہ ہر ملزم و ملازم اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو اپنے کئے کی سزا ملنے سے پہلے اس پر عاید کردہ الزام کی مکمل تحقیقات عمل میں لائی جاوے اس لئے کمال ادب سے عرض ہے کہ جو قطعی حکم برخاستگی کا تحقیقات واقعہ سے پہلے صادر ہوا ہے اس سے درگذر فرماتے ہوئے امر واقعہ کی اصلیت دریافت فرمائی جاوے اور اس کے بعد جو بھی رائے والا قائم ہو

صرف اس کی بنیاد پر حکم قطعی صادر فرمایا جاوے۔ زیادہ حد ادب۔

الٰہی آفتاب دولت واقبال ہمیشہ روشن رہے۔

عرضی۔ فدوی مشتاق حسین معتمد صدر المہام عدالت ہائے سرکار عالی۔ علی گڑھ۔

معروضہ ۱۹ ر جمادی الاولےٰ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۲ ر مئی ۱۸۷۹ء

(نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین صاحب کی بحالی کے بعد ان کو زمانہ معطلی کی تنخواہ دلوائے جانے کا خیال جب نواب بشیر الدولہ بہادر کو پیدا ہوا تو چونکہ اس کارروائی میں سر رچرڈ میڈ کا ہاتھ رہا تھا جو ان دنوں حیدرآباد میں ریذیڈنٹ تھے اس لئے انہوں نے ریذیڈنسی کے توسط سے اس مسئلہ کو اٹھایا۔ چنانچہ وہاں سے تائید ہوئی اور جو تحریک ذریعہ نیم سرکاری حکومت ہند کے فارن آفس کو اس سلسلہ میں بھیجی گئی اور اس کا جو جواب وائسرائے بہادر کی طرف سے وصول ہوا دونوں کو اب مع ترجمہ کے پیش کیا جاتا ہے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۳۷۔

Hyderabad

Dated 20 Oct., 1888

From A. P. Howell, Esq.
To H. M. Durand, Esq.

I enclose copy of a letter, dated 7th instant, which the Minister has addressed to me regarding the case of Maulvi Mushtaq Hossein Nawab Intisar Jung.

2. You will see that the Minister's object is to secure our approval to his proposal to condone the Nawab's dismissal in 1879 from public office in this State in view of his being paid the salary of his post at half the full rate of the 2 years he was out of employment.

3. As to the specific circumstances under which Nawab Intisar Jung was removed from office, the Residency records afford little information. It appears, however, that in 1879 the Nawab paid a visit at Gwalior to Col. Tweedi who had shortly before been Assistant Resident there and that this was made the occasion of charging him with intrigue as a partisan of the present Minister against Sir Salar Jung who was then the Regent and Minister of the State. Representations were accordingly made to Sir Salar Jung who, considering the Nawab's retention in public service to be at that period inconsistent with his own authority, directed, with the approval of the Resident, Sir Richard Meade, the Nawab's dismissal.

4. This case is now brought to my notice by Sir Asmanjah as a hard one, and a case which even at this distance of time ought to be re-opened and remedied. It appears that no opportunity of explanation was ever given to the Nawab. What actually transpired at the meeting between him and Colonel Tweedie could only be known to these officers, and we have Col. Tweedie's testimony that the Nawab's conduct was harmless. Col. Tweedie in reply to Sir Asmanjah wrote a letter of 11th April, 1879, confirming the Nawab's protestations that nothing passed between them which was otherwise than becoming and proper.

ف ۱۶۷ مولوی مشتاق حسین صاحب اس وقت تک صرف انتصار جنگ بہادر کے خطاب سے سرفراز ہوئے تھے
وقار الدولہ وقار الملک کا خطاب بعد میں ملا - مؤلف

5 It seems to me therefore that the Nawab was made the victim of party feeling and if it be the case that nothing inconsistent to his duty to the Government which he served was proved against him certainly seems to me to be entitled to be compensated for the loss which he unjustly suffered. It is true that the order complained of was passed several years ago and that it was upheld by the late Resident Mr. Cordery in 1883 and that finality is an important principle of administration. But I would submit that justice is permanent and it would dangerously encourage a Minister in a hasty and biased policy if acts of his, however arbitrary, were held to be final solely because of their accomplishment, especially is this the case in a society where personal and party feeling runs high as at Hyderabad. In my opinion the best check is the opportunity of review and the probability of revision where injustice is clearly established as I think it is in the present instance.

6. On the above grounds I would beg to support Sir Asman Jah's recommendation. I have only to add that I have informed the Minister that I have referred his representation to the Government of India for instructions which I now solicit.

Yours Sincerely,
Sd/- A. P. HOWELL

ترجمہ۔ حیدرآباد۔ مورخہ ۲۰ راکتوبر ۱۸۸۸ء

منجانب اے۔پی ہاول صاحب بخدمت اے۔ایم۔ ڈیورنڈ صاحب۔

میں ۷ ماہ حال کے ایک خط کی نقل ملفوف کرتا ہوں جو منسٹر نے مولوی مشتاق حسین نواب انتصار جنگ کے بارے میں مجھ لکھا ہے۔

منسٹر صاحب کا منشا یہ ہے کہ ان نواب صاحب کی جو برطرفی ۱۸۷۹ء میں اس ریاست کے عہدہ سے عمل میں آئی تھی اس کی معافی کی منظوری کے لئے ہماری تائید حاصل کی جائے اور استدلال یہ ہے کہ جن دو سالوں کے دوران وہ بے کار رکھے گئے تھے ان کی بابت اس خدمت کی سالم تنخواہ کا نصف حصہ ان کو ایصال کیا جا چکا ہے۔

۲۔ جہاں تک ان مخصوص وجوہ کا تعلق ہے جس کے تحت نواب انتصار جنگ کی علیحدگی عمل میں

آتی تھی ریزیڈنسی کے مواد سے بہت کم مدد ملتی ہے۔ بہرحال ایسا مترشح ہوتا ہے کہ ۱۸۷۹ء میں نواب صاحب نے گوالیار میں کرنل ٹوڈی سے ملاقات کی جو کچھ ہی عرصہ پہلے یہاں پر اسسٹنٹ ریزیڈنٹ رہ چکے تھے اور یہ کہ اس چیز کو بنیاد بنا کر ان پر سر سالار جنگ کے خلاف جو اس زمانہ میں ... ریاست کے شریک ولی (کو ریجنٹ) اور منسٹر تھے سازش کرنے اور موجودہ منسٹر کی حمایت کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔ لہذا جب سالار جنگ سے نمایندگی کی گئی تو انہوں نے اس زمانہ میں نواب موصوف کا دائرہ ملازمت سرکاری میں منسلک رکھنا خود اپنے اقتدار کے منافی قرار دیتے ہوئے ریزیڈنٹ وقت سر رچرڈ میڈ کی توثیق حاصل کرنے کے بعد برطرفی کا حکم دیدیا۔

۴۔ یہ معاملہ اب میرے سامنے ایک لایق توجہ کارروائی کی حیثیت سے منجانب نواب سر آسمان جاہ پیش کیا گیا ہے تاکہ اتنی مدت منقضی ہونے کے بعد بھی اس پر نظرثانی کی جائے کیونکہ ان کے خیال میں یہ چیز محتاج دادرسی ہے۔ ایسا پایا جاتا ہے کہ نواب موصوف کو کوئی موقع اپنی طرف سے کسی وضاحت یا جواب دہی کا نہیں دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نواب صاحب اور کرنل ٹیوڈی کے درمیان آپس کی اس ملاقات میں جو بات چیت ہوئی وہ صرف ان دو عہدہ داروں کے علم تک ہی محدود رہی اور ہمارے پاس کرنل ٹیوڈی کی شہادت موجود ہے اور جس میں اس امر کی تصدیق کی گئی ہے کہ اس موقع پر نواب موصوف کا طرز عمل بے ضرر تھا۔ کرنل ٹیوڈی نے سر آسمان جاہ کے جواب میں ۱۱ اپریل ۱۸۷۹ء کو ایک خط لکھا تھا جس میں نواب صاحب کے اس بیان کی تصدیق کی گئی ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات بھی ایسی نہیں ہوئی جس کو موزوں اور معقول قرار نہ دیا جا سکے۔

۵۔ اس لئے میرا تاثر یہ ہے کہ نواب موصوف کو پارٹی فیلنگ یا جتھے بندی کا شکار بنایا گیا اور اگر یہ امر واقعہ ہے کوئی بات بھی ان فرایض کے مغایر ثابت نہیں ہو سکی جو اس حکومت کی طرف سے جس کے کہ وہ ملازم تھے ان کے ذمہ عائد ہوتے تھے تو بدیہی طور پر وہ اس کے حق دار ہیں کہ ان کا جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کی جاوے۔

یہ درست ہے کہ جس حکم کے خلاف یہ کارروائی اب اٹھائی گئی ہے وہ کئی سال پہلے جاری ہوا تھا نیز یہ کہ سابق ریزیڈنٹ مسٹر کارڈری نے ۱۸۸۲ء میں اسی حکم کو بحال رکھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ چیز بھی مسلمہ ہے کہ قطعیت حکومت کے نظم ونسق کا ایک اہم اصول ہے مگر میں عرض کروں گا کہ مستقل اور دائمی چیز اصل میں انصاف ہے اور اگر کسی منسٹر کے افعال کو بلا لحاظ اس کے کہ وہ کتنے من مانے ہیں محض اس خیال سے کہ ان کا وقوع عمل میں آچکا ہے قطعی سمجھ لیا جائے تو ایک منسٹر کو اس کی خطرناک ترغیب ہو سکتی ہے کہ وہ عجلت پسندی کی حالت میں بے جا طرفداری کی پالیسی پر گامزن ہو۔ یہ صورت حال وہاں بطور خاص پیش آتی ہے کہ جہاں کے سماج میں ذاتی اور دھڑے بندی کے جذبات اتنے بڑھے چڑھے ہوں جتنے کہ حیدرآباد میں ہیں۔ میری رائے میں غور وفکر کرنا اور جہاں ناانصافی کھلم کھلا ثابت ہو جائے جیسا کہ میری دانست میں اس موجودہ معاملہ کی صورت ہے وہاں اس بات کا اندیشہ کہ نظر ثانی کے مواقع فراہم رہیں گے بہترین روک تھام کا کام دے سکتا ہے۔

۶۔ مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر میں سر آسمان جاہ کی تحریک کی تائید کرنے کی اجازت کا طالب ہوں۔ مجھے اب صرف اتنا اور اضافہ کرنا ہے کہ میں نے منسٹر کو مطلع کر دیا ہے کہ میں نے اس مسئلہ کو حکومت ہند کے ملاحظہ میں پیش کر دیا ہے تاکہ وہاں سے ضروری ہدایات جاری ہو سکیں اور ان ہدایات کی اجرائی کی میں اب درخواست کرتا ہوں۔

(اب اس خط کا جواب پڑھئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۳۸۔

Foreign Office,
Calcutta.
14th March, 1889.

To
A. P. Howell
Resident at Hyderabad.

My dear Howell,

Your demi-official letter of 20th October 1888, regarding Moulvi Mushtak Hossain Intisar Jung has been shown to the Viceroy.

I am now instructed to say it is not a matter in which the Govt. of India can interfere. It would not be right for them to approve and lend their authority to action of the kind proposed by the Minister. There is nothing to prevent the Nizam's Government from presenting Mushtak Hossain with a solatium upon any pretext which any please the Minister to allege, but whether Mushtak Hossain was hardly treated or not, the Government of India cannot take upon themselves, after a lapse of ten years since his dismissal, to affirm that it was so.

If the Government of India were to consent formally to the cancellation of the Moulvi's dismissal and were to authorise the payment to him of salary which he would have earned if he had not been dismissed this would involve a censure on those at whose instance or with whose concurrence he was removed. The Government of India see no sufficient reason to censure the action of either the late Sir Salar Jung or Sir Richard Meade—as they would very much prefer to learn that men in power and position at Hyderabad had begun to understand the advantage of burying old and nasty hatchets.

Yours sincerely
Sd/- H. M. DURAND

ترجمہ - فارن آفس - کلکتہ - ۱۴ ؍ مارچ ۱۸۸۹ء

بخدمت - اے - پی - ہاول صاحب - ریزیڈنٹ بمقام حیدرآباد -

میرے مکرم ہاول - آپ کی نیم سرکاری مورخہ ۲۰ ؍ اکتوبر ۱۸۸۸ء بابت مولوی مشتاق حسین انتصار جنگ وائسرائے کے ملاحظہ میں پیش کر دی گئی تھی - مجھے اب یہ کہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے جس میں حکومت ہند کوئی مداخلت پسند کرے - منسٹر نے جو تحریک کی ہے مناسب نہ ہوگا کہ حکومت ہند اس پر صاد کرے یا اپنی تائید سے اس کی تقویت کا باعث ہو کسی ایسے عذر کی بناء پر جو منسٹر بطور حجت پیش کرنا مناسب سمجھتے ہوں مولوی مشتاق حسین کو کسی زر تلافی کے بطور تحفہ دے جانے سے حکومت نظام کو باز رکھنے والی تو کوئی چیز موجود نہیں ہے نہ یہ بات کہ مشتاق حسین کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی گئی تو ان کی علحدگی پر دس سال

کی مدت منقضی ہونے کے بعد حکومت ہند اس امر کے اعلان کی ذمہ داری نہیں لے سکتی

.... کہ حقیقتاً ایسا ہی ہوا تھا۔

اگر حکومت ہند باضابطہ طور پر مولوی صاحب کی تنسیخ برطرفی عمل میں لائے اور ان کو اس تنخواہ کی ادائیگی کا جواز پیدا کرے جو بصورت عدم علیحدگی وہ حاصل کر لیتے تو یہ بات ان لوگوں پر جن کے ایماء سے یا جن کے اتفاق رائے سے ان کو الگ کیا گیا تھا، ملامت پر دلالت کرے گی مگر حکومت ہند کو کوئی معقول وجہ مرحوم سر سالار جنگ یا سر رچرڈ میڈ کے کسی فیصل پر معترض ہونے کی نظر نہیں آتی اور وہ تو یہ سننے کی مشتاق ہے کہ حیدرآباد کے ارباب مقتدر دیرینہ گندے معاملات کو فراموش کر دینے کے فوائد کو محسوس کرنے لگے ہیں۔

آپ کا صادق

ایچ - ایم - ڈیورنڈ

(فارن آفس کے اس جواب پر ریزیڈنٹ صاحب نے جو اطلاع نواب سر آسمان جاہ بہادر وزیر اعظم حضور نظام کو دی اب اس کو پڑھیے۔ مولف)

خط نمبر ۱۳۹

The Residency,
Hyderabad, 20-4-89

My dear Nawab,

I am directed to reply to your letter of 7 Octr. 88, regarding the case of Moulvi Mushtak Hossain, Nawab Intesar Jung.

The matter was laid before the Government of India, and I am now desired to say that this is not a case in which they can interfere or in which it would be right for them to approve or lend their authority to the action proposed. It is entirely for His Highness' Government to present the Nawab with a solatium if it finds any ground for doing so. But the Govt. of India cannot take upon themselves, after a lapse of ten years since his dismissal, to affirm that the Nawab was hardly treated.

If the Govt. of India were to consent formally to the cancellation of the Nawab's dismissal and authorise the payment to him of the salary which he would have earned had he not been dismissed, this would involve a censure on those at whose instance or with whose concurrence he was removed. But the Govt. of India see no sufficient reason to censure the action either of the late Sir Salar Jung or of Sir Richard Meade. The Govt. of India must therefore leave the matter entirely in the hands of His Highness' Government

Believe me,

Yours very sincerely

Sd/- G. S. FOSHER

True Copy

ترجمہ- ریزیڈنسی

حیدر آباد- ۲۰/۴ ۸۹ء

مائی ڈیر نواب- مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں آپ کے خط مورخہ ۷؍اکتوبر ۸۸ء کا جواب ادا کردوں جو مولوی مشتاق حسین نواب انتصار جنگ کے بارہ میں تھا- اس کارروائی کو حکومت کے سامنے پیش کیا گیا اور اب مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ میں واضح کردوں کہ یہ ایسا معاملہ نہیں ہے جس میں حکومت ہند کسی مداخلت کو پسند کرے- نہ حکومت ہند کے لئے مناسب ہوگا کہ جس طریق کار کی سفارش کی گئی ہے اس کو اپنی توثیق سے تقویت پہونچائے یا جو چالا جارہا ہے اس پر صاد کرے اگر ایسا کرنے کی کوئی وجہ اس کے پاس موجود ہو تو نواب موصوف کے لئے بطور زر تلافی کے کوئی رقم منظور کرنا ہز ہائینس کی حکومت کا بالکلیہ اپنا اختیاری فعل ہوگا- مگر ان کی علٰحدگی پر دس سال کی مدت منقضی ہوچکنے کے بعد حکومت ہند اپنے اوپر کوئی ذمہ داری کسی ایسے اعلان کی نہیں لے سکتی ہے کہ نواب ممدوح کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا وہ سختی پر مبنی یا ناروا تھا اگر نواب موصوف کی تنسیخ علٰحدگی کی منظوری رواجی طرز پر باضابطہ دی جائے اور اور اس تنخواہ کی ادائیگی کی توثیق کردی جائے جو انہوں نے بصورت عدم علٰیحدگی برداشت کرلی ہوتی تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جن لوگوں کے ایما یا جن کے اتفاق رائے سے ان کو الگ کیا گیا تھا ان پر عدم اعتماد کا اظہار کیا جارہا ہے حالانکہ حکومت کے پاس کوئی وجہ نواب

سر سالار جنگ مرحوم یا سر رچرڈ میڈ کے اس فعل پر معترض ہونے کی موجود نہیں ہے۔ اس لئے
حکومت ہند اس مسئلہ کو بالکلیہ ہزہائینس کی حکومت کے صوابدید پر چھوڑتی ہے۔

یقین کیجئے آپ کا نہایت صادق۔

(دستخط) جی۔ ایس۔ فوٹر

نقل مطابق اصل

پی۔ ال

(آئیے۔ اب نواب سر آسمان جاہ بہادر کا تحریر کردہ وہ خط ملاحظہ فرمائیے جو ممدوح نے
اس سلسلہ میں کرنل ٹیوڈی صاحب کو لکھا تھا۔ مولف)

خط نمبر ۱۴۰۔

My dear Colonel Tweedie,

I have hesitated writing to you since my Secretary, Mushttak Hoosain, called on you and incurred the displeasure of H. H. the Nizam's Govt., as I did not want to impose on your friendship or to do anything that might compromise you politically. Mushttak Hoosain has been dismissed as the official Robkar on the subject says, because he, a servant of the Government, went while on leave to see you about the dispute pending between the Nawab Ameeri-kabeer Bahadur and Mohteshemud Dowla Bahadur and myself. The impression is that Mushttak Hoosain was deputed by my brother and myself to visit you and lay the facts of the case before you in view to your making a representation of it on our behalf to the foreign office.

Now, as Mushthak Hoosain was sent to you on no such business and as I asked him on his way to his native town to call on you as an old friend of mine and also of my family, I feel it incumbent on me to put the whole matter as clearly as I can before the Govt. of H. H. the Nizam, so that the imputation under which Mushthak Hoosain labors, the immediate effect of an erroneous impression, may be removed and with it the stigma of dismissal. I think it is due to you, however, that I should first ask whether you have any objection to my adopting the course I propose doing and to my stating that Mushthak Hoosein was not sent on any such mission as the Government imagine, that I asked him to see you as an old friend of mine, that in the course of conversation the dispute between my Uncle and myself was talked of, that you were not asked to make any representation on my behalf to the foreign

office, that this, I consider, would have been as insulting to you as an honoured friend of mine as it would have been to the high Political Office you hold under the Govt. of India, that the only matter in which I did desire Mushthak Hoosain to ask you as a private friend of Sir Richard Meade as well of myself to use your influence if you could do so, was with regard to my sincere desire to have access to Sir Richard Meade as a valued friend and counsellor, and to re-establish me to that place in his friendship which I had the honour of enjoying formerly.

Please let me know if you consider this a true statement of Mushthak Hoosain's visit to you and whether you have any objection to my making a similar statement to H. H. Nizam's Govt. and also to my referring His Exc. the Minister to you for any further information he may require.

Trusting you are quite well, I am, with kindest regards, My dear Colonel Tweedie.

Yours very sincerely,

(Signed) BUSHEEROUD DOWLAH

True Copy

ترجمہ - مائی ڈیر کرنل ٹیوڈی -

جب سے کہ میرے معتمد مشتاق حسین آپ سے ملے اور حکومت حضور نظام کی ناراضگی کا باعث ہوئے مجھے آپ کو خط لکھنے میں تذبذب محسوس ہو رہا ہے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ آپ کی دوستی سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھاؤں یا کوئی ایسی بات کروں جو آپ کو سیاسی طور پر متاثر کر سکے - جیسا کہ سرکاری روبکار ظاہر کرتی ہے مشتاق حسین کی برطرفی اس لئے عمل میں آئی ہے کہ وہ حکومت نظام کے دائرہ ملازمت میں منسلک رہتے ہوئے اپنی رخصت کے دوران آپ سے اس نزاع کے بارہ میں گفتگو کرنے کے لئے گئے جو نواب امیر کبیر بہادر محتشم الدولہ بہادر اور میرے درمیان اٹھ کھڑا ہوا ہے - گمان یہ کیا جا رہا ہے کہ مشتاق حسین کو میں نے اور میرے بھائی نے آپ سے ملاقات کے لئے اپنا ایلچی بنا کر اس لئے بھیجا تھا کہ اس قضیہ کے واقعات وہ آپ کے سامنے پیش کریں تاکہ آپ اس بارہ میں ہماری طرف سے فارن آفس سے نمایندگی کر سکیں -

مگر چونکہ مشتاق حسین کو کسی ایسے کام کے لئے آپ کے پاس روانہ نہیں کیا گیا تھا اور چونکہ اپنے وطن کو جاتے ہوئے راستہ میں آپ سے ملاقات کرنے کے لئے میں نے ان سے اس لئے کہا تھا کہ آپ میرے اور میرے خاندان کے ایک دیرینہ بہی خواہ ہیں۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ اس سارے معاملہ کو ممکنہ تفصیل کے ساتھ حکومت حضور نظام کے سامنے لاؤں تاکہ جو اتہام مشتاق حسین پر لگایا گیا ہے اور جو ایک غلط تاثر کا فوری نتیجہ ہے وہ ان پر سے ہٹ جائے اور ساتھ ہی ساتھ برطرفی کا جو داغ ان کے دامن پر لگا ہے اس کو دھویا جا سکے میری دانست میں مجھے آپ سے یہ دریافت کرلینا ضروری ہے کہ جو طریق کار میں اختیار کرنا چاہتا ہوں اس پر آپ کو تو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر میں بیان کرسکوں کہ مشتاق حسین کو کسی ایسے کام کے لئے جیسا کہ حکومت نے تصور کرلیا ہے روانہ نہیں کیا گیا تھا۔ یہ کہ میں نے جوان کو آپ سے ملنے کے لئے کہا تھا وہ آپ کی ہمارے ایک دوست کی حیثیت کے لحاظ سے تھا۔ یہ کہ دوران گفتگو میں میرے چچا اور میرے درمیان جو جھگڑا ہے اس کا ذکر بھی آیا تھا مگر آپ سے یہ درخواست نہیں کی گئی کہ آپ میری حمایت میں فارن آفس سے کوئی نمایندگی کریں نیز یہ کہ ایسا عمل نہ صرف آپ کی ذات کے لئے ہی توہین آمیز ہوتا جو میرے ایک عزیز دوست ہیں بلکہ اس رفیع المنزلت عہدہ کے لئے بھی باعث رسوائی ہوتا جس پر حکومت ہند کے تحت آپ فائز ہیں۔ یہ کہ جو واحد چیز میں نے مشتاق حسین سے چاہی تھی وہ یہ تھی کہ اگر آپ کے امکان میں ہو تو آپ بہ حیثیت سر رچرڈ میڈ کے ایک دوست کے اپنا ذاتی رسوخ میری اس بے لاگ خواہش کے پورا کرنے کے لئے کام میں لائیں کہ سر رچرڈ تک جو میرے ایک کرم فرما اور مشیر کی حیثیت رکھتے ہیں مجھے رسائی حاصل ہو جائے اور ان کی دوستی میں مجھے وہ مقام مکرر حاصل ہو سکے جس کی عزت مجھے پہلے حاصل رہ چکی ہے۔

مہربانی فرما کر مجھے مطلع کیجئے کہ کیا مشتاق حسین سے اپنی ملاقات کی میری اس وضاحت کو آپ حقیقی سمجھتے ہیں اور آیا آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا اگر میں اسی بات کو حکومت نظام

کے سامنے ظاہر کردوں اور اسی کے ساتھ عزت مآب وزیر اعظم کو آپ کا حوالہ دیدوں تاکہ کسی وقت وہ ضرورت محسوس کریں تو کوئی مزید معلومات بھی آپ سے اس سلسلہ میں حاصل کرسکیں، میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

میں ہوں۔ مائی ڈیر کرنل ٹیوڈی۔ آپ کا نہایت صادق ۔ بشیر الدولہ

نقل مطابق اصل ہے۔

درخواست وقار الملک برائے ایصال تنخواہ زمانہ علحدگی

(اس موقع پر وہ عرضی نقل کردینی مناسب پائی جاتی ہے جو زمانہ علحدگی کی تنخواہ حاصل کرنے کے لئے نواب وقار الملک بہادر نے مہاراجہ نریندر پرشاد بہادر کے ملاحظہ میں پیش کی تھی۔ یہ مہاراجہ ریاست کے پیشکار تھے جو وہاں کا اعلےٰ ترین عہدہ تھا اور وہ سر سالار جنگ اول کے اچانک انتقال پر وزارت عظمیٰ کے فرائض بھی عارضی طور پر ان سے متعلق کردئے گئے تھے اور اس عرضی کے پیش ہونے کے زمانہ میں ممدوح منصرم وزیر اعظم تھے۔ اس عرضی میں کرنل ٹیوڈی سے ملاقات والے معاملہ پر چونکہ مولوی مشتاق حسین وقار الملک اپنے زاویہ نگاہ سے روشنی ڈال رہے ہیں اور وہ صفائی پیش کر رہے ہیں جس کا کوئی موقع علحدگی سے پہلے ان کو نہیں دیا گیا تھا اس لئے اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ ہم کو جو عرضی ملی ہے وہ انگریزی میں ہے جس کے آخر میں "عرضی مشتاق حسین" کے الفاظ مولوی مشتاق حسین صاحب کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں اس لئے اس کا اردو ترجمہ دیا جارہا ہے۔ اس عرضی میں جن مسلکات کا حوالہ دیا گیا ہے افسوس ہے کہ سوائے ایک کے وہ مسلکات دستیاب نہ ہوسکے اور جو ایک کا غذ مل گیا ہے وہ آخر میں درج کیا جارہا ہے۔ مؤلف)

ترجمہ:۔ میری تنخواہ کے ایصال بقایا میں ایک طرح کی رکاوٹ اس بناء پر پیدا ہوگئی ہے

کہ میری علٰحدگی کو برٹش ریزیڈنٹ کی کسی کارروائی کا نتیجہ قرار دیا جارہا ہے اور خیال یہ ہے کہ ریزیڈنٹ کی اطلاع کے بغیر مجھ کو اس بقایا کی اجرائی اس وقعت کے مغایر ہوگی جو ایک ایسے اعلیٰ عہدہ دار کے شایان شان ہے۔ یہ بات کہ میری یہ علٰحدگی برٹش ریزیڈنٹ کے کسی اقدام کا نتیجہ تھی پہلی بار میرے علم میں آرہی ہے اس سے پہلے تک تو اپنے حکم علٰحدگی کے متعلق میں یہ سمجھتا رہا تھا کہ وہ اس شکایت پر مبنی تھی جو امیر کبیر بہادر مرحوم نے کی تھی۔ اگر مجھے پہلے سے یہ معلوم ہوجاتا تو ایک ایسے صاف وصریح معاملہ میں جیسا کہ یہ میرا معاملہ ہے میں برٹش ریزیڈنٹ کے سامنے اپنے طرز عمل کی صفائی اب سے بہت پہلے کر چکا ہوتا اور یہ کارروائی محض یہاں کے امرا کے باہمی پیچیدہ تعلقات کی وجہ سے بلا کسی تصفیہ کے پڑی رہ گئی۔ جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے جو میرے بقایا کی ادائگی پر ہوا ہے نیز سر رچرڈ میڈ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کی پوری عظمت واہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نہایت ادب سے ملتمس ہوں کہ حکومت نظام میری اس درخواست کو اس عہدہ دار کے پاس روانہ فرمائے جو ملکہ معظمہ انگلستان کی نمائندگی اس ریاست میں کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ایسی سفارش بھی کرے جو میرے ایصال بقایا تنخواہ پر نظر ثانی کرنے کے لئے اس عہدہ دار کو آمادہ کرسکے اور مجھے یقین کامل ہے کہ اس غور مکرر کے بعد اس سربرآوردہ عہدہ دار کا ایسا فیصلہ صادر ہوگا جس میں میرے ساتھ انصاف کا ہر پہلو ملحوظ رکھا جائے گا۔

مجھ پر الزام لگایا گیا ہے کہ کرنل ٹیوڈی کی خدمت میں میری حاضری ایسی نوعیت کی تھی جو سزاوار علٰحدگی قرار پاتی ہے (ملاحظہ ہو دستاویز الف)

میں بلا کسی توقف کے عرض پرداز ہوں کہ میں کسی بھی ناپسندیدہ کارروائی سے وابستہ نہیں رہا ہوں۔ کرنل ٹیوڈی حیدرآباد کے ریزیڈنٹ نہ تھے۔ وہ حکومت کے کبھی کوئی معتمد یا رکن نہ تھے۔ ان کا کوئی تعلق بھی حیدرآبادی معاملات سے نہیں تھا نہ اس سلسلہ میں وہ برٹش حکومت پر اثرانداز ہوسکتے تھے۔ لہٰذا جبکہ ان کا کوئی سرکاری تعلق حیدرآباد سے

باقی نہیں رہا تھا تو ان کی خدمت میں میری حاضری ایک خانگی ملاقات سے زائد کوئی چیز نہ تھی نہ کوئی ایسا الزام مجھ پر لگایا جا سکتا ہے کہ جس کی سزا میری رائے میں برطرفی قرار دی جا سکے نواب بشیرالدولہ بہادر نے مہربانی سے مجھے اجازت دی ہے کہ ان کے موسومہ خط کے دو فقرے میں اپنے کام میں لا سکتا ہوں جو کرنل ٹیوڈی نے میری حاضری اور اس کے دوران میرے طرز عمل کے بارہ میں نواب صاحب موصوف کو تحریر فرمائے ہیں (ملاحظہ ہو دستاویز ب)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ میں نے نہ صرف کوئی ناپسندیدہ بات اس موقع پر نہیں کی بلکہ اس معاملہ کو حکومت نظام سے پوشیدہ رکھنے کی بھی مجھے کوئی خواہش نہ تھی - اگر حکم علحدگی کی اجرائی سے پہلے مجھے اس کارروائی کی کمل وضاحت کا موقع مل جاتا تو مجھے کامل یقین ہے کہ سر رچرڈ میڈ اور خود مرحوم امیر کبیر کو میرے کرنل ٹیوڈی کے پاس جانے پر معترض ہونے کی نوبت نہ آتی - اس حکم کے ملتے ہی میں نے سب سے پہلے موقع پر مرحوم وزیر اعظم پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ جو الزام مجھ سے منسوب کیا گیا ہے وہ بے بنیاد ہے اور میں نے استدعا کی تھی کہ سب سے پہلے اسی الزام کی تحقیقات عمل میں لائی جاوے اور پھر جیسا مناسب ہو حسب صوابدید عمل فرمایا جاوے -

(ملاحظہ ہو دستاویز ج)

اس موقع پر یہ سمجھتے ہوئے کہ میری علحدگی ایک حد تک ان کے ہی معاملات کی بنا پر عمل میں لائی گئی ہے نواب بشیرالدولہ بہادر نے مجھ سے بار بار یہ خواہش کی کہ میں اپنی سالم تنخواہ موصوف سے حاصل کرتا رہوں اور ان کے دائرہ ملازمت سے منسلک ہو جاؤں مگر میرا جواب یہی تھا کہ چونکہ مرحوم وزیر اعظم نواب مختار الملک نے مجھے اس ریاست میں طلب کیا اور میرا تقرر فرمایا تھا اور چونکہ ممدوح ہی کے ہاتھوں میری علحدگی بھی عمل میں آئی ہے اس لئے میں اس پیش کش کے قبول کرنے میں حق بجانب نہ ہونگا - اس کے بعد نواب بشیرالدولہ بہادر نے مجھے مجبور کیا کہ میں بدون ادائے خدمت کے پانچ سو روپیہ ماہوار

ان سے لیتا ہوں (ملاحظہ ہو دستاویز ط)

مگر اس پیش کش کو میں نے اس عذر سے رد کیا کہ میں نے موصوف کی ایسی کوئی خدمت انجام نہیں دی ہے جس کے لئے اس قسم کے حصول کا جواز پیدا کر سکوں۔ جب مرحوم وزیر اعظم کو مندرجہ بالا واقعات کا علم ہوا تو ممدوح نے میرے عریضہ (دستاویز ج) کے جواب میں خاص اپنی قلمی ایک تحریر روانہ فرمائی جس کو میں نے ان مرحوم و مغفور کی ایک قیمتی یادگار کے طور پر رکھ چھوڑا ہے (ملاحظہ ہو دستاویز ہ)

اس میں نواب ممدوح ارقام فرماتے ہیں کہ "ہمہ را دیدم و خوش شدم کہ از شرفا غیر ازانچہ از مولوی مشتاق حسین عمل شدہ عمل دیگر نمی تواند شد و امید است کہ روزے بیاید کہ ایشاں نتیجہ عمل نیک خود را حاصل کنند۔"[۱۶۸]

میں نے اپنی حیدر آباد سے اس غیر حاضری کے زمانہ میں حسب خواہش وزیر اعظم مرحوم اپنا بیشتر وقت سرکار نظام کے سرکاری کام میں صرف کیا ہے۔ کافی عرصہ تک میں اس حکومت کے سررشتہ مال کے ایک مجموعہ قوانین کی تیاری میں مدد دیتا رہا ہوں ایک وقت جب کہ مرحوم وزیر اعظم چاہتے تھے کہ دیوانی کے کام کو مال کے کام سے الگ کر دیا جائے تو مجھے ہدایت ہوئی تھی کہ اس غرض سے میں گشتی احکام کا ایک مجموعہ مرتب کروں۔ یہ تمام کاغذات جو وقتاً فوقتاً وزیر اعظم مرحوم کے ملاحظہ میں پیش ہوتے رہے تھے اس وقت تک موجود ہیں اور سب کے سب میرے ہی ہاتھ کے تحریر کردہ ہیں اور ان کو حکومت نظام ملاحظہ فرما چکی ہے اور اگر ضرورت ہو تو ریزیڈنٹ صاحب

---

۱۶۸ ترجمہ۔ میں نے بہت کچھ دیکھا اور مجھے مسرت ہے کہ شریف لوگوں سے سوائے اس عمل کے جو کہ مولوی مشتاق حسین سے ظہور میں آیا دوسرا کوئی اور عمل ممکن نہیں ہو سکتا تھا اور امید ہے کہ ایک دن آئے گا جب وہ اپنے نیک عمل کے صلہ سے مستفید ہوں گے۔ مؤلف

بھی ان کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ جب میں نے نواب بشیر الدولہ بہادر کی ملازمت اور رقمی پیش کش سے انکار کیا تو اس کے بعد میری ایک لڑکی کی شادی کے موقع پر موصوف نے چار ہزار روپیہ کے کرنسی نوٹ بطور نیوتہ کے روانہ فرمائے تو میں نے مرحوم وزیر اعظم کو فوراً ہی اس کی اطلاع کر دی اور میری اس اطلاع کے جواب میں ایک خط میرے پاس بھیجا گیا (ملاحظہ ہو دستاویز و)

اس تحریر سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ نواب مرحوم اس وقت میری حیثیت کو اپنی حکومت کے ملازم کی ایسی حیثیت قرار دے رہے تھے کہ جس کے تحت بدون اس حکومت کی اجازت کے مجھے اس رقم کی وصولی کا اختیار نہ تھا۔ اس کے بعد اس کارروائی میں جو مزید مراسلت ہوئی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو رقم نواب بشیر الدولہ بہادر کو واپس شدنی قرار پائی تھی وہ وزیر اعظم مرحوم کے سپرد کر دی گئی۔ اور جب اس کی اطلاع نواب بشیر الدولہ بہادر کو ہوئی تو موصوف نے اس کا برا مانا اور ان کو یہ بات ناگوار گذری کہ ان کی رقم وزیر اعظم مرحوم کو دیدی گئی۔ میرا خیال یہ تھا کہ جب میرے بقایا کا تصفیہ ہوگا اس وقت یہ چار ہزار روپیہ نواب بشیر الدولہ بہادر کو واپس ہو جائیں گے۔ آخر کار جب مرحوم وزیر اعظم نے مجھ کو دوبارہ یاد فرمایا اس وقت ممدوح نے ایک اور خط اپنے قلم خاص سے مجھے تحریر فرمایا (ملاحظہ ہو دستاویز، ز)

اور یہاں حاضر ہونے پر اس مسئلہ کے بارے میں ایک سرکاری حکم بھی جاری فرمایا (ملاحظہ ہو دستاویز، ح)

ان دونوں تحریروں سے واضح ہوگا کہ اس وقت بھی مرحوم نواب مجھے ایک علیحدہ شدہ ملازم کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ ایسا ملازم سمجھتے تھے جس کو بطور ایک حکمت عملی یا پالیسی کے صرف کچھ عرصہ کے لئے واپس آنے سے باز رکھا گیا ہو۔

جس مدت تک میں حیدرآباد سے باہر رہا تھا جب اس زمانہ کی تنخواہ کے واسطے میں نے مرحوم وزیر اعظم سے اپنی واپسی کے بعد عرض کیا تو مجھے اس کے متعلق ایک درخواست پیش کرنے کی ہدایت ہوئی اور کہا گیا کہ میری اس درخواست پر مناسب احکام صادر ہوں گے مگر میں نے جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو لے کہ اس بارہ میں حکومت نظام کا عندیہ کیا ہے کوئی درخواست پیش کرنے سے مجبوری ظاہر کی تو مجھے اطلاع دی گئی کہ جس زمانہ میں میرا قیام باہر رہا ہے اس کی بابت مجھ کو نصف تنخواہ ایصال ہوگی۔ لہذا چونکہ میری نصف تنخواہ اس عہدہ دار کو ایصال ہو چکی تھی جو میری جگہ منصرم رہے تھے میں نے بقیہ نصف کے واسطے درخواست پیش کی جو اس وقت خزانہ عامرہ میں جمع تھی۔ اس کے بعد اس معاملہ میں جو کچھ ہوا اس کا پورا پورا حال ان کاغذات سے معلوم ہو سکے گا جو شریک مثل ہیں اور جو اس وقت حکومت نظام کے ملاحظہ میں پیش ہیں۔ ان کاغذات سے یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ میری نصف تنخواہ کی اجرائی کے آخری احکام مرحوم وزیر اعظم کی جانب سے جاری ہوئے تھے اور ان مرحوم کے اپنے ہاتھ ہی کے تحریر کردہ ہیں۔ ممدوح مرحوم نے جو انتظام اس وقت کیا تھا وہ وہی انتظام ہے جس کے احکام حضور والا اور نواب میر لایق علی خاں بہادر نے اب جاری فرمائے ہیں اور اس طرح پر جو رقم متعین کی گئی تھی وہ جاریہ مالی سال کے موازنہ میں بھی شریک ہو چکی تھی (جو سال کہ اب ختم ہو رہا ہے) اور جس کو مرحوم وزیر اعظم منظور بھی فرما چکے تھے۔

میں یہ عرض کرنے کی اجازت بھی چاہتا ہوں کہ جب میں اپنے وطن میں تھا تو میری یہاں کی واپسی سے کچھ ہی پہلے مجھے مطلع کیا گیا تھا کہ مرحوم وزیر اعظم میرے معاملہ کے متعلق ریزیڈنٹ سے گفتگو کرنے والے ہیں اور اس کے بعد مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ ممدوح نے سر اسٹیورٹ بیلی سے تبادلہ خیال کر لیا ہے اور صرف اس کے

بعد ہی ممدوح نے مجھ کو طلب فرمایا۔ چند ایسے عہدہ دار جن کو اس معاملہ کے متعلق حالات سے آگاہی کے مواقع حاصل تھے اس وقت بھی مجھ سے بیان کرتے ہیں کہ مرحوم نواب نے سر اسٹیورٹ بیلی سے یقیناً اس قسم کی گفتگو کی تھی۔ لیکن اگر سر اسٹیورٹ بیلی سے اس کارروائی میں مشورہ طلب کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو مجھے یقین ہے کہ یہ مشورت طلبی میرے حق میں انتہائی سود مند ثابت ہو گی کیونکہ میری دانست میں اس وقت یہ امر بات ہی صاف ہو جائے گی کہ ریزیڈنٹ کی اجازت میری طلبی سے پہلے ہی حاصل کیجا چکی تھی بلکہ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ نواب مرحوم نے وہ اجازت اس لئے حاصل فرمائی تھی کہ موصوف میری اس عارضی علحدگی کو ایک ناانصافی تصور فرماتے تھے اور اس کو ایک ایسا فعل قرار دیتے تھے جس پر ان مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جن سے وہ ان دنوں دوچار تھے عمل پیرا ہونا ضروری تھا۔ اور اگر میرا یہ خیال صحیح ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ وہ خیال درست ہی ہے کہ ریزیڈنٹ نے میری واپسی کی منظوری اس بنا پر دی تھی کہ میری علحدگی غیر منصفانہ تھی تو نہایت ادب سے عرض کروں گا کہ اس معاملہ پر دوبارہ غور کر کے جس کی میں اس وقت استدعا کر رہا ہوں بوقت عطائے اجازت ہی کیا جا چکا تھا اور اس خاص معاملہ میں وزیر اعظم وقت کو اس بات کا پورا اختیار حاصل تھا کہ میرے زمانہ غیر حاضری کی تنخواہ ایصال کئے جانے کے بارے میں وہ جس قسم کے احکام بھی قرین صواب تصور فرمائیں ان کو جاری کریں ان سب باتوں کے باوجود اگر اب بھی یہ خیال ہے کو ریزیڈنٹ سے کوئی مزید منظوری اس ایصال بقایا کے لئے حاصل کی جانی ضروری ہے تو ریزیڈنٹ صاحب کے انصاف اور عنایت پر میرا ایقان اتنا مضبوط ہے کہ مجھے یقین کامل ہے کہ موصوف اس کارروائی کو میرے حق ہی میں طے فرما دیں گے۔ آخر میں جو بات اس پوری نوعیت کارروائی سے ظاہر ہے عرض کرنی یہ ہے کہ میرے خلاف جو الزام لگایا گیا وہ بے بنیاد ثابت ہوا اور اس کے نتیجہ میں وہ حکم جس کے تحت بدون اخذ جواب مجھے علحدہ کیا گیا انصاف کے

خلاف تھا یہاں تک کہ ...... نواب مرحوم کو خود اس بات کا یقین تھا کہ وہ حکم غلط طور پر جاری ہوا ہے۔ کارروائی کے اس تاثر میں سر اسٹیورٹ بیلی بھی میری عدم موجودگی کے زمانہ ہی میں ان کے ہم نوا تھے۔ میں نے اپنے وقت کا زیادہ حصہ حکومت نظام کا سرکاری کام انجام دینے میں صرف کیا اور کسی دوسری ملازمت کی تلاش نہیں کی جب ریاست کے ایک امیر نے اپنی خانگی حیثیت سے میری مدد کرنی چاہی تو میں نے اس سے حکومت کو مطلع کر دیا اور اس بارہ میں حکومت کا جو منشاء تھا میں نے اس کی تعمیل کی۔ مندرجہ بالا تمام واقعات نیز وہ طریقہ جو حکومت نظام نے اس دوران میں میرے ساتھ برتا سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ جو تعلقات قایم رکھے گئے وہ بالکلیہ آقا اور ملازم کے تعلقات تھے اور ان حالات میں وہ نصف تنخواہ جو میرے لئے طے فرمائی گئی ہے میرے کام کے تناسب سے ایک حد تک کم ہی پائی جائے گی زیادہ نہیں۔ اور .. چاہے اس کی نوعیت کچھ بھی ہو وہ صرف وزیر اعظم مرحوم کی خواہشات کی تکمیل ہی متصور ہوگی۔ موجودہ حکومت نے کوئی نیا تصفیہ نہیں فرمایا ہے اور یہاں پر متعدد نظایر ایسے موجود ہیں کہ حکومت کے عہدہ داروں نے عرصہ دراز کے بعد بھی جب کبھی ایسی ادائیگی مناسب سمجھی گئی ہے اپنی تنخواہ کے سالم بقائے حاصل کئے ہیں۔ میں اس عرضی کو اس بیان پر ختم کرتا ہوں کہ مرحوم وزیر اعظم کے وہ وعدے جو مجھ سے کئے گئے ہیں بہت بڑے اور وزنی وعدے ہیں اور اگر آج میں اس چھوٹے سے تصفیہ سے مستفید نہیں ہو سکتا ہوں جو مرحوم نے میرے لئے فرمایا تھا تو آخر "روزے بیاید کہ نتیجہ عمل نیک خود را حاصل کنند" والا دن میرے لئے کون سا ہوگا کہ جس کی طرف مرحوم ممدوح نے اتنے زور کے ساتھ اپنے خط میں اشارہ .... کیا ہے (دستاویزہ)

مرحوم وزیر اعظم چونکہ اس وقت ہم میں موجود نہیں ہیں جو اپنے وعدوں کو خود پورا کر سکیں اور اپنے فیصلوں کو بحال رکھ سکیں اس لئے میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ توقع کر سکتا ہوں

کہ وہ ارباب لبست وکشاد جوان مرحوم کے اقتدارات پر اب متمکن ہیں، وہ ایک ایسے وزیر اعظم کے فیصلوں اور وعدوں کا پورا پورا لحاظ فرمائیں گے جس نے ساری زندگی ایسے کاموں کے لئے وقف کر دی تھی جو اپنی صلاحیت - نمک حلالی اور کامل مستقل مزاجی کے لئے اپنا ایک نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے ہیں اور فیاضی اور سیر چشمی کے ساتھ بجا و معقول جملہ مطالبے اور دعوی ہمیشہ تسلیم کرتا رہا ہو - اور اس عنایت و نوازش کے لئے آپ کا یہ عرضی گذار ہمیشہ دعاگو رہے گا -

آپ کا تابعدار ملازم } مشتاق حسین
جوڈیشل سیکریٹری -

۲۱ رمضان سنہ ۱۳۰۰ ہجری - ۲۷ جولائی سنہ ۱۸۸۳ء

(اب اصل درخواست جو انگریزی میں ہے - وہ ملاحظہ ہو - مؤلف)

نمبر ۱۱

To

His Excellency
Rajah Rajman Maharajah,
Narian Pershad Nirrundhur Bahadoor.

The Petition of Mushthak Hoosein

Humbly Sheweth :

A difficulty has arisen about the payment to me of my arrears of salary owing to the fact that my removal from my appointment was due to the action taken by the British Resident, and it is thought that the payment of these arrears to me without the knowledge of the Resident would be inconsistent with the respect due to the high position of that Officer.

This is the first I have heard of my removal having been due to the action taken by the British Resident; prior to this I had understood from the order regarding my removal from my appointment that the measure was owing to the complaint made by the late Ameer-i-Kubeer. Had I known this before I should have had no difficutly in a matter so clear as mine is, in long ago clearing my character with the British Resident, whereas owing to my being ignorant of this matter it has continued so long unattended owing to the intricate relations existing between the noble men here.

With regard to the objection which has been raised regarding the payment of my arrears of salary, and with every respect for what has been written by Sir Richard Meade, I beg, most humbly, to request that His Highness' Govtt. will do me the favour of forwarding this my humble petition for the kind consideration of the officer who now represents Her Majesty's Govtt. here with such favourable recommendation as may induce that officer to reconsider the matter so far as it relates to the payment to me of my arrears of salary, and I feel certain that after reviewing the matter the decision of that distinguished officer will be one in which every justice will be done to me.

The charge has been made against me that my going to see Colonel Tweedie was on business of such a nature as to merit dismissal (*Vide* Exhibit A). I can unhesitatingly say that I have not been associated in any such unbecoming transaction. Colonel Tweedie was not the Resident at Hyderabad, he was not a Secretary to, or member of the Govtt. of India, he had no connection with Hyderabad nor could he influence the British Govtt. with regard to those affairs in any way, having, therefore, had no official connection with Hyderabad affairs, my going to see him therefore was nothing more than a private visit, nor can any charge be found against me, I beg to submit, the punishment for which would be dismissal.

The Nawab Basheer-ood Dowlha Bahadoor has been pleased to allow me to make use of those portions of a letter addressed to him at the time by Colonel Tweedie with reference to my having gone to see him, and my conduct during the interview I had with him (*vide* Exhibit B . It will appear from these extracts that not only did I not say anything which was unbecoming but that I did not intend to keep the matter a secret from the Govtt. of His Highness the Nizam. Be fore

the order for my removal was made had I had an opportunity of explaining the matter fully, I feel certain neither Sir Rechard Meade, nor the late Ameer-i-Kabeer, would have had any grounds for complaining about my having gone to see Colonel Tweedie. I availed of the first opportunity I had after receipt of the order to represent to the late Minister that the charge made against me was a groundless one and begged that he would enquire into the matter first and then take such steps as he might think fit (*Vide* Exhibit C).

At this time Nawab Basheer-ood Dowlah Bahudoor having regard to the fact that my removal was owing in a measure to him, over and over again desired that I should draw my full pay from him and enter his service. I replied that as I had been sent for and employed by the late Nawab Mukhtar-ool Mulk and had also been removed by him, I did not feel myself justified in accepting this offer. The Nawab Basheer-ood Dowlah then pressed me to accept Rs. 500 a month without any return of service for it (*vide* Exhibit D). I refused this offer also on the ground that I had done him no such great service as would justify my accepting this payment.

On the late Minister being informed of the above circumstances, he in reply to my letter (Exhibit C) sent an autograph letter (which I hold in remembrance of him (*vide* Exhibit E) in which the Nawab says" I have read all and am gratified to find that men of honour could do nothing more than has been done by Mushthak Hoosein and hope the day will come when he will realize the fruit of his good conduct."

During my absence from Hyderabad I occupied my time at the desire of the late Minister chiefly in business matters connected with His Highness the Nizam's Govtt.; for a considerable time I was engaged in helping to prepare a code for the Revenue Department of this Govtt.; at one time when the late Minister wished to separate the Civil work from the Revenue I was directed to prepare a code of circular orders for this purpose. These papers which used from time to time to be placed before the late Nawab are still in existence and are all in my handwriting and have been seen by His Highness' Govtt. and can be seen by the Resident should it be deemed necessary.

After my having refused the offer of services as also that of remuneration from tha Nawab Basheer-ood Dowlah Bahadoor, he subsequently on the occasion of the marriage of one of my children sent me currency notes of the value of Rs. 4,000, intimation of which circumstance I at once sent to that late Minister, and in reply to this intimation a letter was sent to me (*Vide* Exhibit F) by which it will be clearly seen that the late Nawab, at that time, considered my position as so much that of a servant of this Govtt. that as such it precluded my receiving such a sum of money without the permission of the Govtt. The result of after correspondence on this subject was that the money which was to be returned to the Nawab Basheer-ood Dowlah Bahadoor was returned to the late Minister. Nawab Basheer-ood Dowlah being informed of this at the time felt aggrieved at his money being returned to the late Nawab, and I was under the impression that when the question about my arrears would be settled that this sum of Rs. 4,000 would be returned to the Nawab Basheer-ood Dowlah Bahadoor.

Eventually when the late Minister sent for me he wrote me an autograph letter (*Vide* Exhibit G) and on my arrival he issued an official order on the subject (*Vide* Exhibit H), from both of which it will be seen that upto that time the late Nawab did not look upon me as one who had been removed from the service but as one whose return was delayed for a time as a matter of policy.

After my return to Hyderabad I caused a representation to be made to the late Minister on the subject of salary during the time I was away. I was told to send in an application and that on it suitable orders would be passed. I represented that I was unwilling to send in such an application until I knew what was the wish of His Highness Govtt. on the subject. I was then told that half pay would be given me for the time I was away. In accordance with this, as half of my pay had been given to the officer who was acting for me, I sent in an application for the other half, which was then in the Treasury. What was done regarding the matter after this will be seen from the papers on the subject now on record and which are now before His Highness Govtt. From those papers it would also be seen that the final orders regarding the payment of my half salary were issued by, and are in the handwriting of the late Minister. The arrangement then made by the late Minister is the one which Your Excellency and His Excellency the Nawab Meer Laik Ali Khan Bahadoor have now ordered, and the sum thus fixed was included in the Budget for the current year (now nearly out) and sanctioned by the late Minister.

I would also beg to represent that when I was in my country and shortly before my coming here, I was informed that the late Minister was going to speak to the Resident regarding my case and was subsequently informed that he had spoken to Sir Stewart Bayley, and it was after he had done this that he sent for me. Fven now certain officers who had an opportunity of being informad on this subject tell me that the late Nawab did so speak to Sir Stewart Bayley. But if it is considered necessary that a reference on this subject should be made to Sir Stewart Bayley, I cannot but think the reference will be most beneficial to me, for not only will it then he apparent, I believe, that the Resident's permission had been obtained prior to sending for me but it will be seen that the late Nawab asked for that permission because he looked upon my temporary removal as an act of injustiee and one which he adopted to remove the difficulties then existing. And if this my belief is correct, and I think there is every probability that it is, and the Resident's permission for my return was given on the ground that my removal was unjust, then I beg most respectfully to submit that the reconsideration of the matter which I now ask for took place at that time when that permission was granted, and in this case it was quite in the power of the then Minister to make any orders that he might think proper regarding the salary to be given to me during my absence. Notwithstanding this, if it is still considered that further permission from the Resident is required regarding my arrears of salary, my confidence in the justice and kindness of the Resident make me feel assured that he will decide the matter in my favour.

In conclusion I have only to represent what is apparent from the whole case, viz, that the charge made against me was a groundless one and consequently the orders by which I was removed without being called on for an explanation was not a just one, so much so that the late Nawab himself was convinced that that order was wrongly issued. In this view of the matter he was supported by Sir Stewart Bayley during my absence. I spent the greater part of my time in working for Highness Govtt., and did not look out for any other employment. When a nobleman wished to help me in his private capacity, I informed His Highness' Govtt. about it and acted upto their wish on the subject. The whole of these matters above mentioned and also the manner in which I was during that time treated by His Highness, Govtt., go to show that the relations existing were those entirely of master and servant, and under these circumstances the half pay which is arranged for me is rather less than in excess, in proportion to my services, and whatever it may be it is only carrying out the wishes of the late Minister—the present Govt. have not made any new arrangement; there are many precedents here to show that officers of this Govtt. have after years received full arrears of pay whenever it was thought proper to make such payment.

I now conclude my petition by representing that the late Minister's promises to me were very great—and if I do not to-day profit by the small arrangement made by him for me, then when I may reap the fruit of my good conduct to which the late Minister alluded so strongly in his letter (Exhibit E). The late Minister himself not being here now to fulfil his promises and to uphold his own acts, I can therefore only confidently hope that those who succeeded to the offices held by him will now show a due regard for the arrangements and promises of a minister whose life was spent in acts noted by their ability, fidelity, and thorough stability, and who always generously allowed all just claims and acted upon them, for which act of kindness your petitioner will, as in duty bound, ever pray.

Your Obedient Servant,
MUSHTAK HUSSAIN
Judicial Secretary

21 Ramzan
1300 Hijri,
27 July 1883.

اپنی اس درخواست مورخہ ۲۷ جولائی ۱۸۸۳ء میں نواب وقار الملک نے جس "دستاویز ب" کا حوالہ دیا ہے وہ دراصل ایک اقتباس ہے جو کرنل ٹیوڈی کے اس خط سے لیا گیا معلوم ہوتا ہے جو نواب بشیر الدولہ بہادر کے استفسار کے جواب میں کرنل ٹیوڈی نے نواب صاحب کو لکھا تھا اور یہی وہ خط ہے جس کے ایک حصہ کی نقل نواب وقار الملک نے حسب اجازت نواب بشیر الدولہ بہادر اپنی اس درخواست کے ساتھ بطور "دستاویز ب" شریک کی تھی - اب اصل اقتباس اور اس کا ترجمہ پڑھئے - مؤلف)

خط نمبر ۱۱۲

Extract of a letter from Colonel Tweedie to the Nawab Basheer-ood Dowlah Bahadur, Gwalior, 11th April, 1873

"Mushtak Hossains : said not a word to me which was otherwise than becoming and proper : and, indeed, he was careful to assure me before taking leave that he would mention to Sir Salar Jung that he had visited me as soon as he got back to Hyderabad."

ترجمہ - کرنل ٹیوڈی کے ایک خط موسومہ نواب بشیر الدولہ بہادر کا اقتباس مورخہ گوالیار ۱۱ اپریل ۱۸۷۹ء

"مشتاق حسین نے ایک لفظ بھی مجھ سے ایسا نہیں کہا جو نامناسب یا غیر موزوں ہو - اور یہ واقعہ ہے کہ میرے پاس سے واپس ہونے سے پہلے انہوں نے مجھ سے اس بات کا اطمینان دلانے کی پوری احتیاط برتی تھی کہ میں آپ سے اپنی ملاقات کا تذکرہ حیدر آباد واپس ہوتے ہی نواب سر سالار جنگ سے کروں گا -

اس کارروائی پر مؤلف کا تبصرہ اور ایک جدید انکشاف۔

مسٹر ہاول کے مندرجہ بالا خط سے ہم کو ایک عجیب و غریب بات جو معلوم ہوئی ہے اس پر مزید روشنی ڈالی جانی ضروری پائی جاتی ہے۔ مولوی مشتاق حسین صاحب کے حالات جن جن کتابوں میں درج ہیں وہ سب متفقہ طور پر بیان کرتی ہیں کہ نواب امیر کبیر رشید الدین خاں بہادر امیر پائیگاہ اور سرسالار جنگ اول کے باہمی تعلقات ناراست نہ تھے اور یہ بات بھی متفقہ ہے کہ مولوی مشتاق حسین صاحب کی ریاست نظام سے اس پہلی علٰحدگی کی منظوری سرسالار جنگ اول نے محض امیر کبیر بہادر کے اصرار پر بدرجہ مجبوری دی تو مگر ساتھ ہی ساتھ چار سو روپیہ ماہوار سیکرٹ سروس فنڈ سے مقرر کر دے۔ حیدرآباد سے اس علٰحدگی کے زمانہ میں علی گڑھ میں رکھ کر ان سے سرکاری کام لیا گیا۔ چنانچہ کتاب "تذکرہ وقار" کے صفحہ (۲۶) پر درج ہے کہ نواب سرسالار جنگ نے "جب تک کوئی دوسرا انتظام ہو چار سو روپیہ ماہانہ اپنے پاس سے مقرر کئے مگر مولوی مشتاق حسین نے اس رقم کو اپنی ضرورت سے زیادہ تصور کر کے کم کرنے کی درخواست کی اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ یہ جو کچھ امداد ہو بطور قرض متصور ہو لیکن اس کی نوبت نہیں آئی اور سیکرٹ سروس فنڈ سے چار سو روپیہ ماہانہ مقرر کر دیا گیا۔ سرسالار جنگ کی ہدایت سے اس دوران میں انہوں نے سررشتہ مال کے قواعد و ضوابط کی ترتیب اور عدالت دیوانی سے صیغہ مال کے کام کو علٰحدہ کرنے کے متعلق گشتیوں ہدایتوں اور مسودہ قانون مالگذاری کو مرتب کیا اور تہذیب و ترتیب دفاتر کے دستور العمل پر نظر ثانی کی" اس کے بعد جب نواب امیر کبیر کا انتقال ہو گیا...... سرسالار جنگ نے اول ہی موقع پر مولوی مشتاق حسین کو طلب کیا" (صفحہ ۲۸ تذکرہ وقار) اس حکم کو پانے کے بعد مولوی ..... مشتاق حسین فوراً روانہ ہو گئے لیکن بجائے رکن مجلس عدالت کے اپنے پہلے عہدہ پر مامور کئے گئے (تذکرہ وقار صفحہ ۲۹) پھر نواب سرور الملک بہادر اپنی کتاب

"کارنامہ سروری" کے صفحہ (۱۵۷) پر تحریر فرماتے ہیں کہ" سر رچرڈ میڈ..... نے نواب وزارت پناہ (یہ اشارہ وزیر اعظم ریاست نظام سر سالار جنگ بہادر اول کی طرف ہے۔ مؤلف) کی سزادہی کے واسطے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان کے دشمن قدیم امیر کو ان کا شریک الخدمت بنا دیا..... اور نواب وزارت پناہ کی سزا دہی کی کارروائی شروع کر دی گئی"۔ اب کتاب "وقار حیات" کی کچھ عبارت ملاحظہ ہو"۔ یہ واقعہ کہ مولوی مشتاق حسین نے سر سالار جنگ کی رائے سے انگریزی ملازمت سے استعفا دے دیا تھا اور یہاں کے تمام تعلقات منقطع ہو چکے۔ اب حیدر آباد سے بھی ایک غلط الزام کی بناء پر ان کا تعلق منقطع ہو گیا اور زمانہ قریب میں تحقیقات کی بھی امید نہیں رہی۔ اس لئے اب درحقیقت ان کو مشکلات کا سامنا تھا۔ یہ محض ان کی شرافت اور رواداری تھی کہ انھوں نے نواب بشیر الدولہ کی ملازمت اور امداد سے انکار کر دیا تھا لہذا یہ ضروری تھا کہ ان کی معاش کا کوئی وسیلہ ہو اس بناء پر جب سالار جنگ نے امداد کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے..... ....." چار سو روپیہ ماہانہ کی پیش کش کو اپنی ضرورت سے زیادہ سمجھا اور اس شرط کے ساتھ منظور کیا کہ یہ امداد بطور قرض کے سمجھی جائے گی"۔ اس زمانہ میں مولوی مشتاق حسین کا قیام زیادہ تر علی گڑھ میں رہا۔ حیدر آباد میں دفاتر کی اصلاح کا سلسلہ جاری تھا۔ سر رشتہ مال کے قواعد مرتب ہو رہے تھے۔ سر سالار جنگ نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے ان کو گشتیات اور احکام مرتب کرنے کا حکم دیا..... مولوی مشتاق حسین نے سر سالار جنگ کی امداد بطور قرض منظور کر لی تھی لیکن جب یہ خدمت ان کے متعلق کی گئی تو دوسری صورت پیدا ہو گئی یعنی سر سالار جنگ نے سیکرٹ سروس فنڈ سے ان کی تنخواہ چار سو ماہوار سکہ قیصری (برٹش انڈیا کے سکّہ سے مراد ہے جو ریاست نظام کے سکّہ سے جدا تھا۔ مؤلف) مقرر کر دی...... آخر کار ان کی یاوری قسمت سے حیدر آباد کے حالات میں انقلاب ہوا۔ سر رچرڈ میڈ (ریزیڈنٹ) جوان

سے حسن ظن نہیں رکھتے تھے تبدیل ہو گئے ...... اور سر سالار جنگ کے حریف نواب امیر کبیر جو مولوی مشتاق حسین کی بربادی کا باعث ہوئے تھے اس جہان فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے ...... سالار جنگ کو اس موقع کے حاصل ہونے سے اس قدر مسرت ہوئی اور اُن کو مولوی مشتاق حسین کے جلد حیدر آباد پہونچنے کا اتنا خیال تھا کہ طلبی کا باضابطہ حکم جاری ہونے سے پہلے ۲۷ جمادی الاول ۱۲۹۹ھ (۲۸ مارچ ۱۸۸۲ء) کو انھوں نے اپنے ہاتھ سے ایک خط مولوی مشتاق حسین کو لکھا (کہ) "بوجوہ و اسباب که رسیدن آں مہربان برائے چندے مناسب نہ بود بہ سبب شدن فیصلہ (مقدمہ) نواب بشیر الدولہ بہادر مرفوع شدہ و انتظام جدید در پیش است و آں مہربان رکن مجلس عدالت کہ بہ طرز انتظام جدید عنقریب مقرر خواہد شد قرار خواہند یافت نظر برآں بہ خوشنودی تمام نوشتہ شود کہ بمجرد رسیدن حکم ہذا دریں جا برسند۔ در بند و بست حالیہ ازاں عدالت پناہ بہ سبب تجربہ سابقہ فائدہ حاصل خواہد شد۔ زیادہ چہ قلم آید" (صفحات ۶۰ تا ۶۳)

یہاں ناظرین غور فرمائیں کہ جو سالار جنگ پہلے موقع ہی پر مشتاق حسین صاحب کو اپنے قلم خاص سے دوبارہ حیدر آباد طلب کرتا ہے کیا وہ اپنے ہی خلاف ایک سازش میں ملوث مشتاق حسین کو اس طرح یاد کر سکتا تھا۔ دراصل نواب امیر کبیر بہادر کو یہ شبہ ہو گیا تھا کہ ان کا جو خاندانی نزاع وراثت کے سلسلہ میں نواب بشیر الدولہ سر آسمان جاہ بہادر سے چل رہا تھا اس میں مولوی مشتاق حسین صاحب آخر الذکر کو مشورے دیتے رہتے ہیں اس لئے کرنل ٹیوڈی سے گوالیار میں جو ملاقات مولوی صاحب موصوف نے کی اس کو اس پیروی کی ایک کڑی قرار دے کر نواب امیر کبیر بہادر نے مشتاق حسین صاحب کی علحدگی کا حکم زبردستی جاری کروالیا۔ یہ تو تھا اصل واقعہ مگر اب اس کے دو رُخ ہو گئے۔ پہلے نواب سر سالار جنگ بہادر سے شکایت کی گئی کہ مشتاق حسین صاحب بشیر الدولہ بہادر والے معاملہ میں میری مخالفت کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر اُن کی علحدگی

کے احکام حاصل کئے گئے، دوسری طرف ریزیڈنسی کو یہ باور کروایا گیا معلوم ہوتا ہے کہ مشتاق حسین چونکہ سر سالار جنگ کے خلاف سازش کر رہے تھے اس لئے سالار جنگ نے ان کو خدمت سے سبکدوش کر دیا ہے۔

اس آخری صورت حال کا پتہ ہم کو مسٹر باول ریزیڈنٹ کے مندرجہ بالا خط موسومہ مسٹر ڈیورنڈ سے پہلی بار چلا۔ اس خط کا تیسرا متعلقہ فقرہ مکرر ملاحظہ فرمائیے۔

انگریزی فقرہ نمبر ۳

3. As (to) the specific circumstances under which Nawab Intisar Jung was removed from office, the Residency records afford little information. It appears, however, that in 1879 the **Nawab** paid a visit at Gwalior to Col. Tweedie who had shortly before been Assistant Resident there and that this was made the occasion of charging him with intrigue as a partisan of the present Minister against Sir Salar Jung who was then the Regent and Minister of the State, Representations were accordingly made to Sir Salar Jung who, considering the Nawab's retention in public service to be at that period inconsistent with his own authority, directed with the approval of the Resident, Sir Richard Meade, the Nawab's dismissal.

(مندرجہ بالا فقرہ کا اردو ترجمہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرما لیا جا سکتا ہے۔ مولف)

بھلا جس شخص نے سرسالار جنگ اول کو ہمیشہ اپنا مربی اور سرپرست سمجھا ہو اور پھر وہ بھی مولوی مشتاق حسین جیسے کردار کا انسان، اول تو وہ شخص کسی سازش میں شریک ہی کیسے ہو سکتا تھا اور پھر وہ بھی اپنے ہی محسن اور آقا کے خلاف۔ واقعات، روایات تمام تحریری مواد اور درایت سب کے سب مولوی مشتاق حسین صاحب کے حق میں ہیں اور کسی جگہ بھی کسی کتاب میں نہ صرف یہ کہ نواب سرسالار جنگ اول کے خلاف کسی سازش کا الزام مولوی مشتاق حسین صاحب پر عاید نہیں کیا گیا بلکہ ان کا نام کسی سازش کے سلسلہ میں سرے سے لیا ہی نہیں گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ نواب سرور الملک بہادر نے "کارنامہ سروری" کے صفحہ ۲۷۹ پر صاف صاف لکھا ہے کہ مولوی مشتاق حسین" مجھ سے بہت تپاک سے ملے۔ مولوی صاحب اضلاع میں صدر تعلقدار نہایت متدین اور سچے خیر خواہ ریاست اور کمال درجہ جفاکش اور کارگزار اور ہر سازش سے پاک و صاف اور عربی فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے"۔ اب اس عبارت میں ہر سازش سے مشتاق حسین صاحب کے پاک و صاف ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ریاست نظام میں اُن کا سب سے بڑا مخالف ان کی اس خوبی کو تسلیم کر رہا ہے۔ پھر نواب سرسالار جنگ اول کا اس زمانہ علٰحدگی میں مولوی مشتاق حسین کو چار سو روپیہ ماہانہ سیکرٹ سروس فنڈ سے یوم علٰحدگی سے دیئے رہنا اور نواب امیر کبیر کے انتقال کرتے ہی ان کو حیدرآباد واپس بلوا لینا الزام سازش کی قطعی تردید کر رہا ہے جو سنا تھا کہ حیدرآباد کی سازش سے خدا بچائے تو وہ کچھ غلط نہ تھا۔ یہ جال کس طرح بچھایا جاتا تھا اور کتنی اونچی سطح تک اس جال کو پھیلایا جاتا تھا اس کا کچھ اندازہ ریزیڈنٹ کے اس خط سے بھی ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو نواب امیر کبیر بہادر مشتاق حسین صاحب کی علٰحدگی کا حکم سرسالار جنگ بہادر سے اپنی ذاتی شکایت کی بنا پر جاری کرواتے ہیں دوسری طرف ریزیڈنسی کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ چونکہ مشتاق حسین نواب سالار جنگ بہادر کے

خلاف سازش کر رہے تھے اس لئے سالار جنگ بہادر نے ان کو الگ کر دیا۔ واقعہ تھا کیا اور اس کو کس رنگ میں ریزیڈنسی کے سامنے لایا گیا اب آپ کے سامنے ہے۔ نواب سر سالار جنگ اول اور مولوی مشتاق حسین صاحب کے باہمی تعلقات کی استواری کے لئے "وقار حیات" اور "تذکرہ وقار" کے محولہ بالا صفحات اگر پڑھے جائیں تو ساری صورت حال مثل آئینہ روشن ہو جائے گی۔

خدا سوء ظنی کو معاف فرمائے مگر ریزیڈنسی کو یہ غلط بات باور کرانے میں کیا عجب ہے جو نواب سرور الملک سرور جنگ آغا مرزا بیگ خاں بہادر کا بھی ہاتھ رہا ہو کہ جن پر تفصیلی بحث ہمارے انہی صفحات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اور جو نواب امیر کبیر کے واسطے ہر قدم اٹھانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے اور جن کی مسلسل یہ کوشش تھی کہ جیسے بھی بنے مسند وزارت پر نواب امیر کبیر بہادر کو لا بٹھائیں اور "کارنامہ سروری" کے صفحات سے جگہ بہ جگہ اس بات کی تصدیق ہوتی چلتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں اس کتاب کے صفحات ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۳۱، ۲۵۸، ۲۶۲، ۲۷۵، نیز صفحات ۲۷۰، ۲۷۱، اور ۳۲۳ اور ۳۲۴، اس سلسلہ میں خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ مندرجہ بالا صفحات کا بیشتر حصہ ہمارے "کارنامہ سروری" والے عنوان کے تحت نقل ہو چکا ہے۔

مراسلت سرسالار جنگ بہادر اول بنام سرسید احمد خاں بہادر

برائے طلبی خدمات نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک

(اب ہم اس مراسلت سے آپ کو روشناس کراتے ہیں جو نواب مختار الملک سرسالار جنگ بہادر اول نے مولوی سید مہدی علی صاحب اور مولوی مشتاق حسین صاحب کی طلبی کے بارہ میں سرسید احمد خاں بہادر سے کی تھی۔ مخفی نہ رہے کہ آگے چل کر نہایت پسندیدہ کارگزاری کے صلہ میں ریاست نے انہی دونوں بزرگوں کو نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کے خطابوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ ان خطوط کی جملہ تعداد نو ہے مگر اول تو یہ اصل خطوط نہیں ہیں اور ایک ہی صفحہ پر دو۔ دو اور تین تین خطوط کی عبارت کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ سب نقول ہیں اور قلم وسیاہی کی یکسانیت ظاہر کرتی ہے کہ ایک ہی نشست میں ان کی نقل کی گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان خطوط کی عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی دوسری زبان کا لفظی ترجمہ ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ بجائے فارسی کے یہ مراسلت انگریزی میں ہوئی ہوگی۔ بہرحال جو کچھ بھی مل گیا ہے سونے میں تولنے کے قابل ہے اور اس سے ان تقررات پر بڑی دلچسپ روشنی پڑتی ہے اور ان خطوط میں ایک بڑی ہی اہم بات آپ کے سامنے شاید پہلی مرتبہ آرہی ہے اور اس اہم بات سے اس مراسلت کے آخر میں بحث کی گئی ہے۔ رسالہ نقوش نے جس طرح ان خطوط کو شائع کیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ سب اصل خط ہوں گے مگر جیسا کہ اوپر ظاہر کیا جا چکا ہے یہ صرف نقول ہیں اور وہ فارسی یا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کئے گئے معلوم ہوتے ہیں۔ مولف)

خط نمبر ۱۴۳ - من مقام حیدرآباد دکن - ۲۷ رجون ۱۸۷۳ء

بنام سید احمد صاحب بہادر - سی - ایس - آئی - سیکرٹری

کالج فنڈکمیٹی - بنارس

جناب من - چونکہ ہم کو معلوم ہے کہ آپ ریاست ہائے ہندوستانی کی بہتری پر زیادہ تر متوجہ ہوتے ہیں ہم اس چٹھی کے سبب کی بابت تکلیف دہی میں عذرخواہی نہیں کرتے ہیں - ہم کو ضرورت خدمات چند نہایت عمدہ اور قابل اشخاص ہندوستانی کے واسطے انجام دہی امور متعلقہ محکمہ جات مالگذاری و فوجداری وحساب کے ہے " ہم کو زیادہ تر اعتبار ان اسناد پر نہیں ہے جو ان کے پاس ہوں بلکہ آپ اپنی ذاتی واقفیت اور آزمودہ کاری نسبت اصحاب موصوف سے اطمینان فرما کر امتیاز فرما دیں - یہ لوگ تجربہ کار منصف مزاج، دیانت دار اور مستعد ہوں نہ بدحواس اور صرف وہ کام انجام دیں جس کے لئے حکم دیا جاوے بلکہ ایسے تیز فہم ہوں کہ ترقی اور بہبودی کی تدابیر نکال سکیں - ہم تنخواہ ماہواری اللہ سے سماد تک روپیہ سکہ شاہی دیں گے اور ان کی ترقی انہی پر منحصر رہے گی - اگر امیدوار کو علم انگریزی میں مہارت حاصل ہو تو نہایت عمدہ بات ہے اور ہم کو بالکل اس بات پر اصرار نہیں ہے کہ درصورت مقرر ہونے امیدوار کے وہ کس ذات کا ہو - اگر آپ (کو) کوئی ایسے اشخاص دستیاب ہوں اور آپ ان پر اعتماد بھی فرماتے ہوں براہ عنایت ان کے مفصل حالات سے آگاہ فرمائے تو ہم آپ کو اطلاع دیں گے کہ آیا ان کو یہاں خدمات ملیں گی یا نہیں - ہم نے ایک اور صاحب کو بھی اس بارہ میں تحریر کیا ہے - راقم نیاز - سالار جنگ

خط نمبر ۱۴۴ - حیدرآباد - دکن - ۱۸ راگست ۱۸۷۳ء

جناب من - میں آپ کے عنایت نامہ مورخہ ۲ ماہ حال مشعر ایں کہ چند صاحبان ہندوستانی جن پر آپ کو اعتماد ہے واسطے ملازمت اس سرکار کے سفارش فرمائی ہے

موصول ہونے سے ممنون ہوں۔ مولوی مہدی علی صاحب ڈپٹی کلکٹر مرزاپور آپ کی تحریرات سے لایق شخص معلوم ہوتے ہیں اور ہم بخوشی عہدہ بمشاہرہ ما ہوار ۔/۹۰۰ جو سرکار ہند کے برابر ہیں دیں گے اور بعد انجام دہی خدمت تین سال تا پانچ سال ماہ مشاہرہ ایزاد کیا جا سکے گا۔

ہم قواعد پنشن مرتب کر رہے ہیں مگر اُن کو بموجب قواعد مروجہ سرکار انگریزی کے پنشن وغیرہ دی جائے گی۔ اور اس قدر ماہواری دی جانے سے جو کچھ حساب ہوگا وہ بھی پنشن میں محسوب کیا جائے گا۔ دیگر صاحبان کی نسبت جو آپ نے ارقام فرمایا اون کے حالات موجودہ (سے) آگاہی نہیں بخشی اور نہ یہ تحریر فرمایا کہ آیا وہ بزبان انگریزی گفتگو کر سکتے ہیں یا نہیں۔ میں خوش ہوں گا اگر آپ مجھ کو امور مندرجہ بالا کی نسبت اطلاع فرما دیں آپ کو ضرور ان اشخاص کی لیاقت ہائے مطلوبہ کا حال جن کو میں جانتا ہوں معلوم ہے اور میں قبل اس سے تحریر کر چکا ہوں کہ میں نے اور لوگوں کو بھی لکھا ہے کہ چند دیگر اشخاص کی سفارش فرما دیں اگر آپ مجھ کو ایک اور شخص کے حالات تفصیل (سے) براہ عنایت اطلاع دیویں تو کافی ہوگا۔ ہم آپ کو ایک لایق اہلکار سلیم مزاج بیدار مغز جانتے ہیں لہٰذا ہم کو کچھ پس و پیش اس سوال کے پوچھنے سے نہیں ہے کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ پہلی مرتبہ آپ نے ارقام فرمایا کہ ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس کی سفارش ہم باعتبار اور اطمینان کر سکیں۔ کیا ہمارا یہ خیال درست ہے کہ آپ نے اپنے ذمہ جواب دہی لینا پسند نہ فرمایا یا آنکہ آپ نے خیال کیا کہ لیاقت کامل انگریزی .... [169] ہم آپ کی وجوہ کے معلوم کرنے سے زیادہ خوش ہوں گے کیونکہ انتخاب کرنے میں ان کے ذریعہ سے غالباً بہت امداد ملے گی اور یہ رائے ایسے بیدار مغز .... [170] سے ہم کو ملے گی شکر گزار آپ کی تکلیفات کا۔ آپ کا نیاز مند۔ سالار جنگ۔

---

[169] عبارت نامکمل ہے۔

[170] پڑھا نہیں جا رہا (مولف)

خط نمبر ۱۴۵ - ۲ رستمبر ۱۸۷۲ء

جناب من ! ہمارے پاس آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۲ رماہ گذشتہ پہونچا ہم آپ کے خیال نسبت اس امر کے کہ آپ نے پہلی مرتبہ ہندوستانی صاحبان کو اس سرکار کی ملازمت کے لئے اپنی جواب دہی پر سفارش کرنے میں بوجوہ تامل کیا نہایت عمدہ سمجھتے ہیں مگر آپ نے کسی قدر ہمارا مطلب نہیں سمجھا کیونکہ ہم نے بالکل یہ خیال نہیں کیا کہ آپ آئندہ کو طریق اور افعال کسی شخص کے ذمہ دار ہوں گے بلکہ آپ اُن لوگوں کی سفارش کر سکیں کہ جن کی لیاقت سے آپ کو اطمینان ہو اور تاہنوز اون کی طریق آپ عمدہ سمجھتے ہوں۔ ہم آپ کے ساتھ اس امر (پر) متفق نہیں ہیں کہ اشخاص معزز اور دل سوز طبیعت والے باتوقیر ریاست ہائے ہندوستانی میں بسر نہیں کر سکتے۔ ہماری رائے ہے کہ اُس خاصیت کا شخص کہ جس کی آپ نے جستجو کی اگر وہ واقعی معزز ہے تو اسی طرح پر خراب سے خراب ملک میں بھی بعزت بسر کر سکتا ہے اور بجائے اس کے خود قصوروار ہیں (تو) اس ملک کو بے طور کر دیتے ہیں اور یہی اون پر واجب ہے اور نسبت خام ریاستہائے ہندوستانی اور خصوصاً اس ریاست کے آپ کو بہ آسانی معلوم ہوگا کہ اگر دیانت دار اور نیک آدمیوں کی ضرورت نہ ہوتی اور ان کی قدر و منزلت نہ کی جاتی تو ہم کیوں تکلیف اُٹھاتے اور ان کو اور جناب کو تکلیف دیتے کیونکہ صرف جلیس لوگ آپ کو معلوم ہے کہ بہ آسانی مل سکتے ہیں -

خط ۱۴۶ - حیدر آباد دکن ۱۰ رفروری ۱۸۷۴ء

بنام سید احمد صاحب - سی، ایس، آئی -

جناب من - آپ کا شفقت نامہ مورخہ ۲۶ رجنوری موصول ہوا - آپ مولوی مہدی علی صاحب کو مطلع فرما دیں کہ ہم کو ذرا بھی اعتراض منظور کرنے اُس میعاد میں جو انہوں نے اپنے کام ختم کرنے کے لئے چاہی نہیں ہے اور یہ بات مناسب ہے کہ قبل جانے کے

سب کام باقی ماندہ طے ہو جاوے۔ منشی مشتاق حسین بھی مولوی صاحب کے ساتھ حیدرآباد آسکتے ہیں۔ چٹھی رابرٹس صاحب ہم واپس کرتے ہیں۔ راقم سالارجنگ۔

خط ۱۴۷ - حیدرآباد - ۱۷ر اپریل ۱۸۷۴ء

سید احمد صاحب بہادر - سی - ایس - آئی -

ہم کو اس بات سے افسوس تھا کہ اس قسم کی رپورٹ ہوئی ہے کہ مولوی مہدیعلی نے اس سرکار کی ملازمت کا ارادہ فسخ کر دیا۔ یہ سمجھ کر کہ اگر یہ رپورٹ صحیح ہے تو ضرور کوئی وجہ معقول اس کی ہوگی ہماری خواہش یہ ہے کہ اس امر کی صداقت سے آپ مطلع فرمائیں گو کہ ہم کو بہت زیادہ خیال اس کے بے اصل ہونے کا ہے۔ راقم نیاز۔ سالارجنگ

خط ۱۴۸ - حیدرآباد - ۲۸ر اپریل ۱۸۷۴ء

بنام سید احمد صاحب - سی، ایس، آئی -

جناب من - عنایت نامہ مورخہ ۲۲ر اپریل پہونچا - یہ خبر معلوم ہونے سے ہم کو خوشی حاصل ہوئی کہ مولوی مہدی علی نے اپنا ارادہ آنے کا ملتوی نہیں کیا اور ہم کو ملاحظہ وجوہ سے نسبت نہ آنے مولوی صاحب کے تا اختتام سال خوشی اور اطمینان دونوں حاصل ہوئے ملازم وفادار پر شرط ہے کہ جو کام اُس کے سپرد ہو اس کو بہ احسن وجوہ انجام دے خصوصاً ایسے ضرورت کے وقت جیسے کہ اب ہے اور آپ کو معلوم ہے ہمارے اور سرکار انگریز کے درمیان جیسا کچھ رابطہ اتحاد ہے تو جو کچھ خدمات مولوی صاحب اوس سرکار میں انجام دیں گے وہ باعث رضامندی ہمارے ہوگا جب مولوی صاحب اپنا کار ختم (کر کے) حیدرآباد پہونچیں گے تو اُن کی ملاقات سے خوشی ہوگی - ترقی مشتاق سے ہم خوش ہوئے اور ہم خوش ہوئے اور ہم ان کے فوراً چلے آنے سے خوش ہوں گے۔ راقم سالارجنگ

خط ۱۴۹ - حیدرآباد - ۲۵ر مئی ۱۸۷۴ء

بنام سید احمد صاحب - سی - ایس - آئی -

نوازش نامہ مورخہ ۲ر اپریل پہونچا - ہم کو یہ سن کر خوشی حاصل ہوئی کہ مولوی مہدی علی جلد حیدرآباد کو تشریف لائیں گے - راقم سالارجنگ

خط ۱۵۰ -

جناب من - قبل تحریر خط ہذا کے بوجوہ عدم ترسیل جواب عنایت نامہ مورخہ ۱۷ر ستمبر ۱۸۷۴ء

کے ہم (پر) عذر خواہی لازم ہے مگر جب آپ کو یہ حال معلوم ہوگا کہ ایام گزشتہ میں ہم کو کیسے کیسے کارہائے عظیم کا انتظام کرنا پڑا آپ ہمارے عذر کو تسلیم فرمادیں گے۔ ہم نے خوب (غور) اور بلحاظ جملہ امور پر جو آپ نے بہ نسبت مولوی مہدی علی و منشی مشتاق حسین صاحب کے بہ تفصیل ارقام فرمائے کیا ۔۔۔ بہ نسبت صاحب اول الذکر کے یہ بات آسان ہے کہ خدمات صاحب موصوف کا تبادلہ بہ منظوری ریزیڈنٹ صاحب ہوجاوے مگر ہم کو امید ہے کہ آپ کی رائے بھی ہمارے ساتھ مقتضی ہو کہ ملازم آقا کی خدمت عمدہ کرے گا اور آقا ملازم سے اوس صورت میں زیادہ تر رضامند ہوگا کہ جب ان کے درمیان کوئی پردہ نہ ہو لہذا ہم ان کی تجویز نسبت حصول رخصت اور آنے حیدرآباد کی نسبت مولوی مہدی علی کے پسند کرتے ہیں۔ ہم کو یقین ہے کہ مولوی صاحب یہاں رہنے سے نہایت رضامند ہوں گے افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے یہ بات ضروری سمجھی کہ چند شرایط تحریر کرادیں خصوصاً جب کہ قبل اس سے انہوں نے خود اور اپنے متوسلان کے ذریعہ سے اس سرکار میں ملازمت پسند کی تھی۔ اس وقت ہم نے انتظام سے فرصت نہ پائی تھی کہ ہم اُن کو خدمت دے سکتے۔ ہمارا مقصد حال یہ ہے کہ مولوی صاحب کو کسی عہدہ پر جو مثل مہتمم بندوبست یا جج عدالت دیوانی کے ہو مقرر کریں گے مگر عہدہ آخر الذکر خواہ مخواہ نہ مان لینا چاہئے کیونکہ ان کے پہونچنے سے تین چار مہینے تک ہم تقرر نہ کرسکیں گے۔ اس عرصہ میں مولوی صاحب اس عدالت کا کام اور دیگر کارہائے رعایا انجام دیں گے۔ اگر مشتاق حسین بھی چند روز بعد مثل مولوی صاحب رخصت لے کر چلے آویں یا ان کے بعد آدیں تو ہم اون کو ایسی جگہ دیں گے جو اُن کی پچھلی جگہ کے مناسب حال ہو۔ راقم نیاز۔ سالار جنگ۔

خط نمبر ۱۵۱۔ حیدرآباد۔ دکن۔ ۱۰ دسمبر ۱۸۷۲ء

بنام سید احمد صاحب بہادر۔ سی۔ ایس۔ آئی۔

جناب من۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۳ ماہ حال موصول ہوا۔ حال انتقال پسر مولوی

مہدی علی صاحب کا سن کر بڑا رنج ہوا - مولوی صاحب اور مشتاق حسین کو اطلاع فرمائیے کہ اب وہ زیادہ نہ منتظر ہماری تحریر کے نہ رہیں - اُن کو جب فرصت ہو حیدرآباد کی جانب روانہ ہو جائیں - بنسبت آپ کی اس تحریر کے کہ کچھ خرچ پیشگی ان کو حیدرآباد تک پہونچنے کے لئے چاہیئے - ہم کو افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ پیشگی بھیجنے کا دستور نہیں ہے مگر جب وے یہاں پہونچ جاویں اور ان کو ضرورت خرچ کی ہو گی تو اس کا انتظام کر دیا جاوے گا اور تنخواہ میں وہ رقم محسوب ہو گی - عزیمت روانگی جانب شمالی کا حال سنکر ہم کو خوشی حاصل ہوئی اور اگر آپ اپنا ارادہ پورا کریں اور دوسری ......[۱۷۱] ...... میں بمبئی مندراس اور غالباً حیدرآباد کو تشریف لاویں تو ہم آپ کی مہانداری سے نہایت خوش ہوں گے - راقم سالار جنگ

مولف کا تبصرہ

نواب سر سالار جنگ بہادر اول کے ان خطوط موسومہ سر سید احمد خاں بہادر سے بہت سی باتیں ہم کو معلوم ہوتی ہیں - مثلاً اس مراسلت سے یہ راز ہم پر پہلی بار منکشف ہوتا ہے کہ سر سالار جنگ بہادر حیدرآباد کے باہر سے لوگوں کو طلب کرنے پر کیوں مجبور ہوئے اور یہی بات اس مراسلت کی اہم ترین چیز ہے - دراصل ریاست حیدرآباد میں قابل اور وفادار ملازمین کی چنداں کمی نہ تھی اور ایسے "صاحب دستاویز" حضرات وہاں بھرے پڑے تھے جو ہر حکم بسر و چشم بجا لاتے تھے اور اس حد تک وزیر اعظم دکن باہر کی امداد سے بے نیاز تھے مگر اس گروہ سے موصوف کو وہ مدد نہیں مل رہی تھی جس کے وہ متلاشی تھے اور ان کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہ تھا - ان کے سب ماتحت الا ماشاء اللہ تعمیل حکم کرنے اور ارشاد

---

[۱۷۱] یہ لفظ پڑھا نہ جا سکا - (مولف)

بجا لانے والے تھے درآں حالیکہ سرسالار جنگ جیسا مدبر اور دوربین ایسے مددگاروں کا متلاشی اور خواہاں تھا جو تعمیل حکم و ارشاد سے آگے بڑھ کر حالات کی اصلاح کی خاطر پہلا قدم اٹھانے کی ہمت رکھتے ہوں جن میں اوپچ کا مادہ ہو جو اتنی اخلاقی جرأت رکھتے ہوں کہ اگر وزیر اعظم کوئی غلط قدم اٹھانے والے ہوں تو اس پر ان کو متنبہ اور آگاہ کر سکیں اور اگر ان کی رائے میں وہ بات قرین صواب نظر نہ آئے تو اس سے کھلم کھلا اختلاف کرتے ہوئے دوسرا بہتر راستہ بھی دکھلا سکیں۔ اس لئے ان کو تلاش ایسے لوگوں کی تھی جو ضروری اصلاحات کو بھانپ لیں۔ ان کی اسکیمات مرتب کر سکیں اور ریاست حیدرآباد کو ایک اعلیٰ درجہ کی ترقی یافتہ مثالی ریاست کی شکل دے سکیں اور جن میں نہ صرف اسکیمات بنانے کی قابلیت ہی بدرجہ اتم پائی جاتی ہو بلکہ جو اسکیمات بنانے کے بعد اون کے نافذ کرنے کے حوصلوں اور ولولوں سے بھی سرشار ہوں۔ واقعات شاہد ہیں کہ اس زمانہ میں اس کسوٹی پر جو لوگ کامیاب ثابت ہوئے ان میں نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک سرفہرست ہیں۔ اس پس منظر میں آپ سر سالار جنگ کے پہلے خط مورخہ ۲۷ر جون ۱۸۷۲ء کا یہ فقرہ مکرر ملاحظہ فرمائیں کہ "ہم کو زیادہ تر اعتبار ان دستاویزوں پر نہیں ہے جو اون کے پاس ہوں........ بے لاگ تجربہ کار منصف مزاج دیانت دار اور مستعد ہوں نہ بدحواس اور صرف وہ کام انجام دیں جس کے لئے حکم دیا جائے بلکہ ایسے تیز فہم ہوں کہ ترقی اور بہبودی کی تدابیر نکال سکیں" پھر اپنے اسی خط میں سر سالار جنگ بہادر نے اس بات کو بھی صاف کر دیا ہے کہ طلائے خالص مطلوب ہے۔ جہاں سے بھی ملے اور جو کوئی بھی ملے۔ ذات پات سے اُن کو مطلق کوئی سروکار نہ تھا اور ان کے پاس ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی کی کوئی تخصیص نہ تھی مگر قابل قبول ہونے کے لئے اس شخص کا ان صفات سے متصف ہونا ضروری تھا جن کی نشاندہی انہوں نے سرسید کو کی تھی۔

یہاں یہ چیز مزید دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ سر سالار جنگ بہادر نے جب سید احمد خاں

بہادر پر یہ ذمہ داری عاید کی کہ " اب اپنی ذاتی واقفیت اور آزمودہ کاری کی نسبت اصحاب موصوف سے اطمینان فرما کر انتخاب فرمائیں .... اور آپ اُن پہ اعتماد بھی فرماتے ہوں " (پہلا خط) تو سرسید نے سفارش سے گریز کیا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی چیز کی طرف اپنے دوسرے خط مورخہ ۱۸ ؍ اگست ۱۸۷۳ء کے آخر میں سالار جنگ بہادر نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے " ہم کو کچھ پس و پیش اس سوال کے پوچھنے سے نہیں ہے کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ پہلی مرتبہ آپ نے ارقام فرمایا کہ ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس کی سفارش ہم باعتبار اور اطمینان کر سکیں۔ کیا ہمارا یہ خیال درست ہے کہ آپ نے اپنے ذمہ جواب دہی لینا پسند نہ فرمایا۔ پھر اسی بات کی وضاحت اپنے خط مورخہ ۲ ؍ ستمبر ۱۸۷۳ء میں سر سالار جنگ بہادر یوں فرماتے ہیں۔

" ہم آپ کے خیال نسبت اس امر کے کہ آپ نے پہلی مرتبہ ہندوستانی صاحبان کو اس سرکار کی ملازمت کے لئے اپنی جواب دہی پر سفارش کرنے میں بوجوہ تامل کیا نہایت عمدہ سمجھتے ہیں مگر آپ نے کسی قدر ہمارا مطلب نہیں سمجھا کیونکہ ہم نے بالکل یہ خیال نہیں کیا کہ آپ آئندہ کو طریق اور افعال کسی شخص کے ذمہ دار رہوں گے۔ اور اپنے خط مورخہ ۳ ؍ نومبر ۱۸۷۵ء میں موصوف نے مولوی مہدی علی صاحب کے طرزِ عمل پہ اپنا ملال بھی صاف صاف ظاہر فرما دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ " افسوس ہے مولوی صاحب نے یہ بات ضروری سمجھی کہ چند شرائط تحریر کرا دیں۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ مولوی مہدی علی صاحب اور مولوی مشتاق حسین صاحب کی ذات میں نواب سر سالار جنگ بہادر اول کو دو بڑے کام کے آدمی ملے اور ان حضرات نے جس غیر معمولی قابلیت اور دانائی کا مظاہرہ انتہائی شوق ولولے اور امنگ کے ساتھ ریاست حیدرآباد دکن میں اپنی فرائض کی بجا آوری کے دوران کیا وہ تاریخ کا ایک روشن باب بن چکا ہے۔

باہمی مراسلت سرسید احمد خاں اور وقار الملک

(اب سرسید احمد خاں بہادر اور نواب وقار الملک کی کچھ باہمی مراسلت بھی ملاحظہ کرتے چلئے - جہاں تک ہم کو علم ہے یہ خطوط مطبوعہ نہیں ہیں اور اس وقت پہلی بار آپ کے سامنے آ رہے ہیں - مولف)

خط نمبر ۱۵۲ - سرسید بنام وقار الملک -

عزیز و مکرم من - عنایت نامہ پہونچا - ترقی تنخواہ خدا مبارک کرے بڑھتی دولت ہو - آپ کی بڑھتی دولت میں تین خوشیاں ہوتی ہیں - ایک آپ کی ذات کے خیال سے، دوسری ایسے عزیز دوست یگانہ کے خیال سے، تیسری مدرسۃ العلوم کی بڑھتی دولت ہوتی ہے - یہ تینوں مبارک آپ کو اور خود اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو اگرچہ کم بخت سمجھے دیتا ہوں - خدا قبول کرے -

میں ایک قانون خاص مسلمانوں کے فایدہ کے (لئے) بنا رہا ہوں اور دیگر ممبران کونسل کو اپنے ساتھ شریک کرنا چاہتا ہوں - اگر وہ منظور ہو گیا تو مسلمانوں کے لئے ایک رحمت عظیم ہوگا - آپ کی رخصت کی وسعت کافی ہو گئی - امید ہے کہ قبل روانگی اور بھی خط آئے گا - میں بھی آپ کا جلد جانا چاہتا ہوں شاید نواب بشیر الدولہ بہادر نقشہ دیکھ کر کچھ اور رد و کد کریں - والسلام

خاکسار سید احمد - کلکتہ ۲ جنوری ۱۸۷۹ء

میرے (پاس) آئندہ سے جو خط بھیجا جاوے اوس پتہ و نشان سے بھیجا جائے جو عنوان خط پر چھپا ہوا ہے -

خط نمبر ۱۵۳ سرسید بنام وقار الملک

عزیز و مکرم من - عنایت نامہ پہونچا - اگر آپ یہاں تشریف لاویں تو نہایت خوشی ہو گی - مکان لے لیا گیا ہے اور آپ کے رہنے کی ہمارے دل میں اور ہماری آنکھوں میں جگہ ہے - دو ہفتہ آپ چاہیں ٹھیریں - ہمارے مکان کا پتہ اوپر لکھا ہوا ہے -

کلکتہ ڈوور ہال آپ کا مشتاق

بالی گنج سید احمد - ۳ر جنوری ۱۸۷۹ء

سرسید بنام وقار الملک

خط نمبر ۱۵۴

عزیزی و مکرمی - کاغذات واپس ہیں - نوٹوں کا امانت میں رہنا مناسب ہے واپسی مناسب نہیں - تحریرات سابق کا انتظار چاہئے - آج کے خط میں مَیں نے مولوی مہدی علی صاحب کو نصف نوٹوں کو آپ کے پاس (سے) آنے کی اطلاع دی ہے اور یہ بھی لکھا دیا ہے کہ جب تک آپ کی درخواست عذرداری پر کوئی تجویز ہو اس وقت تک نوٹ امانت رہیں گے اور نواب بشیر الدولہ بہادر کو جواب بھی دیا جاوے گا، تاکہ تصفیہ اوس درخواست کے ....![172].... مناسب ہے - والسلام

خاکسار - سید احمد

شملہ - پارک ہوٹل - ۲۳ مئی ۱۸۷۹ء

خط نمبر ۱۵۵ - ۲۱ر اکتوبر ۱۸۹۳ء

نواب وقار الملک بنام سرسید

جناب قبلہ و کعبہ ام سلامت - تسلیم - کچھ عرصہ سے کچھ ایسے ترددات میں مبتلا رہا رہا ہوں کہ یہاں سے ایک قدم باہر نکلنے کی مہلت نہیں ملی - اور جس وقت ان مکروہات

---

[172] یہاں پر پڑھا نہیں جا رہا - مولف

سے مہلت ملتی ہے انشاء اللہ تعالیٰ میں حاضر ہوں گا اور امید ہے کہ مزاج عالی بخیریت ہوگا۔
والتسلیم۔ خاکسار مشتاق حسین۔

خط نمبر ۱۵۶ سر سید بنام وقار الملک

عزیزی مکرمی۔ دو ہفتہ سے میری طبیعت بھی علیل ہے مگر اب افاقہ ہے۔ کسی قدر سست اور مضمحل ہے۔ میں نے سنا کہ آپ کی طبیعت بھی علیل ہو گئی تھی۔ شکر ہے آپ کو اب صحت ہے۔ ہمیشہ آپ کی ملاقات سے توقع رہتی ہے مگر افسوس ہے کہ ایسے امور پیش ہوئے کہ اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ جلد تر ملاقات ہوگی۔ والسلام

خاکسار سید احمد

علی گڑھ۔ ۲۳ر اکتوبر ۱۸۹۳ء

خط نمبر ۱۵۷ سر سیّد بنام وقار الملک

عزیزی مکرمی نواب وقار الملک بہادر۔

تمہارے انگریزی رسالہ مذہبی تعلیم کے دو نسخے صاحب کلکٹر طلب فرماتے ہیں۔ امید ہے کہ فی الفور دو نسخے میرے پاس بھیج دئے جاویں۔ والسلام

خاکسار، سید احمد۔ علی گڑھ۔ یکم اگست ۱۸۸۴ء

خط نمبر ۱۵۸۔ مخدومی مکرمی نواب وقار الملک۔ مولوی مشتاق حسین صاحب ٹرسٹی

میں آپ کی خدمت میں اپنی تجویز جس میں اس بات کی ضرورت ظاہر کی گئی ہے کہ خالی عہدے فی الفور موجب اختیار دفعہ ۱۴۰ قانون ٹرسٹیان کے معمور کر دے جاویں بھیجتا ہوں۔ اوس میں ان لوگوں کے نام بھی مندرج ہیں جن کو میں نے حسب اختیار دفعہ ۱۴۰ مقرر کیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان لوگوں کو جن کو میں نے مقرر کیا ہے پسند کرتے ہیں۔ امید کہ اس کے جواب سے آپ مجھ کو معزز فرمائیں گے۔ والسلام سید احمد

لیف آنریری سیکرٹری ٹرسٹیان مدرستہ العلوم

علی گڑھ۔ ۲۲ر جنوری ۱۸۹۷ء

(سرسید کا مندرجہ بالا خط غالباً وہی خط ہے جس سے اس مشہور اختلاف کو دبا دیا گیا جو سرسید کی اس خواہش پر پیدا ہو گیا تھا کہ اُن کے فرزند سید محمود صاحب بیرسٹرایٹ لا کو مدرسۃ العلوم کا لیف آنریری سیکرٹیری سرسید کی زندگی ہی میں بطور جانشین سرسید بنا دیا جائے۔ اس اختلاف نے بے حد طول کھینچا اور جب سرسید کو یہ اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے فریق مخالف کی تعداد بڑھ جائے تو انہوں نے اپنے ان مخصوص اختیارات سے کام لے کر جن کا حوالہ اس خط میں موجود ہے اپنے ہم خیال دوسرے اور لوگوں کو ٹرسٹی مقرر کر دیا اور اس طرح جلسہ میں جو چاہتے تھے اس کی منظوری حاصل کر لی۔ اس شکست کے بعد چند مخالفین نے جن میں مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب جیسے حضرات پیش پیش تھے۔ مدرسۃ العلوم سے کنارہ کشی اختیار کر لی مگر نواب وقارالملک بہادر نے اسی وقت اس جلسہ میں اعلان کر دیا کہ اب جب کہ کثرت رائے سے قوم کے نمایندوں نے ایک فیصلہ کر ہی دیا تو میں اس کو تسلیم کرتا ہوں اور برابر اس ادارہ کی خدمت کرتا رہوں گا۔

مگر سید نے ٹرسٹیوں کے اس اضافہ کی جو اطلاع نواب وقارالملک کو دی تھی انہوں نے اس پر احتجاج کیا اور ان کا یہ جواب اب نقل کیا جاتا ہے۔

(مولف)

خط نمبر ۱۵۹۔ میرا دلی شکریہ اس اطلاع کے واسطے قبول فرمائیے جو چند نئے ٹرسٹیوں اور ممبران بورڈ آف مینیجمنٹ کے تقرر کی نسبت مجھ کو دی گئی ہے۔ فقط مشتاق حسین

اور میرے نزدیک اس سے زیادہ معزز طریقہ بھی ان تقررات کی نسبت اختیار کیا جا سکتا تھا۔ مشتاق حسین۔ ٹرسٹی مدرسۃ العلوم۔ ۷ رفروری ۱۸۹۷ء

خط نمبر ۱۶۰۔ عزیزی و مکرمی نواب وقارالملک

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۳ رجون اور نصف قطعہ نوٹ تعدادی پچاس روپیہ پہنچا

نصف ثانی بھی عنایت ہو۔ باقی حالات جو آپ نے دریافت کئے ہیں متعاقب آپ کو روانہ کروں گا۔ والسلام۔

خاکسار سید احمد۔ علی گڑھ۔ ۲۴ جون ۱۸۹۷ء

خط نمبر ۱۶۱ - امروہہ - ۱۸ مارچ ۱۸۹۸ء

بعالی خدمت جناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے، سی، ایس، آئی

لیف آنریری سیکریٹری ٹرسٹیز کمیٹی مدرستہ العلوم مسلمانان۔ واقع علی گڑھ۔

جناب قبلہ و کعبہ ام سلامت - تسلیم - چونکہ گذشتہ سالانہ اجلاس کے رویدادوں کے چھپنے میں اب کی مرتبہ معمول سے شائد زاید دیر ہو گئی ہے - لہذا مجھ کو اُمید ہے کہ مہربانی سے آپ مجھ کو معاف فرما دیں گے اگر میں یہ دریافت کرنے کے لئے جناب عالی کو تکلیف دوں کہ میں نے جو اوس اجلاس میں پیش ہونے والی اپنی یاد داشت (میں) اوس اجلاس کی سابق کی روئیداد کے طرز ترتیب پر اعتراض کیا تھا اور تحریک کی تھی کہ چونکہ رودیداد ٹھیک طور پر مرتب نہیں ہوئی لہذا کن فرم نہ کی جائے اس کی نسبت سالانہ اجلاس میں کیا تصفیہ ہوا ہے۔ والتسلیم۔ خاکسار۔ مشتاق حسین ٹرسٹی

خط نمبر ۱۶۲ - امروہہ - ۲۲ مارچ ۱۸۹۸ء

بہ سلسلہ اپنے عریضہ ۱۸ شہرحال کے عرض پرداز ہوں کہ کل میرے پاس گذشتہ اجلاس کی رویداد وصول ہوئی ہے جس کا شکریہ قبول فرمائیے اور اب صرف ایک ہی امر دریافت کرنے کی نسبت اور تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس اجلاس میں جناب عالی نے معزز ٹرسٹی صاحبان شریک اجلاس کو میری ان گذارشات سے آیا بجنسہ مطلع فرما دیا تھا جو میں نے اپنے اس اجلاس میں پیش ہونے والی ناچیز رائے میں پیش کی تھیں یا یہ کہ صرف اس قدر خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا فرمایا جو کہ رویداد سالانہ میں مشتہر ہوا ہے۔ ایک سطر جو اس کے جواب میں مہربانی سے جناب عالی تحریر فرمائیں گے اس کا میں بہت ہی مشکور ہوں گا۔ والسلام۔ خاکسار مشتاق حسین۔ ٹرسٹی

خط نمبر ۱۶۳ -

امروہہ - ۲۸ مارچ ۱۸۹۸ء

جناب قبلہ وکعبہ ام سلامت - تسلیم -

چونکہ گذشتہ سالانہ اجلاس کی رویداد کے چھپنے میں اب کی مرتبہ معمول سے شاید زیادہ دیر ہوگئی ہے لہٰذا مجھ کو امید ہے کہ آپ مہربانی سے مجھ معاف فرما دیں گے اگر میں یہ دریافت کرنے کے لئے جناب عالی کو تکلیف دوں کہ میں نے جو اس میں پیش ہونیوالی اپنی کسی یادداشت میں اس اجلاس کے سابق کے مواد کے طرز ترتیب پر اعتراض کیا تھا اور تحریک کی تھی کہ چونکہ وہ روئداد ٹھیک طور پر مرتب نہیں ہوئی، لہٰذا اکن فرم نہ کی جاوے اس کی نسبت سالانہ اجلاس میں کیا تصفیہ ہوا ہے -

خاکسار - مشتاق حسین - ٹرسٹی

مراسلت جسٹس سیّد محمود بیرسٹر ایٹ لا

(جسٹس سید محمود صاحب مرحوم خلف اکبر سر سید احمد خاں بہادر مغفور کے خطوط موسومہ وقار الملک بہادر اب ملاحظہ کیجئے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۶۴ - سیتا پور - یکم اگست سنہ ۱۹۰۱ء

مخدوم و مکرم جناب نواب مشتاق حسین وقار الملک بہادر - بعد سلام مسنون ملتمس ہوں کہ آپ کے نام کا (خط) معلوم نہیں کہاں کہاں چکر لگا (کر) بالآخر یہاں موصول ہوا - اس کے لفافہ پر اس قدر کثرت سے عبارت تحریر ہے کہ گنجایش امروہہ روانہ کرنے کی نہیں ہے - پس بجنسہٖ اس کو ملفوف کرتا ہوں - اب آپ یہاں جلد تشریف لائیے سید محمد احمد[۱۷۳] کو بہ غرض پیروی مقدمات کے ۵ تاریخ کو شاہ جہاں پور اور اس کے بعد علی گڑھ اور دہلی جانا ہوگا - پس بغیر آپ کی تشریف آوری کے کام بند رہے گا، کیونکہ تین ممبران کا کورم سیلکٹ کمیٹی قانونی ہو سکے گا - آپ کے لئے مکان جداگانہ کی نسبت مرزا عابد علی بیگ صاحب تحریر کر چکے ہیں اور سلام کہتے ہیں - یہاں خیریت ہے - خدا سے دعا ہے کہ آپ بھی بہہ وجوہ خیریت سے ہوں - والسلام

خاکسار سید محمود

---

۱۷۳ سید محمد احمد صاحب فرزند تھے سید محمد صاحب کے جو سر سید احمد خاں بہادر کے برادر کلاں تھے اور اس لحاظ سے وہ سید محمود صاحب کے حقیقی تایا زاد بھائی تھے "تذکرہ وقار" کے صفحہ ۱۵۶ پر بتلایا گیا ہے کہ سر سید کے یہ بھتیجے پنشن یافتہ سب جج تھے اور ۱۸۹۷ء میں اسسٹنٹ سکریٹری مقرر ہوئے تھے - مؤلف

خط ۱۶۵ - منجانب سید محمود صاحب بیرسٹرایٹ لاٹرسٹی مدرستہ العلوم علی گڑھ

بعالی خدمت جناب نواب مشتاق حسین وقار الملک بہادر ٹرسٹی مدرستہ العلوم

از مقام علی گڑھ مورخہ ۱۲ر نومبر ۱۹۰۱ء

مضمون تحریک انتخاب نواب مشتاق حسین وقار الملک بعہدہ آنریری سیکریٹری ٹرسٹیان مدرستہ العلوم مسلمانان - علی گڑھ -

جناب من - ملتمس ہوں کہ میں نے بستم نومبر ۱۹۰۱ء کو ایک ٹیلی گرام آپ کی خدمت میں بدیں مضمون روانہ کیا تھا کہ میں نے بذریعہ ایک چھٹی موسومہ نواب محسن الملک بہادر از مقام الہ آباد مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۱ء تحریر کی تھی کہ جس کے مطابق میں نے یہ تحریک ذیل برائے اندراج کاغذ اجنڈا فہرست کارروائی سالانہ اجلاس آیندہ کے لئے روانہ کی تھی - عبارت تحریک از طرف سید محمود " نواب مشتاق حسین وقار الملک بہادر عہدہ آنریری سکریٹری کے واسطے حسب قوانین و قواعد کالج کے مقرر کئے جاویں -

۲ - اس تاریخ کی خبر میں میں نے اس امر کا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا کہ اپنی چھٹی مذکورۂ بالا کی نقل آپ کی خدمت میں بذریعہ ڈاک روانہ کرتا ہوں - چنانچہ حسب وعدہ اس چھٹی کی نقل ہمراہ اس نیاز نامہ کے ملفوف ہے - اس اصل چٹھی پر مولوی بدر الحسن صاحب ٹرسٹی کالج جو بالفعل اعلیٰ درجہ کے عہدہ مترجمی ہائی کورٹ (پر) ہیں و نیز مولوی علاء الحسن صاحب ڈپٹی کلکٹر الہ آباد وہ بھی کالج کے ٹرسٹی ہیں انہوں نے عبارت تائیدی تحریر کر کے اپنے دستخط ثبت کر دئے ہیں اور الہ آباد میں اور نیز لکھنؤ میں جن جن ٹرسٹیان سے ملاقات ہوئی انہوں نے میری اس تجویز کی تائید کی ہے اور سب ویسے آپ کا تقرر پسند کرتے ہیں - صرف تعجب کی بات ہے کہ شمس العلماء مولوی امجد علی جو سابق میں ہمارے کالج میں بہت دن تک پروفیسری پر مامور تھے اور اب بعہدۂ پروفیسری زبان عربی کے میور کالج الہ آباد میں ہیں - انہوں نے تامل فرمایا اور معلوم ہوتا ہے

کہ ان کے مزاج میں سب سے زیادہ احتیاط یہ رہتی ہے کہ مبادا عہدہ داران یورپین اسٹاف کالج ان کی تائید سے ناراض ہو جائیں۔ میں ان کے دولت خانہ پر گیا تھا مگر بوجہ بخار کے وہ مجھ سے نہ مل سکے لیکن مولوی سعید احمد صاحب کو میں نے دوسرے دن ان کی خدمت میں بھیجا تھا اور ان سے ملاقات کی اور جو مولوی سعید احمد صاحب نے مجھ سے بیان کیا اس کا مضمون میں نے اوپر بیان کیا ہے۔

۳۔ بہرحال ان امور میں اور مخصوص اس وجہ سے کہ تعداد ٹرسٹیان کثیر ہے اور جن اور اشخاص بعید الدار و لاوطن کہ کالج کے اصلی حالات اور ضروریات انتظامی سے واقف نہیں ہیں ان کے علاوہ جہاں تک میں قیاس کرتا ہوں جملہ حقیقت آموز اور حق شناس ٹرسٹیوں کی رائے میری تحریک کے مطابق ہوگی۔ حتیٰ کہ میں نے یہاں آکر معلوم کیا کہ قطع نظر میری تحریک کے میر عاشق علی صاحب رئیس جلالی نے بتائید خان بہادر مولوی زین العابدین صاحب کے جداگانہ تحریک نسبت آپ کے تقرر بعہدہ سیکریٹری ٹرسٹیان باضابطہ طور پر خدمت میں نواب محسن الملک بہادر کے برائے اندراج کاغذ اجنڈا روانہ کر دی۔ پس آپ کے تقرر کی نسبت دو تحریکیں اس وقت تک دفتر نواب محسن الملک بہادر میں موصول ہو چکی ہیں اور مولوی عبدالمجید صاحب بیرسٹر رئیس جون پور جو کہ ٹرسٹیان کالج میں سے ہیں ان کی بھی رائے آپ ہی کے تقرر کے موافق ہے اور بر وقت روانگی میری چٹھی کے الہ آباد میں تشریف نہ رکھتے تھے۔ کہیں بیروں چلے گئے تھے۔ ورنہ وہ بھی میری تحریک کی تائید کرتے اور خان بہادر خواجہ یوسف شاہ صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر و ٹرسٹی کالج نے بھی مجھ کو تحریر کیا ہے کہ آپ ہی کے تقرر کی نسبت ان کی رائے ہے۔

۴۔ چونکہ چند در چند افواہ ہائے کالج میری سماعت میں گزریں کہ ہز آنر سر جیمس لاٹوش لفٹننٹ گورنر بہادر پیٹرن کالج نے بھی کوئی رائے دوبارہ اس امر کے ظاہر فرمائی ہے کہ

میں نے نقل اس چٹھی کی جو ہز آنر سر جیمیس لاٹوش نے اس بارہ میں بنام نواب محسن الملک بہادر تحریر کی اس کی نقل ان سے حاصل کی کہ جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ ہز آنر کو منظور نہیں ہے کہ امر تقرر سیکرٹیری کی نسبت کوئی رائے ظاہر کریں یا دست اندازی کریں اور ٹرسٹیان کو محض اس معاملہ میں اپنی آزادانہ رائے سے مقرر کرنا چاہئے کہ جو آیندہ کی بہبودی اور سرسبزی کی راہ پر قدم رکھے۔

۵۔ نواب محسن الملک بہادر نے دوبارہ میری تحریک متعلقہ بعہدہ سیکرٹیری ایک چٹھی باضابطہ نمبری ۱۹ مورخہ بستم نومبر ۱۹۰۱ء تحریر فرمائی ہے کہ جس کی نقل ملفوف کرتا ہوں۔ اس کے فقرہ دوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری تحریک دربارہ آپ کے تقرر کی تہ دل سے تائید فرما دیں گے۔ پس مجھ کو اور نیز خان بہادر مولوی زین العابدین صاحب کو امید ہے کہ جملہ ٹرسٹیان کالج آپ کے تقرر کی نسبت مساعدت ہوں گے۔

۶۔ میں یہاں بہ تعلق سیلکٹ کمیٹی قانونی ٹرسٹیان کے بہ معیت مرزا عابد علی بیگ صاحب آیا ہوا ہوں۔ کل صبح کو محمد احمد صاحب کی تشریف آوری کی توقع ہے۔ یہاں ہر طرح پر خیریت ہے اور مجھ کو خدا کے فضل سے توقع ہے۔ کہ آپ بھی (مع) اپنے عیال و اطفال کے صحیح و تندرست ہیں۔ فقط والسلام مع الکرام

راقم نیازمند سید محمود

ٹرسٹی و پریزیڈنٹ سیلکٹ کمیٹی قانون مدرستہ العلوم۔ علیگڑھ

(اسی سلسلہ میں جو تحریک سید محمود صاحب نے نواب محسن الملک بہادر کے پاس روانہ کی تھی اس کے بھی بعض متعلقہ فقرے اب ملاحظہ ہوں۔ مولف)

خط نمبر ۱۶۶ - جناب من۔ اپنی ایک چٹھی مطبوعہ آپ کی دستخطی مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۱ء جو بطور سرکلر یعنی گشتی چٹھی کے جملہ ٹرسٹیان کالج میں شایع فرمائی تھی اس کے فقرات چہارم و پنجم و ششم کی عبارت ذیل نقل کی جاتی ہے۔ چونکہ نومبر کے مہینہ میں سالانہ

اجلاس کا جو جنوری ۱۹۰۲ء کی کسی تاریخ کو منعقد ہوگا۔ اجنڈا جاری ہوگا اس لئے ضرور ہے کہ جو سیکرٹری آیندہ کے لئے تجویز کیا جائے اس کا نام اس میں درج کیا جاوے اور بموجب دفعہ ۲۵ قوانین و قواعد ٹرسٹیان کے آنریری سیکرٹری کا تقرر ٹرسٹیوں کے اختیار میں ہے میں نہایت ادب اور عاجزی سے ملتمس ہوں کہ آپ ضرور اس معاملہ پر غور فرماکر اور دیگر ٹرسٹیوں سے مشورہ کرکے یکم نومبر سے اول جس کو سیکرٹری کرنا منظور ہو اس کا نام اجنڈے میں درج کرنے کے لئے پیش کیجئے تاکہ سالانہ اجلاس پر اس کا فیصلہ ہوجاوے۔ میں پھر نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ میرے دوبارہ انتخاب کا خیال نہ کیا جاوے اس لئے کہ میں اس بار گراں کے اٹھانے کے لایق نہیں ہوں اور نہ آئندہ میں اسے اٹھا سکتا ہوں اور نہ اب میں آنریری سیکرٹری کا عہدہ قبول کرسکتا ہوں۔

۲۔ اس صاف اور صریح عبارت سے مجھ کو اور جملہ ٹرسٹیان کو بھی یہ امر معلوم ہوا ہوگا کہ آپ پہلے ایک دو دفعہ استعفاء دیکر واپس لے لیتے تھے اسی قسم کی محض ایک رسمی یہ تحریر نہیں ہے کیونکہ آپ مطبوعہ گشتی چٹھیات موسومہ ٹرسٹیان میں ظاہر فرما چکے ہیں اور مجھ کو مطلقاً علم نہیں ہے کہ کسی ٹرسٹی نے حسب معمول و عادت آپ سے اب تک منت و سماجت کی ہو کہ آپ اس عزم بالجزم سے باز رہیں اور استعفیٰ سے پھر دستکش ہوں۔ پس عبارت منقولہ فقرہ بالا استعفےٰ کی سمجھنی چاہئے اور نہ کہ امتحاناً ظاہر کی گئی ہے بہ طریق طلب ووٹ کانفی ڈینس یعنی طلب اظہار اعتماد و عقیدت مندی ٹرسٹیان کے جیسا کہ وزرایان شہنشاہیت برطانیہ اعظم بعض دفعہ بہ طریق بیعت و تابعداری ممبران پارلیمنٹ کے حاصل کرنے کا دستور ہے مگر اس قسم کے ووٹ بھی نہایت تحدید شاذ و واقع ہوتے ہیں کہ العادۃ کالطبیعۃ الثانیۃ۔

۳۔ مجھ پر اور جملہ ٹرسٹیان پر بھی یہ روشن ہوگیا کہ اس بار یہ حقیقی استعفا ہے اور آپ

کی اصلی رائے اور خواہش ہے کہ اس عہدہ سیکرٹری ٹرسٹیان پر آپ قایم رہنا نہیں چاہتے اور اس عبارت میں جمیں نے یہ فقرہ نمبر۱ آپ کے مطبوعہ باضابطہ چٹھی سرکلر مورخہ ۱۴ ستمبر سنہ ۱۹۰۱ء سے نقل کی ہے اس میں خود آپ ہی نے ٹرسٹیان کالج کو تنبیہ کی ہے کہ آپ کے دوبارہ تقرر اور انتخاب کا خیال نہ کیا جائے کہ آپ اس عہدہ کو آیندہ کسی نہج سے قبول نہ کریں گے اور ٹرسٹیان سے آپ نے تاکیداً یہ خواہش کی ہے کہ آپ کے سوا کسی دیگر ٹرسٹی کا اس عہدہ کے لئے انتخاب کیا جاوے۔

۴۔ یہ اعتبار عبارت ہائے بالا کہ جن پر میں نے گمان تصنع وظاہر داری کا نہیں کیا میں نے یہ تصور کیا کہ آپ فی الحقیقت جملہ بھی خواہاں مدرستہ العلوم کو عموماً اور ٹرسٹیان کالج کو خصوصاً یہ امر واجب ہے کہ بجائے آپ کے کسی دیگر لایق ٹرسٹی کو حسب اقتضائے قوانین وقواعد ٹرسٹیان پہلے سے تجویز کریں..........

۵۔ اگر ایسا نہ کیا جاوے گا تو غایت درجہ ابتری اور تشویش کارروائی اور انتظام کالج میں پیدا ہو گی اور بوجہ سخت انتشار کے کالج کو زحمت اور نقصان پہونچے گا اور کالج کی حالت ایک لاوارثہ کارخانہ کی سی ہو جاوے گی اور یقینی قوم اسلام اس امر کو ثابت اور عیاں اور نمایاں کرے گی کہ اس قوم کو کسی قسم کی لیاقت نہیں ہے کہ اپنے قومی مدرسہ کا بھی انتظام کر سکے اور حقیقی سیلف ہلپ کے اصولوں کو عمل میں لا سکے جیسا کہ صاحبان اہل ہنود جابجا اپنے کالجوں اور اسکولوں کو قایم کر کے خود کامیابی سے چلا رہے ہیں اور روزافزوں حاصل کرتے جاتے ہیں کہ جو باعث ہمارے رشک یا حسد کا نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہم کو غبطہ کرنا چاہئے اور انہی اصولوں کو اپنے کالج کی نسبت بھی برتنا چاہئے۔

میرے والد سر سید مرحوم بانی مدرستہ العلوم نے مدت العمر اس جدوجہد میں صرف کی کہ سلمانوں کو اپنی اولادوں کی تعلیم کے لئے اصول سیلف ہلپ یعنی اپنی مدد

خود آپ کرنی چاہئے اور اپنے قومی مدرسہ کا انتظام اور نگرانی خود اپنے ہاتھ میں رکھنی چاہئے۔ ان کا ہرگز ہرگز کبھی یہ خیال نہ تھا نہ ارادہ کہ مدرسۃ العلوم مسلمانان ایسے ہاتھوں میں پڑ جاوے کہ جس سے ٹرسٹیان کالج اور مسلمانان اسم فرضی مالکان اور منتظمان مدرسۃ العلوم رہ جاویں۔

۷۔ سرسید مرحوم کا یہ بھی ہرگز کبھی خیال نہ تھا کہ کل اصلی ذمہ داری اور کارروائی انتظام یورپین یا ہندوستانی اسٹاف کالج کے ذمہ کر دیا جاوے .... اور نہ کبھی سرسید کے وہم وگمان میں بھی یہ بات تھی کہ ایسے امور میں بھی یورپین ہندوستانی اسٹاف کالج جو ملازمان کالج ہیں پیشوا و ہادی ٹرسٹیان گردانے جائیں ....

میں نے بتاریخ ۳ اکتوبر ۱۹۰۸ء ایک نیاز نامہ بخدمت جناب مولانا حافظ شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد صاحب دہلوی کہ جو ایک نامور عالم علوم عربیہ و اسلامیہ دینی دنیوی ہیں اور جن کی فصاحت و بلاغت کیا تحریری اور کیا تقریری جملہ مسلمانان ہندوستان پر روشن ہے تحریر کیا اور نیز اس کو طبع کرا کر جملہ ٹرسٹیان کالج میں شائع کیا بدیں غرض کہ چونکہ حضرت مولانا موصوف علاوہ جملہ دیگر اوصاف کے زبان انگریزی کی تحریر اور تقریر سے معتدبہ واقفیت رکھتے ہیں اور فی الحقیقت ان کی انگریزی دانی معمولی کارروائی عہدہ سیکریٹری کے لئے کافی ہے اس عہدہ پر مامور و مقرر کئے جاویں اور میری یہ خواہش تھی کہ جناب مولانا موصوف میرے نیاز نامہ کا جواب باصواب تحریر فرما دیں گے تاکہ میں ان کے نام نامی کو باضابطہ طریقہ پر کاغذ اجنڈا فہرست کارروائی اجلاس آیندہ سالانہ میں درج کراؤں لیکن انہوں نے ایک مقام پر اپنے قلم سے ایک معزز و محترم ٹرسٹی کو تحریر فرمایا ہے کہ "میں بطور انکسار و ہضم نفس نہیں بلکہ حقیقت الامر عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو ٹرسٹی بننے کی لیاقت نہیں"........

پس میں اب مستحکم یہ رائے رکھتا ہوں کہ بہ اقتضائے موجودہ حالات کالج کے اور اس کے اصلی بہبودی اور ترقی کے لئے جناب نواب مشتاق حسین وقار الملک بہادر کو بجائے

عہدہ سیکرٹری ٹرسٹیان مدرستہ العلوم کے تجویز کیا جاوے کیونکہ میں ان کو اس کارِ خیر کے لئے نہایت لایق سمجھتا ہوں کہ انکے اوصاف حمیدہ اور دلی توجہ اور محنت کار کالج اور راست روی و راست بازی ان کی مشہور دینداری اور زہد اور تشرع ہونے سے سب ٹرسٹیان واقف ہیں بلکہ عمائد قوم مسلمانان پر اظہر من الشمس روشن اور عیاں ہے بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ غالباً کوئی بھی میری اس رائے سے اختلاف نہ کرے گا اور اس لئے مجھ کو ان کی نسبت زیادہ تحریر کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ...."

(نواب محسن الملک بہادر نے اس تحریک کا جو جواب دیا تھا وہ حسب ذیل ہے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۶۷ - علی گڑھ - ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء

جناب من - آپ کا مراسلہ نمبر ۳۲۳ مورخہ ۱۸ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء پہونچا - جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے پریسیڈنٹ ٹرسٹیان کالج کے نام چٹھی بھیجی ہے مگر اس کی کوئی نقل میرے پاس نہیں بھیجی - البتہ وہ چٹھی میں نے دیکھی ہے جس میں ہز آنر سر جیمس لاٹوش صاحب نے لکھا ہے کہ ٹرسٹیوں کو سیکرٹری کے انتخاب میں آزادی ہے اور گورنمنٹ نہ کسی کا نام لے سکتی ہے نہ اس میں صلاح دے سکتی ہے - اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ چٹھی پریسیڈنٹ صاحب کے پاس ہے - وہ جس وقت میرے پاس بھیجیں گے میں فوراً اس کی نقل آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا اور اسے چھپوا کر سب ٹرسٹیوں کے پاس روانہ کر دوں گا -

۲ - مجھے اپنے اس ارادہ پر اصرار ہے کہ میں آئندہ سیکرٹری کا عہدہ منظور نہ کروں گا - اور پہلے سے میری رائے یہ تھی کہ نواب وقار الملک بہادر سکرٹری کے عہدہ پر منتخب ہوں - میں خوش ہوں کہ آپ کی بھی یہی رائے ہے اور آپ نے بھی انہیں کے لئے تحریک فرمائی ہے -

محسن الملک آنریری سکرٹری

خط صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب موسومہ وقار الملک

(صاحب زادہ آفتاب احمد خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا علی گڑھ کے مشہور ایڈوکیٹ تھے۔ موصوف آگے چل کر ہندوستان کے سیکریٹری آف اسٹیٹ کی کونسل کے رکن ہوکر ولایت تشریف لے گئے تھے اور آخر میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے تھے۔ ممدوح کا ایک خط موسومہ نواب وقار الملک اب پیش کیا جاتا ہے یہ خط رسالہ نقوش لاہور میں شائع ہوچکا ہے۔ مولف)

خط نمبر ۱۶۸ - ۱۲ مئی ۱۸۹۹ء

جناب مولوی صاحب قبلہ۔ تسلیم۔ امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ میں کالج کے معاملات کی نسبت آپ کا کسی قدر وقت لینا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔ کالج کی موجودہ حالت کے لحاظ سے میری یہ رائے ہے کہ اس وقت کالج کو کام کرنے والوں کی سخت ضرورت ہے۔ سرسید کی زندگی میں بھی ضرورت تھی لیکن وہ خود ایک ایسے زبردست انجن تھے کہ تمام کل ان کی قوت کے زور سے ٹھیک ٹھیک چل رہی تھی۔ لیکن اب مجموعی سعی کی از حد ضرورت ہے۔ کالج کا کام درستی کے ساتھ جب ہی ہوسکتا ہے کہ لائق اور آزاد ٹرسٹی اپنا پورا وقت اور اپنی پوری توجہ اس کی خدمت میں صرف کریں لیکن سوائے نواب محسن الملک کے اور کوئی بھی اس وقت کالج کی خدمت کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ علی گڑھ میں اس وقت حسب ذیل ٹرسٹی موجود ہیں۔ نواب محسن الملک۔ حاجی محمد اسمٰعیل صاحب۔ خان بہادر مولوی زین العابدین خاں صاحب۔ اور میں ان میں سے حاجی صاحب موصوف تو اکثر آگرہ میں رہتے ہیں اور جب یہاں ہوتے بھی ہیں تو وہ میرے علم میں کالج کے امور میں توجہ نہیں کرتے۔ اس کی وجہ

غالباً یہی ہوگی کہ کالج کی خدمت جس قسم کی ہے وہ ان کے مذاق کے موافق نہیں ہے۔
مولوی زین العابدین خاں صاحب کی حالت یہ ہے کہ انہوں نے کالج کے عملی کام میں کبھی
حصہ لیا اور نہ غالباً وہ کبھی لیں۔ رہا میں۔ اول تو مجھ کو پورے طور پر قابلیت نہیں
اور اگر کچھ ہے بھی تو میں اپنی حالت کے لحاظ سے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ کئی سال
تک اپنا پورا وقت اور اپنی پوری توجہ اپنے پیشہ کے کام میں صرف کروں اس لئے
اس وقت سوائے محسن الملک کے اور کوئی بھی ٹرسٹی نہیں ہے، جو کالج کی خدمت
کرتا ہو یا محسن الملک کی مدد کرتا ہو۔ میں سب طرف نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھ کو سوائے
آپ کے اور کوئی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو اس کام کے لئے زیادہ تر موزوں ہو۔
جب آپ حیدر آباد سے تشریف لائے تھے تو میرا خیال یہ تھا کہ جناب علی گڑھ قیام
فرماویں گے اور کالج کے کام میں عملی طور پر حصہ لیں گے سر سید کی زندگی میں اگر ایسا
نہیں ہوا تو چنداں ہرج نہیں ہوا لیکن اس وقت آپ جیسے شخص کی کالج کو ازحد
ضرورت ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ آپ جہاں ہوں گے وہیں نیک کاموں میں
اپنا وقت صرف کرتے ہوں گے لیکن اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے
مدرستہ العلوم سے بڑھ کر نیک تر کام اور کونسا ہے اور اس سے بڑھ کر کس کا زیادہ
حق ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ اگر ایسے وقت میں آپ جیسے حضرات ایسے کاموں
پر توجہ نہ کریں تو یہ (معاف کیجئے) ایک قومی گناہ ہے کیونکہ بدقسمتی سے ہماری قوم
میں اول تو پبلک کے لئے کام کرنے والے ہیں ہی نہیں اور صداقت سے کام کرنے والے
تو بالکل معدوم ہی ہیں۔ اس لئے جن کو خدا نے قابلیت عطا کی ہے ان پر فرض ہے
کہ وہ اس سے قوم کو فائدہ پہونچاویں۔ اس موقع پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کیا وہ لوگ
جو اس وقت مدرستہ العلوم کو چلا رہے ہیں۔ آپ کی شرکت کو پسند کریں گے۔ اس کی
نسبت جو میری رائے ہے وہ میں صاف طور پر عرض کرتا ہوں۔ جہاں تک مجھ کو علم ہے

اصلی وجہ اختلاف کی یہ تھی کہ آپ جناب مولوی سمیع اللہ خان صاحب کے طرفدار تھے اور آپ ان کو نہ صرف ٹرسٹی بلکہ سیکرٹیری کالج بنانا چاہتے تھے آپ کی اس رائے کے اکثر لوگ مخالف تھے اور خود میں بھی پورے طور پر مخالف تھا۔ خود مجھ کو اس امر پر ہمیشہ حیرت ہوئی ہے کہ آپ جیسے خیالات اور اصول کا شخص مولوی صاحب موصوف کی کالج کے معاملات میں اس قدر طرفداری کرے۔ بہرحال مجھ کو اس وقت اس امر پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے کہ آیا آپ نے جو طرفداری مولوی صاحب موصوف کی وہ کالج کے لئے مفید تھی یا کیا۔ میں اس وقت صرف اس قدر عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ غالباً اب سب کچھ ہونے کے بعد آپ بھی اس امر کو مناسب نہ سمجھتے ہوں گے کہ آیندہ مولوی صاحب موصوف کا کالج سے کوئی تعلق ہو۔ اگر جناب کا ایسا خیال ہے تو پھر میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ جناب میں اور منتظمین کالج میں مخالفت کیوں ہو اور آپ کی خدمات کے نفع سے کالج محروم کیوں رہے۔ بہرحال میری یہ رائے ہے یہ بھی سوال ہو سکتا ہے کہ آپ یہاں قیام کرنے کی حالت میں کالج کے عملی کام میں کس حیثیت سے حصہ لیں۔ اس کی نسبت میری عرض یہ ہے کہ آپ جیسے لوگ عہدہ کی وجہ سے کام نہیں کیا کرتے بلکہ عہدہ آپ کے کام کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ میں یہ بھی جناب کو لکھتا ہوں کہ جناب کو معلوم ہو گا کہ نواب محسن الملک نے بہ حیثیت سیکرٹیری کالج مجھ کو جائنٹ سکرٹیری کے لئے نامزد کیا ہے اور اس تجویز کو ٹرسٹیوں کے پاس بھی بھیجدیا ہے اور بجٹ میٹنگ میں جو ۱۰ جون ۱۸۹۹ء کو ہونے والی ہے پیش بھی ہو گی لیکن عرصہ سے میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں اس عہدہ کو فی الحال قبول نہیں کر سکتا اس کی خاص کر دو وجوہ ہیں۔

اول تو مجھ کو فی الحال اس عہدہ کے کام کی پورے طور پر قابلیت نہیں

دوسرے اگر قابلیت بھی ہو تو جیسا میں اوپر عرض کر چکا ہوں اپنی موجودہ حالت
کے لحاظ سے اس کو اپنا سب سے بڑا فرض سمجھتا ہوں کہ کئی سال تک میں پورا
وقت اور اپنی پوری توجہ اپنے پیشہ کے کام میں صرف کروں۔

ان وجوہ سے میرا ارادہ ہے کہ میں اس عہدہ کو قبول نہ کروں لیکن جب میں نے نواب محسن الملک یا مسٹر بک سے انکار کیا ہے تو ہمیشہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر تم نہ ہو تو پھر کون ہو، اور ان کے خیال میں حالت ایسی ہے کہ مجبوراً مجھ کو یہ عہدہ قبول کرنا چاہئے۔ لیکن اگر آپ یہاں موجود ہوں تو جہاں تک میں خیال کر سکتا ہوں ان کو یہ اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے گی کیونکہ میں اپنے خیال میں آپ کو اس کام کے لئے سب سے زیادہ لایق اور موزوں سمجھتا ہوں۔ میں نے اس معاملہ میں کل شام نواب محسن الملک سے گفتگو کی اور مجھ کو اندیشہ تھا کہ شاید وہ اس امر میں میرے پورے طور پر ہم خیال نہ ہوں لیکن انہوں نے نہایت صداقت کے ساتھ مجھ سے اتفاق کیا اور مجھ سے فرمایا کہ میں ان کی طرف سے آپ کو لکھوں کہ ان کے خیال میں جس قدر آپ اُن کی مدد کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں کر سکتا۔ پس میری یہ استدعا ہے کہ جناب اس پر غور فرمائیں۔ میں آپ کا اس قدر وقت لینے کی معافی چاہتا ہوں جس امر کو کالج کی موجودہ حالت کے لحاظ سے میں نے ضروری سمجھا اس سے آپ کو اطلاع دی۔ میرا اصول ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ جس چیز کو کالج کے لئے مفید سمجھتا ہوں اس کے لئے میں اپنی ناچیز حیثیت کے لحاظ سے کوشش کرتا ہوں۔

میں نہایت ممنون ہوں گا اگر جناب اس کا جواب مرحمت فرماویں گے۔

خاکسار

آفتاب احمد

باہمی مراسلت محسن الملک و وقار الملک

(اب نواب محسن الملک کی ایک تحریر موسومہ نواب وقار الملک ایسی پیش کی جاتی ہے جو تمام تر ریاست نظام کے حالات سے پر ہے اور پنسل سے لکھی ہوئی ہے مخفی نہ رہے کہ عبارت کی اہمیت کے مدنظر کاتب کی یہ احتیاط کہ تحریر پر دستخط نہیں کئے بلکہ صرف لفظ "فقط" پر ختم کر دی گئی ہے آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۶۹۔ جناب من - مدت ہوئی کہ میں نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا۔ امید ہے کہ آپ معاف کریں گے۔ میں بے سبب اپنے دوستوں کو عموماً اور آپ سے درجہ کے آدمیوں کو خصوصاً تکلیف دینا مناسب نہیں جانتا خاص کر اس وجہ سے کہ لوگوں کو دوسرا خیال نہ پیدا ہو۔

حیدر آباد کے حالات تو آپ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ہر روز ایک نیا فسانہ بلکہ ہر لحظہ ایک تازہ کہانی یہاں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ آپ اگرچہ دور ہیں مگر آپ کے کانوں میں بھی یہاں کی آواز پہونچتی ہی ہوگی مگر میں ایک سچی اور صحیح بات آپ کو سناتا ہوں کہ میں نے نوکری سے جدا ہونے کا ارادہ کر لیا بلکہ نواب صاحب سے صاف صاف کہدیا کہ حضرت اب مجھے آزاد فرمائیے اور پنشن دیجئے۔ اگرچہ نواب صاحب نے منظوری سے ابھی انکار فرمایا ہے اور جواب قطعی ابھی نہیں دیا مگر مجھے اپنے پنشن لینے پر اصرار ہے اور میں اب رہنا پسند نہیں کرتا۔ آپ جانتے ہیں کہ پندرہ برس سے میں کس طرح سے حیدر آباد میں رہا اور کیسے کیسے کام کئے۔ اب بے کار رہ کر تنخواہ لینا مجھے منظور نہیں ہے اور دام اقبالہ[۱۶۲] کی چالوں اور جھوٹھ باتوں کا مقابلہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ ان کو نہ تو کام ہے (نوٹ صفحہ ہذا کا اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

نہ کوئی خدمت بجز اس کے کہ میری برائیاں کیا کریں اور جھوٹی باتیں لگایا کریں اور اخباروں میں میری نسبت خبر دیا کریں اب ان کی چالاکی دیکھئے کہ خود تو تمام سرکاری کانفی ڈینشیل تحریریں کشتے صاحب کو دیں اور ان سے مضمون لکھوائے اور ان کے ذریعہ سے اخباروں میں آرٹیکل چھپوائے اور ریزیڈنٹ کو بدنام کیا اور پھر میری نسبت یہ تہمت لگائی کہ میں نے ان کی رپورٹ پریس والوں کو دی خدا کی لعنت ایسے جھوٹھ پر لطف یہ ہے کہ انھوں نے تو شملہ اور ولایت میں ایسے مضمون کی چٹھیاں لکھیں اور مجھے بدنام کیا اور میں اپنی شرافت بلکہ اپنی حماقت سے خاموش رہا کسی کو یہاں تک کہ آپ کو بھی کچھ نہیں لکھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے ہی اوپر شک ہوا۔

دام اقبالہ[174] فرماتے ہیں کہ آپ نے ان سے راستہ میں پرسی[175] کے فرمایا تھا کہ ان پر آپ بھروسہ کرنے کو تیار ہیں مگر میں نے آپ سے کہا کہ ان پر میرا اعتماد نہیں ہے نہ میں ان کو بھروسہ کے لایق جانتا ہوں اس لئے آپ نے ان پر صرف میرے کہنے سے اعتماد نہ رکھا۔ یہی بات انھوں نے نواب صاحب سے بیان کی اور مجھے اپنا دشمن قرار دیا، حالانکہ آپ خود ان کی حرکتوں سے ناراض ہیں اور آپ کو خود ان پر بھروسہ نہ تھا بہرحال حالات حیدرآباد کے اب ایسے ہو گئے ہیں کہ میں اب جدا ہونا ہی پسند کرتا ہوں۔ خدا ان کو یہاں کا رہنا مبارک کرے۔

مسٹر فٹز پیٹرک ریزیڈنٹ تشریف لائے۔ ایک ملاقات مجھ سے بھی ہوئی تین گھنٹہ برابر گفتگو ہوئی۔ میں نے ایک طور سے اپنے ارادہ کا ذکر کر دیا مگر اس پر میں نے زیادہ زور نہیں

ھ۱۷۴ ممکن ہے یہ اشارہ میر اقبال علی صاحب کی طرف ہو جن کو نواب سرور الملک بہادر نے "رکن گروہ وزراء" کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور جو آگے چل کر عدالت العالیہ کے رکن یعنی نظام ہائی کورٹ کے جج ہو گئے تھے ملاحظہ ہو کتاب کارنامہ سروری صفحہ ۲۸۸ مع نوٹ ۱۔

ھ۱۷۵ پرسی سے مراد غالباً پرسی ہوٹل سکندرآباد سے ہے۔ مولف۔

دیا اس لئے کہ میں ایسے معاملات میں ریزیڈنٹ صاحب کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ میں صرف اپنی گورنمنٹ ہی سے تعلق رکھنا چاہتا ہوں۔

بات چیت سے معلوم ہوا کہ صاحب عالی شان بہادر نہایت واقف اور لایق اور ہوشیار ہیں مگر دیکھئے کہ حیدرآباد کو سمجھتے ہیں کہ نہیں اور سمجھتے ہیں تو کب فقط

خط ۱۷۰ وقار الملک بنام محسن الملک

جناب مخدومی و مکرمی سلامت۔ تسلیم۔ عنایت نامہ رجسٹری کا جواب تو علٰحدہ ملفوف ہے اور دوسرے امر کی نسبت تو میں جو کچھ زبانی عرض کر چکا ہوں وہی اب عرض کرونگا غریب[۱۷۶] آدمی جس کے پاس فایر انجن وغیرہ موجود نہ ہو وہ بھی جب کہ اس کے گھر کو

---

۱۷۶ نواب وقار الملک کا یہ خط نواب محسن الملک کے نام ہے اور مسلمانوں کی پولیٹیکل ایسوسی ایشن کے قیام کی طرف کھلا اشارہ کرتا معلوم ہوتا ہے۔ کوئی اپنا سیاسی ادارہ موجود نہ ہونے سے مسلمانوں کو جو نقصانات پہونچ رہے تھے ان کے تدارک کے لئے نواب وقار الملک نے جو ابتدائی دوڑ دھوپ اس ایسوسی ایشن کے قیام کے لئے شروع کی تھی یہ خط غالباً اسی پر کچھ روشنی ڈال رہا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اس ایسوایشن کو نواب وقار الملک نے بمقام لکھنؤ ۱۹۰۰ء اور ۱۹۰۶ء کے درمیان کسی زمانہ میں قایم کیا تھا۔ اس سلسلہ میں نواب محسن الملک نے نواب وقار الملک کو جو خط لکھا ہے (اور جو مکاتیب کے صفحات ۴۸ - ۴۹ پر شائع ہوا ہے) اس میں شملہ ڈیپوٹیشن نے مسلمانوں کی طرف سے جو مطالبات پیش کئے تھے ان کے بہت کچھ پورا کئے جانے کے گورنمنٹ کے اعلان کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ فقرہ لکھا ہے۔

"...... نیز لوکل گورنمنٹوں میں اور لوکل بورڈ وغیرہ میں اپنے حقوق کی حفاظت کرنی چاہئے اور اس کے لئے یہی وقت کوشش کرنے کا ہے اور کوشش باضابطہ اور متفقہ ہونی چاہئے۔ جو ڈیپوٹیشن شملہ

آگ لگے اپنے اُنہیں میلے کچیلے گمڑوں اور بدھنوں سے کام لے گا جو اس وقت اس کے ہاں موجود ہوں گے۔ پھر چاہے وہ بجھانے کے لئے کافی ہوں یا نہیں اور آگ پیچھے یا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۰۲) گیا تھا وہ کسی نہ کسی طرح باقاعدہ ہو گیا...... اور گورنمنٹ نے بھی اس کو تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا قایم مقام سمجھ لیا تھا اور اسی واسطے اس کا اثر بھی ہوا اور نتیجہ بھی اچھا نکلا اگر اسی اصول کی پابندی کی جائے تو یقینی ہے کہ اس کا اثر اب بھی اچھا ہو گا...... اب رہا یہ امر کہ آئندہ کارروائی اتفاق سے کیونکر ہو تو یہ آل انڈیا مسلم لیگ پر منحصر ہے مگر اس کا انعقاد باضابطہ اب تک نہیں ہوا۔ اس لئے میں آپ کی توجہ اس ضروری امر کی طرف چاہتا ہوں آپ کی کیا رائے ہے اور جب تک مسلم لیگ باقاعدہ قایم ہو کیوں کر کارروائی شروع ہونی چاہئے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایسے نازک اور تنگ وقت میں کسی صوبہ کے کسی سمجھدار مسلمان کو اعتراض نہ ہو گا کہ موجودہ حالت میں آپ کی طرف سے بحیثیت سیکرٹری مسلم لیگ کے کام شروع کیا جائے.............."

مکاتیب ہی کے صفحہ ۱۲۳ پر مولوی بشیر الدین صاحب خان بہادر ایڈیٹر "البشیر" کو خطاب کرتے ہوئے نواب وقار الملک لکھتے ہیں کہ "........... میں غالباً ۲۵ر اکتوبر سے پہلے ہی احمد آباد سے لوٹ کر وطن پہونچ جاؤں گا۔ اس کے بعد انشاءاللہ تعالیٰ نومبر کے مہینہ میں مشرقی اضلاع کا دورہ ختم کرنا ہے تاکہ پولیٹکل ایسوسی ایشن کے ممبروں کا انتخاب تکمیل کو پہونچے اور زیادہ سے زیادہ آخر موسم سرما میں بمقام لکھنؤ ایسوسی ایشن کا اجلاس منعقد ہو سکے...... ...... (خط مورخہ ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۴ء - پھر اپنے ایک دوسرے خط موسومہ خان بہادر صاحب موصوف ہی میں مکاتیب کے صفحہ ۱۲۱ پر نواب وقار الملک کا یہ فقرہ ملاحظہ ہو "...... اس حالت میں اطمینان کے ساتھ کہیں باہر جانا سخت دشوار ہے بلکہ دشوار سے کچھ زیادہ...... ...... دوسری طرف جب میں دیکھتا ہوں کہ پولیٹکل ایسوسی ایشن کی کارروائی ناتمام ہے تو ایک

(سلسلہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

نہ بنجھے۔ کوئی انتظار اس وقت میں البتہ واجب ہے کہ کچھ بھی اطمنان ہو کہ آیندہ جب تک کافی

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) منٹ بھی گھر میں رہنے کو جی نہیں ہوتا اور باوجود اتنی مشکلات کے میں روانہ ہو جانا چاہتا ہوں........ (خط مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۶ء)

واضح ہو کہ اسی ایسوسی ایشن نے ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو بمقام ڈھاکہ مسلم لیگ کا روپ اختیار کیا چنانچہ اپنی کتاب "مکاتیب" کے صفحہ ۸ ۴۳ کے نوٹ نمبر ۲ کے تحت مولوی محمد امین زبیری صاحب کے یہ الفاظ درج ہیں "پولیٹکل ایسوسی ایشن ابتداً جو لکھنؤ میں قایم ہوئی اسی کا نام بالآخر آل انڈیا مسلم لیگ قرار پایا"۔ اور نواب وقار الملک ہی اس کے پہلے صدر چنے گئے (ملاحظہ ہو کتاب "وقار حیات" صفحات ۶۷۰ تا ۶۸۲) افسوس ہے کہ نواب وقار الملک کے مندرجہ بالا خط نمبر ۱۷۰ پر کوئی تاریخ و سنہ درج نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ تصور کر لیا جائے کہ نواب وقار الملک کا یہ خط نواب محسن الملک کے خط مورخہ ۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۰۱ء کا جواب ہے اور جس کا نمبر ہمارے ان صفحات میں (۱۹۴) ہے تو اس سے تحریر کے ماہ و سنہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یہاں یہ اطلاع آپ کے لئے موجب دلچسپی ہوگی کہ اخبار ڈان کے مطابق جب آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ دونوں کے سالانہ اجلاس مشترکہ طور پر بمقام لکھنؤ ۱۹۱۲ء میں منعقد ہوئے تھے اس وقت ایک گروپ فوٹوگراف بھی لیا گیا تھا۔ یوں تو یہ گروپ ہر حال میں تاریخی اہمیت کا حامل مانا جاتا مگر اس موقع پر اس کی اہمیت اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ ایک ایسے قومی اجتماع میں محمد علی جناح صاحب غالباً پہلی بار شریک ہو رہے ہیں اور جو عکس اس گروپ کا کراچی کے ڈان اخبار نے ۱۱ ستمبر ۱۹۶۳ء کو شائع کیا ہے اس کی درمیانی صف میں جو کرسیوں کی ہے بائیں سے دائیں کو چھٹے نمبر پر بوڑھے وقار الملک سے ملے ہوئے نوجوان مسٹر جناح قاید اعظم بانی پاکستان بہ آسانی پہچانے جا سکتے ہیں۔ ڈان کا بیان ہے کہ نواب وقار الملک بہادر نے اس کانفرنس (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

سامان بہم پہونچے آگ زیادہ نقصان نہ پہونچا دے گی -

والسلام - خاکسار - مشتاق حسین

اور بہم کیا اور ہماری کوشش کیا - السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ - م

اور آپ نے آنریبل پریسیڈنٹ صاحب کے مسودہ چھٹی کے متعلق تو کوئی جواب ہی نہ دیا مہربانی سے وہ مسودہ اور ٹرسٹیوں کو دیکھنے کے لئے دیجئے -

---

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کے اجلاس کی شرکت کی دعوت بانی پاکستان کو بطور خاص دی تھی - واضح ہو کہ اس سالانہ جلسہ کی صدارت میجر سید حسن بلگرامی صاحب مرحوم کر رہے تھے یہ گروپ راقم الحروف نے تقسیم ہند سے برسوں پہلے مولوی محمود احمد عباسی صاحب امروہوی کے پاس جو بعض معرکتہ الآرا کتابوں کے مصنف ہیں - بمقام امروہہ دیکھا تھا - پھر سنا کہ موصوف نے پاکستان منتقل ہونے کے بعد اس کو حکومت پاکستان کی نذر کر دیا ہے - اسی گروپ کا نشنی ہم نے میرٹھ کے مولوی حسین احمد زبیری صاحب کے مشہور کتب خانہ میں بھی دیکھا ہے - اخبار ڈان کے شائع شدہ گروپ میں جو بعض حضرات کٹ گئے ہیں وہ اصل گروپ میں دونوں جگہ صاف نظر آتے ہیں - بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ گروپ صرف آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا ہے - کیونکہ ۱۹۱۲ء میں ان حضرات کے مطابق آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ماہ مارچ میں بمقام کلکتہ منعقد ہوا تھا - اس آخرالذکر خیال کی تائید مولوی خلیل احمد صاحب مرحوم کی مولفہ کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" سے بھی ہوتی ہے جس کے صفحہ ۳۶۹ پر لکھا ہے کہ ۳ مارچ ۱۹۱۲ء کو مسلم لیگ کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا تھا -

(مولف)

خط نمبر ۱۷۱- ۷ مئی ۱۹۰۱ء

محسن الملک بنام وقار الملک

جناب من - مجھ سے اور آفتاب احمد خاں صاحب سے بہت دیر سیکریٹری کے عہدہ کے متعلق گفتگو ہوئی - وہ مجھ سے متفق ہیں کہ میں صرف سرسید میموریل فنڈ کا پریسیڈنٹ رہوں اور سیکریٹری کا عہدہ چھوڑ دوں اور اسی کے ساتھ ان کی بھی میری طرح یہی رائے ہے کہ آپ اس عہدہ کو قبول کریں - آپ کو اس میں دو مشکلات ہیں - ایک یہاں آکر رہنا وہ تو آپ کو قوم کی خاطر اختیار کرنا اور کچھ خرچ گوارا فرمانا ضروری ہے - دوسرے اور قومی خدمتوں سے کالج کے فائدہ کے خیال سے باز رہنا یہ بڑا مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے مگر جہاں تک غور کیا گیا ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ آپ یا ......[۱۷۱] قوم اور طرح سے فائدہ پہونچا سکے - نہ کوئی مدد دینے والا ہے نہ شریک ہونے والا - جب کوئی اتنا بھی نہیں ہے کہ اپنے خیالات کو اچھی طرح انگریزی میں ظاہر کر سکے اور کوئی اخبار تک اپنا ایسا نہیں ہے کہ اپنے مطلب کو عمدہ لفظوں میں لکھ سکے تو کیا امید ہے کہ کوئی شخص قوم کی خدمت اُس قسم کی کر سکتا ہے جس کا آپ کو خیال ہے - ایسی حالت میں کالج کو مدد نہ دینا اور اس سے علیحدہ ہو جانا دانش مندی نہیں ہے بلکہ نقد را بہ اُمید نسیہ گذاشتن ہے - اس لئے آپ خوب غور کر لیجئے اور اپنی رائے سے مطلع فرمائیے - اگر آپ نے سیکریٹری کے عہدہ کو قبول نہ کیا اور میرا چھوڑ دینا تو یقینی ہے ایسی حالت میں دوسرا شخص سیکریٹری کے لایق معلوم نہیں ہوتا اور کالج جو ایک ضروری اور عمدہ ذریعہ قوم کے فلاح کا ہے نقصان سے محفوظ نہ رہے گا - اس مضمون پر زیادہ لکھنا فضول ہے کیونکہ آپ پر کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے - جواب اس کا جلد دیجئے اور ابھی اسے صیغہ راز میں رکھئے - فقط مہدی علی -

---

[۱۷۱] یہ حصہ دیمک زدہ ہونیکی وجہ سے چند الفاظ غایب ہیں - مولف

خط نمبر ۱۷۲ - امروہہ - مئی ۱۹۰۱ء

جناب مخدومی و مکرمی نواب محسن الملک بہادر سلامت - تسلیم -

عنایت نامہ رقم زدہ ہفتم مئی نے مشکور فرمایا جس میں آپ نے اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے اپنی بہت مضبوط رائے اس امر کی نسبت ظاہر فرمائی ہے کہ آپ صرف سر سید میموریل فنڈ کے پریسیڈنٹ رہیں اور کالج کی سیکریٹری شپ پر اس احقر کا تقرر عمل میں آوے - جناب کو معلوم ہے کہ گذشتہ سال تک میں کالج میں کسی قسم کا عہدہ قبول کرنے سے برابر انکار کرتا رہا ہوں اور آپ کا یہ خیال بھی کوئی نیا خیال نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی بارہا آپ نے اپنا یہ خیال مجھ سے ظاہر فرمایا ہے اور جس سے میں نے ہمیشہ شکر گذاری کے ساتھ معافی چاہی ہے میرے انکار کی وجوہ میں سے ایک وجہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ بھی تھی کہ میں کھلے ہوئے ووٹ کے ذریعہ سے کالج میں کوئی عہدہ قبول کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اپنی سوسائٹی کی موجودہ حالت کے لحاظ سے کھلے ہوئے ووٹ میں یہ اطمینان نہیں ہو سکتا کہ جن بزرگوں نے ووٹ دئے ہیں حقیقت میں بھی وہ ان کی آزاد رائے کا ووٹ ہے یا کسی مروت وغیرہ کی وجہ سے ہے - لیکن گذشتہ سالانہ جلسہ ٹرسٹیان کالج میں جو ترمیم کہ قانون ٹرسٹیان میں منظور ہو گئی ہے اور جس کے بعد اب ٹرسٹی بالکل آزاد ہیں کہ کسی شخص کے تقرر وغیرہ میں اگر چاہیں مخفی طور پر اپنا ووٹ پیش کر سکیں میرا وہ سب سے بڑا عذر کالج کے کسی عہدہ کے قبول کرنے کی نسبت باقی نہیں رہا اور اب اس کے بعد جو کچھ کہ آنریری سیکریٹری شپ کے قبول و عدم قبول کی نسبت مجھ کو کہنا ہے وہ صرف یہ ہے کہ فی الواقع میں اپنے آپ کو اس عہدہ کے فرائض کے انجام دینے کے قابل نہیں پاتا جس میں انگریزی کا کام جناب سر سید صاحب مرحوم و مغفور کے زمانہ کی بہ نسبت اب بہت بڑھ گیا ہے اور آپ بخوبی واقف ہیں کہ ترجمہ کی مدد سے اس قسم کا کام انجام دینا کس قدر مشکل امر ہے - لہذا میرے نزدیک واجبی اور صحیح رائے

یہی ہے کہ کوئی انگریزی داں ٹرسٹی ہی اس کے لئے منتخب ہونا چاہئے۔ علاوہ اس کے اپنی نسبت میں آپ سے متعدد مرتبہ یہی عذر بھی کر چکا ہوں کہ اگر میں اس عہدہ پر مقرر ہوا تو لامحالہ مجھ کو اپنا وطن چھوڑ کر علی گڑھ اور کالج کے پاس ہی قیام کرنا پڑے گا اور میرا خرچ بہت بڑھ جاوے گا جس کے لئے میری حالت موزوں نہیں ہے اور دیگر ضروریات وطن بھی بحالت موجودہ میرے زیادہ عرصہ تک وطن سے باہر رہنے کی مانع ہیں۔ لیکن جیسا کہ آپ نے نہایت مہربانی سے تحریر فرمایا ہے مجھ کو یہ سب کچھ تکلیف اور مالی نقصان قوم کے فائدہ کی غرض سے برداشت کرنا چاہئے۔ اگر دیگر ٹرسٹی صاحبان کی مرضی بھی یہی ہو اور وہ میرے ہی ضعیف اور مفلس کندھوں پر اس بوجھ کو رکھنا پسند کریں اور گورنمنٹ بھی میرے تقرر کو اس عہدہ پر اطمینان کی نگاہ سے دیکھے تو درحقیقت اوس وقت مجھ کو اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہے گا کہ قوم کے فائدہ کی غرض سے میں اپنی تکلیف اور مالی نقصان پر خاک ڈالوں اور کالج کو اپنے ہاتھوں میں لوں اور اس کے بعد جو کچھ بھی میرے امکان میں ہوگا میں اس کو اس غرض سے کام میں لاؤں گا کہ جو اعتبار قوم نے ٹرسٹیان کالج کے ذریعہ سے میرے اوپر کیا ہو میں اپنے آپ کو اوس اعتبار کا مستحق ثابت کروں لیکن اس کے ساتھ مجھ سے یہ امید نہ رکھنی چاہئے کہ میں اس عہدہ کے حصول کے لئے جو میرے لئے کوئی پھولوں کی سیج نہ ہوگی اپنی طرف سے کوئی امیدوارانہ کوشش عمل میں لاؤں گا۔ میں نہ کسی اپنے دوست کو نہ کسی ٹرسٹی کو اور نہ کالج کے اسٹاف میں سے کسی کو اور نہ کسی طالب علم کو اور نہ کسی اخبار کو اس کام کے لئے اپنی طرف سے تکلیف دینا پسند کروں گا کہ وہ میرے لئے ووٹ جمع کرنے میں مہربانی سے مجھ کو مدد دیں اور آخر بات جو مجھ کو اس کے متعلق اور آپ سے عرض کر دینی ہے وہ یہ ہے کہ جس وقت تک وہ گھنٹہ آجاوے جب کہ میں آنریری سیکریٹری کے عہدہ کا چارج اپنے ہاتھوں میں لوں میں اپنی کارروائیوں میں بہ حیثیت مشتاق حسین ویسا ہی اپنے آپ کو آزاد سمجھوں گا جیسا کہ اس وقت

آزاد سمجھتا ہوں اور جس سے نہ کالج کو کوئی تعلق ہے نہ کالج کی سیکریٹری شپ کو۔

آپ نے اپنے عنایت نامہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ابھی میں اس معاملہ کو پرائیویٹ سمجھوں لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں آپ کو مجاز کرتا ہوں کہ آپ میرا یہ عریضہ خواہ دوسرے ٹرسٹیوں کے سامنے پیش کریں خواہ عام طور پر اوس کو مشتہر کریں۔ والسلام

خاکسار۔ مشتاق حسین

(اس خط کی پشت پر نواب محسن الملک بہادر نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے)

خط نمبر ۱۷۳ -

جناب من - خط مطلوبہ واپس ہے - اللہ خیر کرے - کیوں واپس مانگا ہے فقط

مہدی علی

محسن الملک موسومہ وقار الملک

خط نمبر ۱۷۴ - ۱۱ر اگست -

جناب من - آپ کے دو عنایت نامے پہونچے - میں بیمار ہو گیا تھا اور غیر معمولی حالت پیدا ہو گئی تھی - دو روز تک شام کو دوران سر ہوتا اور غشی کی کیفیت طاری ہوتی اور ہزیان بکنے لگتا بے خبری کی حالت (میں) مارنے کو اُٹھتا - ڈاکٹر نے خود ایک روز یہ حالت دیکھی اور کہا کہ صرف گرمی اور دماغ پر حرارت کے اثر ہونے کا سبب ہے مگر تیسرے روز خوب ...... بارش ہوئی اور یہ حالت جاتی رہی - علی حسن اور عباس بھائی بھی یہ کیفیت سن کر آئے تھے اور ایک روز رہ کر علی حسن دہلی چلے گئے - آپ نے جو کچھ سیکریٹری شپ کے (متعلق) لکھا اوس سے معاملہ صاف ہو گیا - آپ کو خود کب خواہش تھی اور کس بھلے آدمی کو جو درحقیقت کام کرنا چاہے اور صرف قوم کے خیال سے تکلیف اٹھانا منظور کرے کب خواہش ہو گی کہ وہ کوئی عہدہ لینا پسند کرے جس میں سو طرح سے خود غرضی کا الزام لگایا جاوے اور بے وجہ ایک فریق سمجھا جاوے اور مخالفت کا ذریعہ

مہیّا کرے۔ آپ خاموش رہتے لیکن اگر قوم آپ سے کسی روز بہ منت کہے تو بلاشبہ اپنے اوپر یہ مصیبت چند روز کے لئے گوارا کرنا چاہئے۔ اب رہا آپ کا اکتوبر میں پولیٹکل جلسہ میں شریک ہونا یہ پیچیدہ مسئلہ ہے۔ جب آپ وعدہ کر چکے ہیں شریک ہونا ضروری ہے۔ مگر وہی دن انتخاب سیکریٹری کے ہوں گے اور بعد اس کے کہ آپ پولیٹکل جلسہ کے ایک حامی ممبر ہوں مشکل ہوگا کہ اوسی وقت آپ کا انتخاب کیا جاوے اور گورنمنٹ اسے بدگمانی کی نظر سے نہ دیکھے یا بالائی دباؤ یا خیالی خوف سے اوس کی نسبت اپنی رائے منظوری کی دیں۔ آپ کے شریک ہونے سے ضرور دقت پڑ جائے گی اور معاملہ زیادہ پیچیدہ ہو جاوے گا اور مجھے اندیشہ ہے کہ بعض لوگوں کی مخالفت کرنے کے لئے اچھا حیلہ مل جاوے اور تائید کرنے والوں کو گورنمنٹ کے خیال سے تائید کرنے میں پس و پیش ہو۔ یہ معاملہ بہت غور طلب ہے اور اس کا تصفیہ تحریر سے نہیں ہو سکتا اور بظاہر ملنا بھی معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ میں ۱۰ ماہ حال کو کاٹھیاواڑ جانا چاہتا ہوں اور شاید شروع اکتوبر سے پہلے واپس نہ آؤں۔ فقط مہدی علی

خط نمبر ۱۷۵۔ ۱۲ اگست۔

محسن الملک موسومہ وقار الملک

جناب من۔ عنایت نامہ متعلق بورڈنگ ہوس کے پہونچا۔ اس معاملہ میں دو امر تجویز طلب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا نام میک ڈانل بورڈنگ ہوس رکھا جاوے دوسرے یہ کہ کس نقشہ کا اور کہاں بنایا جاوے۔ امر اوّل کے لئے سب سے پہلے ہز آنر کی منظوری ہونی چاہئے۔ بعد ان کی منظوری کے نام بھی رکھا جاتا اور اس کے لئے اجنڈا جاری کرنا اور نقشہ وغیرہ بھیجنا کچھ ضرور نہیں ہے دوسرے

بورڈنگ ہوس کا نقشہ اور اسٹیمیٹ حساب کو سب ٹرسٹیوں کے پاس بھیجنا ایسا کبھی ہوا نہ ہوسکتا ہے نہ اس طرح کام چل سکتا ہے۔ بھلا جو ٹرسٹی دور کے ہیں اور جو کچھ جانتے نہیں وہ کیا رائے دیں گے۔ ہاں یہ مناسب ہوگا کہ جو ٹرسٹی اجلاس میں موجود ہوں اُن کے سامنے نقشہ اور اسٹیمیٹ پیش کیا جاوے اور موقع بھی ان کو دکھایا جاوے۔ آپ براہِ مہربانی دوبارہ غور کرکے پھر اپنی آخری رائے سے اطلاع دیجئے کہ ہز آنر کے نام پر بورڈنگ ہوس بنانے کی درخواست کی جاوے یا اجلاس بجٹ پر ملتوی رکھی جاوے اور چونکہ اجلاس اکتوبر کے آخر میں ہوگا اس وقت ہز آنر سے پوچھنے کا وقت نہ ہوگا۔ مہدی علی

ایک ضروری معاملہ پر توجہ فرمائیے۔ اب کی مرتبہ کانفرنس کی کہیں سے دعوت نہیں آئی نہ اُمید ہے۔ آپ کیا حامد علی[۱۷۸] صاحب کو آمادہ کر سکتے ہیں کہ لکھنؤ میں کانفرنس کے بولانے کا وہ انتظام کریں۔ مہدی علی

(مندرجہ بالا خطوط نمبران ۱۷۴، اور ۱۷۵ رسالہ نقوش لاہور میں شائع ہو چکے ہیں۔ مولف)

ش۱۷۸ بیرسٹر ایٹ لا ساکن امروہہ کنبوہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ڈپٹی حکیم امجد علی خاں خستا امروہوی کے بڑے صاحبزادہ اور خان صاحب نواب علی خاں صاحب مؤلف شمس التواریخ کے بڑے بھائی تھے۔ مولوی امداد احمد زبیری صاحب (علیگ) ساکن میرٹھ کا بیان ہے کہ انگلستان کی سوسائٹی میں بڑی قدر و منزلت سے یہ صاحب دیکھے جاتے تھے۔ اردو انگریزی ادب پر حاوی تھے۔ یو۔ پی صوبہ کے مشہور مسلمانوں میں یہ پہلے شخص ہیں جو کانگریس میں شریک ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں چنی لال صاحب نے اپنی کتاب EMINENT INDIANS میں جن ۲۶ لوگوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہیں پنڈت لشن نارائن دُر صاحب بیرسٹر نے اپنی کتاب SCIENCE OF THE TIMES کو انہی کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

خط ۱۷۶ - ۱۳ر اگست -

محسن الملک موسومہ وقار الملک

جناب من - آپ کا خط میں نے آفتاب احمد خاں کو بھی دکھایا ان کی بھی وہی رائے ہے جو میری تھی کہ اگر آپ پولیٹکل جلسہ میں جو اکتوبر میں قرار پایا ہے شریک ہوں تو آپ کے انتخاب سیکرٹیری کی تجویز میں دقت ہوگی - گورنمنٹ ضرور خیال کرے گی کہ ایسا شخص جو پولیٹکل ایجی ٹیٹر ہے وہ سیکریٹری کیا جاتا ہے اور ضرور ہے کہ گورنمنٹ پھر وہی طریقہ اختیار کرے جو میرے ساتھ کیا تھا اور رسم انتخاب کرنے والوں اور رائے دینے والوں کو بھی مشکل ہوگی اور یہ شبہ اپنی نسبت ظاہر کیا جاوے گا کہ وہ شخص سیکریٹری تجویز کیا جاتا ہے جو پولیٹکل ایجی ٹیشن کا شریک ہے اور پھر اس پر بھی آپ کا انتخاب کیا گیا - (جس میں میرے نزدیک بہت دقت ہوگی) تو آپ کو وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو میں نے کیا گو آپ اسے پولیٹیکل کمیٹی میں پیش کر کے ان کی اجازت سے کریں گے اور گو کسی طرح پر آپ اس سے پھر علیحدہ ہوں پبلک کو وہی اعتراض ہوگا جو مجھ پر ہوا - اس لیے آپ دوبارہ غور کریں اور کوئی ایسا راستہ نکالیں کہ آپ کے انتخاب میں وقت نہو - پولیٹکل جلسہ کی کامیابی مشتبہ ہے اور علی گڑھ کالج کا نقصان یقینی ہے - اور بہت افسوس ہوگا اگر آپ ے ان دونوں کو ... نہ کیا اور آپ نے سیکرٹری شپ کو پولیٹیکل جلسہ میں شریک ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا - یہ معاملہ بالمشافہ طے ہونے کے قابل ہے مگر افسوس

(نوٹ باقی از صفحہ ۴۱۱) نام پر معنون کیا ہے اور لالہ سری رام صاحب دہلوی نے مشہور کتاب "خمخانہ جاوید" میں جو پانچ جلدوں میں ہے حامد علی خاں صاحب کا ذکر بڑے احترام کے ساتھ کیا ہے ان کی شادی مولوی کاظم علی خاں صاحب ایڈوکیٹ و اسپشل فرسٹ کلاس مجسٹریٹ رئیس امروہہ کی خالہ سے ہوئی تھی مگر لاولد رہے - ۱۹۱۸ء میں بہ مقام لکھنؤ انتقال ہوا - بانس بریلی میں ۱۲ر دسمبر ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے تھے - مولف

ہے کہ بظاہر اب اکتوبر تک ملاقات نہ ہوگی - آپ کو تکلیف دینے کو دے نہیں سکتا اور میں ۱۹ر اگست دورہ پر جانا ملتوی کر نہیں سکتا - فقط مہدی علی

خط نمبر ۱۷ - امروہہ - ۱۴ر اگست ۱۹۰۱ء

وقار الملک موسومہ محسن الملک

جناب مخدومی و مکرمی سلامت - تسلیم - والا نامے نے عزت بخشی - اپنے اور نواب آفتاب احمد خاں صاحب کے مہربانی آمیز خیالات کا شکریہ قبول کیجئے میں صرف اپنی ذات کا ذمہ دار ہو سکتا ہوں نہ کہ دوسروں کا - مجھ سے آپ نے فرمایا کہ تم کو قومی بھلائی کیواسطے اپنے اوپر تکلیف اور اپنا نقصان دونوں گوارا کرنے چاہیں - میں نے اس کو جہاں تک واجبی سمجھا منظور کیا اور جن شرائط یا جس توضیح کے ساتھ میں نے اس کو منظور کیا وہ میرے نزدیک ایسی نہیں ہے جو ناقابل قبول ہو - اب اگر دوسرے ٹرسٹی اس کو ناقابل سمجھیں تو یہ ان کا فعل ہے - بے شک ان کو اختیار ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کریں مگر میں بھی اس بات پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اگر میرے نزدیک ان کی رائے صحیح نہو تب بھی میں انہیں کے خواہشات اور خیالات کا اتباع کروں یہ صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو کالج کے سیکرٹری کے عہدہ کو اپنی کسی ذاتی غرض سے اختیار کرنا چاہتا ہو اور میں اب عنداللہ اس الزام سے بری ہوں گا کہ میں نے کالج کی بہبودی چاہنے میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی کی تھی - سیکرٹری شپ کا معاملہ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ آخر اکتوبر میں پیش آوے گا میں ان کی نسبت پھر بہ ادب عرض کرتا ہوں کہ آخر اکتوبر میں نہیں بلکہ آخر نومبر میں اور ہر ایک چیز اس وقت کے حالات پر منحصر ہوگی - یہاں تک کہ یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ آپ ہی ٹرسٹیوں کے اس اصرار کو اس وقت قبول فرمالیں کہ بدستور آپ ہی سیکرٹری رہیں اور یہ تو میں نے صاف صاف لفظوں میں عرض کر دیا ہے کہ میں

ہوں یا دوسرا کوئی ہو گورنمنٹ کا اس کے انتخاب کو منظور کرنا مقدم امر ہوگا۔ مگر آپ نہ دیدن و موزہ از پا کشیدن کا مصداق بننا ہم کو کچھ ضرور نہیں ہے۔ یہ بھی بیشک صحیح ہے کہ ٹرسٹیوں میں بعض ایسے افراد بھی ہیں جن کو اختلاف کے لئے حیلہ ہاتھ آوے گا لیکن .... خدا کا شکر ہے کہ باوجود ان بے احتیاطیوں کے جو ٹرسٹیوں کے انتخاب میں بعض اوقات ظہور میں آئی ہیں ابھی ایسے ٹرسٹیوں کی تعداد صرف انگلیوں پر شمار ہو سکتی ہے۔ اس خیال کے لوگوں کی میجارٹی نہیں ہے اور جس دن خدانخواستہ ایسے حضرات کی میجارٹی ہو جاوے گی اس دن آپ کا کالج اس قابل نہ رہے گا کہ کوئی بھلا آدمی اس میں ٹرسٹی رہنا منظور کرے۔ میں جواب تک ٹرسٹی ہوں ٹرسٹیوں کی قابل اطمینان میجارٹی ہی کے بھروسہ کی وجہ سے ہوں۔ بعض دوستوں سے میرا یہ وعدہ ہے کہ میں پولیٹیکل جلسہ میں شرکت کروں گا۔ میری خود اپنی ......[179]..... خواہش بھی اوسی وعدہ پر پوری طرح منطبق ہے اور صرف یہی نہیں ہے کہ میں اپنے وعدہ کی وجہ سے مجبور ہوں۔ اس قسم کے وعدے ہمیشہ واقعات کے تابع ہوا کرتے ہیں ایک قسم کی خلاف ورزی پر جب کفارہ ادا کر کے انسان مشکلات سے سبکدوش ہو سکتا ہے تو اس قسم کے وعدوں کی خلاف ورزی پر بھی کوئی نہ کوئی طریقہ اخلاقی کفارہ کا اختیار کرنا ممکن ہے مگر جب کہ واقعات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور خود میری رائے بھی وہی ہے جو پہلے تھی تو میں صرف وعدہ غریب کو اپنی کارروائی کا حیلہ بنانا نہیں چاہتا۔

میرا یہ جواب بھی مہربانی سے نواب آفتاب احمد خاں صاحب کو آپ ملاحظہ کرا دیں اور اس پر بھی اگر ان کی وہی مرغی کی ایک ٹانگ ہے تو میں بھی اس کے سوا اور زیادہ کچھ عرض نہیں کر سکتا کہ با بخیر و شما بہ سلامت۔ والسلام۔ خاکسار مشتاق حسین

---

179 الفاظ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھے نہ جا سکے۔ مولف

خط نمبر ۱۷۰ - ۱۴؍ اگست ۱۹۰۱ء

جناب مخدومی و مکرمی نواب محسن الملک بہادر - آنریری سکریٹری -

ٹرسٹیان مدرستہ العلوم سلامت - تسلیم - مہربانی سے اپنے ۱۲؍ اگست کے والانامہ موصولہ امروزہ کا شکریہ قبول فرمائیے - یادگار کے متعلق میں نے بہ تعمیل ارشاد دوبارہ غور کیا اور میں اوسی اپنی پہلی رائے پر قایم ہوں اور یہ امر میں اس وقت بھی جانتا تھا جب کہ میں نے پہلی مرتبہ اپنی رائے عرض کی تھی کہ اس قسم کی کارروائیوں میں جب تک کہ صاحب یادگار اجازت نہ دے ہم اس کے نام کا استعمال اپنے اختیار سے نہیں کرسکتے اور اس واقفیت سے کوئی اثر خلاف میری رائے پر نہیں پڑتا - بورڈنگ ہوس کے نقشہ و اسٹیمیٹ وغیرہ کے متعلق جناب کا یہ ارشاد کہ ایسا نہ کبھی ہوا اور نہ ہوسکتا ہے اس کی نسبت میں ادب سے یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ "ہوسکتا ہے" یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے بلا دلیل میں اس کو ناممکن نہیں مان سکتا اور "ایسا کبھی نہیں ہوا" اس کے متعلق یہ عرض کرنا کافی ہے کہ جو کچھ جناب سرسید مرحوم و مغفور اپنے اختیار بر بستا گئے وہ اختیارات ان کے ساتھ مخصوص تھے - فی زمانہ تو جو کوئی سکریٹری ہو اس کو یہ امور ٹرسٹیوں کے غلبہ رائے ہی سے کرنے لازم ہیں ورنہ اس کے کوئی معنی نہ ہوں گے کہ نہایت قلیل قلیل رقوم اور اس درجہ کم وقعت کاموں میں تو ٹرسٹیوں کا عزیز وقت ضایع کرایا جاوئے گا اور اس قسم کے مہتم بالشان امور کے متعلق ٹرسٹی بےچاروں کو دور ہی سے ہوا بتلائی جاوے - اب رہا یہ امر کہ جو ٹرسٹی دور کے رہنے والے ہیں وہ کیا رائے دیں گے اس پر اس وقت غور کا موقع ہوتا ہے جب ایسے افراد ٹرسٹی مقرر کئے جاتے ہیں لیکن جب وہ ٹرسٹی مقرر ہو گئے تو ان کے حقوق اور فرائض اور ذمہ داریاں سب ویسی ہی ہو جاتی ہیں جیسی کہ نزدیک کے ٹرسٹیوں کی - لہٰذا اس امر کو کہ دور کے ٹرسٹی ایسے معاملات میں رائے دیں گے یا نہیں اور اگر

دیں گے تو ان کی رائے صایب ہوگی یا نہیں اور ماننے کے قابل ہوگی یا نہیں اُس وقت کے لئے اوٹھا رکھنا چاہئے جب کہ ان کی رائیں آویں۔ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ بعض دور کے ٹرسٹی کالج کے کام میں بعض نزدیک کے ٹرسٹیوں سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ میں نے ایک صاحب سے سُنا تھا معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے کہ جو بورڈنگ ہوس بنانا منظور ہے وہ تقریباً بیس ہزار ہی کی قیمت کا ہوگا حالانکہ میرے نزدیک یہ حصر کچھ ضرور نہیں ہے۔ گو ہز آنر نے اپنی گورنمنٹ کی جانب سے بیس ہزار روپیہ ہی عنایت فرمائے ہیں لیکن ہم کو بورڈنگ ہوس اور یادگار کو زیادہ مفید بنانے کے واسطے اگر اس سے المضاعف بلکہ اوس سے بھی کچھ زیادہ اور صرف کرنا پڑے تو اس سے دریغ نہ کرنا چاہئے اور اس غرض سے ہم کو یہ دیکھنا ہوگا کہ کہ آیا مد تعمیر کے کسی چندہ میں اتنی گنجائش موجود ہے یا نہیں یا سر سید میموریل فنڈ کی رقم ہم اوس میں مفید طور پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں، اور اب یہ سب اوسی قسم کے مباحثات ہیں جن میں ٹرسٹیوں کے مسکن کے قرب و بعد کو کچھ دخل نہیں ہے وعلیٰ ہذا القیاس ابھی کچھ معلوم نہیں کہ اجنڈا اجاری ہونے پر کون ٹرسٹی کیا رائے ظاہر کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بجٹ کا اجلاس آخر اکتوبر میں ہوگا اور وہ موقع ہز آنر سے اجازت لینے کا نہ ہوگا لیکن کوئی وجہ اس کی معلوم نہیں ہوتی کہ کیوں ہز آنر سے اس وقت اجازت حاصل کرنے کا موقع نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر ہز آنر اس عرصہ میں اپنے عہدہ کو اور ہندوستان کو بھی چھوڑ دیں اور اس کے بعد ٹرسٹی ان سے اوس کی اجازت چاہیں تو وہ میرے نزدیک بہت زیادہ معزز طریقہ ہوگا بہ نسبت اس کے کہ ان کے زمانہ فرماں روائی میں اس قسم کی کارروائی کی جاوے اور خاتمہ بحث اس پر ہے کہ ٹرسٹیوں کا موجودہ مجموعہ قوانین و قواعد دیکھ لیا جاوے اور جو حکم اوس سے مستخرج ہوتا ہو اوسی پر فتویٰ صادر کیا جاوے۔ ابھی حال میں ہز آنر نے الہ آباد یونیورسٹی کے ایک قاعدہ کو ترمیم فرمانے کی

غرض سے ارادہ فرمایا تھا کہ حال ہی میں اس کے لئے کوئی تاریخ اجلاس کی مقرر کی جاوے لیکن جب ہز آنر کی توجہ اس پر چاہی گئی کہ یونیورسٹی کے قانون کے بموجب ایسا جلسہ اس قدر جلد طلب نہیں کیا جا سکتا تو حضور ممدوح نے بطیب خاطر اوایل نومبر تک اس کارروائی کو ملتوی فرما دیا - ہم کو بھی اگر اپنے قانون کی عزت کرنی ہے تو علماء یونیورسٹی کا نمونہ ہمارے سامنے ہے اور اگر مدرستہ العلوم کے ٹرسٹیوں کی کمیٹی کو زمینداروں کا کلب بنا دینا ہے تو اختیار رہے جو صاحب جس قسم کی کارروائی کرنی چاہیں کریں - میری توجہ رائے بھی میں عرض کر چکا ہوں اور میں مشکور ہوں گا اگر میرے یہ دونوں خطوط آپ مہربانی کارروائی رویداد میں شامل کر دیں - میں نے اس موقع پر صرف رویداد کارروائی کا نام لیا ہے - کسی مجلس میں پیش ہونے کا نام اس لئے نہیں لیا کہ جو باضابطہ خطوط اس باب میں مطبوعہ سوم اگست ۱۹۰۱ء جاری ہوئے ہیں ان میں برائے نام بھی اس مسئلہ کے تصفیہ کی غرض سے کسی اجلاس کے منعقد ہونے کا اشارہ تک بھی نہیں کیا گیا ہے - زیادہ والتسلیم - خاکسار - مشتاق حسین - ٹرسٹی مدرستہ العلوم

خط نمبر ۱۷۹ - امروہہ - یازدہم اگست ۱۹۰۱ء

بعالی خدمت جناب نواب محسن الملک بہادر - آنریری سیکریٹری ٹرسٹیان مدرستہ العلوم - علی گڑھ -

جناب من - مطبوعہ عنایت نامہ رقم زدہ ۳ اگست ۱۹۰۱ء مع نقل مراسلہ آنریبل نواب محمد فیاض علیخاں ممتاز الدولہ بہادر پریسیڈنٹ کمیٹی ٹرسٹیان دربارہ ممبر بورڈنگ ہوس جدید بیادگار ہز آنر نواب سر انٹنی میکڈانل صاحب بہادر بالقابہ لفٹنٹ گورنر صوبہ جات متحدہ سیتاپور ہوتا ہوا آج ہی مجھ کو ملا ہے جس کا شکریہ عرض ہے - ہز آنر کے جن احسانات کا ان کاغذات میں ذکر ہوا ہے ان کے احسانات کالج پر اس سے بہت زیادہ ہیں اور وہ سر سید احمد خاں بہادر کی رحلت کے بعد ہی سے نہیں ہوئے بلکہ جناب مرحوم

و مغفور کی حیات میں بھی - لیکن جس طرح کہ ٹرسٹیوں سے یہ رائے طلب کی جاتی ہے اس کے صحیح ہونے میں مجھ کو عذر ہے - میرے نزدیک اس غرض سے ٹرسٹیوں کا باضابطہ اجلاس ہونا چاہئے اور ایجنڈا جاری ہونا چاہئے اور بورڈنگ ہوس کا نقشہ اور اسٹیمیٹ چھاپ کر ٹرسٹیوں کو ایجنڈے کے ساتھ تقسیم کیا جاوے اور یہ بھی بتلایا جاوے کہ زمین کا وہ کون قطعہ تجویز کیا گیا ہے جس پر بورڈنگ ہوس بنایا جاوے گا - اس وقت البتہ ٹرسٹی اطمینان کے ساتھ رائے دے سکیں گے اور جو فیصلہ کریں گے وہ ٹرسٹیوں کا قانونی فیصلہ سمجھا جاوے گا - بجٹ میٹنگ کا ایجنڈا ابھی جاری نہیں ہوا اور جاری ہونے ہی کو ہے - اس میں اس مسئلہ کو بھی شریک کر دیا جاوے - رہا یہ امر کہ اب اس قدر وقت نہیں ہے جو یہ کارروائی کی جاوے اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ اکتوبر میں کوئی تاریخ بہت خاص طرح اس غرض سے رکھائی جا سکتی ہے اور وہ بہت موزوں اور مناسب وقت اس کام کے لئے ہوگا اور بالفرض اگر اس قدر توقف ہو بھی جائے کہ ہز آنر اس بورڈنگ ہوس کی بنیاد نہ رکھ سکیں تو اس کا کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ میرے نزدیک بہ نسبت اس شخص کے جس کی کہ خود یادگار قایم ہوتی ہے اس کا جانشیں زیادہ موزوں شخص ہوتا ہے اس بنیاد کے قایم کرنے کے واسطے - والسلام

خاکسار - مشتاق حسین

بعالی خدمت جناب وقار الملک بہادر ٹرسٹی مدرستہ العلوم - علی گڑھ

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۱ اگست بجواب میری تحریر مورخہ ۲ اگست کے پہونچا، دوبارہ تعمیر بورڈنگ ہوس جدید بیادگار ہز آنر سر انٹونی میکڈانل بالقابہ کے -

آپ اپنے عنایت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس غرض سے ٹرسٹیوں کا باضابطہ اجلاس ہونا چاہئے اور ایجنڈا جاری ہونا چاہئے اور بورڈنگ ہوس کا نقشہ اور اسٹیمیٹ اردو میں چھاپ کر ٹرسٹیوں کو ایجنڈے کے ساتھ تقسیم کیا جاوے اور یہ بھی بتایا جاوے کہ

زمین کا کون سا قطعہ تجویز کیا گیا ہے جس پر وہ بورڈنگ ہوس بنایا جائے گا - بجواب اس کے میں عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اس میں بہت دیر ہوگی - اور ۱۵ ر اکتوبر سے پہلے اجلاس ٹرسٹیوں کا نہ ہو سکے گا اور اس وقت بہت کم وقت رہ جاوے گا کہ ہز آنر سے درخواست کی جاوے اس لئے آپ اپنی اس رائے پر دوبارہ غور فرمائیے - بورڈنگ ہوس کا نقشہ اور اسٹیمیٹ پرنسپل صاحب سے طلب کیا گیا تھا اور پرنسپل صاحب نے اس کو گورنمنٹ میں بھیج دیا تھا اور اس حکم سے واپس آیا ہے کہ ضلع کے انجنیر سے اس پر رائے لی جاوے اور وہ نقشہ اور اسٹیمیٹ پرنسپل صاحب کے پاس ہے - کیا آپ پسند فرماویں گے کہ یہ کارروائی ملتوی کر دی جاوے - اور سالانہ اجلاس تک اس پر کچھ عمل نہ کیا جاوے - براہ مہربانی جو آپ کی رائے ہو اس سے مطلع فرمائیے -

مہدی علی -

آنریری سکرٹیری مدرسۃ العلوم - علی گڑھ

۱۵ ر اگست ۱۹۰۱ء

خط نمبر ۱۸۱ - ۱۵ ر اگست ۱۹۰۱ء

وقار الملک موسومہ محسن الملک

جناب مخدومی - تسلیم - بجواب والا نامہ رقمزدہ ۱۵ ر اگست ۱۹۰۱ء گذارش ہے کہ میری یہ رائے ہرگز نہیں ہے کہ ہز آنر کی یادگار کے متعلق جو تحریک ہوئی ہے اس کا تصفیہ سالانہ جلسہ تک ملتوی کیا جاوے بلکہ جس قدر جلد ہو سکے اس کے واسطے ٹرسٹیوں کے جلسہ کی تاریخ رکھائی جاوے اور اجنڈا جاری کیا جاوے - باقی مراتب مندرجہ والا نامہ کے لحاظ سے میں مشکور ہوں گا اگر آپ مطلع فرماویں گے کہ پرنسپل صاحب نے جو بورڈنگ ہوس کا نقشہ و اسٹیمیٹ گورنمنٹ میں پیش کیا آیا وہ آپ کی اجازت سے تھا یا کس کی اجازت سے اور یا یہ کارروائی خود انہوں نے اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے کی اور بہر حال انہوں نے جس بجیپی کے ساتھ وہ کاغذات گورنمنٹ میں پیش کئے اس کی نقل مع گورنمنٹ کے جواب

کی نقل کے اول مہربانی سے میرے دیکھنے کے لئے بھیج دیجئے اس کے بعد میں اس معاملہ کے

کے متعلق اپنے جواب کا باقی حصّہ عرض کروں گا۔ والتسلیم۔

خاکسار۔ مشتاق حسین

ٹرسٹی مدرستہ العلوم

خط نمبر ۱۸۲ - ۱۸ اگست ۱۹۰۱ء

محسنُ الملک موسومہ وقار الملک

جناب من۔ مجھے پرسوں پھر دورہ ہوا اور غش آیا۔ اب تک طبیعت صاف نہیں ہوئی۔ آپ کے دو عنایت نامے پہونچے۔ متعلق بورڈنگ ہوس کے جو خط میں نے آپ کو لکھا ہے وہ ضابطہ کا نہ تھا۔ موافق عادت کے آپ کے غور کے لئے اپنی رائے لکھی تھی ورنہ ایسی بات کہ اب تک نہ ہوئی نہ آیندہ ہو سکے گی میں کبھی نہ لکھتا جس سے ہر ٹرسٹی کو غلط فہمی کا موقع ملے گا۔ اس لئے میں اس کے اول خط کے جواب میں ضابطہ کی تحریر بھیجتا ہوں۔ اس کا جواب ضابطہ کا دیجئے تاکہ اسے میں بجٹ کے کاغذات کے ساتھ مع آپ کے اول خط کے شامل کر دوں۔

میں نہ اختیار چاہتا ہوں نہ عمارات کے کام میں دلچسپی رکھتا ہوں نہ میری ذاتی کوئی خواہش ایسی ہے جس پر مجھے اصرار ہو اور یہ چند روز جو سیکرٹری شپ کے باقی ہیں ان کو اپنے اوپر مصیبت سمجھتا ہوں۔ خدا کرے یہ کم بخت دن پورے ہوں اور میں اس بلا سے نجات پاؤں۔

بہ نسبت دوسرے معاملہ کے یعنی آپ کے انتخاب سیکرٹری شپ میری وہی رائے ہے جو اب تک تھی کہ سوائے آپ کے کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آتا اس لئے گو آپ کچھ بھی کریں میں اس کی کوشش کروں گا اور کالج کے خیال سے آپ کے سیکرٹری ہونے پر زور دیتا رہوں گا

اگرچہ مجھے خیال ہے کہ قریب اس زمانہ کے جب کہ آپ کا انتخاب ہونے والا ہوگا آپ پولیٹیکل ایسوسی ایشن میں شریک ہو کر ان لوگوں کو جو میرے ہم خیال نہیں ہیں موقع اختلاف کرنے کا دیں گے۔ خدا کرے میری رائے غلط ہو۔ میری طبیعت اچھی نہیں ہے ورنہ کچھ اور بھی لکھتا۔ ۱۰۱ درجہ کا بخار بھی اس وقت ہے۔ مہدی علی

(نواب وقار الملک نے اسی اصل خط کی پشت پر حسب ذیل عبارت اپنے قلم سے درج کی ہے۔ مؤلف)

خط نمبر ۱۸۳۔ اس پرائیویٹ خط کے جواب میں میں نے اس آزادی کی شکایت کے بعد جو مولوی صاحب کو حال کے زمانہ میں دیدی گئی ہے لکھا ہے کہ ایسی حالت میں ٹرسٹیوں سے رائے طلب کرنا محض تضیع اوقات ہے اور کاغذ روشنائی وقلم کا بے جا صرف۔ اور جب کہ اس قسم کی کارروائی سے جی جل گیا ہے تو مولوی مہدی علی صاحب معاف کیجئے اگر میں آپ کے تمام زمانہ سیکرٹری شپ کی کارروائیوں کا ریویو ان دو سطروں میں کر دوں کہ آپ نے علی گڑھ میں بھی وہی کیا جو حیدرآباد (میں) کیا تھا۔

آپ نے علی گڑھ کو ایک نیٹو اسٹیٹ قرار دیدیا ہے اور پریزیڈنٹ کو رئیس ریاست اپنے آپ کو صدر المہام پرنسپل کو ریزیڈنٹ لوکل گورنمنٹ کو گورمنٹ آف انڈیا اور ٹرسٹیوں کو امرائے دربار۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۹ر اگست سنہ ۱۹۰۱ء

(اسی موقع پر وہ خط بھی پڑھتے چلئے جو نواب وقار الملک بہادر نے مندرجہ بالا خط کے بعد خان بہادر مولوی بشیر الدّین صاحب ایڈیٹر اخبار "البشیر" اور بانی ہائی اسکول اٹاوہ کو لکھا تھا یہ خط رسالہ "نقوش" لاہور کے مکاتیب نمبر ۶۵ - ۶۶ بابت ماہ نومبر سنہ ۱۹۵۷ء کے صفحات ۷۲ - ۱۷۳ پر شائع ہوا ہے اور راقم الحروف کو مسلم یونیورسٹی کی عنایت سے آزاد لائبریری میں بمقام علی گڑھ دیکھنے کو ملا۔ مولف)

خط نمبر ۱۸۴۔ برخوردار عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب۔ سلامت۔ السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ

- ادا گست کا محبت نامہ مجھ کو ابھی ملا ہے۔جس معاملہ میں آپ نے لکھا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ نواب محسن الملک بہادر کا ایک مطبوعہ خط بحیثیت آنریری سیکرٹری اس سے قبل مجھ کو ملا جس کے ساتھ نواب فیاض علی خاں صاحب کا ایک مطبوعہ خط بھی شامل تھا موسومہ نواب محسن الملک بہادر اور دونوں کا یہ منشا تھا کہ ہز آنر کی یادگار میں ایک بورڈنگ ہوس بنایا جائے جس کا نقشہ واسیٹیٹ شملہ میں تیار ہوا ہے اور مجھ سے بھی بحیثیت ٹرسٹی رائے طلب کی گئی تھی اور جواب بہت جلد مانگا گیا تھا وہ خط اسی درخواست سے اور ہر ایک ٹرسٹی کے پاس بھی بھیجا گیا ہوگا۔

میں نے ان کو جواب دیا کہ رائے طلب کرنے کا یہ کوئی طریقہ ٹرسٹیوں کے قانون میں نہیں ہے۔ قاعدے کے مطابق آپ کو اس تحریک کے تصفیہ کے لئے ٹرسٹیوں کا جلسہ طلب کرنا چاہئے اور حسب قاعدہ اس کا اجنڈا جاری کیجئے۔

آپ کو غالباً یہ خیال ہوگا کہ اب اجنڈے کے بعد ایک طرفہ ووٹ شماری کا پرانا سہل طریقہ باقی نہیں رہا ہے بلکہ اب دو مہینہ کے فاصلہ سے تاریخ لگائی جاوے گی اور اول مہینہ میں ہر ایک ٹرسٹی کے پاس سے ابتدائی رائیں آویں گی اور جن ٹرسٹیوں کو تحریک سے کوئی اختلاف ہوگا ان کا اختلاف پھر بجنسہٖ چھاپ کر سب ٹرسٹیوں میں بھیجا جاوے گا اور پھر ہر ایک ٹرسٹی کو موقع ہوگا کہ خواہ اپنی پہلی رائے پر قایم رہے اور خواہ دوسری کوئی بھی دے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب موافق ووٹوں کے حاصل کرنے میں پہلی سی آسانی قایم نہیں رہی۔

اس کے جواب میں نواب محسن الملک بہادر نے مجھ کو لکھا کہ وقت اس قدر باقی نہیں ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ وقت بہت باقی ہے اور بالفرض وقت باقی بھی نہیں ہو تو یہ اور بھی اچھا ہے کیونکہ اس قسم کی یادگاریں بجائے اس کے کہ خود اس شخص کی حکومت کے زمانہ میں قایم ہوں زیادہ عزت کی بات ہے کہ اس کے بعد ہوں۔ آخر میں میں نے

لکھا ہے کہ اگر ہم کو اپنے قانون کی عزت کرنی ہے تو اس کے مطابق کارروائی کرنا چاہیئے۔
ورنہ اگر ٹرسٹیوں کی کمیٹی کو زمینداروں کی چوپال قرار دینا ہے تو اختیار ہے جس صاحب کا
جی جس قسم کی کارروائی کو چاہے وہ ویسا کرے۔ میں تو کوئی رائے اس باب میں اس طرح پر نہ دونگا۔

میں نے ان کو یہ بھی لکھا تھا کہ بورڈنگ کا نقشہ اسٹیمیٹ بھی اردو میں چھپوا کر ایجنڈے
کے ساتھ سب ٹرسٹیوں میں تقسیم کرو اور یہ بھی بتلاؤ کہ اس بورڈنگ کا بنانا کون سے
قطعہ زمین پر تجویز ہوا ہے۔ اس پر انہوں نے لکھا ہے کہ ان باتوں کو دور کے رہنے
والے ٹرسٹی کیا سمجھیں گے۔ اور اس پر کیا رائے دیں گے۔ میں نے لکھا کہ اس سے
آپ کو کچھ مطلب نہیں۔ اس امر پر اس وقت غور کیا کیجئے۔ جب آپ کسی کو ٹرسٹی مقرر
کرتے ہیں۔ مگر جب کوئی شخص ٹرسٹی ہے تو اب خواہ دور کا رہنے والا ہے یا قریب کا ہر ایک
کو یکساں حق ہے اور آپ اُن کے اس حق سے بے پروائی نہیں کر سکتے۔

آپ کو تعجب ہوگا جب آپ سنیں گے کہ اس کے جواب میں جناب ممدوح نے
کیا تحریر فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں کہ نقشہ اور اسٹیمیٹ پرنسپل صاحب نے گورنمنٹ
میں بھیجدیا ہے جہاں سے یہ جواب آیا ہے کہ اول ضلع کے انجنیر کی رائے اس پر ہونی
چاہیئے یعنی کہ ٹرسٹی وغیرہ سب پڑے ہوئے جھک مارا کریں۔ وہاں پرنسپل صاحب
اس تحریک کو گورنمنٹ میں پیش بھی کر چکے۔ میں نے اس کے جواب میں آنریری سکریٹری
صاحب سے دریافت کیا ہے کہ آیا پرنسپل صاحب کی یہ کارروائی آپ کی اجازت
سے ہوئی ہے؟ بہرحال جو کچھ پرنسپل صاحب نے گورنمنٹ کو لکھا ہے اور اس
کا جو جواب آیا ہے اُس کی نقل آپ مہربانی سے اول ہمارے دیکھنے کے لئے بھیجئے
اس کے بعد اور جو کچھ لکھنا ہے وہ دیکھا جائے گا۔

اس قدر تو مناسبت سے خط میں میں نے ان کو جواب دیا ہے اور ایک پرائیویٹ
خط اس سے علاوہ میں نے ان کو لکھا ہے۔ اس میں ان کے اس طریقہ کارروائی کی نسبت

بازحد شکایت کی ہے اور شاید کہ میرے وہ الفاظ سخت بھی ہو گئے ہیں غصہ کہاں تک نہ آئے۔ یقیناً ان کو اس سے رنج ہوا ہوگا مگر کیا کیجئے کہ مجبوری ہے۔

یہ کارروائی تو ابھی یہیں تک پہونچی ہے اور اگر وہ ایجنڈا جاری کریں گے تو مجھ کو جو کچھ لکھنا ہوگا میں انشاء اللہ تعالیٰ آزادی سے لکھوں گا بھی مگر آپ اور دیگر ٹرسٹیوں سے اب اس قسم کی امید کر سکتے ہیں؟ نواب محسن الملک بہادر نے بھی لکھا تھا کہ کیا آپ کی رائے میں اس معاملہ کو سالانہ جلسہ تک ملتوی رکھنا چاہیئے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو تحریک پیش ہوئی ہے۔ اس کا تصفیہ جلد ہونا چاہیئے۔ آپ اس اجلاس کی تاریخ مقرر کریں اور ایجنڈا جاری کریں۔

ایک مشتاق حسین نہیں بیس مشتاق حسین۔ ایک بشیر الدین نہیں بیس بشیر الدین نواب محسن الملک بہادر کو اس باب میں چاہے کچھ لکھیں یہ لکھ رکھو کہ ان سے ناممکن ہے اور محال ہے جو وہ اس آزادی کا دسواں بیسواں حصہ بھی اختیار کریں جس کی ان سے خواہش کی جاتی ہے۔ وہاں خدا نے یہ طبیعت ہی نہیں دی۔ اللہ قوم پر رحم کرے۔ والسلام

خاکسار

مشتاق حسین

خط نمبر ۱۸۸۔ امروہہ۔ ۲۰ راگست ۱۹۰۱ء

میں نے نواب محسن الملک بہادر کو لکھ کر ایک کارروائی بھی دکھلائی ہے کہ دیکھو ہزآنر نے چاہا تھا کہ ایک قانونی ترمیم یونیورسٹی کے قواعد میں کرنا ہیں اور اس کے واسطے وہ ۱۷ راگست کو جلسہ طلب کرنے کو تھے مگر جب کہ علماء یونیورسٹی کا خیال ان کو یہ معلوم ہوا کہ اس قدر جلد ایسا قانونی جلسہ طلب نہیں ہو سکتا تو ہزآنر نے اس کارروائی کو اوائل نومبر پر ملتوی کر دیا ہے۔ مگر یہاں تو وہ مثل ہے کہ:

"من چہ می سرایم و تنبورہ من چہ می سراید" مسٹر ارچبولڈ بھی نمرہ اور آزاد

شخص کو بھی نواب محسن الملک بہادر نے اپنے کرنے کے کاموں میں خود زبردستی دخل دے کر تقریباً قریباً دوسرا مسٹر بیک بنا دیا ہے ورنہ اس کے کیا معنی ہوں گے کہ ایک طرف تو ٹرسٹیوں سے رقعوں پرچوں کے ذریعہ سے جلدی جلدی ضابطہ پورا کرنے یا بے ضابطگی کے مکمل کرنے کی غرض سے رائے طلب کی جا رہی ہے اور دوسری طرف مسٹر ماریسن اس تحریک کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کر رہے ہیں ۔

(علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی آزاد لائبریری کی فائل متعلقہ تقرر پرنسپل بابت ۱۹۰۵/۱۹۰۴ء میں سے نواب وقار الملک بہادر کا ایک خط موسومہ نواب محسن الملک بہادر اور ملاحظہ فرمائیے ۔ مولف)

خط ۱۸۶ ۔ امروہہ ۲۳ ستمبر ۱۹۰۴ء

جناب مخدومی و مکرمی سلامت ۔ تسلیم

والا نامہ نے عزت بخشی ۔ ڈاکٹر سید حسن صاحب تو اتنی دور ہیں ۔ میں جو علی گڑھ سے صرف چند ہی گھنٹہ کے فاصلہ پر ہوں مجھ کو اس وقت کے قبل جب کہ آخر جولائی گذشتہ میں ہز آنر کے رونق افروزی کے موقع پر علی گڑھ آنے کا اتفاق ہوا مسٹر کارنا کے متعلق ان حالات میں سے کچھ بھی معلوم نہ تھا اور رائے تو واقعات کے تابع ہوا کرتی ہے ۔ جو حالات ہندوستان میں ٹرسٹیوں کو اب معلوم ہوئے ہیں ان کی اطلاع جب ڈاکٹر میجر سید حسن صاحب کو بھی ہو تب جو کچھ وہ اپنی رائے قایم کریں وہ البتہ قابل غور ہے ۔ اس امر کی نسبت کہ آئندہ تحریریں بند ہونی چاہئیں میں صرف اس قدر عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں کہ اگر آپ مسٹر کارنا کی تائید میں کوئی تحریر و تقریر مناسب نہ سمجھیں گے تو مجھ کو بھی اپنا وقت اس میں صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ میں نے جو کچھ بھی لکھا سب آپ کے جواب میں اور یہ سمجھ کر لکھا ہے کہ سکوت معصیت میں داخل ہوگا اور اس سلسلہ میں ایک تحریر البتہ میں ٹرسٹیوں کی خدمت میں عنقریب ہی اور بھیجنے والا تھا جس میں اس بات پر بحث کی گئی تھی کہ

یوروپین اسٹاف اگر انگلستان میں ایک دفعہ ہمارے انتظام کے خلاف ایجی ٹیشن پھیلادے اور کہے کہ وہاں کی ملازمت ستر شخصوں کی حکومت برداشت کرنی ہے تو اس سے ہم کو بہت نقصان پہونچ جاوے گا اور یہی وہ الفاظ ہیں جو میں نے آپ سے سُنے تھے۔ اپنی تحریر میں اس اندیشہ پر میں نے شرح وبسط سے بحث کی ہے اور اس قسم کے ایجی ٹیشن سے نقصان پہنچنے کے خوف کو میں نے بے اصل ثابت کیا ہے اور اس مباحثہ کے ضمن میں.... گورنمنٹ کی مداخلت اور ٹرسٹیوں کی جائز آزادی سے بھی بحث کی ہے اور اور ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں خیال متضاد نہیں ہیں۔ ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ ہم کو گورنمنٹ سے مدد لینی چاہئے اور ایک وقت ہوتا ہے کہ ہم کو اپنی آزادی کی قدر کرنی چاہئے اسی مضمون میں ایک جگہ میں نے اس دھمکی کا ذکر کرنے کے بعد جو یوروپین اسٹاف کی طرف سے دی جاتی ہے یا دی جاسکتی ہے میں نے یہ فقرہ بھی لکھا تھا کہ نواب محسن الملک بہادر خود ہی ایک ڈراونی شکل پیدا کر دیتے ہیں اور پھر خود ہی اس سے ٹرسٹیوں کو اس طرح ڈراتے ہیں جیسے بچوں کو کسی فرضی ڈراونی شکل سے ڈرایا جاتا ہے لیکن اب جب کہ آپ نے آرنلڈ صاحب کو بلانے کی کارروائی بدون کسی مزید انتظار کے شروع کردی ہے جس کو خدا کامیاب کرے تو میں بھی اپنی اس قسم کی تحریروں کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا اور جو کچھ بھی اس وقت تک ہوا اوس پر مجھ کو درحقیقت بہت زیادہ افسوس ہے۔ میں حتی الامکان آپ کے ساتھ کسی شدید اختلاف سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا تاکہ لوگوں کو غلط فہمی سے یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ حیدرآباد کے بعد پھر ان لوگوں میں وہی جھگڑا یہاں بھی شروع ہوا۔ وہاں انہوں نے ریاست کو تکلیف میں مبتلا کیا اور یہاں یہ کالج کو نقصان پہونچادیں گے حالانکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ حیدرآباد میں بھی میرا اور آپ کا کوئی نزاع کبھی نہیں تھا۔ آپ جو مشورے دیتے تھے وہ گورنمنٹ کو دیتے تھے اور میں جو اپنے نزدیک مناسب سمجھتا تھا وہ مشورہ میں گورنمنٹ کو دیتا تھا اور بحیثیت معتمد

ہم دونوں ذمہ دار تھے کہ نیک نیتی کے ساتھ اپنی اپنی رائے سے اپنی گورنمنٹ کو مدد دیں چاہے وہ رائیں باہم مخالف ہوں یا موافق لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس مسٹر کار نا والی بحث میں تمام اُن لوگوں نے جن کو اوس پر غور کرنے کا موقع ملا اس اختلاف کو کسی دوسری طرف محمول نہیں کیا بلکہ اگر اس اختلاف کا فیصلہ ووٹ سے ہوتا یا آئندہ ہو تو اُس وقت معلوم ہو جائے گا کہ -

نہ من برآں گل عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار آنند

والسلام - خاکسار - مشتاق حسین

(محض اتفاق سے مولانا حالی کا بھی ایک خط موسومہ نواب محسن الملک آزاد لائبریری میں نظر سے گزرا - چونکہ دلچسپ ہے غیر متعلق ہونے کے باوجود درج کیا جاتا ہے -)

خط نمبر ۱۸۷ - پانی پت ۲۳ ر اگست ۱۹۰۶ء

والاجناب - حسب ارشاد فارم کی خانہ پوری کر کے ارسال خدمت کرتا ہوں پانی پت میں کوئی زیادہ مشہور و نامور آدمی تو موجود نہیں ہے لیکن شریف و معزز آدمی جن کو اس ضلع کے آدمی جانتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں بہت سے ہیں - اگر حکم ہو تو ایسے دس بیس مسلمانوں کے دستخط کرا کے بھیج دوں مگر اس صورت میں دوسرے فارم بھیجنے کی ضرورت ہوگی -

میں پانی پت میں جب سے آیا ہوں برابر بیمار چلا جاتا ہوں - ایک آنکھ میں پانی کی آمد حیدر آباد ہی میں شروع ہو گئی تھی - پانچ چھ مہینے میں اس قدر پانی آیا کہ آنکھ بننے کے قابل ہو گئی ہے - چنانچہ آغاز ستمبر میں بشرط زندگی آنکھ بنوانے کا ارادہ ہے - اس کے سوا تین چار مہینے سے بائیں ہاتھ میں نہایت خطرناک درد رہتا ہے اور ضعف معدہ کی شکایت علیحدہ ہے اور طرح طرح کے آلام روحانی ایسے ہیں کہ زندگی تلخ ہو گئی ہے - تاہم

پبلک لائف بالکل ختم ہوگئی ہے۔ لکھنا پڑھنا اخبار یا کتاب دیکھنا بالکل بند ہے۔ زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں۔ دور از حال آپ کی علالت کی خبر اول اخبار میں پڑھی گئی تھی مگر بہت جلد صحت یابی کی خبر سن کر خدا کا شکر ادا کیا۔

تمغۂ طلائی[۱۸۰] مبارک ہو مگر آپ کے ہوا خواہوں میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جو اس اعزاز سے خوش ہوا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اس کی مبارکباد تک نہ لکھی۔ جو لکچر آپ نے انجمن اسلامیہ بمبئی میں دیا تھا اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ وہ آپ کی جوانی اور کہولت کے زمانہ کی تحریروں کو یاد دلاتا ہے۔ اللہم زد فزد۔

آپ کا تابعدار۔ الطاف حسین حالی۔

خط نمبر ۱۸۸۔

محسن الملک موسومہ وقار الملک

علی گڑھ۔ ۱۴ر ستمبر ۱۹۰۱ء

جناب من۔ خدا خدا کر کے میرے کان کا درد دور ہوا مگر بخار باقی ہے اور بہت ناتوان ہو گیا ہوں۔ ۱۵ر ستمبر کو بڑودہ کو میرے پہونچنے کی تاریخ مقرر تھی اور ٹینگ کے نوٹس بھی جاری کر دئے گئے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ میں نہ جا سکا جو ترمیم دفعہ ۳۲ میں آپ نے تجویز کی تھی اس نے تو بڑی دقت میں ڈال دیا کیونکہ جو اختلاف یا ترمیم کسی تحریک مندرجہ اجنڈا سے کسی ٹرسٹی نے کیا ہو وہ دونوں کے دفتر میں پہونچ جانے کے پانچ دن کے اندر نقل کرا کے ٹرسٹیوں کے پاس بھیج دینے ہوں گے۔ ابھی جو چند ووٹ آئے ہیں جن کی تعداد صرف چار ہے ان میں جو ترمیمات یا اختلاف کئے گئے ہیں اس کے کم سے کم ۱۵ صفحے

۱۸۰۔ "۱۹۰۶ء میں ان کو تمغۂ طلائی قیصر ہند عطا کیا گیا جو خدمت عام کا ایک قیمتی صلہ ہے اور اکتوبر میں ہز آنر سر جیمس لاٹوش نے کالج وزٹ کے موقع پر حسب قاعدہ وہ تمغہ پہنایا" (مزید تفصیل صفحات ۱۳۳ تا ۱۳۶ کتاب "تذکرہ محسن" مصنفہ محمد امین زبیری صاحب میں ملاحظہ ہو۔ مولف)

ہوں گے - اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ان ترمیمات و اختلاف کی نقل خاصی ایک کتاب ہوجاوگی جس کا چھاپنا پانچ دن کے اندر کیا پندرہ دن میں بھی ممکن نہ ہوگا - بہرحال کوشش کی جاویگی لیکن ممکن نہیں کہ پانچ دن کے اندر تعمیل ہو سکے - کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ آپ اس مہینہ کی ۲۷ یا ۲۸ تاریخ کو دو دن کے لئے یہاں تشریف لاویں اور اپنے کہے کی لاج رکھیں یعنی دیکھ لیں کہ بموجب دفعہ ۳۲ کے جس کی آپ نے ترمیم کرائی ہے کیا کرنا چاہیئے - خدا کے لئے کچھ تو مدد دیجئے اور ان دو جلسوں کی جن کا انجام دنیا بدقسمتی سے میرے ذمہ ہے مصیبت میں میرے شریک ہوجئے [۱۸۱] -

آپ نے اخبار میں حیدرآباد کے متعلق سرسید کی پالیسی یاد دلائی اس کا میں ممنون ہوں - مجھے پہلے ہی اس کا خیال ہے اور آیندہ اور بھی احتیاط رکھوں گا - کانفرنس میں آپ کو مدراس چلنا ہوگا - ابھی سے میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ کوئی عذر آپ کا سُنا نہ جائے گا اور اس کانفرنس میں ممبر بنانے کے لئے کوشش کرنا آپ کا فرض ہوگا - درحقیقت میں اس وقت آپ کا کام کر رہا ہوں لاٹوش صاحب لفٹینٹ گورنر ہونے کی نسبت جو آپ نے لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے - بغیر اپنی کوشش کے نہ دنیا کا کوئی کام ہوسکتا ہے نہ دین کا -

بھائی مشتاق حسین - آپ یقین مانو کہ میں نے بہت تکلیف اوٹھائی اور آئندہ کسی طرح پر میں سیکرٹری کا کام نہ کروں گا - یہ تو معلوم ہے کہ بظاہر بعض احباب اصرار کریں گے مگر میں مجبور ہوں - مجھ سے یہ بوجھ نہیں اوٹھ سکتا اور اس کے لئے آپ پر بالضرور یہ بوجھ رکھا جاوے گا اور میں کوئی دقیقہ آپ کو مدد دینے اور کالج کا کام کرنے کا اُٹھا نہ رکھوں گا - اور جو کام اب کرتا ہوں اس کا بڑا حصہ جو دورہ کرنے اور لوگوں کو کالج

---

[۱۸۱] یہاں پر خانگی امور سے متعلق ایک فقرہ حذف کر دیا گیا ہے - مؤلف

کی طرف مائل کرنے کا ہے وہ ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ پس درحقیقت اس وقت دو سیکرٹری ہوں گے اور اُمید ہے کہ دونوں اپنا اپنا کام اچھی طرح کریں گے۔ مہدی علی

محسن الملک موسومہ وقار الملک

خط نمبر ۱۸۹ -

جناب من - کانفرنس[۱۸۴] نہایت خوبی سے ختم ہوئی - دو ہزار سے زیادہ ممبر اور وزیٹر بنے اور ہزار روپیہ سے زیادہ ممبری اور وزیٹری کی فیس آئی - مدراس کے مسلمانوں نے مراحصہ کام بٹالیا حالات میں تبدیلی ہوئی - انگریزوں اور ہندوں پر اچھا اثر ہوا - انگریزی اخباروں نے خوب تعریفی آرٹیکل لکھے گورنر صاحب بھی آئے اور خوش گئے - میں مدراس میل کا آخری آرٹیکل آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں - میں یہاں آیا - بمبئی، بڑودہ - احمد آباد سورت پھرتا ہوا اور اگر چندہ ملا تو وصول کرتا ہوا قریب ۱۰ / ۱۸ جنوری کے علی گڈھ پہونچوں گا [۱۸۳]...... آپ، مکان تلاش کر لیجئے - میں اپنے ارادہ پر قایم رہوں گا اور سیکرٹری شپ کا بار آپ کی گردن پر پڑے گا - مجھے آپ اپنا بڑا مددگار اور سپورٹر پاویں گے - ہم آپ مل کر خوب کام کریں گے اور دنیا کو دکھا دیں گے کہ دو مختلف الخیال، مختلف الطبیعت - مختلف الرائے بل کر قومی کام کیسے اتحاد اور اتفاق سے اور مل جل کر چلاتے ہیں فقط - مہدی علی

(رسالہ نقوش لاہور میں اس خط ۱۸۹ کی عبارت صرف "علی گڈہ پہونچوں گا" تک شریک ہوئی ہے - اور آخری فقرہ چھوٹ گیا ہے - مولف)

---

[۱۸۳] دیمک زدہ الفاظ یہاں پڑھے نہیں جا سکے -

[۱۸۴] مولوی انوار احمد صاحب مرحوم کی مرتبہ کتاب خطبات عالیہ" کے حصہ اول کے صفحہ ۸۰ سے واضح ہے کہ یہ اجلاس بہ مقام مدراس ۱۹۰۱ء میں زیر صدارت مسٹر باڈم منعقد ہوا تھا - مولف -

خط نمبر ۱۹۰ - ۲۰ ستمبر ۱۹۰۱ء

جناب مخدوم و مکرم بندہ نواب وقار الملک بہادر - آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۱ و ۱۵ ستمبر کا جواب بیماری کی وجہ سے نہ لکھ سکا - اگرچہ اچھا نہیں ہوں مگر بخار پہلے سے کم ہے - پریسیڈنٹ صاحب نے انگریزی چٹھی کا مسودہ اب تک میرے پاس نہیں بھیجا صرف اردو کا بھیجا تھا - میں نے انگریزی کا مسودہ بھی ان سے طلب کیا ہے جس وقت آیا آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں گا - اب تک صرف سات ووٹ آئے ہیں اور جن میں اختلاف ہے وہ میں چھپنے کے لئے دینا چاہتا ہوں مگر وقت پر جب بہت سے ووٹ آویں گے اور لمبی لمبی تحریریں ہوں گی تو ان کا چھاپنا مشکل ہوگا - پانچ دن کی مہلت میں اگر تحریر زیادہ ہوئی تو چھپنا مشکل ہے - آیندہ کے لئے اس کا تصفیہ آپ ہی کریں اور آپ خود قانون بنانے میں کم سے کم پندرہ دن کی مہلت ضرور رکھیں میں تو بفضلہ تعالےٰ اس جھگڑے قصے سے جس میں میری طبیعت کو خلجان ہوتا ہے آزاد ہو جاؤں گا ہاں جو مدد آپ مجھ سے لیں گے وہ دل سے خادمانہ کرتا رہوں گا - مگر آپ کو خوب معلوم ہے کہ میں کیا کام کر سکتا ہوں اور کیا نہیں - دفتر کا کام - ضوابط کی پابندی اور صیغہ جات متعلقہ کی نگرانی نہ مجھ سے ہوئی نہ ہو سکتی ہے نہ ہو گی - ہاں بھیک مانگنے کا کام اور باہر جا کر لوگوں کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دینا مجھ سے ہو سکے گا اور غالباً یہی کام آپ مجھ سے لیں گے اور یہ خیال آپ چھوڑ دیں ...... میں ٹرسٹیوں کے اصرار پر پھر سیکرٹری بننا قبول کر لوں گا حقیقت یہ ہے کہ مجھ سے یہ کام ہو نہیں سکتا اور میں خوب جانتا ہوں کہ مجھ سے اچھی طرح انجام نہیں ہوا - موجودہ حالت میں اس کام کا انجام دینا مجھ سے ناممکن ہے اور ضوابط و قواعد کی پابندی اور بغیر کسی مددگار کے دفتر کا کل کام کرنا اور ہر صیغہ کی نگرانی رکھنا مجھ سے ناممکن ہے - علاوہ برایں اس گرمی اور برسات میں یہاں رہنے سے میری صحت بگڑ گئی - میں سوائے جاڑہ کے دنوں کے

یہاں رہ نہیں سکتا اور ابھی میں قوم کا ایسا فدائی نہیں ہوا ہوں کہ جان ہی نذر کردوں۔ میں عنقریب ضابطہ کا نوٹس ٹرسٹیوں کے نام جاری کرنے والا ہوں کہ وہ ابھی سے دوسرے سیکرٹری کا (نام) پیش کریں اس لئے کہ نومبر میں سالانہ اجلاس کا اجنڈا جاری ہونا ضروری ہے۔ میں تو نہیں سمجھتا کہ کوئی ٹرسٹی بھی سوائے آپ کے دوسرے کو تجویز کرے گا۔ میں آپ کو پھر یقین دلاتا ہوں اور صدق دل سے کہتا ہوں کہ جس کام کے لایق میں ہوں اگر وہ آپ مجھ سے لینا چاہیں گے تو میں برابر کرتا رہوں گا اور آپ کی سیکرٹری شپ کو اپنی ہی سیکرٹری شپ سمجھوں گا اگرچہ آپ نے جیسی مدد چاہئے وہ نہیں دی اور جیسا کام آپ کو کرنا چاہئے تھا وہ آپ نے نہیں کیا مگر جیسا کہ وقتاً فوقتاً آپ نے لکھا کچھ خانگی اور کچھ پوزیشن کے وجوہ ایسے تھے کہ آپ یہاں نہ رہ سکے اور خود جو آپ کرنا چاہتے تھے نہ کر سکے۔ مگر پھر بھی جو مدد آپ نے دی اس کا میں دل سے مشکور ہوں اور یہ آپ کا لکھنا بالکل سچ ہے کہ جہاں تک میری اور آپ کی ذات کا تعلق ہے ہم دونوں میں کالج کے معاملات میں کسی بڑے اختلاف کا ہونا شاذ و نادر اشذ ہے اور مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ بھی سیکرٹری شپ کو دل سے پسند نہیں کرتے اور اس کی مشکلات سے بچنا چاہتے ہیں صرف ایک قوم کا خیال انکار کا مانع ہے۔ ورنہ کانٹوں کے بستر پر لیٹنا کون پسند کرے گا اور اب تو سیکرٹری شپ درحقیقت کانٹوں کا بچھونا ہے۔ مولوی نذیر احمد نے سیکرٹری (ٹرسٹی) شپ سے استعفیٰ نہیں دیا۔ جیسی کہ ان کی عادت ہے کبھی کبھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں ووٹ دینے کے جھگڑے میں کیوں پڑوں۔ میں ٹرسٹی شپ ہی چھوڑتا ہوں۔ کانفرنس میں جب ان کو تکلیف دی جاتی ہے تب وہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ مجھ کو افسوس ہوا کہ آپ نے ابھی سے مدرس جانے سے انکار کر دیا۔ چونکہ آپ جس بات کو طے کر لیتے ہیں پھر نہیں مانتے مجھے اس معاملہ میں لکھنا فضول ہے مگر یہ تو فرمائیے کہ سال آئندہ جب آپ ہی سیکرٹری کانفرنس

کے بھی ہوں گے کیونکر جانے سے انکار کریں گے - میرے گھر میں آداب کہتی ہیں اور میرا آداب بھی اپنے محل میں کہہ دیجئے - یہ تو فرمائیے کہ قانونی کمیٹی میں کیا ہو رہا ہے اور آپ کب سیتاپور تشریف لے جاویں گے - محمد احمد صاحب جس سے ملتے ہیں کہتے ہیں کہ کالج کی حالت بہت خراب ہے اور کالج برباد ہو رہا ہے - کمشنر بریلی اور مسٹر وڈبرن لفٹنٹ گورنر بنگال سے بھی اُنہوں نے یہی فرمایا - حقیقت میں کیسے اچھے اسسٹنٹ ہم کو ملے ہیں - یہ تو فرمائیے کہ اسسٹنٹ سیکرٹری کا عہدہ بھی دو ہی برس کے واسطے ہے یا قانون میں ان کا نام مندرج ہو جانے سے وہ لالف اسسٹنٹ سیکرٹری ہوں گے - پہلی صورت میں اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدہ پر بھی ٹرسٹیوں کو کسی شخص کا نام زد کرنا ہوگا مگر اس جائنٹ سیکرٹری اور اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدہ کا انتخاب آئندہ سیکرٹری پر چھوڑا جاوے گا - والسلام - مہدی علی -

(ہمارا یہ خط نمبر ۱۹۰ رسالہ نقوش کے حصہ اول کے صفحات ۲۰۲ — ۲۰۳ پر شائع ہوا ہے مگر اس میں اول تو کئی جگہ پر عبارت چھوٹ گئی ہے دوسرے اصل خط کا تقریباً نصف حصہ حذف کر دیا گیا ہے - پھر شائع کردہ خط کے آخر میں جو الفاظ "کوئی پولیسی بھیج کر" درج کئے گئے ہیں وہ اس اصل خط میں سرے سے موجود ہی نہیں ہیں، شاید سہواً خط نمبر ۱۹۰ کا یہ جزو اس جگہ شریک ہو گیا ہے - مولف)

خط نمبر ۱۹۱ - علی گڈھ - ۲۰ ستمبر ۱۹۰۱ء

جناب مخدوم مکرم بندہ نواب وقار الملک بہادر ....[۱۸۴]

آپ کی رائے کہ سب پراکٹروں کی تعداد محدود نہ کی جائے بلکہ بدرجہ اوسط ایک خاص تعداد

---

۱۸۴ اس خط کا یہ ابتدائی حصہ چونکہ خانگی امور سے متعلق ہے اور عوام کی دلچسپی کا نہ تھا اس لئے حذف کیا گیا - مولف

پر بورڈروں کے ایک سب پراکٹر رہے نہایت مناسب ہے۔ غالباً ہر ایک ٹرسٹی اس کو پسند کرے گا۔ سب پراکٹروں کے تقرر میں کمیٹی دینیات کو دخل ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے اگرچہ دیکھنے میں بہت اچھا معلوم ہوتا ہے مگر بجائے دخل کے لفظ "مشورہ" کا استعمال کیا جائے تو مناسب ہوگا۔ والسلام۔ آپ کا یہ فرمانا کہ یہ سوالات مخالفت کی نظر سے نہیں کرتا غیر ضروری ہے۔ مجھ سے بڑھ کر کون جانتا ہے کہ یہ وہ اختلاف ہے جس کو رحمت کہتے ہیں اور مجھ سے بڑھ کر کوئی اس کی قدر نہیں جانتا۔ والسلام۔

مہدی علی

(خط کا مندرجہ بالا حصہ رسالہ نقوش کے صفحات ۲۰۴ - ۲۰۵ پر شائع ہوا ہے۔مولف)

خط نمبر ۱۹۲ — جناب مخدومی و مکرمی نواب وقار الملک بہادر۔

آپ کا ووٹ پہونچا۔ بہت کوشش کروں گا کہ میعاد کے اندر چھپ جائے اور وقت پر امید ہے کہ ٹرسٹیوں کی خدمت میں روانہ ہو جاوے۔ میں نے اپنے استعفےٰ کا نوٹس جاری کر دیا۔ درحقیقت میری قدرت سے خارج ہے کہ میں اب اس عہدہ کا کام کر سکوں۔ مجھ میں وہ قابلیت ہی نہیں ہے۔ کہ جس کی اس عہدہ کو ضرورت ہے۔ اس عہدہ پر رہ کر آیندہ میں اپنی رسوائی اور فضیحت کرانی نہیں چاہتا اور کیوں انسان تجربہ کے بعد اس ذمہ داری کے کام کو اپنے ذمہ رکھے جس کے پورا کرنے کی اس میں قدرت نہ ہو اور میری طبیعت بھی اچھی نہیں رہتی۔ اس اجنڈا کے کاغذات مرتب کرنے میں عین بیماری کی حالت میں جو مجھے تکلیف ہوئی وہ میں ہی جانتا ہوں اور بیک صاحب[۱۸۵] کی طرح اس جھگڑہ قصہ میں جو آئے دن پیش رہتے ہیں اور آیندہ بڑھتے جاویں گے میں اپنی جان دینا نہیں چاہتا۔ اس لئے آپ اس

۱۸۵؎

پرنسپل ایم۔اے۔او کالج سے مراد ہے جن کا انتقال ۱۸۹۹ء میں ہوا۔ مولف

خیال کو چھوڑ دیں کہ میں ٹرسٹیوں کے کہنے سننے سے پھر اپنا ارادہ بدل دوں گا۔

نہ بھائی ہماری تو قدرت نہیں
کھچیں میر تجھ سے ہی یہ خواریاں۔

آپ بجٹ کے اجلاس میں تو ضرور تشریف لاویں گے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ نہ آویں اور مجلس میں کوئی دوسری صورت پیدا ہو۔ مہدی علی

(اس خط میں "جو مجھے تکلیف ہوئی" تا۔ کی عبارت تو رسالہ نقوش میں درست ہے مگر باقی عبارت اور بیک عنایت حسب ..... تا .... خواریاں" متروک ہے اور جو طویل عبارت درج ہوئی ہے اور نقوش کے صفحہ ۲۱۲ پر شائع ہوئی ہے وہ اس اصل خط کی نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے خط کی ..... غلطی سے اس جگہ شامل کر دی گئی ہے۔ مولف)

خط نمبر ۱۹۳۔ جناب مخدوم مکرم بندہ نواب وقار الملک بہادر۔

آپ کا عنایت نامہ پہونچا۔ میں نے اختلافات اور ترمیمات کی نقلیں کرا کے اور چھپوا کر سب ٹرسٹیوں کے پاس بھیج دی ہیں۔ میں نے کوئی علحدہ یادداشت لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ اتنی طول طویل تحریروں کو کون پڑھے گا اور کون سمجھے گا۔ جو لوگ دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے ان اختلافات سے واقف ہونا کافی ہے جو ٹرسٹیوں نے کئے ہیں۔ میں کہاں تک ہر ایک امر کی نسبت یادداشت لکھا کروں۔ البتہ جو اعتراض اور غلطیاں میری نکالی گئی ہیں، اُن پر کچھ لکھنا چاہتا تھا مگر میں ان کو قبول کرتا ہوں اور اس کا یہی جواب ہے کہ اسی وجہ سے میں اپنے کام کو انجام نہیں دے سکا اور نہ دے سکتا ہوں۔ میں نے خود اپنے آپ کو اس عہدہ کے ناقابل سمجھ کر آیندہ کے لئے معذوری ظاہر کی ہے۔ جو ہوا اس کی تلافی میں نہیں کر سکتا اور وہ ٹرسٹیوں کے نزدیک ضروری اور اہم ہیں (تو) مناسب ہوگا کہ ملامت کا ووٹ جلسہ میں آنریری سیکرٹری کی نسبت پاس کر دیا جائے۔ آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جن ٹرسٹیوں کو اختلاف اپنی پہلی رائے سے ہو وہ پھر اپنے دوسرے

ووٹ پر لکھدیں کہ فلاں شخص کو اجلاس میں اس ووٹ کے پیش کرنے کا اختیار دیا گیا ہے
یہ آپ کی رائے درست ہے۔ میں مطابق اس کے کل ان (۱۸) ٹرسٹیوں کو جن کے پاس
سے ووٹ آئے ہیں آپ کے مشورہ کے مطابق خط بھیج دوں گا۔

میں نے ٹرسٹیوں کے نام جو نوٹس اپنے متعلق جاری کیا ہے اس کی یہ ضرورت پیش آئی کہ بعض ٹرسٹیوں نے مجھے خانگی خط لکھے اور خواہش کی کہ میں اپنا ارادہ ترک کروں اور پھر اپنے لئے دوسرے آفر کے قبول کرنے پر آمادہ رہوں۔ چونکہ یہ خیال کہ میں اپنے ارادہ میں پورا ثابت قدم نہیں ہوں اور لوگوں کو بھی ہوا اس لئے میں نے پہلے سے نوٹس دینا مناسب سمجھا اور اجنڈا جاری کرنے کا وقت بھی نزدیک ہے کیونکہ میں ہفتہ اول نومبر میں اجنڈا جاری کرنا چاہتا ہوں کیونکہ بعد ۱۵ر نومبر کے میں شاید دسمبر تک علی گڑھ میں نہ ہوں۔ اس لئے میں نے ٹرسٹیوں سے درخواست کرنا مناسب سمجھا کہ وہ نام پیش کریں اور میں تو اپنی تجویز سے جو بحیثیت ٹرسٹی کے مجھے حاصل ہے ضرور نام پیش کروں گا۔ میں اگرچہ کالج کے سیکرٹری کا عہدہ چھوڑتا ہوں کالج کو نہیں چھوڑتا اور اس لئے مجھ پر فرض ہے کہ جس شخص کو میں بلا لحاظ ذاتی خیالات کے کالج کے لئے مفید سمجھوں اس کے سیکرٹری ہونے پر جہاں تک جائز طور سے ہو سکے کوشش کروں اکثر ٹرسٹیوں سے مجھے اُمید ہے کہ وہ اس میں میرے ساتھ اتفاق کریں گے اور جس کا نام میں پیش کرنے والا ہوں اس کو پسند کریں گے۔

پراکسی کا قاعدہ جو ووٹ دینے کے لئے دفعہ ۳۲ میں قرار دیا گیا ہے اس کی رو سے یہ طریقہ جائز ہے کہ کوئی ٹرسٹی اپنی طرف سے کسی کو ووٹ دینے کا اختیار دے اور کوئی تحریری ووٹ سیکرٹری کے پاس نہ بھیجے اور جس شخص کو ٹرسٹی پراکسی کا اختیار دے اور وہ جلسہ میں بذریعہ پراکسی کسی دوسرے کی طرف سے رائے دے وہ جائز اور باقاعدہ سمجھی جائے دفعہ ۳۲ کا مضمون مجمل ہے اور اس سے اس طریقہ کی اجازت ظاہر نہیں

ہوتی بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان تحریری ووٹوں کے لئے ہے جو سکرٹری کے پاس بھیجے جاتے ہیں مگر اس کے لئے ایسے ووٹوں کا معیار معینہ دفعہ مذکور کے اندر آنا ضروری ہے۔ ازراہ مہربانی میرے اس سوال کا جواب دینے کی تکلیف گوارا فرمائیے۔ والسلام

مہدی علی

خط نمبر ۱۹۴۔ علی گڈھ۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۰۱ء

جناب نواب وقار الملک بہادر۔

میں نے بر سبر سے دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ جو دو روپیہ اسکول بورڈر وں سے لئے جاتے ہیں اس کی آمدنی اور خرچ کا حساب علیحدہ نہیں رکھا جاتا جس قدر لڑکے اسکول کے ہیں فی لڑکا دو روپیہ آمدنی سمجھ لینا چاہئے۔ یہ حساب کا طریقہ بہت ہی مجمل اور مہمل تھا۔ اب جو آپ نے تحریک کی ہے اس کی منظوری کے بعد ایسے قواعد بنا دیجئے کہ آیندہ یہ دقت نہ رہے۔ بورڈنگ ہوس کا حساب سر سید مرحوم کے زمانہ سے ایسے طریقہ پر چلا آتا ہے کہ تفصیل وار ہر صیغہ کی آمدنی و خرچ کی کیفیت معلوم نہیں ہوتی۔ اب دو برس سے بورڈنگ ہاؤس کا جمع خرچ چھپتا ہے۔ مگر اس سے بھی پوری تفصیل معلوم نہیں ہوتی۔ اب کی مرتبہ چند صیغوں خوراک اور ورزش جسمانی اور کالج میگزین وغیرہ کی کسی قدر تفصیل بھی کرائی گئی ہے جس سے کسی قدر روشنی آمدنی و خرچ پر پڑتی ہے مگر درحقیقت اس کے لئے ایک صریح اور صاف قواعد بنانے کی ضرورت ہے۔

آج مجھے پھر بخار ہے۔ مارلین صاحب کا مضمون پولیٹکل ایسوسی ایشن بر علی گڑھ اخبار میں چھپ گیا ہے۔ آپ اس کو غور سے ملاحظہ فرماویں اور جن مشکلات کا انہوں نے ذکر کیا ہے اس کا سرسری اندازہ نہ کریں۔ میرے نزدیک ان کا مضمون جہاں تک کہ تعلق مشکلات اور دقتوں کا ہے بہت غور کرنے کے لائق ہے اور جو کچھ انہوں نے

ملازمت کی نسبت لکھا ہے۔ اس سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ میں آیندہ اخبار میں اس پر ریمارک لکھوں گا۔ ہندو اور مسلمانوں میں ملازمت کی تقسیم کا صحیح اصول وہی ہے جو کالون صاحب نے ایک موقع پر بیان کیا تھا کہ "برابر ملنی چاہیے"۔ کیا آپ لکھنؤ کے جلسہ میں بالا بالا تشریف لے جاویں گے ہیں اس سے پہلے آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ تو نہ آسکیں گے۔ اگر میری طبیعت اچھی رہی تو میں ہی امروہہ آنے کی کوشش کروں گا۔ جس کام کو لوگ آسان سمجھ رہے ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ بھی میری طرح اس کو مشکل سمجھتے ہیں۔ خدا کرے کہ وہ جلسہ صراط مستقیم اختیار کرے اور کوئی ایسی تجویز نہ کر بیٹھے جس سے مسلمانوں کی حالت اور بدتر ہو جائے۔ دو بڑے مشکل سوال اس مسئلے کے متعلق حل کرنے کے لایق ہیں۔ ایک یہ کہ لایق اور انگریزی خواں اور انگریزی داں کہاں ملیں گے اور دوسرے روپیہ کیونکر جمع ہوگا کسی قسم کی کوئی مجلس قایم کی جائے آنریری اور غیر ذمہ دار آدمیوں کے بھروسہ پر چل نہیں سکتی اور کم سے کم خرچ ماہانہ اتنا ہونا چاہیے جو ماریسن صاحب نے تجویز کیا ہے۔ بظاہر امید معلوم نہیں ہوتی کہ پانسو روپیہ ماہوار مستقل طور پر مسلمان اس کام کے لئے دے سکیں۔ اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن میں یہی دقت پیش آئی۔ جس نے اس کام میں خرچ کیا اس کو ایک بڑا بھاری حصہ اپنی گرہ سے دینا پڑا۔ آفریں و مرحبا کا انبار بہت جمع ہو سکتا ہے۔ مگر روپیہ کا فراہم ہونا مشکل ہے اور اس سے بڑھ کر مشکل لایق انگریزی داں کی ہے۔ بہرحال آپ کی ذات ایک ایسی ہے جس پر بھروسہ ہو سکتا ہے کہ جلدی میں اور بغیر سوچے سمجھے کوئی کام نہ ہوگا۔ میں جہاں تک غور کرتا ہوں پبلک ایجی ٹیشن نہایت مضر ہے۔ نہ اس کا اثر گورنمنٹ پر ہوگا نہ اس میں کامیابی ہوگی۔ بیک صاحب کی تجویز کو ضروری اصلاح کے ساتھ جاری کرنا زیادہ قرین مصلحت ہے گو اس میں بھی مشکلات ہیں اور علم اور قلم اور روپیہ کی مدد ملنا بہت دشوار ہے مگر اگر منتخب اور لایق آدمی ممبر کئے جاویں اور ایک

خاص انتظامی مجلس کا کام کرنے کے لئے علیحدہ کی جاوے اور ایک خاص عملہ کام چلانے کے لئے رکھا جاوے تو اس کی وقعت بہ نسبت پبلک میٹنگ کے گورنمنٹ کی نظر میں بھی زیادہ ہوگی اور نہایت معقول اور دور اندیشی کے ساتھ گورنمنٹ میں درخواستیں پیش ہو سکیں گی۔ بہرحال مجھے اطمینان ہے کہ آپ اس اہم اور نازک پیچیدہ مسئلہ کے مالہٗ و ماعلیہ پر غور کر کے کوئی عمدہ اور مفید تجویز قرار دیں گے۔ بعد خط لکھنے کے برسر کی باضابطہ رپورٹ آئی وہ بجنسہ آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ میرے نزدیک۔ آئندہ کی اصلاح کر دیجئے اور پچھلی باتوں پر صلوٰۃ بھیجئے۔ یہ میں پرائیویٹ طور پر لکھتا ہوں۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے کیونکہ ہر شخص کی طبیعت آپ کی سی نہیں ہوتی کہ .... ذرا سی بات پکڑ کر اپنے دل کا بخار نکال لیتے ہیں اور بورڈنگ ہوس کے انتظام پر جو اب تنگ ہوتا چلا آیا زیادہ لکھنا پرنسپل پر الزام لگانے کا موقع دے گا مگر یہ میری محض خانگی رائے ہے جو میں آپ کو لکھتا ہوں آپ خود جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ والسلام۔ دیکھئے آپ کو کوئی ایسا خادم نہ ملے گا جو بخار اور بیزاری کی حالت میں بھی آپ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔ والسلام

مہدی علی

(مندرجہ بالا خط جو رسالہ نقوش کے صفحات ۲۰۴۔ ۲۰۵ پر درج ہے نامکمل ہے اور درمیان میں فقرہ "حالت اور بدتر ہو جائے" تک شریک ہے اور اس اصل خط کی باقی پوری عبارت متروک ہو گئی ہے اور بعد میں جو فقرہ مبلغ دو روپیہ ماہانہ والا شریک کر دیا گیا ہے وہ اس اصل خط میں موجود نہیں ہے اور غالباً کسی دوسرے خط سے اس جگہ سہواً نقل کر دیا گیا ہے۔ نیز نقوش نے جو عبارت اپنے خط نمبر (۲۰) میں صفحہ ۲۱۲ پر بطور ایک جدید خط کے درج کی ہے وہ دراصل اسی مندرجہ بالا خط کی عبارت کا جزو ہے اور نیا خط نہیں ہے۔ مؤلف)

محسن الملک موسومہ وقار الملک

خط نمبر ۱۹۵۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۰۱ء

جناب من۔ دفعہ ۲۳ قواعد وقوانین ٹرسٹیان کی ضمن ۵ میں جو آپ نے تجویز کیا ہے کہ اگر کسی تحریک مندرجہ اجنڈا سے کسی ٹرسٹی نے اختلاف کیا ہے اور کوئی ترمیم کی ہو تو وہ ترمیم اور اس کی وجہ کی نقل بجنسہ ٹرسٹیوں کے پاس بھیجی جاوے گی اس سے کیا آپ کی یہ مراد ہے کہ جو تحریک منظور نہوئی ہو خواہ ترمیم تجویز کی گئی ہو یا نہیں اور وجہ لکھی گئی ہو یا نہیں وہ سب ٹرسٹیوں کے پاس بھیجی جائے یا صرف وہی تجویز جس میں اختلاف کیا گیا ہو اور اس کی ترمیم کی گئی ہو اور اس کی وجہ لکھی گئی ہو۔ مثلاً کسی ٹرسٹی نے کسی تجویز پر لکھدیا کہ نامنظور اور کوئی اس کی وجہ نہیں لکھی تو کیا اس کی نقل بھی سب ٹرسٹیوں کے پاس بھیج دی جاوے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ فلاں ٹرسٹی نے اس تجویز کو نامنظور کیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو نہایت طول عمل ہوگا اور بڑی دقت پیش آوے گی۔ بہر حال ازراہ مہربانی جلد بواپسی ڈاک اپنی رائے سے اطلاع دیجئے۔ اپنی سیکرٹری شپ سے علٰحدہ ہونے کی نسبت نوٹس جاری کرنا اس لئے جلد ضروری سمجھتا ہوں کہ میں ۱۵ نومبر کے بعد باہر جانا چاہتا ہوں تاکہ کاٹھیاواڑ کا دورہ جو بوجہ بیماری نہ کرسکا اس کو پورا کرلوں اور ضرور ہے کہ ٹرسٹیوں کو اس قدر مہلت ملے کہ وہ باہم صلاح و مشورہ کر کے کسی کو سیکرٹری تجویز کریں اور اس کا نام پیش کریں تاکہ اجنڈا سالانہ میٹنگ میں درج کیا جاوے۔ رہا (سرسید) میموریل فنڈ اور کانفرنس کا کام وہ ضرور میں اپنے ذمہ رکھوں گا اور جب تک کوئی پولیس بھیج کر مجھے اس عہدہ سے نہ نکالے میں خود انہیں نہ چھوڑوں۔ ان عہدوں میں نہ کسی قسم کی پیچیدگی ہے نہ دقت نہ مصیبت نہ تکلیف نہ لڑائی نہ جھگڑا نہ اس کے لئے علی گڑھ میں ہمیشہ رہنا لازمی ہے۔ آپ کو لکھنؤ سے فارغ ہونے

کے بعد کہاں اتنی مہلت ملے گی کہ سیتاپور میں کام کرنے کے لئے جا سکیں اور اگر گئے بھی تو تین چار دن سے زیادہ آپ وہاں نہیں رہ سکتے اور قانون کا کام اگر اس سال ہو جائے تو میں اس کو معجزہ اور کرامت سمجھوں گا۔ والسلام۔

محسن الملک

(رسالہ نقوش نے مندرجہ بالا خط میں بھی غلطی کی ہے۔ اور اپنے صفحہ ۲۰۵ پر خط (۶) کے تحت "کسی ٹرسٹی نے کسی ٹرسٹی کی تجویز پر" کے الفاظ کے بعد جو عبارت درج کی ہے وہ اس اصل خط میں موجود نہیں ہے۔ مولف)

خط نمبر ۱۹۶ امروہہ - ۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء

بعالی خدمت جناب نواب محسن الملک بہادر آنریری سکرٹری کمیٹی ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم مسلمانان، واقع علی گڑھ۔

جناب مخدومی - بجواب گرامی نامہ مطبوعہ رقم زدہ ۲۴ر ماہ گذشتہ گذارش ہے کہ میرے نزدیک تو نواب محسن الملک بہادر سے درخواست کی جاوے کہ وہ مہربانی سے آیندہ بھی اس عہدہ آنریری سکرٹری کے لئے اپنا ہی انتخاب منظور فرماویں اور انہیں کا تقرر اس عہدہ پر کیا جاوے۔ اسی کے ساتھ یہ کہ ان کو کام میں ضروری مدد ملنی چاہئے۔ میں اس سے پہلے بارہا معزز حضرات ٹرسٹیان کی توجہ اس امر کی نسبت چاہتا رہا ہوں کہ ایک تنخواہ دار اسسٹنٹ سکرٹری کے تقرر پر وہ اتفاق فرماویں۔ حال کے بجٹ پر جو رائیں کہ بعض ٹرسٹیوں کے پاس سے آئی ہیں ان کے دیکھنے کے بعد میں اس قدر اور بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرا انشاء اس تحریک سے یہ ہرگز نہ تھا کہ کوئی ٹرسٹی اس تنخواہ دار عہدہ پر مقرر کیا جاوے بلکہ مطلب یہ تھا اگر ٹرسٹیوں کو اس پر اتفاق ہو کہ آئندہ قانون میں ایسی ترمیم کر دی جاوے کہ جائنٹ سکرٹری ہمیشہ آنریری ہوا کرے اور اسسٹنٹ سکرٹری تنخواہ دار ہی مقرر ہو سکے اور چونکہ اس میں غالباً کچھ دیر ہوگی اور صرف نام کی تبدیلی سے

اصل غرض حاصل ہو سکتی ہے لہذا بہتر ہے کہ بجائے اسسٹنٹ سیکرٹری کے ایک تنخواہ دار رجسٹرار مستقل طور سے آنریری سیکرٹری صاحب کو ایسا دیا جاوے جو انگریزی اور اردو دونوں میں بطور اسسٹنٹ کے پوری طرح کام کر سکے ۔ والتسلیم ۔ خاکسار

مشتاق حسین

خط نمبر ۱۹۷

محسن الملک موسومہ وقار الملک

علی گڑھ ۔ ۹ مئی ۱۹۰۳ء

جناب من ۔ آپ کی طبیعت کیسی رہتی ہے ۔ بہت کم خط آپ کے آتے ہیں ۔ آپ نے سن لیا ہوگا ۔ کہ سید محمود نے کل سیتاپور میں انتقال کیا ۔ نہایت افسوس اور رنج کا مقام ہے گو کیسی ہی حالت تھی پھر بھی ان کی جان قیمتی تھی ۔ اللہ ان کو غریق رحمت کرے ۔ ۔ ۔ یہ فرمائیے کہ قانون ٹرسٹیان جو ناتمام ہے اس کی پریسیڈنٹی[۱۸۶] آپ قبول کریں گے اور اس کام کو پورا کر دینے کا ارادہ فرمائیں گے ۔ مجھے تو امید ہے کہ آپ اسے منظور کریں گے براہ مہربانی اجازت دیجئے تاکہ اس کام کے ختم کرنے کا انتظام کیا جائے ۔

مہدی علی

(یہ خط رسالہ نقوش نے شائع کر دیا ہے ۔ مولف)

چونکہ نواب محسن الملک کا تذکرہ ہو رہا ہے اس لئے لگے ہاتھوں ممدوح ہی سے متعلق دو دوسری بھیتوں سے بھی ملتے چلئے ۔ سب سے پہلے تو نواب صاحب کی ناموس محترم ہیں ۔ ان کے بارہ میں مولوی محمد امین زبیری صاحب مرحوم اپنے "تذکرہ محسن" کے صفحہ ۲۵۷ پر نوٹ نمبر ۱ کے تحت لکھتے ہیں کہ "ان بیوی کا نام نورجہاں بیگم تھا ۔ کشمیر کے معزز خاندان سے تھیں

---

[۱۸۶] اس وقت تک جسٹس سید محمود مرحوم ہی جن کے انتقال کی اطلاع دی جا رہی ہے کمیٹی قانون ٹرسٹیان کے پریسیڈنٹ تھے ۔ مولف

ظاہری حسن وجمال کے ساتھ خوش سلیقگی ونفاست بھی بدرجہ اتم تھی۔ فارسی میں پوری دستگاہ تھی۔ انگریزی بھی جانتی تھیں۔ وسیع الاخلاق تھیں اور انہیں شوہر کے آرام وآسایش کا ہر وقت بے انتہا خیال رہتا تھا۔ حقیقی معنوں میں وہ ان کی رفیق زندگی اور سکینہ تھیں۔...؛ محض "نام نیک رفتگاں ضایع مکن" کے خیال سے اس وقت صرف اتنا عرض کر دینا ضروری پایا جاتا ہے کہ ہمارے کاغذات میں نواب وقارالملک کے موسومہ بھی، خاتون کے بھی بہت سے خطوط موجود تھے اور مولفا نے ان کو بچشم خود دیکھا اور پڑھا ہے اور ان بیوی کی قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ان کی تحریر میں خود نواب محسن الملک کی پختگی خط کی شان نظر آتی ہے اور عبارت کا زور اور اس کی روانی بھی تقریباً محسن الملک ہی کے ہم پلہ تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کی ملکہ نورجہاں کی سی کیفیت مولوی مہدی علی صاحب کی ان نورجہاں میں بھی موجود تھی۔ افسوس ہے کہ یہ تمام خطوط بھی زبیری صاحب مرحوم ہی کے پاس رہے اور زنانہ ادب کے یہ شہ پارے دنیا کی نظر سے شاید ہمیشہ کے لئے اوجھل ہوگئے۔

اب رہے دوسرے صاحب جن سے آپ کو ملانا ہے تو افسوس ہے کہ ان کا جو خط پیش کیا جا رہا ہے اس میں دستخط اس طرح سے کئے گئے ہیں کہ ہر کوشش کے باوجود سمجھ میں نہ آسکا کہ آخر کاتب ہیں کون صاحب اسی لئے ہم کو ایک سبق یہاں پر یہ ملتا ہے کہ خطوط پر دستخط ہمیشہ واضح ...... اور صاف ستھرے طور پر لکھے جانے ضروری ہیں تاکہ پڑھنے والا آسانی کے ساتھ اس کو پڑھ سکے۔ بہرحال بعض حضرات سے بالمشافہ گفتگو کے بعد اور بعض دوسری وجوہ کی بناء پر ایسا پایا جاتا ہے کہ یہ خط غالباً ان تین حضرات میں سے کسی ایک کا ہے۔ یعنی مرزا غضنفر علی بیگ صاحب مختار شاہ عبدالرحیم یا حسین عطاء اللہ صاحب۔ میر مجلس یعنی چیف جسٹس پائے گاہ سرآسمان جاہ بہادر یا پھر مولوی میر اقبال علی صاحب مرحوم کا ہے جو ریاست حیدرآباد دکن کے ہائی کورٹ

کے جج ہو گئے تھے ۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ جو خط آگے درج کیا جاتا ہے وہ انہیں صاحب کا ہے۔

خط نمبر ۱۹۸ ۔ ۲۰ اگست ۱۸۸۹ء

مکرمی و مطاعی ۔ آپ کا عنایت نامہ پہونچا ۔ آپ سچ کہتے ہیں کہ آپ ایک بہت بڑی گورنمنٹ کے قایم مقام ہیں اور آپ کو ہر وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے ۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ آپ کبھی غلطی نہیں کیجئے گا ۔ مولوی مشتاق حسین صاحب کے رخصت پر ہونے سے یہاں کے کل کام بند ہیں اور اسی عرصہ میں تعطیل بھی آگئی اور اوپر سے حضور کی دادی کا انتقال ہو گیا ۔ حضور تجہیز و تکفین میں خود تشریف لائے تھے اور سوم کے روز بھی اور بہت روئے ۔ یہ حیدرآباد میں بالکل نئی بات ہوئی ۔ لوگ کہتے ہیں کہ آصف جاہ سے اس وقت تک کوئی بادشاہ بھی موتی میں شریک نہیں ہوا تھا ۔ لیکن اصل یہ ہے کہ حضرات ہندوستانیوں کی بدولت حیدرآباد میں اب پورانی بات رہ کون سی گئی ہے آپ کا لمبا چوڑا تار ڈکسن مائی ننگ کمپنی کے بارہ میں پہنچا مگر وہ بھی مولوی صاحب کے نہونے سے ملتوی پڑا ہوا ہے ۔ مجھ سے رائے پوچھی گئی تھی ۔ میں نے کہا کہ سوائے ایک رائے سے دوسری رائے نہیں ہو سکتی وہ یہ کہ جو پالرڈ مشورہ دیوے اور انڈیا آفس اس کو پسند کرے ۔ ابھی تک وہ تار ریزیڈنٹ کو بھی نہیں بھیجا گیا ہے میری اور فردوں[۱۸۷] کی رائے تھی کہ فوراً بھیج دیا جاوے لیکن نواب صاحب[۱۸۸] کو اس میں بھی مولوی صاحب کی واپسی کا انتظار کیا ہے ۔ عبد الحق[۱۸۹] سے ابھی تک کچھ نہیں ہاتھ لگا ہے ۔ اتنا وقت وکیلوں نے اپنی فیس لینے میں صرف کیا ہے ۔ یہ بھی میں نے سنا ہے کہ مولوی صاحب

---

۱۸۷ فریدوں جی جو آگے چل کر سر فریدون الملک فریدوں جنگ ہوئے اور ریاست حیدرآباد کے وزیر اعظم بنے

۱۸۸ نواب سر آسمان جاہ سے مراد ہے ۔

۱۸۹ سردار دلیر جنگ بہادر سے مراد ہے ۔ مؤلف

کی رائے یہ ہوئی تھی کہ حصے عبدالحق کو مشروطی طور پر دے جاویں - بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب تک اقرار نامہ پر حرف بہ حرف عمل نہ ہو عبدالحق کچھ کیوں دینے لگا - میرے نزدیک کچھ تو کاہلی اور سہل انگاری کچھ بد تدبیری سے یہ معاملہ بالکل خراب ہو گیا ہے اور اب نواب صاحب ذرا گھبرا رہے ہیں - کل فرما رہے تھے (فقط میں اور دوسرا بھائی تھے) کہ روپیہ خرچ ہوتا جاتا ہے اور ابھی تک کچھ نہیں ہوا - آپ کے زیادہ قیام پر بھی گفتگو تھی - میں نے کہا کہ اس میں زیادہ قصور کمیٹی کا ہے جس نے اتنی مدت اپنی رپورٹ میں لگا دی - بغیر رپورٹ شائع ہونے کے آپ کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تھے - میں نے یہ بھی کہا کہ ۴؍ اکتوبر کے پاسج لینے سے یہ نہیں لازم ہوتا کہ آپ اُس کے پہلے آ ہی نہیں سکتے ہیں - غرض نواب صاحب ذرا اُکتا گئے ہیں اور چونکہ آج کل کچھ کام یہاں نہیں ہے اُن کو سوچنے اور خیال کرنے کا وقت بہت ملتا ہے شملہ سے آنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں حسب معمول بے انتہا افواہیں جدید انتظامات کی نسبت ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ آپ کے آنے تک کوئی نئی بات یہاں نہیں ہوگی - مولوی صاحب کو ہر ایک امر میں اس کا خیال ہے یہاں تک کہ نواب صاحب بھی ہنسی میں کہنے لگے ہیں اگرچہ میں جہاں تک دیکھتا ہوں خود نواب صاحب آپ کی ضرورت سمجھتے ہیں - اس عبدالحق کے معاملہ میں تو بے تنگ جی چاہتا تھا کہ دو مہدی علی ہوتے - ایک لندن جاتے اور ایک یہاں رہتے - ہم لوگوں نے آخر یہاں کے معاملہ کو بالکل غارت کیا - ہم لوگوں میں میں نہیں شریک ہوں کیونکہ ابتداء سے لے کر اس وقت تک میں کسی مشورہ میں شریک نہیں کیا گیا - اور گورنمنٹ کی کارروائی کا حال مجھے بھی مثل پبلک کے دکن ٹائمس سے معلوم ہوتا رہا اور ہوتا ہے -

حسن[190] صاحب بسمارک کے درجہ تلک تو پہونچ چکے تھے اب گلاڈاسٹون کی خبر

---

[190] نواب مہدی حسن فتح نواز جنگ بہادر مرحوم سے مراد ہے - مؤلف

سے رہے ہیں - ماہانہ رسالہ تو نکال ہی چکے ہیں اور اب سنا ہے کہ درخت بھی کاٹتے ہیں - آپ جب تلک آئے آئے پورے گلاڈاسٹون ہو جاویں گے میری بیوی آپ کو بہت بہت سلام کہتی ہیں - بھائی نذیر کو سلام - مولوی مشتاق حسین صاحب نے محمد اسمٰعیل کے تقرر کو منظور کر لیا ہے اب فقط نواب صاحب کے دستخط باقی ہیں فقط

دستخط

مولف نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ نواب محسن الملک بہادر کے نام مندرجہ بالا خط لکھنے والے آخر کون صاحب ہو سکتے ہیں دوران قیام حیدر آباد دکن میں بڑی بھاگ دوڑ کی مگر کامیابی نہ ہو سکی - اس زمانہ کے ایسے حضرات جو روش خط یا دستخط کو پہچان سکیں یا تو ختم ہو چکے ہیں یا پھر اتنے ضعیف ہیں کہ اب پڑھنے لکھنے سے بھی معذوری کی حد کو پہونچ گئے ہیں - اسی سلسلہ میں یہ خط راقم الحروف ایک اور بزرگ کے پاس لے کر پہونچا - توقع تھی کہ علی گڑھ کے یہ معمر ترین اولڈ بوائے جنہوں نے نواب محسن الملک کی آنکھیں دیکھی تھیں ہماری کچھ مدد کر سکیں گے مگر وہ بھی بوجہ کمزوری بینائی اس خط کو نہ پڑھ سکے اور انہوں نے خط پڑھوا کر سنا اور افسوس کے ساتھ کہا کہ میں آپ کے سوال کا جواب مضمون خط سننے کے بعد بھی دینے سے قاصر ہوں - اس پر جب یہ عرض کیا گیا کہ اچھا نواب محسن الملک بہادر کے انتہائی بے تکلف دوستوں کے ناموں پر غور کر کے بتلائیے کہ ایسا مضمون کون لکھ سکتا تھا کیونکہ عبارت پکار رہی ہے کہ میں ان کے کسی بڑے گہرے دوست کے قلم کی رہین منت ہوں تو انہوں نے فوراً بے ساختہ جواب دیا کہ یہ آپ کی سخت غلط فہمی ہے جو آپ ایسا سمجھ رہے ہیں - در اصل نواب محسن الملک

بہادر مرحوم جب کسی سے بھی ملتے تھے اُن کا انداز گفتگو ایسا شگفتہ اور طرز تخاطب اتنا دل کش اور بے تکلفانہ ہوتا تھا کہ ان کا ہر مخاطب یہ سمجھنے لگتا تھا کہ نواب صاحب میرا ہی سب سے زیادہ خیال کرتے ہیں اور میں ہی ان کے احباب میں سر فہرست ہوں اور وہ میرا ہی دم بھرتے ہیں۔

یہ اتنی اہم بات اس گفتگو کے دوران مولف کو معلوم ہوئی کہ قارئین کرام کو بھی اس سے مطلع کر دینا مناسب سمجھا گیا۔ جن صاحب نے یہ بات بتلائی تھی افسوس ہے کہ اب وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکے ہیں اور اُن کا اسم گرامی محمد امیر صاحب اور عرف میر صاحب تھا اور ۹-۱۹۰۸ء میں ایم۔اے۔او۔ کالج۔ علی گڑھ کے شعبہ سائنس میں ہیڈ مستری کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

باہمی مُراسلت وقار الملک و محسن الملک پر تبصرہ مولف

نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک پر جو کتابیں لکھی گئیں اُن میں "مکاتیب" شاید سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس میں ان دونوں کے خانگی خطوط مولوی محمد امین زبیری صاحب مرحوم نے ۱۹۱۸ء میں شائع فرمائے تھے۔ پھر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے علی گڑھ سے کتاب "وقار حیات" ۱۹۲۵ء میں شائع کی اس کے بعد ۱۹۳۴ء میں زبیری صاحب نے "حیات محسن" لکھی" اور "تذکرہ محسن" پھر "تذکرہ وقار" زبیری صاحب مرحوم ہی نے ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۸ء میں علی الترتیب شائع کئے۔ اس سے واضح ہوگا کہ جہاں تک محسن الملک اور وقار الملک کا تعلق ہے اچھا خاصہ مواد اردو میں شائع ہو چکا ہے اور ان کتابوں میں ان کے طبایع اور کردار پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے جو

حیدر آباد اور حیدر آباد سے باہر کی زندگی دونوں پر حاوی ہے - مگر یہ بات کہ یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے اس قدر گرویدہ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے سخت اختلاف رائے بھی رکھتے تھے ایک بے حد دلچسپ موضوع ہے اور اس کے وجوہ معلوم کرنے کے لئے ان دونوں کی تقریباً ہر تحریر سے ایک نئی بات کا پتہ چلتا ہے - ہم جن تحریروں کو شائع کر رہے ہیں ان میں سے صرف ایک کا تعلق حیدر آباد سے ہے اور باقی جو خطوط ہیں ان سب کا تعلق علی گڑھ کے ایم - اے - او - کالج یا پولیٹیکل ایسوسی ایشن سے ہے -

ان خطوط میں سب سے پہلی چیز جو بہت صاف اور نمایاں نظر آتی ہے وہ نواب محسن الملک کی یہ عادت ہے کہ پہلے تو ایک عزم کا اعلان فرماتے ہیں اور پھر لوگوں کے کہنے سننے سے اس سے ہٹ جاتے ہیں .... ایک رائے قایم فرماتے ہیں اور لوگ اس کو بدلوا دیتے ہیں اور علی گڑھ کالج کے سیکرٹری شپ سے ان کا استعفیٰ دینا بھی اسی تعریف میں آتا ہے اور ہر مرتبہ اپنی جانشینی کے لئے انہوں نے نواب وقار الملک ہی کا نام لیا ہے - چنانچہ ان تمام خطوط میں جو ہم نے یہاں پر درج کئے ہیں اسی مسئلہ سے بحث ہوئی ہے مگر واقعات شاہد ہیں کہ جب لوگوں نے اصرار کیا تو نواب صاحب نے بار بار اپنا استعفیٰ واپس لیا یہی وجہ تھی جو سر سید احمد خاں بہادر کے نامور فرزند جسٹس سید محمود صاحب نے اپنے ایک خط میں جو نواب محسن الملک کو اسی سلسلہ میں روانہ کیا تھا اور جس میں نواب وقار الملک کو کالج کا آنریری سیکرٹری بنانے کی تحریک کی گئی تھی یہ فقرہ تحریر فرمایا ہے -

"اس صاف اور صریح عبارت سے مجھ کو اور جملہ ٹرسٹیان کو بھی یہ امر معلوم ہوا ہوگا کہ آپ پہلے ایک دو دفعہ استعفیٰ دیکر واپس لے لیتے تھے اسی قسم کی محض ایک

رسمی یہ تحریر نہیں ہے کیونکہ آپ مطبوعہ گشتی چھپیات موسومہ ٹرسٹیان میں چند در چند مقامات پر اپنا مصمم ارادہ ترک کرنے عہدہ سیکرٹری ٹرسٹیان کا ظاہر فرما چکے ہیں اور مجھ کو مطلق علم نہیں ہے کہ کسی ٹرسٹی نے حسب معمول وعادت آپ سے اب تک منت وسماجت کی ہو کہ آپ اس عزم بالجزم سے باز رہیں اور استعفی سے دستکش ہوں۔ پس عبارت منقولہ فقرہ بالا استعفےٰ کی سمجھنی چاہئے اور نکہ امتحاناً ... ظاہر کی گئی ہے بہ طریق طلب ووٹ آف کانفی ڈینس یعنی طلب اظہار اعتماد وعقیدت مندی ٹرسٹیان کے (خط نمبر ۱۶۶) پھر خود نواب وقار الملک نے بھی اپنے ایک جواب میں جو آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں لکھا ہے کہ "آپ نے ...... اپنی بہت مضبوط رائے اس امر کی نسبت ظاہر فرمائی ہے کہ آپ صرف سرسید میموریل فنڈ کے پریسیڈنٹ رہیں اور کالج کی سیکرٹری شپ پر اس احقر کا تقرر عمل میں آوے .... اور آپ کا یہ خیال بھی کوئی نیا خیال نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی بارہا آپ نے یہ خیال مجھ سے ظاہر فرمایا ہے اور جس سے میں نے شکر گذاری کے ساتھ معافی چاہی (خط نمبر ۱۷۲)

اسی طرح اپنے دوسرے خط ۱۷۷ میں نواب وقار الملک نے نواب محسن الملک کو لکھا ہے کہ "........ ہر ایک چیز اس وقت کے حالات پر منحصر ہوگی یہاں تک کہ یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ آپ ہی ٹرسٹیوں کے اس اصرار کو اس وقت قبول کر لیں کہ بدستور آپ ہی سیکرٹری رہیں" مگر نواب وقار الملک کوئی رائے بہت سوچ بچار کے بعد قایم کیا کرتے تھے اور ایک بار رائے قایم کر لی تو پھر اس سے ان کا ہٹنا بڑا دشوار ہوتا تھا۔ وہ انگریزی سے نو واقف نہ تھے مگر ہم نے بارہا ان مرحوم کو خود کہتے سنا ہے کہ "فگرز اینڈ فیکٹس" (FIGURES AND FACTS) سے اگر میری رائے غلط ثابت کردی جاوے تو میں اپنی رائے بدلنے کے لئے ہر وقت تیار رہوں گا اسی سختی رائے کی وجہ سے سرسید مرحوم ومغفور نے نواب وقار الملک کو ضدی قرار دیا

اور نواب سرورالملک نے بھی "کارنامہ سروری" میں تحریر فرمایا ہے کہ " مولوی مشتاق حسین میں سوائے ضد اور ہٹ کے اور کوئی عیب نہ تھا۔"[۱۹۱] یہ دنیا بھی عجیب دنیا ہے۔ ایک طرف محسن الملک ہیں جن پر اعتراض ہے کہ وہ بڑی جلدی رائے بدل دیا کرتے تھے دوسری طرف وقارالملک ہیں جن پہ دنیا کو یہ اعتراض رہا کہ وہ بے حد ضدی اور ہٹی واقع ہوئے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ محسن الملک زمانہ شناسی سے کام لیتے تھے اور ان کے نزدیک مصلحت وقت ہی سب پر مقدم تھی۔ چنانچہ میکڈانل بورڈنگ ہوس کی تعمیر کے سلسلہ میں جو اختلاف ان کے اور نواب وقارالملک کے درمیان ہمارے پیش کردہ خطوط سے ظاہر ہوتا ہے وہ صاف بتلا رہا ہے کہ اول الذکر انگریزی اسٹاف اور انگریزی پرنسپل کی ناراضگی کو کالج کے حق میں مضر سمجھتے تھے اور ان کی یہ کوشش تھی کہ حکومت کالج کو بدگمانی کی نظر سے نہ دیکھے۔ چنانچہ اپنے خط نمبر (۱۹۴) میں انہوں نے یہ فقرہ تحریر فرمایا ہے کہ "............ اور بورڈنگ ہوس کے انتظام پر جو اب تک ہوتا چلا آیا زیادہ لکھنا پرنسپل پر الزام لگانے کا موقع دے گا۔" مگر نواب وقارالملک کی سخت گیری سے چونکہ واقف تھے لہذا اس فقرہ کے بعد ہی یہ فقرہ بھی لکھ دیا کہ "یہ میری محض خانگی رائے ہے جو میں آپ کو لکھتا ہوں۔" اسی طرح وہ انگریز پرنسپل کا اثر حکومت کے حلقوں میں استعمال کرکے کالج کے فائدہ کی ہر ایک صورت اختیار کرنے کے خواہشمند تھے۔ چنانچہ یہ سمجھ کر کہ انگریز پرنسپل صاحب کا اثر زیادہ کام دے گا پرنسپل کے توسط سے بورڈنگ کے نقشہ کو حکومت میں راست پیش ہونے دیا حالانکہ یہ طریقہ کار درست نہ تھا اور اس پر سخت اعتراض ہوا۔ پولیٹیکل ایسوسی ایشن کے جلسہ میں نواب وقارالملک کی شرکت کے محسن الملک بہادر اسی لئے مخالف تھے کہ اس شرکت سے حکومت بدظن ہو جائے گی اور

---

[۱۹۱] کارنامہ سروری صفحہ ۲۸۲ - مؤلف

جب حکومت کسی کی تائید نہ کرے تو اس کا سیکرٹری منتخب ہونا کالج کے لئے مشکلات کا موجب بن جائے گا اور مصلحت وقت کے خلاف ہو گا یہی وجہ تھی جو محسن الملک نے اس شرکت سے وقار الملک کو بار بار باز رکھنے کی کوشش کی۔ یہ سب کیوں تھا اور کس لئے تھا۔ اگر کالج کی محبت کو اس کا واحد سبب قرار دیا جائے (اور بظاہر کوئی دوسری وجہ سامنے نہیں) تو ان مرحوم کی ہر ایسی خواہش اور کوشش قابل قدر ہی نظر آئے گی۔

اس کے علاوہ جن موقعوں پر نواب وقار الملک ٹرسٹیاں کالج سے مشورہ کرنا اور ان کو معاملات سے باخبر رکھنا ضروری سمجھتے تھے نواب محسن الملک اس ضرورت کو محسوس نہیں فرماتے تھے اور عجلت کے خیال سے اس اہم کڑی کو نظر انداز کر جاتے تھے۔ محسن الملک سراپا مروت اور بقول صاحب زادہ آفتاب[۱۹۲] احمد خاں صاحب کے "تیل ہی تیل ہیں۔" ان کا "رہن سہن۔ کھانا پینا کوئی چیز ایسی نہ تھی جو نفاست کا پہلو لئے ہوئے نہ ہو۔ بڑے خوش خوراک اور خوش پوشاک تھے۔ مذاق نہایت نفیس اور پاکیزہ پایا تھا۔" (بابائے اردو عبدالحق۔)

اس کے برخلاف نواب وقار الملک "نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن"۔ کہ جاہا سپر باید انداختن" کے سرے سے قایل ہی نہ تھے۔ مصلحت وقت ان کے نزدیک کوئی چیز نہ تھی وہ اپنے ہر فعل کو اس ترازو میں تولتے تھے کہ کل کو خدا کے حضور میں اس کے متعلق کیا جواب دوں گا۔ وہ سچائی اور اصول کے دھنی تھے۔ ایک مرتبہ رائے قایم کر لیتے تو سوائے اس کے کہ دلیل و براہین سے کوئی شخص ان کی رائے کی غلطی ثابت کر دے وہ اپنی رائے پر اڑے رہتے تھے اور چونکہ ایک خدا سے ڈرتے تھے اس لئے ان کے دل میں کسی دوسرے کے ڈر کی گنجایش تھی ہی نہیں۔ اس لئے ضدی اور ہٹی مشہور ہوئے۔

---

[۱۹۲] ملاحظہ ہو مقدمہ "وقار حیات" صفحہ ۳ - مولفہ

خط نمبر ۱۹۴ میں محسن الملک نے وقار الملک کو لکھا ہے کہ "میرے نزدیک آئندہ کی اصلاح کر دیجئے۔ اور پچھلی باتوں پر صلوٰۃ بھیجئے۔ ہر شخص کی طبیعت آپ کی سی نہیں ہوتی کہ ذراسی بات پکڑ کر اپنے دل کا بخار نکال لیتے ہیں۔" مگر وقار الملک کو نظم و ضبط پر اصرار تھا اور چھوٹی چھوٹی جزوی باتوں کو بھی اسی طرح اہم سمجھتے تھے جیسا کہ اصولی باتوں کو۔ جہاں محسن الملک آ کر بیٹھتے تھے وہاں وقار الملک کے لبوں پر مہر خاموشی رہتی تھی۔ محسن الملک آرام وہ زندگی کے خوگر نظر آتے ہیں مگر وقار الملک پر ایک محنتی فرد ور کا شبہ ہوتا ہے۔ نواب سرور الملک نے "کارنامہ سروری" میں وقار الملک کے لئے "محنت[193] و جفاکشی میں تیلی کا بیل" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ہمارے ان صفحات کے لئے خطوط نمبران (۱۷۹) اور (۱۸۰) کی عبارت بیحد اہم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سر انٹونی میکڈانل صوبہ یو۔پی کے لفٹنٹ گورنر کے نام پر نواب محسن الملک ایک بورڈنگ ہوس بطور یادگار علی گڑھ کالج میں قایم کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں۔ اس لئے انگریز پرنسپل کو درمیانی واسطہ بناتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے حکومت سے سب کارروائی کرواتے ہیں۔ یہ سب کچھ انتہائی نیک نیتی کے ساتھ ہوتا ہے اور مقصود صرف کالج کی بہبودی ہے۔ مگر اُن کی خواہش ہے کہ یہ یادگار سر میکڈانل کے دور حکومت میں اور خود انہی کے ہاتھوں سے قایم ہو۔ اس لئے عجلت چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں نواب وقار الملک اپنے خط مورخہ یازدہم اگست ۱۹۰۱ء نمبر (۱۷۹) میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ہز آنر کے جن احسانات کا ان کا غذات میں ذکر ہوا ہے ان کے احسانات کالج پر اس سے بہت زیادہ ہیں اور وہ سر سید احمد خاں بہادر مرحوم و مغفور کی رحلت کے بعد ہی سے نہیں ہوئے بلکہ جناب مرحوم و مغفور کی حیات میں بھی۔ لیکن جس طرح پر کہ ٹرسٹیوں سے یہ رائے طلب کی جاتی ہے اس کے صحیح

---

۱۹۳ "کارنامہ سروری صفحہ ۲۸۲۔ مولف

ہونے میں مجھ کو عذر ہے۔ میرے نزدیک اس غرض سے ٹرسٹیوں کا باضابطہ اجلاس ہونا چاہیے اور بورڈنگ ہوس کا نقشہ اسٹی میٹ چھاپ کر ٹرسٹیوں کو اجنڈا کے ساتھ تقسیم کیا جاوے اور یہ بتلایا جاوے کہ زمین کا وہ کون قطعہ تجویز کیا گیا ہے جس پر بورڈنگ ہوس بنایا جاوے گا۔ اس وقت البتہ ٹرسٹی اطمینان کے ساتھ رائے دے سکیں گے اور جو فیصلہ وہ کریں گے وہ ٹرسٹیوں کا قانونی فیصلہ سمجھا جائے گا۔" محسن الملک قدرتی طور پر چاہتے ہیں کہ رسم خود سر انٹونی میڈانل کے ہاتھوں سے انجام پائے اسی لئے ان کے تبادلہ سے قبل اس کام سے فارغ ہونے کی کوشش کرتے ہیں مگر وقارالملک کا خیال یہ نہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ "بالفرض اگر اس قدر توقف ہو بھی جائے کہ ہز آنر اس بورڈنگ ہوس کی بنیاد نہ رکھ سکیں تو اس کا کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ میرے نزدیک بہ نسبت اس شخص کے جس کی یادگار قایم ہوتی ہے اس کا جانشیں زیادہ موزوں شخص ہوتا ہے اس بنیاد کے قایم کرنے کے واسطے" (خط نمبر ۱۷۹) اس کے جواب میں اپنے خط نمبر (۱۸۰) میں محسن الملک بہادر نے تحریر فرمایا کہ اس طرح تو بہت دیر ہو جائے گی اور نواب وقارالملک سے اپنی رائے پر غور مکرر کی درخواست کی اور ساتھ ہی ساتھ یہ فقرہ بھی لکھا کہ "بورڈنگ ہوس کا نقشہ اور اسٹیمیٹ پرنسپل صاحب سے طلب کیا گیا تھا اور پرنسپل صاحب نے اس کو گورنمنٹ میں بھیج دیا تھا اور اس حکم سے واپس آیا ہے کہ ضلع کے انجنیر سے اس پر رائے لی جائے اور وہ نقشہ اور اسٹیمیٹ پرنسپل صاحب کے پاس ہے۔ کیا آپ اس کو پسند فرما دیں گے کہ یہ کارروائی ملتوی کر دی جاوے اور سالانہ اجلاس تک اس پر کچھ عمل نہ کیا جاوے۔

۱۵ اگست سنہ ۱۹۰۱ء کو جو جواب اس خط کا وقارالملک بہادر نے دیا ناظرین اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں کیونکہ آگے چل کر یہی خط نواب محسن الملک کے بارہ میں نواب وقارالملک کے ایک بے نظیر تاریخی فقرہ اور ریویو کی بنیاد بن جاتا ہے۔ اس میں خط

کے ابتدائی فقرہ کا جواب ادا کرنے کے بعد وقار الملک لکھتے ہیں کہ "باقی مراتب مندرجہ والانامہ کے لحاظ سے مشکور ہوں گا، اگر آپ مطلع فرماویں گے کہ پرنسپل صاحب نے جو بورڈنگ ہوس کا نقشہ و اسٹیمیٹ گورنمنٹ میں پیش کیا آیا وہ آپ کی اجازت سے تھا یا کس کی اجازت سے اور یا یہ کارروائی خود انہوں نے اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے کی اور بہر حال انہوں نے جس چٹھی کے ساتھ وہ کاغذات گورنمنٹ میں پیش کئے اس کی نقل مع گورنمنٹ کے جواب کی نقل کے اول مہربانی سے میرے دیکھنے کے لئے بھیج دیجئے اس کے بعد میں اس معاملہ کے متعلق اپنے جواب کا باقی حصہ عرض کروں گا۔

(خط نمبر ۱۸۱)

یہاں قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے کہ حکومت سے پرنسپل کی جس مراسلت کو محسن الملک نے کوئی اہمیت نہ دی بلکہ جس کو انہوں نے ایک حد تک سراہا ہے وہی چیز وقار الملک کی نظروں میں اہم اور قابل اعتراض قرار پاتی ہے اور وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آخر پرنسپل نے حکومت ...... کو راست کس کی اجازت سے مخاطب کیا اور آیا یہ اجازت خود محسن الملک نے دی تھی یا کسی اور نے یا یہ چیز پرنسپل نے محض اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے کی اور ان کو اصرار ہے کہ اس مراسلت اور گورنمنٹ کے جواب کی نقول روانہ فرمائی جائیں اور اس کے انتظار میں وہ خط کے باقی امور کا جواب دینا ہی ملتوی فرما دیتے ہیں۔ اس خلاف توقع جواب سے محسن الملک بھونچکا سے رہ جاتے ہیں اور اصل استفسارات کو قطعی نظر انداز کر کے اپنے خط نمبر (۱۸۲) کے ذریعہ سے یہ جواب دیتے ہیں کہ "........." متعلق بورڈنگ ہوس کے جو خط میں نے آپ کو لکھا ہے وہ ضابطہ کا نہ تھا۔ موافق عادت کے آپ کے غور کے لئے اپنی رائے لکھی تھی ورنہ ایسی بات کہ اب تک نہ ہوئی نہ آئندہ ہو سکے گی، میں کبھی نہ لکھتا جس سے ہر ٹرسٹی کو غلط فہمی کا موقع ملے گا .... میں نہ اختیار چاہتا ہوں نہ عمارات کے کام

میں دلچسپی رکھتا ہوں نہ میری ذاتی کوئی خواہش ایسی ہے جس پر مجھے اصرار ہو اور یہ چند روز جو سیکرٹری شپ کے باقی ہیں ان کو اپنے اوپر مصیبت سمجھتا ہوں۔ خدا کرے یہ کمبخت دن پورے ہوں اور میں اس بلا سے نجات پاؤں" اس جواب سے نواب وقار الملک کے آگ ہی تو لگ جاتی ہے اور ان کے قلم سے اس کا وہ جواب ادا ہو جاتا ہے جو اس پوری مراسلت کی جان ہے اور جس کو نواب محسن الملک کی ساری زندگی کا نچوڑ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس جواب کو پڑھ کر ویسے تو سب لوگ عام طور پر محظوظ ہوں گے ہی مگر خاص طور پر وہ حضرات جن کو حیدر آباد ریاست کے حالات اور نواب محسن الملک کی وہاں کی زندگی سے واقفیت ہے عش عش کریں گے۔

نواب محسن الملک کے اسی زیر جواب خط کی پشت پر نواب وقار الملک کی قلمی حسب ذیل عبارت درج ہے۔

"اس پرائیویٹ خط کے جواب میں مَیں نے اس آزادی کی شکایت کے بعد جو کہ مولوی صاحب کو حال کے زمانہ میں دیدی گئی لکھا ہے کہ ایسی حالت میں ٹرسٹیوں سے رائے طلب کرنا محض تضیع اوقات ہے اور کاغذ و روشنائی و قلم کا بے جا صرف۔ اور جب کہ اس قسم کی کارروائی سے جی جل گیا ہے تو مولوی مہدی علی صاحب معاف کیجئے اگر میں آپ کے تمام زمانہ سیکرٹری شپ کی کارروائی کا رو دیوان دو سطروں میں کر دوں کہ آپ نے علی گڈھ میں بھی وہی کیا جو حیدر آباد (میں) کیا تھا۔ آپ نے علی گڈھ کو ایک نیو اسٹیٹ قرار دیدیا ہے اور پریزیڈنٹ کو رئیس ریاست، اپنے آپ کو صدر المہام، پرنسپل کو ریزیڈنٹ، لوکل گورنمنٹ کو گورنمنٹ آف انڈیا اور ٹرسٹیوں کو امراء دربار۔ اِنّا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ ۱۹؍ اگست ۱۹۰۱ (خط نمبر ۱۰۳)

صاحب زادہ آفتاب احمد خاں صاحب مرحوم نے وقار الملک کے "لوہا ہی لوہا" ہونے کا جو فقرہ استعمال کیا ہے اس جگہ ان کے اس فقرہ کو مکمل طور پر نقل کر دینا مناسب پایا جاتا ہے۔ انہوں نے ان دونوں بزرگوں کا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "محسن الملک تیل ہی تیل ہیں وقار الملک لوہا ہی لوہا۔ جب تک دونوں نہ ملیں کالج کی مشین نہیں چل سکتی"[۱۹۴] مگر اس سب اختلاف کے باوجود آج کی دنیا یہ سن کر حیران رہ جائے گی کہ ان دونوں کے ذاتی تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔ خود محسن الملک کو اس اختلاف کا اعتراف تھا۔ چنانچہ ان کے خط نمبر (۱۸۹) کا آخری فقرہ حسب ذیل ہے "......... مجھے اب اپنا بڑا مددگار اور سپورٹر پا دیں گے۔ ہم مل کر خوب کام کریں گے اور دنیا کو دکھا دیں گے کہ دو مختلف الخیال مختلف الطبیعت، مختلف الرائے مل کر قومی کام کیسے اتحاد اور اتفاق سے مل جل کر چلاتے ہیں"۔ اپنے دوسرے خط نمبر (۱۹۰) میں لکھتے ہیں "یہ آپ کا لکھنا بالکل صحیح ہے کہ جہاں تک میری اور آپ کی ذات کا تعلق ہے ہم دونوں میں کالج کے معاملات میں کسی بڑے اختلاف کا ہونا شاذ اور اشذ ہے"۔ اسی سلسلہ میں نواب وقار الملک اپنے خط نمبر (۱۸۶) میں محسن الملک بہادر کو لکھتے ہیں کہ "میں حتی الامکان آپ کے ساتھ کسی شدید اختلاف سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا تاکہ لوگوں کو غلط فہمی سے یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ حیدرآباد کے بعد پھر اُن لوگوں میں وہی جھگڑا یہاں بھی شروع ہوا۔ وہاں انہوں نے ریاست کو تکلیف میں مبتلا کیا اور یہاں کالج کو نقصان پہونچا دیا گیا حالانکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ حیدرآباد میں بھی میرا اور آپ کا کوئی نزاع کبھی نہیں تھا۔ آپ جو مشورہ دیتے تھے وہ گورنمنٹ کو دیتے تھے اور میں جو اپنے نزدیک مناسب سمجھتا تھا وہ مشورہ میں گورنمنٹ کو دیتا تھا اور بہ حیثیت معتمد ہم دونوں فریق

[۱۹۴] مقدمہ کتاب "وقار حیات" کا صفحہ ۳ ملاحظہ ہو۔ مولف۔

تھے کہ نیک نیتی کے ساتھ اپنی اپنی رائے سے اپنی گورمنٹ کو مدد دیں چاہیں وہ رائیں باہم مخالف ہوں یا موافق" ایم۔ اے۔ او کالج کے لئے محسن الملک بہادر کے دل میں جو ولولہ موجزن تھا وہ تو تھا ہی مگر سرسید میموریل فنڈ اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ بھی ممدوح کی لگن عشق کے درجہ تک پہونچ چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خط نمبر (۱۹۵) میں وقارالملک بہادر کو یہ بتلاتے ہوئے کہ میں آنریری سیکرٹری شب کے عہدہ کو توچھوڑتا ہوں تحریر فرمایا تھا کہ "سرسید میموریل فنڈ اور کانفرنس کا کام وہ ضرور میں اپنے ذمہ رکھوں گا۔ اور جب تک کوئی پولیس بھیج کر مجھے اس عہدہ سے نہ نکالے میں خود انھیں نہ چھوڑونگا۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے نواب محسن الملک جزوی اور غیر اہم چیزوں کو قابل التفات نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ اپنے خط نمبر (۱۹۰) موسومہ وقارالملک میں جہاں وہ وقارالملک کے آیندہ آنریری سیکرٹری ہونے کی رائے دے رہے ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کو خوب معلوم ہے کہ میں کیا کام کر سکتا ہوں اور کیا نہیں۔ دفتر کا کام ضوابط کی پابندی اور صیغہ جات متعلقہ کی نگرانی نہ مجھ سے ہوئی نہ ہو سکتی ہے نہ ہوگی۔ ہاں بھیک مانگنے کا کام اور باہر جاکر لوگوں کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دینا مجھ سے ہو سکے گا اور غالباً یہی کام آپ مجھ سے لیں گے ....

اور ضوابط و قواعد کی پابندی اور بغیر کسی مددگار کے دفتر کا کل کام کرنا اور ہر صیغہ کی نگرانی مجھ سے ناممکن ہے۔" گمان غالب یہ ہے کہ نواب محسن الملک کی اسی شکایت کی بناء پر جب نواب وقارالملک نے نواب محسن الملک ہی کے دوبارہ آنریری سیکرٹری منتخب کئے جانے کی تحریک پیش کی ہے تو اس میں یہ فقرہ بھی شریک کر دیا تھا کہ" .... اسی کے ساتھ یہ کہ ان کو کام میں ضروری مدد ملنی چاہئے .... لہذا بہتر ہے کہ بجائے اسسٹنٹ سیکرٹری گے ایک تنخواہ دار جبر (؟) مستقل طور سے آنریری سیکرٹری صاحب کو ایسا دیا جاوے جو انگریزی دان و

دونوں میں بطور اسسٹنٹ کے پوری طرح کام کر سکے "۔ (ملاحظہ ہو خط نمبر ۱۹۶)
اس کے برخلاف نواب وقارالملک رتی رتی کی خبر رکھنے کے خوگر تھے اور تو اور اپنے زمانہ ملازمت ریاست حیدرآباد دکن میں وہ اپنے ماتحتوں کے خانگی حالات تک سے پوری پوری واقفیت رکھتے تھے اور ان ملازمین کی اخلاقی نگرانی رکھنا بھی اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ چنانچہ کتاب "وقار حیات" میں شمس العلماء مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کے فرزند مولوی بشیرالدین احمد صاحب نے جو اپنے چشم دید حالات نواب وقارالملک کے تحریر کئے ہیں اور جو کتاب کے صفحات ۳۷۰ تا ۳۷۸ پر شائع ہوئے ہیں ان میں ایک جگہ صفحہ ۳۷۳ پر لکھتے ہیں،
میں نے عموماً یہ دیکھا ہے کہ بڑے بڑے عہدہ دار بڑے بڑے عہدہ داروں کے حال سے واقف رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر چھوٹے چھوٹے ملازموں کی انہیں کچھ خبر نہیں رہتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر تحصیل دار تو ایک بڑا عہدہ دار رہے بلامبالغہ و بلاخوف تردید میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ مفصلات کے دس دس بیس بیس روپیہ کے عملوں کے حالات سے ایسی ذاتی واقفیت تامہ رکھتے تھے کہ ہم رات دن کے ملنے والوں کو خبر نہ تھی۔ وہ اپنے ماتحتوں کی پرائیویٹ لائف اور طرز روش کے سخت نگراں تھے۔۔۔۔۔۔۔ وہ اکثر خانگی معاملات میں بھی دخل دیتے تھے اور نہ صرف دخل دیتے تھے بلکہ سرکاری طور پر اثر ڈالتے تھے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے قلم خاص سے صیغہ راز میں اس طرح کہ ان کے اور مکتوب الیہ کے سوا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو مشفقانہ اور بزرگانہ تنبیہ کرتے تھے اور موقع دیتے تھے کہ فلاں عادت بد چھوڑی جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ورنہ میں سرکاری طور پر نوٹس لینے پر مجبور ہوں گا۔ ایسی عام اور زبردست نگرانی اور باخبری کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ایک ایسی دہشت بیٹھ گئی تھی کہ وہ راتوں کو چونک چونک پڑتے تھے اور ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ مشتاق حسین ہر دہ میں کا مخبر موجود

ہے - ایسا نہ ہو کہ خبر ہو جائے تو بس شامت ہی آئی دھری ہے "۔

جہاں نواب محسن الملک انگریزوں کو ملائے رکھنا چاہتے تھے اور ان کی مداخلت پر معترض نہیں ہوتے تھے وہاں نواب وقار الملک صرف جائز طور پر ان کو مطمئن کرنا کافی سمجھتے تھے اور بلا ضرورت ان کی دخل اندازی کو ناپسند فرماتے تھے چنانچہ علی گڑھ میں انگریز اسٹاف سے محسن الملک بہادر ہمیشہ دبتے رہے مگر اپنے آنریری سیکرٹری مقرر ہونے کے بعد وہ وقار الملک ہی تھے جنہوں نے انگریز پرنسپل کو شاید عرصہ دراز کے بعد پہلی بار اس کے حدود سے آگاہ کیا اور گورنر تک سے ٹکر لینے کے بعد اس کو بے جا مداخلت سے باز رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔ حیدرآباد دکن میں نواب وقار الملک نے ریڈلنسی سے صرف اس حد تک تعلق رکھا جو ان کے فرائض کی بجا آوری کے لئے ناگزیر تھا اور بس - اسی لئے اپنے استعفیٰ کی منظوری کے بعد ان کا قدم ریزیڈنسی کی طرف نہیں اٹھا چنانچہ ان کی روانگی کے وقت سر چپلی پلاوڈن ریزیڈنٹ نے جس خط کے ذریعہ ان کو خدا حافظ کہا اس میں صاف طور پر وقار الملک کی اسی احتیاط کی طرف اشارہ کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ " اگرچہ مجھ کو آپ سے ملنے اور بذات خود آپ کو خدا حافظ کہنے سے بہت مسرت ہوتی لیکن میں اس امر کو بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ آپ کوئی ایسی بات کرنی پسند نہیں کرتے جو موجودہ حالت میں موجب غلط فہمی ہوتی (کتاب وقار حیات، صفحہ ۳۱۰) مگر محسن الملک بہادر کا ہر کام جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہے مصلحت وقت کو ملحوظ رکھ کر ہوا کرتا تھا - کہنے کو اور سنانے کو تو کہتے تھے کہ میں انگریزوں کی مداخلت ناپسند کرتا ہوں مگر ہمیشہ اسی مداخلت کو دعوت دیتے رہے - اس کی بہترین مثال ان کا خط نمبر (۱۲۹) ہے جس میں ایک طرف تو وہ نواب وقار الملک کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ میں موجودہ حالات سے مجبور ہو کر ملازمت سے دست کشی کا ارادہ کر رہا ہوں اور اس کے بارہ میں ریزیڈنسی کو

تکلیف دینی نہیں چاہتا مگر دوسری طرف وہ ایک ایسے ریزیڈنٹ سے جو نیا نیا وہاں آیا ہے شاید پہلی ہی ملاقات میں اسی مسئلہ کو لے بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "بہر حال حالات حیدر آباد کے اب ایسے ہو گئے ہیں کہ میں اب جدا ہونا ہی پسند کرتا ہوں۔....... مسٹر فنز پیٹرک ریزیڈنٹ تشریف لائے۔ ایک ملاقات مجھ سے بھی ہوئی تین گھنٹے برابر گفتگو ہوئی۔ میں نے ایک طور سے اپنے ارادہ کا ذکر کر دیا مگر اس پر میں نے زیادہ زور نہیں دیا اس لئے کہ میں ایسے معاملات میں ریزیڈنٹ صاحب کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ میں صرف اپنی گورنمنٹ ہی سے تعلق رکھنا چاہتا ہوں"۔ یہ واقعہ ہے کہ نواب وقار الملک اس سلسلہ میں نواب محسن الملک سے بدظن رہتے تھے۔ چنانچہ "وقار حیات" میں نواب وقار الملک کی جو عرض داشت حضور پرنور کی موسومہ شائع ہوئی ہے اس کا ایک فقرہ صفحہ ۳۳۵ سے نقل کیا جاتا ہے "ایک روز جب سر ڈینس فنز پیٹرک صاحب مجھ سے دریافت کر رہے تھے کہ تم کیوں ابھی سے وظیفہ لینا چاہتے ہو جب کہ تم ایسے ضعیف نہیں ہوئے ہو اور کسی کی مرضی بھی نہیں ہے تو میں نے ان کو یہ جواب دیا تھا کہ میرے عہدے کے فرائض ایسے خراب ہیں کہ میں وظیفہ لے کر اس عہدہ سے علیحدہ ہی ہونا بہتر سمجھتا ہوں۔ یہ کوئی انسانیت کی بات نہیں ہے کہ میں ظاہر میں تو محسن الملک بہادر سے دوستانہ ہاتھ ملاؤں اور باطن میں ان کی کارروائی کو شبہ کی نگاہ سے دیکھوں اور یہ خیال کروں کہ وہ مدار المہام اور سلطنت کے سچے خیر خواہ نہیں ہیں اور اپنا ذاتی مقصد سب پر مقدم رکھتے ہیں"۔ نواب محسن الملک سے اسی اختلاف کے سلسلہ میں نواب وقار الملک کا خود اپنا بیان کردہ ایک دوسرا فقرہ بھی چونکہ ایک اور مستند ذریعہ سے ہم تک پہونچا ہے اس لئے اس کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ یاد رہے کہ زمانہ ۱۹۲۰ء کا اور مہینہ دسمبر کا ہے۔ ان دنوں انگریز حکومت کے خلاف نان کو آپریشن یعنی ترک موالات کی تحریک اپنے شباب پر ہے اور کامریڈ و ہمدرد اخبار دو نکے

لایق مدیر اور ایم۔اے۔او۔کالج کے مشہور فرزند مسٹر محمد علی (اکسن) کی یورش علی گڑھ پر شروع ہو چکی ہے اور یہ دونوں بھائی چھندواڑی میں نظر بند ہیں۔ اس صورت حال سے متاثر ہو کر مولوی فرید احمد صاحب مرحوم نے اپنے صاحبزادہ مولوی عزیز احمد صاحب کو (جن دونوں کے تفصیلی حالات آگے آتے ہیں) ایک اہم خانگی خط لکھا ہے۔ اس خط میں مولوی فرید احمد صاحب نے مسٹر محمد علی کے طرز عمل پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور بعض بڑے پتہ کی باتیں کہی ہیں اور ان کے کردار کی اس چیز کو مرکزی حیثیت دی ہے کہ انہوں نے کبھی کسی دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کرنا نہیں چاہا اور ان کی اس آزادی میں نواب وقار الملک کو مسٹر محمد علی کا "پیر طریقت" قرار دیتے ہوئے حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے ہیں"۔ سید صاحب مرحوم کے زمانہ میں کالج میں بڑی ابتری بعض وجوہات سے پیدا ہو گئی تھی جس کا تذکرہ نواب وقار الملک کے روبرو جو مسٹر محمد علی کی آزادی (احراری) میں پیر طریقت تھے اکثر ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے انکی خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگوں کو افسوس ہے کہ ایسی خرابیاں ان صاحب کے نوٹس میں آرہی ہیں اور آں جناب امروہہ میں مقیم ہیں۔ علی گڑھ تک تکلیف گوارہ نہیں فرماتے۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ بیشک میں علی گڑھ پہونچ کر کالج کی اصلاح حالت میں حصہ لے سکتا تھا مگر تم کو معلوم ہے کہ میرے اور نواب محسن الملک کے اصول مختلف اور متضاد ہیں۔ وہ اگر یورپ کو جاتے ہیں تو میں پچھم کو۔ میں علی گڑھ چلا جاؤں گا اور اصلاح حالت کی کوشش کروں گا تو ضرور ایک زبردست جماعت میرے ساتھ ہوگی اور کمزور ان کے ساتھ مگر مسلمانوں کے کام میں رخنہ پڑ جائے گا"۔

اس جگہ نواب وقار الملک کا وہ بے نظیر فقرہ پھر تازہ کر لیجئے جس میں نواب محسن الملک کی بے جا آزادی کی شکایت کرتے ہوئے اپنے خط نمبر ۱۸۳ میں خود ان کو مخاطب کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ نے علی گڑھ میں بھی وہی کیا جو حیدر آباد میں کیا تھا اور کالج کے

ٹرسٹیوں کو امراء دربار بنا کر رکھ چھوڑا ہے۔

اسی طرح خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب کے موسومہ اپنے خط نمبر ۱۸۴ میں اپنی شکایت اور اسی خط نمبر ۱۸۳ کے سلسلہ میں نواب وقار الملک نے حسب ذیل فقرہ تحریر فرمایا ہے۔

ایک مشتاق حسین نہیں ہیں مشتاق حسین اور ایک بشیر الدین نہیں ہیں بشیر الدین نواب محسن الملک بہادر کو اس باب میں چاہے کچھ لکھیں، یہ لکھ رکھو کہ ان سے ناممکن ہے اور محال ہے جو وہ اس آزادی کا دسواں بیسواں حصہ بھی اختیار کریں جس کی ان سے خواہش کی جاتی ہے۔ وہاں خدا نے یہ طبیعت ہی نہیں دی۔ اللہ قوم پر رحم کرے۔

مولوی محمد امین زبیری صاحب مرتب کتاب "حیات محسن" اس کے صفحہ (۴۷) پر تحریر فرماتے ہیں کہ "مسٹر ہاول اس زمانہ میں ریزیڈنٹ کے اس غیر معمولی اقتدار کو جو نواب سر آسمان جاہ کے زمانہ میں کم ہو رہا تھا بحال کرنے کے لئے نواب محسن الملک کی حمایت میں فریقانہ حیثیت سے شریک ہو گئے اور فتح نواز جنگ کے ہوم سیکرٹری کے جانے کی مخالفت میں انہوں نے اپنی پوری قوت صرف کی۔ مگر یہ سب کچھ ہونے کے باوجود ان ریاستی اختلافات کا اثر صرف ریاستی امور ہی تک محدود رہا۔ اور ذاتی مراسم برابر شگفتہ رہے اور تعلقات کا یہ گلدستہ کبھی مرجھانے نہ دیا گیا اور ہمیشہ سدا بہار رہا۔ نواب وقار الملک کی تقریر میں ہلکی سی لکنت پائی جاتی تھی مگر محسن الملک کی زبان۔ اللہ اکبر۔ ایک بحر ذخار تھی۔ ان کی یہ خوبی خود انہی کے الفاظ میں سنئے۔ اپنے خط مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۸۸۸ء مرسلہ از لندن موسومہ وقار الملک میں لکھتے ہیں" میں ہزار بُرا ہوں۔ لاکھ عیب مجھ میں ہیں مگر آپ جانتے ہیں کہ میں بات کو دل میں اتار دیتا ہوں جب کہ جوش میں آ کر کہی جائے۔" (منقول از کتاب

"مکاتیب" صفحہ ۲۲ - محمد امین زبیری صاحب)

سرسید کے رفیقوں میں سے کسی موزوں انگریزی اخبار کی کمی کو نواب محسن الملک نے شاید سب سے پہلے اور سب سے زیادہ محسوس کیا ہے چنانچہ نواب وقار الملک کے موسومہ اپنے خط نمبر (۱۴۹) میں تحریر فرماتے ہیں کہ ....

اب کوئی اتنا بھی نہیں ہے کہ اپنے خیالات کو اچھی طرح انگریزی میں ظاہر کر سکے اور کوئی اخبار تک اپنا ایسا نہیں ہے کہ اپنے مطالب کو عمدہ لفظوں میں لکھ سکے تو کیا امید ہے کہ کوئی شخص قوم کی خدمت اُس قسم کی کر سکتا ہے جس کا آپ کو خیال ہے"۔ انگریزی اخبار کی یہ کمی ہماری قسمت کا جزو آج تک بنی ہوئی ہے اور اتنی بڑی کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود ہم لوگوں کو اب تک ایک بھی ایسا اپنا انگریزی کا اخبار نصیب نہ ہو سکا جو اپنی سلامت روی اور معقولیت میں مثال کے طور پر انگلش مین یا اسٹیٹس مین یا مدراس کے ہندو اخبار کا ہم سر ہو سکتا اور جو ہمارے نقطہ نظر کو پوری قوت مگر متانت اور سنجیدگی کے ساتھ حاکمان وقت کے سامنے مسلسل پیش کرتا رہا ہوتا۔ اپنا معاملہ اگر سچا ہے اور حقیقت پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے تو آج نہیں کل۔ کل نہیں تو پرسوں ضرور اس کا اثر ہو گا۔ یوں نکلنے کو تو اخبارات نکلے۔ ایک سے بڑھ کر ایک رہا۔ مگر وہ سب اخبار نکالنے والے صاحب کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ تھے اور ہمیشہ ذاتی انفرادی پالیسی کے پابند ہونے کی وجہ سے ادھر نکلے اور ادھر بعض دفعہ حکومت کے غیض و غضب کا شکار ہو کر اور بعض دفعہ خود ہماری قومی بے توجہی کی بدولت ختم ہو ہو گئے۔

ایسا کوئی اخبار اس وقت تک کامیابی کے ساتھ نہیں چل سکتا ہے جب تک کہ بجائے کسی شخص واحد کی ذمہ داری کے یہ ذمہ داری ایک پورے بورڈ کے سپرد نہ کی جائے ایسا بورڈ بنالیا جائے تو پھر ایڈیٹر جس طبقہ رعایا میں سے چاہے پسند کر لیجئے۔ وہ بورڈ کا

تنخواہ دار ملازم ہونے کی وجہ سے بورڈ کی پالیسی کا پابند رہے گا اور یہ پالیسی حالات کے لحاظ سے اولتی بدلتی رہے گی۔ نیز سرمایہ ہمارے پاس اتنا ہونا چاہئے کہ جو نہ صرف ایک ایسے پورے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے اخراجات برداشت کر سکے بلکہ اخبار کے ہر نقصان کی تلافی بھی کر سکے کیونکہ موجودہ حالات میں ہم کو یہ سمجھ کر کام کرنا ہوگا کہ اشتہارات سے ہم کو ایک پیسہ کی بھی آمدنی مدت دراز تک نہ ہو سکے گی اور اپنے ہمدردوں کے سوا دوسرے تمام ذرائع ہمارے خلاف کام کرنے لگیں گے۔ ان تمام موانعات کے باوجود خدا کے فضل سے دینے والے آج بھی موجود ہیں صرف قرینہ کے مانگنے والوں کی دیر ہے۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوں تو دم کے دم میں مطلوبہ رقم فراہم کر کے ہماری موجودہ سیاسی کس مپرسی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سب سے آخر میں ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب مرحوم سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے میڈیکل کالج کے قیام کے واسطے اپنی ذاتی سعی و کوشش سے جو رقم پبلک کی جیب سے کھینچ لی اس کی مقدار ساٹھ لاکھ روپیہ تک سننے میں آئی ہے۔ راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ اس قسم کے کسی اخبار کو مضبوط بنیاد پر چلانے کے لئے ہمارے پاس کم و بیش آٹھ دس لاکھ روپیہ کا سرمایہ موجود ہونا ضروری ہوگا۔

چونکہ مولوی محمد امین زبیری صاحب مرحوم نے کتاب "مکاتیب" لکھ کر نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک سے اہل ملک کو پہلی بار روشناس کیا تھا اس لئے اپنے اس خط کو ہم بھی انہی کے الفاظ پر ختم کرتے ہیں" قومی کام کرنے والوں میں بھی باہم کش مکش بدبختوں کی کمی نہیں ہوتی۔ چنانچہ قومی معاملات میں بھی ایسی ہی صورتیں پیش آئیں۔ انتظامی اختلافات ہوئے اور اخبارات میں مضامین بھی شائع ہوتے رہے۔ مگر ان دونوں کے دلوں میں وہ چنگاری ہی نہ تھی جس سے شعلہ پیدا ہوتا۔ ان دونوں میں جو تعلقات تھے اور تعلقات میں جو محبت و احترام تھا وہ بجائے خود ایک مثال ہے

اور جس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو مکاتیب میں شائع ہو چکے ہیں۔

نواب وقار الملک میں جذبات کو مغلوب رکھنے کی پوری قوت تھی۔ اعزا و احبا کے صدمات کے مواقع اور نازک اوقات پر بھی ان کے جذبات نے غلبہ نہیں پایا۔ اس عمر میں نواب محسن الملک کی موت بھی کچھ غیر متوقع نہ تھی۔ لیکن جب ان کو دفن کیا ہے تو شدت غم سے آواز گلوگیر ہو گئی اور سب نے دیکھا کہ اس کوہ وقار شخص کی آنکھیں ابلتا ہوا چشمہ تھیں۔ وہ نواب محسن الملک کی خوبیوں کے بھی سب سے زیادہ قدر شناس تھے اور ان کی زندگی کو قوم کے لئے ایک قوت جانتے تھے۔ چنانچہ اس سانحہ کے پندرہ روز بعد مولوی امام الدین صاحب کو ایک خانگی خط میں لکھتے ہیں کہ نواب محسن الملک کے سانحہ نے قوم کی کمر توڑ دی۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ وہ اپنے بعد قوم میں کوئی اپنی سی قابلیت کا شخص نہیں چھوڑ گئے۔ آسمان جب بہت چکر کھاتا ہے تب کہیں ایسی طبیعت کے بزرگ پیدا ہوتے ہیں اور آئندہ تو اس منش کے بزرگوں کا پیدا ہونا ظاہرا محال معلوم ہوتا ہے لکچرار ہوں گے۔ اسپیکر ہوں گے۔ فلاسفر ہوں گے قوم کے ہمدرد بھی پیدا ہوں گے یہ سب کچھ ہوگا لیکن افسوس نواب محسن الملک کی سی خوبیوں کا بشر دیکھنے میں نہ آوے گا۔

(تذکرہ وقار صفحات ۸۷ تا ۸۹)

مولوی فرید احمد صاحب نظامی ساکن امروہہ کو نواب وقار الملک سے خاص عقیدت اور گرویدگی تھی اور علی گڑھ تحریک کی نامی گرامی شخصیتوں کو موصوف نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ حالات حاضرہ پر ان کی نظر کتنی گہری تھی اس کا کچھ اندازہ آپ کو مسٹر محمد علی کے متعلق ظاہر کردہ اُن کی رائے سے ہوگا۔ گو یہ چیز ہمارے موضوع سے ہٹی ہوئی ہے پھر بھی خط اتنا اہم اور دلچسپ ہے کہ آپ کو اس سے محروم رکھنا کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔

لہٰذا صرف چند غیر ضروری فقروں کو چھوڑ کر تقریباً پورے کا پورا خط اب پیش ہے تاکہ آپ بھی محظوظ ہو سکیں۔

خط نمبر ۱۹۹ - ۲۸ دسمبر ۱۹۲۰ء از امروہہ۔

میاں عزیز احمد دعا .... چونکہ اسلامی درس گاہوں کے سوا کسی ..... اور درس گاہ کو موجودہ شورش سے کچھ نقصان نہیں پہونچا اس واسطے گمان نہیں ہوتا کہ کوئی ہندوستانی یونیورسٹی امتحانوں کی تاریخوں کو ہٹا دے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے سیکنڈ ایر اور فورتھ ایر کے طلباء نے دور اندیشی کو کام میں لاکر اپنا داخلہ عارضی طور پر دوسرے کالجوں میں کروا لیا تھا۔ بجنور کے تحصیلدار صاحب کے صاحبزادے مسعود احمد الٰہ آباد کے کسی عیسائی کالج میں داخل ہو گئے ہیں اور بہت سوں نے ایسا ہی کیا ہوگا یہاں تو یہ منشا تھا کہ اسلامی درس گاہیں برباد دیگر درس گاہیں آباد۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نے جو کچھ لکھا وہ ضرورتاً لکھا تھا، ہمیشہ کے واسطے نہ یہ طریقہ مستحسن تھا اور نہ ایک علمی پرچہ کے مقاصد میں تُو تُو مَیں مَیں داخل ہے۔ چونکہ مذہبی پیرایہ میں علی گڑھ کالج کی مخالفت شروع کر دی گئی تھی مذہب کا دوسرا رُخ بھی دکھلانا ضروری تھا۔ مذہب کے پیرایہ میں انگریزی تعلیم کی مخالفت بلکہ علی گڑھ کالج کی مخالفت کوئی نئی بات نہیں تھی۔ پہلے بھی علمائے امت کا اجماع اسی شدومد کے ساتھ ہو چکا ہے اور میں نے اپنی یاد میں بہت طرح کے جوش و خروش مذہب کے نام پر دیکھے ہیں اور وہ سب بادِ ہوائی کی طرح اڑ گئے ہیں مگر موجودہ جوش بہت سی وجوہات سے زیادہ مضرت رساں ثابت ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ میرے خیال میں یہ فرض کفایہ ہے کہ مسلمانوں کی آسانی سے مشتعل ہونے والی قوم کو بالخصوص سادہ لوح بچوں کو وضاحت کے ساتھ بتلایا جائے کہ یہ جوش کن کن اجزا سے مرکب ہے اور کیسی کیسی قوتیں اس میں کام کر رہی ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو فنا فی القوم اور

مذہب مذہب کہتے ہیں کیا اُن کے افعال اون کے اقوال کی تائید کرتے ہیں یا لفاظی ہی لفاظی ہے یا دہو کہ ہی دہوکہ ہے۔ چو می بینم کہ نابینا و چاہ است...... اگر خاموش بنشینم گناہ است۔ بہرحال تصویر کا ایک ہی رُخ کافی نہیں ہوتا۔ دوسرا رُخ بھی دیکھنا چاہئے اور پھر کم ازکم (COMMON SENSE) کو کام میں لانا چاہئے بغیر (COMMONSENSE) کو کام میں لائے چارہ نہیں۔ مذہب تو عرصہ گذرنے اور ہزارہا بلکہ لاکھوں علماء اور اہل الرائے اس میدان میں چھان بین کرنے اور اپنی تحقیقاتوں سے نتائج پر پہونچنے کی وجہ سے رستہ اس قدر (INTRICATE) کرلیا ہے کہ آن واحد میں ہم کبھی کسی انقلابی مذہبی تحریک کے دلدادہ نہیں ہوسکتے اور لطف یہ ہے کہ اگر بڑی جدوجہد کے بعد ہم (CONVINCED) بھی ہوجائیں تو اگلے سال تک کوئی اور مذہبی خیال ہمارا اوڑھنا بچھونا بنا ہوا ہوگا۔ فتووں کی بھرمار ہو رہی ہوگی اور لوگ جوق جوق اس طرف کھنچے جا رہے ہوں گے اور ایک طوفان بدتمیزی قیامت برپا کر رہا ہوگا۔ غرضکہ اس اخبار نے موجودہ پُرآشوب زمانہ میں اپنی خدمت کا حق پورا ادا کیا۔ دوسرا اور کونسا ذریعہ بیدردانہ حملوں سے بچانے کا اخباری دنیا میں ہوسکتا تھا۔ جب ایک شخص کسی کے مال و متاع پر ہاتھ صاف کرتا ہے تو کیا مالک یا امین کو حق حاصل نہیں کہ جس طرح بھی بن پڑے مال کو بچا وے اور کشمکش میں مضطربانہ حرکات کا سرزد ہونا ایک قدرتی بات ہے پُرامن اور پُرآشوب زمانوں کے طرزعمل میں بالضرور فرق ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے خوش نہ ہونا خواہ کیسا ہی افسوسناک ہو مگر تعجب انگیز نہیں مسلمانوں کی یہ خصوصیت ہے کہ کبھی باہم متحد نہیں ہیں اختلاف خیال کی وجہ سے تفرقہ پیدا ہوجاتا ہے اور پھر اس کا جو لازمی نتیجہ ہے وہ ہوجاتا ہے اور تمام قوم کے تمام کام برباد ہوجاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مسٹر تبدیلی کی ایک طویل چٹھی اخبار

میں شائع ہونے والی ہے۔ ہم کو عمدہ لٹریچر کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی مل جل کر کام کرنے کی ہو نہ طولانی بحث یا مباحثہ درکار ہے ؎

کر بہ استدلال کار دیں بدے فخر رازی رازدار دیں بدے

مسٹر محمد علی کی گذشتہ زندگی اس بات کی شاہد ہے کہ انھوں نے کبھی مل جل کر کام کرنا پسند نہیں کیا۔ دوسرے مسلمانوں کی رائے سے اتفاق کرنا گویا ان کی طینت ہی میں داخل نہیں ہر جلسہ اور ہر موقع پر اسی کا خواہاں ہونا کہ جو کچھ ہو انہیں کی رائے کی مطابق ہو۔ ہمیشہ اس تاک میں رہنا کہ عوام جُہلا کسی جذبہ سے متاثر ہوں اور پھر اُن کے جذبات کے مطابق تحریک پیدا کر کے اپنے آپ کو ممتاز کرنا۔ کوئی (SOLID) کام خود تو کبھی نہ کرنا مگر ہمیشہ بنے بنائے کاموں میں رخنہ اندازی کرنا اور دوسروں کے ہاتھ جو بات بنتی ہو اس میں خرابی ڈال دینا۔ ایسے پوست کندہ حالات کے تذکرہ کی پہلے چونکہ ایسی قومی ضرورت نہیں تھی جس قدر آج کل ہے اس واسطے پہلے کبھی تذکرہ نہیں کیا گیا ورنہ مسٹر محمد علی کے متعلق میری یہ رائے کوئی نئی نہیں ہے۔ نظر بندی نے ان دونوں بھائیوں میں اور (IRRITATION —) بڑھا دیا ہے جو بالکل اصلی مذہبی اسپرٹ کے منافی ہے۔ علی گڑھ کالج کے تباہ کرنے کی کوشش نے ایک زبردست گروہ ان کے مخالفوں کا مسلمانوں میں پیدا کر دیا ہے میں نے سنا تھا کہ اُن کے ساتھ تعلیم یافتہ جماعت ہے مگر ان سب کی مخالفتوں کا کیا نتیجہ ہے وہی جو ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ سید صاحب مرحوم کے زمانہ میں کالج میں بڑی ابتری بعض وجوہات سے پیدا ہو گئی تھی جس کا تذکرہ نواب وقار الملک کے روبرو جو مسٹر محمد علی کی آزادی (اصراری) میں پیر طریقت تھے۔ اکثر ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگوں کو افسوس ہے کہ ایسی خرابیاں آں صاحب کے نوٹس میں آرہی ہیں اور آں جناب امروہہ میں مقیم ہیں علی گڑھ تک تکلیف گوارہ نہیں فرماتے۔ اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ بیشک میں

علی گڑھ پہونچ کر کالج کی اصلاح حالت میں حصہ لے سکتا تھا مگر تم کو معلوم ہے کہ میرے اور نواب محسن الملک کے اصول مختلف اور متضاد ہیں ۔ وہ اگر یورپ کو جاتے ہیں تو میں پچھم کو ۔ میں علی گڑھ کو چلا جاؤں گا اور اصلاح حالت کی کوشش کروں گا تو ضرور ایک زبردست جماعت میرے ساتھ ہوگی اور کمزور ان کے ساتھ مگر مسلمانوں کے کام میں رخنہ پڑ جائے گا ۔ بڑی خصوصیت جو مسٹر محمد علی کی ہے وہ یہی ہے کہ کبھی دل لگا کر خاموشی استقلال کے ساتھ کام نہ کرنا اور اگر کرنا تو وہی کرنا جس میں جہلا کے ایک جم غفیر کو ساتھ ساتھ لئے پھرنا اور سب چلتے ہوئے کاموں میں روڑا اٹکانا مسلمانوں درس گاہوں پر زبردستی قبضہ کیا جاتا ہے ، لڑکوں کو ورغلایا جاتا ہے کہ یہ حکم بڑا مذہبی حکم ہے ۔ یہ آواز جو حکم مذہبی سناتی ہے خدا کی آواز ہے ۔ اس کے مقابلہ میں نہ سرپرستوں کی سنو نہ استادوں کی نہ کسی اور دنیاوی اثرات سے متاثر ہو ۔ جب سادہ لوح لڑکے آمنّا وصدّقنا کہتے ہیں تو ہدایت ہوتی ہے کہ کالج یا اسکول پر قبضہ مخالفانہ کر لینے کا آپ کو پورا حق ہے ۔ تم ہرگز درس گاہ کو نہ چھوڑو جب تک سلطنت کی قوت تم کو منتشر نہ کرے یا باہر نہ نکالے ۔ اہل ہنود کی قومی درس گاہوں کی یہ حالت نہیں ۔ وہاں کلہ بکلہ گفتگو ہوتی ہے اور کوئی زور و قوت یا اثر کام میں نہیں لایا جاتا ۔ سیدھی سادھی باتیں کی جاتی ہیں اور بس سختی کرنے کی یہ ضرورت تھی ورنہ کسی کا سر نہ پھرا تھا ۔ فقط دعا نامہ فرید احمد ۔" (مولانا محمد علی ہی پر مولوی عبدالحق کا خط صفحہ (۴۹۷) پر ملاحظہ ہو ۔ مؤلف)

مخفی نہ رہے کہ مولوی عزیز احمد صاحب جن کو مندرجہ بالا خط میں مخاطب کیا گیا ہے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ تاریخ کے پروفیسر اور سرسید ہال کے پرووسٹ مولوی خلیق احمد صاحب نظامی کے والد ماجد تھے اور آخر الذکر نے مہربانی سے اپنے اس دلچسپ خط کی عبارت نقل کرنے کی اجازت راقم الحروف کو مرحمت فرمائی ہے ۔ مولوی عزیز احمد صاحب نظامی ایم ۔ اے ۔ او ۔ کالج علی گڑھ کے اولڈ بوائے اور میرٹھ کے چوٹی کے

وکلا میں سے تھے ۔ ۱۵؍مارچ ۱۹۵۸ء کو کچہری میں دو بجے دن کے اچانک حرکت قلب بند ہوگئی ۔ مرحوم کا سوگ ملک کے تمام اہم اخبارات میں منایا گیا ۔ مثلاً ہفت روزہ "نیا جیون" مورخہ ۱۷؍مارچ ۱۹۵۸ء الجمعیت مورخہ ۲۰؍مارچ ۱۹۵۸ء ہفت روزہ "پیغام" مورخہ ۱۶؍مارچ ۱۹۵۸ء وغیرہ ۔ مولوی فرید احمد صاحب کے انتقال سے متاثر ہو کر خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب نے جو پر درد مضمون اپنے اخبار "البشیر" میں بتاریخ ۲۲؍دسمبر ۱۹۴۳ء شائع کیا تھا ۔ اب آخر میں اس کا بھی کچھ حصہ پڑھتے چلئے تاکہ ان مرحوم سے بھی آپ کا تعارف ہو جائے ۔

آج ہم ایک اور درد مند قوم مولوی فرید احمد صاحب پنشنر سب رجسٹرار کے انتقال پر ملال کی خبر شائع کرتے ہیں ۔ ان کے مختصر حالات زندگی حسب ذیل ہیں ۔

مولوی فرید احمد صاحب مرحوم امروہہ کے ایک نہایت معزز خاندان کے بزرگ تھے ۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ علمی مشاغل میں صرف ہوا تھا ۔ وہ نہایت اعلیٰ علمی مذاق رکھتے تھے ۔ دوران ملازمت بھی ان کی علمی سرگرمیاں اور تعلیم سے دلچسپی برابر جاری رہی ۔ مرزا پور جھانسی میں متعدد مدارس ان کی پر خلوص کوششوں سے وجود میں آئے ۔ وہ مستثنیٰ قابلیت کے انسان تھے ۔ علوم مشرقی و مغربی میں یکساں کمال حاصل تھا ۔ اسلامی تصوف میں دستگاہ خاندانی ورثہ میں ملی تھی اور یوروپین فلسفہ پر ان کی معلومات برسوں کے بغور مطالعہ کی نتیجہ تھیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ مذاہب عالم کا مطالعہ جس بالغ نظری کے ساتھ انھوں نے کیا تھا وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے ۔ سرسید ۔ وقار الملک ۔ حالی وغیرہ کے لکچر ایجوکیشنل کانفرنسوں اور حمایت الاسلام کے جلسوں میں سنتے تھے اور ان بزرگوں کی صحبت سے انھیں قومی درد کا بے پناہ سرمایہ ملا تھا ، سرسید کا عشق ان کی رگ رگ میں سمایا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مرحوم ان بزرگوں میں تھے جو خاموشی کے ساتھ فلاح اور بہبود کے کاموں میں حصہ لیتے تھے ۔ وہ نام و نمود

اور شہرت سے متنفر تھے۔ وہ ان بزرگوں میں تھے جنھوں نے سرسید کے مشن کو خاموشی کے ساتھ ترقی دی۔ افسوس ہے کہ اب کا زمانہ ایسے بزرگوں سے خالی ہو رہا ہے...... مرحوم اپنے فرزند اکبر مولوی عزیز احمد صاحب نظامی ایڈوکیٹ کے ساتھ خیر نگر دروازہ میرٹھ میں رہتے تھے اور یہیں انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

یہ کتاب لکھی جا چکی تھی جو جناب خلیق احمد صاحب نظامی ....
...... کے کتب خانہ سے "حیات مشتاق" نامی کتاب جس کا تذکرہ ہمارے دیباچہ کی ابتدائی سطور میں ہوا ہے حسن اتفاق سے دیکھنے کو مل گئی۔ یہ کتاب ۱۹۰۹ء میں خادم التعلیم سیٹم پریس لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ منشی سکندر علیخاں صاحب کی تالیف کردہ ہے اور اس میں نواب وقار الملک بہادر کا ایک مضمون پیسہ اخبار۔ لاہور۔ کے حوالہ سے نقل ہوا ہے۔ چونکہ اس مضمون میں نواب صاحب ممدوح نے اُن وجوہ کو تفصیل کے ساتھ خود بیان کیا ہے جو نواب محسن الملک بہادر سے ان کے اختلاف رائے کا باعث ہوئیں اس لئے اس مضمون کا یہاں درج کر دینا بہت ضروری پایا جاتا ہے۔ اس مضمون کے آخر میں نواب وقار الملک نے وہ طریقے بھی نمبروار بتلائے ہیں جن کو اختیار کر کے ان کی رائے میں کالج کا آنریری سیکرٹری ایک "صراط مستقیم" پر چل سکتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ان طریقوں میں ہماری موجودہ مشکلات کا بھی کوئی حل نکل آئے۔ اس مضمون میں چھاپے کی بعض غلطیاں ایسی آ گئی ہیں جنھوں نے عبارت کو بری طرح متاثر کر دیا ہے۔ بعض جگہ الفاظ بھی چھوٹ گئے ہیں۔ ہم نے ہر ایسے حصہ عبارت کے نیچے لکیر کھینچ دی ہے۔

اس مضمون کو منشی سکندر علی خاں صاحب یوں شروع کرتے ہیں۔

نواب محسن الملک۔ نواب وقار الملک (اور) علیگڑھ کالج کی سیکرٹری شپ

اس عنوان سے ایک چٹھی نواب وقار الملک بہادر کی اگست ۱۹۰۷ء کے روزانہ پیسہ اخبار میں شائع ہوئی تھی جو نہ صرف نواب وقار الملک بہادر کی تحریرات کا بہترین نمونہ ہے بلکہ نواب صاحب موصوف کے خیالات علی گڑھ کالج کے سیکرٹری شپ اور نیز اُن کے اپنے معیار سیکرٹری شپ کا بہترین آئینہ ہے اور وہ ان اوراق میں بجنسہ درج کر دینے کے لایق ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

بدون اس کے کہ میں کسی اخبار کے کارسپانڈنٹ کی ملاقات کی عزت حاصل کروں اور اپنے مافی الضمیر کو ایک مکالمہ کی صورت میں کسی اخبار میں چھپواؤں۔ میں سیدھے طریقہ سے اپنے مطلب کو اپنے ہی لفظوں میں اور اپنے ہی دستخط اور اپنی ہی ذمہ داری سے پبلک کے سامنے پیش کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔

یہ بات عرصہ سے زبانوں پر آرہی ہے کہ میں علی گڑھ میں قیام کرکے نواب محسن الملک بہادر کو کالج کے کاروبار میں مدد نہیں دیتا اور مئی گذشتہ میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے بھی ٹرسٹیان کالج کے جلسہ میں عام طور پر اس کے متعلق بہت کچھ بیان فرمایا اور ایک اور معزز ٹرسٹی صاحب نے بھی جن کو نواب محسن الملک بہادر کے اور میرے باہمی تعلقات کا کافی علم نہیں تھا کچھ ارشاد فرمایا جس پر میں نے اس وقت صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کیا کہ یہ ایک ایسا مضمون ہے کہ نواب محسن الملک کی غیبت میں (جو کہ اس وقت بمبئی میں تشریف رکھتے تھے۔) میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد ہی کوئی کارسپانڈنٹ صاحب بمبئی میں نواب صاحب ممدوح سے ملاقی ہوئے اور وہ مکالمہ آپ کے معزز روزانہ اخبار مطبوعہ دوم جولائی گذشتہ میں نواب محسن الملک بہادر اور علی گڑھ کالج کے عنوان سے

شائع کیا گیا جس میں نواب صاحب ممدوح نے اپنے خیالات کو میری نسبت مشتہر فرمایا ہے اور اب متعدد دوستوں کے خطوط بھی اسی بات میں میرے پاس آ رہے ہیں۔ اور گزشتہ کالج کمیشن کے زمانہ میں بھی پبلک نے بہت کچھ اس قسم کے معاملات کے متعلق دلچسپی کا اظہار کیا ہے - لہذا میری طرف سے اب بالکل سکوت غالباً ناموزوں اور شاید کہ کالج کے حق میں بھی مضر متصور ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ میرے نزدیک میرا علی گڑھ میں جا کر رہنا گو کہ وہ آنریری سیکرٹری کے مدد دینے ہی کی غرض سے ہو بجائے مفید ہونے کے کالج کے حق میں مضر ہے ۔میری موجودگی علی گڑھ کے زمانہ میں میری نظر کالج کے ہر ایک کام پر ہوگی اور جو نقصان مجھ کو اس میں دکھائی دیں گے ان میں مجھ کو ان ٹرسٹیوں اور ممبران اسٹاف سے گفتگو کا موقعہ ملے گا جو علی گڑھ میں تشریف رکھتے ہیں اور ممکن نہیں بلکہ یہ یقین سمجھنا چاہئے کہ ایسے معاملات بھی پیش آویں گے جن میں آنریری سیکرٹری صاحب سے میرا شاید اختلاف ہوگا اور جو نقصانات نظر آویں گے ان میں بکثرت وہ امور ہوں گے جو آنریری سیکرٹری کی بے خبری یا کمزوری کا نتیجہ ہوں گے اور اس طرح پر ایک سلسلہ ناگوار نکتہ چینی کا قایم ہو جاوے گا اور میرا گھر ایک زبردست مورچہ آنریری سیکرٹری کے خلاف سمجھا جانے لگے گا جہاں وہ تمام لوگ جمع ہوا کریں گے جو میری رائے سے متفق ہوں گے اور مجارٹی یقیناً میری طرف ہوگی اور اس طرح پہ پارٹی فیلنگ کا خاصہ نقشہ جم جاوے گا جو کالج کے حق میں بے انتہا مضرت بخش ہوگا۔

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر نکتہ چینی واجبی ہوگی تو نواب محسن الملک بہادر خود خوشی سے اس کو قبول کریں گے اور نقصانات کی اصلاح ہو جاوے گی اور کوئی وجہ بدمزگی کی پیدا نہ ہوگی - لیکن اپنے طویل ذاتی تجربہ کے بعد میں یہ رائے

رکھتا ہوں کہ جناب ممدوح کی پالیسی یہ رہی ہے کہ جن باتوں کو وہ خود بھی صحیح سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ویسا ہی ہو۔ ان میں بھی اگر اسٹاف کی خوشی کا اُن کو خوف ہوتا ہے تو وہ یہ چاہا کرتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو اسٹاف کے مقابلہ پر کھڑا کر دیں اور خود اسٹاف سے بُرے نہ بنیں۔ ایک واقعہ مثال کے طور پر مَیں یہاں بیان کرنا کافی سمجھتا ہوں۔

ایک دفعہ میں علی گڑھ میں تھا اور دوسرے دن فینانس کمیٹی کا اجلاس ہونے کو تھا مجھ سے جناب ممدوح نے فرمایا کہ مسٹر مارلیسن ایک ممبر اسٹاف کے اضافہ تنخواہ پر اصرار کرتے ہیں اور ان کا اصرار بالکل ناواجب ہے۔ تم بھی اس اجلاس میں شریک ہو تو بہتر ہے۔ چنانچہ میں اس اجلاس میں شریک ہوا اور جب وہ مسئلہ پیش آیا تو میں نے مسٹر مارلیسن کی رائے سے اختلاف کیا۔ اور نواب صاحب ممدوح نے خود بھی مجھ سے اتفاق کیا..........

....

لیکن جب دیکھا کہ مسٹر مارلیسن زیادہ اصرار کرتے ہیں بلکہ ان کے چہرہ سے آثار ملال ظاہر ہوتے ہیں تو جناب ممدوح نے اپنے اختلاف کو واپس لے لیا اور فرمایا کہ جب مارلیسن صاحب کی یہی رائے ہے تو میں بھی انہیں سے متفق ہوں لیکن وہ مسئلہ اس قدر صاف تھا کہ باوجود مسٹر مارلیسن کے سخت اصرار اور نواب صاحب کی کمزوری کے مجارٹی میری طرف رہی اور مسٹر مارلیسن کی وہ تحریک نامنظور ہو گئی۔

اس مثال سے بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے کہ جناب ممدوح باوجود کسی نکتہ چینی پر متفق ہونے کے بھی کہاں تک اس کو برداشت کر سکیں گے کہ اصل ذمہ دار شخص تو علیحدہ رہے اور دوسرے ہی ہمیشہ بُرے بنتے رہیں اور پھر جب تک آنریری سیکرٹری دل سے کسی اصلاح پر متفق نہ ہو تو ایک دو کام تو مجارٹی کی بنیاد پر چل جاویں گے لیکن عام طور پر اس میں کامیابی نہ ہو گی۔

دوسرے ایک موقع پر میں نے دیکھا کہ نواب صاحب نے ایک یورپین ممبر اسٹاف سے

ایک ٹرسٹی کی نسبت فرمایا کہ ان کو ممبر اسٹاف سے عداوت ہے لیکن وہ اس کی شکایت کرتے ہیں۔ جب وہ اسٹاف افسر تشریف لے گئے تو میں نے نواب صاحب سے عرض کیا کہ بہ حیثیت ٹرسٹی آپ کو مناسب نہ تھا کہ آپ ایک ٹرسٹی کی اس قسم کی شکایت اسٹاف کے ممبر سے کرتے اور اسٹاف کے تعلقات باہم خراب ہو جاویں گے۔ بس اب فرمائیے کہ اگر میں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ میرے علی گڑھ کے قیام میں بدمزگیاں پیدا ہوں گی اور اس کا نتیجہ کالج کے حق میں مضر نکلے گا تو وہ اندیشہ کوئی بیجا نہیں ہے اور یہ دو مثالیں جو میں نے اوپر بیان کیں جناب ممدوح کے عام طرز کارروائی کو سمجھانے کیلئے کافی ہیں۔ مئی گذشتہ کے اجلاس ٹرسٹیان میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کو میں نے یہ جواب دیا کہ اگر میرا یہ خیال کہ نواب صاحب ممدوح کے ساتھ کام کرنا مشکل ہے (غلط ہے؟) تو آپ نے اسٹنٹ سیکرٹری کے عہدہ سے کیوں استعفا دے دیا۔ اس کے جواب میں، صاحبزادہ صاحب کو ضرور مشکل پیش آئی کیونکہ وہ مجھ سے اس سے قبل فرما چکے تھے کہ جو رائے تم نے ایک مدت مدید کے تجربہ کے بعد قائم کی تھی وہ مجھ کو تھوڑے ہی تجربہ کے بعد قایم کرنی پڑی اور اسی لئے میں نے اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدہ سے استعفا دے دیا۔ مگر صاحبزادہ صاحب نے میرے سوال کے جواب میں اس وقت فرمایا کہ میں نے عہدہ سے استعفا دیا لیکن کام کرنا تو نہیں چھوڑا میں بہت سے کام اب بھی انجام دیتا ہوں اور انجام دیتا رہوں گا۔ لیکن یہاں خواہ مخواہ ہی سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ کام بھی کرتے ہیں تو پھر آپ نے عہدہ سے کیوں استعفا دیا۔ اصل یہ ہے کہ اپنے جن کاموں کی طرف صاحبزادہ صاحب نے اشارہ فرمایا ہے وہ زیادہ تر انگریزی خط و کتابت کا کام ہے جس کا انجام دینے والا ان سے بہتر علی گڑھ میں اور کوئی موجود ہی نہیں ہے اور آنریری سیکرٹری مجبور تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ کام صاحبزادہ صاحب سے لیں اور ان کے عہدہ اسسٹنٹ سیکرٹری سے مستعفی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جن نقصانات

کی اصلاح چاہتے رہتے تھے ان میں ان کو آنریری سیکرٹری سے تشفی بخش امداد نہ ملی، یہ تو اسسٹنٹ سیکرٹری صاحب کی کیفیت ہوئی۔ اب جائنٹ سیکرٹری صاحب کو جو گویا علی گڑھ میں رہتے ہیں دیکھنا چاہئے کہ وہ ان واقعات کے سوا جب کہ آنریری سیکرٹری علی گڑھ سے غیر حاضر ہوتے ہیں دوسرے وقتوں میں کالج کے روزانہ کاموں میں سے کس کس کام میں آنریری سیکرٹری کو مدد دیتے ہیں۔ باہر والے ٹرسٹیوں سے تو اس وقت علی گڑھ آکر رہنے کی خواہش کرنی چاہئے جب معلوم ہو کہ صاحبان جو اپنے عہدہ کی حیثیت سے ادائے فرض کے ذمہ دار ہیں وہ آنریری سیکرٹری کے ساتھ کاموں میں شریک رہ کر ان کو کافی مدد دیتے ہیں اور ان کی مدد کافی نہیں ہوتی اور بیرونی مدد کی ضرورت ہے۔

یہاں آج مجھ کو یہ بھی بیان کرنا ہے کہ کالج میں جس سے کالج اور بورڈنگ ہوس مع اپنی جملہ شاخوں کے مراد ہے کام کی کیسی ہی زیادتی کیوں نہ سمجھی جائے لیکن تاہم وہ کام ایسا نہیں ہے جو کافی عملہ موجود ہونے کی حالت میں ایک سیکرٹری اور ایک جائنٹ سیکرٹری اور ایک اسسٹنٹ سیکرٹری اس کی پوری نگرانی نہ کر سکیں۔ مجھ کو امید ہے کہ جو کچھ میں اس وقت لکھ رہا ہوں اس کو پبلک کسی ایسے شخص کی رائے نہ سمجھے گی جس کو کاموں کا تجربہ حاصل نہ ہو یا جو اس وقت کی وسعت کار متعلقہ کالج اور اس کے مشکلات سے لاعلم ہو۔ پھر نواب محسن الملک بہادر کی بے نظیر ذہانت اور قابلیت کے لحاظ سے جس کا میں ہمیشہ معترف اور مداح رہا ہوں میں کالج کے موجودہ کاروبار میں کوئی ایسی دشواری نہیں پاتا جو لاینحل سمجھی جاتی ہو بشرطیکہ ہر ایک کام کو اس کام کی حیثیت سے انجام دیا جائے اور کچھ داخلی و خارجی پالیسیاں کام میں خلل انداز نہ ہوں اور ہر ایک کام کرنے والے کو اپنے کام کے حدود معلوم ہوں اور وہ اپنی حدود کے اندر کام کرے اسی کے ساتھ میں اخیر شخص ہوں گا جو بدل

اس بات کا خواہش مند نہ ہو کہ جو ٹرسٹی اپنا وقت دے سکتے ہیں وہ مختلف کاموں میں اپنے اپنے مذاق طبیعت کے لحاظ سے شریک کئے جاویں اور آنریری سیکرٹری پر سے ذمہ داریوں کا بار حتی الامکان کم ہو۔ کیونکہ ہر وقت سرسید احمد خاں اور نواب محسن الملک کی سی قابلیت کے لوگوں کا کالج کے واسطے آنریری طور پر پہونچتے رہنا ناممکن ہے اور ضروری کام کا انتظام کچھ ایسا ہونا چاہئے جو متوسط قابلیت کا ذمہ دار افسر بھی اس کام کو انجام دے سکے۔

آنریری سیکرٹری ٹرسٹیان کے فرائض کے ساتھ کانفرنس اور سرسید میموریل فنڈ کی خدمات کے شامل ہو جانے سے جس میں نواب محسن الملک بہادر نے بے نظیر کامیابی حاصل کی ہے اُن کے کاموں کی فہرست اور اُن کا وزن بہت بڑھ جاتا ہے اور یہ آخرالذکر خدمات ہی وہ خدمات ہیں جن کی کامیابیوں پر آئندہ کالج کا یونیورسٹی تک ترقی کرنا بہت کچھ منحصر ہے اور اس لئے ...... مصلحت ہے کہ نواب محسن الملک بہادر کو باوجود ان کے ہر طرح کی مسلمہ قابلیتوں کے ان تینوں قسم کے کاموں میں سے کوئی سا کام بھی اچھی طرح انجام نہ پا سکے۔ اور اس وقت تک یہ حالت ہے کہ جناب ممدوح نے کانفرنس اور سرسید میموریل فنڈ کے متعلق بے شک بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ لیکن بہ حیثیت آنریری سیکرٹری وہ کالج کے اندرونی انتظامات پر اپنی نگرانی جیسی کہ چاہئے تھی اس کا نصف بلکہ ربع بھی قایم نہ رکھ سکے اور وہ جو کچھ بھی کر سکتے تھے اُس میں اُن کو اُن پالیسیوں کی بدولت جس کو کچھ وہی خوب جانتے ہوں گے کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کالج کے ہر ایک صیغہ اور شعبہ میں ایک قسم کی آزادی کی خواہش پیدا ہو گئی ہے اور بہت کم لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو کام کو کالج کے مقاصد کے لحاظ سے انجام دیتے ہیں۔ ورنہ ہر ایک اپنے متعلقہ کام میں کوئی نہ کوئی ذاتی پالیسی ملحوظ رکھتا ہے اور اس سے کالج کو نقصان پہنچا ہے اور پہونچ رہا ہے وہ

محتاج بیان نہیں ہے۔ اور آئندہ جو شخص بھی آنریری سیکرٹری کے عہدہ پر مقرر ہوگا وہ اگر موجودہ نقصانات کے رفع کرنے میں کامیاب بھی ہوا تو بھی ابتداء میں اس کو بہت سخت سخت مشکلات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

انھیں مشکلات کے لحاظ سے جن سے خود نواب محسن الملک بہادر سب سے زیادہ واقف ہیں اور اتفاقاً کبھی کبھی خود اس کا اقرار بھی فرماتے ہیں جناب ممدوح نے اب سے چند سال قبل مجھ سے ارشاد فرمایا اور اس پر حد سے زیادہ زور دیا کہ کاموں کو اب تقسیم کرنا چاہئے اور مجھ سے فرمایا کہ آنریری سیکرٹری ٹرسٹیان کے عہدہ کا کام جس سے کالج کا اندرونی کام مراد ہے تم مجھ سے بہتر کر سکتے ہو۔ عہدہ آنریری سیکرٹری کا تم لو اور کانفرنس اور سرسید میموریل فنڈ کا کام جس میں باہر جانا اور جلسے کرنا اور چندہ وصول کرنا ہے۔ یہ کام میں تم سے بہتر کروں گا۔ یہ دونوں کام میرے پاس رہیں۔ جناب ممدوح کے ارشاد سے مجھ کو بھی اتفاق تھا اور دوسرے اکثر دوستوں نے بھی اس کو پسند کیا۔ یہاں تک کہ یہ تجویز اجنڈے میں داخل ہوئی اور ایک سالانہ اجلاس میں ٹرسٹیوں کے سامنے تصفیہ کے لئے رکھی گئی۔ اور نواب محسن الملک بہادر نے انریری سیکرٹری کے عہدہ سے استعفاء بھی پیش کر دیا اور میرے اوپر زور دیا کہ اب علی گڑھ میں رہنے کی غرض سے جلد مجھ کو علی گڑھ آنا چاہئے اور اس لئے مکان کے قریب ہی دوسرا مکان میرے واسطے تجویز بھی کر لیا اور میں بھی جب اپنے وطن امروہہ سے اس سالانہ جلسہ کے شرکت کی غرض سے چلا تو ریلوے اسٹیشن پر ایک پوری مال گاڑی کا انتظام کرتا گیا تاکہ اپنا ضروری اسباب ایک ساتھ علی گڑھ کو منتقل کر سکوں اور جب علی گڑھ پہنچا تو جلسہ میں شریک ہونے کے قبل نواب محسن الملک بہادر نے مجھ سے فرمایا کہ چل کر وہ مکان دیکھ لو جو تمہارے لئے میں نے تجویز کیا ہے۔ اس کا جو جواب اس وقت میں نے

دیا حقیقت میں وہ تھا تو محض مذاق کے طور پر لیکن بعض اوقات مذاقیہ کلمات بھی واقعات پر مبنی ہو جاتے ہیں۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ ذرا اور ٹھیرے۔ جلسہ سے لوٹنے کے بعد دیکھنا بہتر ہوگا۔ جلسہ جب منعقد ہوا اور ٹرسٹیان موجودہ اجلاس اور غیر موجود اجلاس کے ووٹوں کو شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کہٹ ٹرسٹیوں کے سوا باقی جملہ ووٹ اس پر تھے کہ نواب محسن الملک بہادر کا استعفاء منظور ہونے کے بعد مشتاق حسین کا تقرر عہدہ آنریری سیکرٹری پر عمل میں آوے اور گو یہ کام اس اجلاس کا نہ تھا لیکن معلوم ہو چکا تھا کہ اس پر بھی کہ کانفرنس کا کام بہ حیثیت سکرٹری اور سرسید میموریل فنڈ کا کام بہ حیثیت پریسیڈنٹ نواب محسن الملک بہادر کے پاس رہے گا۔ اپنی باری میں میں نے اجتناب کیا اور جو کچھ بیان کیا وہ قریباً یہ تھا کہ پبلک عام طور پر نواب صاحب ممدوح کے کالج سے علٰحدہ ہونے کو پسند نہیں کرتی لہذا ٹرسٹیوں کو بھی جو پبلک کے گویا وکیل ہیں وہی پہلو اختیار کرنا مناسب ہے جو پبلک کی مرضی کے مطابق ہے۔ دوسرے اکثر ٹرسٹیوں نے بھی اس قسم کی گفتگو کی جو در حقیقت مستعفی ہونے والے عہدہ دار کی خدمات کا جس نے چندسال گذشتہ میں کالج کی خدمات بغیر کسی معاوضہ کے انجام دی تھیں ایک سنجیدہ اعتراف تھا، مگر جلسہ کا اختتام اس پر ہوا کہ نواب محسن الملک بہادر نے اپنا استعفاء عہدہ آنریری سکرٹری سے واپس لیا اور مجھ کو کوئی ضرورت نہ اُن کے مجوزہ مکان کے دیکھنے کی باقی رہی نہ ریلوے مال گاڑی کے انتظام کی۔ "مردن موقوف مقبرہ مسمار" اور میں نے کبھی اس کے بعد جناب ممدوح سے اس کی شکایت نہ کی کہ اگر یہی منظور تھا تو اس تماشہ کی ضرورت ہی کیا تھی۔

اپنے کارسپانڈنٹ کے اس سوال کے جواب میں کہ آیا مشتاق حسین آپ کی جگہ خود سکرٹری بننا چاہتا ہے۔

جناب ممدوح نے جو کچھ مہربانی سے ارشاد فرمایا اس کو جناب ممدوح کے الفاظ میں یہاں نقل کر دینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

"یہ سچ ہے۔ انہوں نے (یعنی مشتاق حسین نے) نہ صرف اخلاقی رائے کمیشن ہی میں بلکہ اور تحریروں میں بھی میرے متعلق بہت کچھ سخت لکھا ہے اور بہ مقتضائے بشریت مجھے اس کا رنج ہوا ہے مگر میں یقین کرتا ہوں کہ جو کچھ انہوں نے لکھا گو کیسا ہی سخت لکھا ہے مگر ذاتی مخالفت یا رنج کی وجہ سے نہیں لکھا بلکہ اپنے نزدیک قوم اور کالج ہی کے فایدہ کی غرض سے لکھا ہوگا، اس لئے میں اُن کی گالیوں کو بھی ان کی نیک نیت پر خیال کر کے اپنے لئے تنبیہ اور ہدایت سمجھتا ہوں اور کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ اُنہوں نے کسی ذاتی رنج کیوجہ سے ایسا لکھا ہے۔ باہم ہمارے اُن کے درمیان ذاتی رنج نہیں ہے بلکہ میں اُن کی دل سے قدر کرتا ہوں اور اپنا دوست سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک وہ نہایت نیک نفس اور اپنی رائے کے پختہ ہیں۔ اگر نیک نیتی سے انہونے کوئی بات لکھی گو وہ میرے نزدیک غلط ہو تاہم ذاتی رنج پر محمول کبھی نہیں ہوسکتی اور یہ خیال کہ وہ اپنا سیکرٹری ہونا چاہتے ہیں اس کا یقین وہی شخص کر سکتا ہے جو ان کے خیالات اور مزاج سے واقف نہ ہو وہ کبھی سیکرٹری ہونے کے خواہاں نہیں ہیں۔ اگر کوئی ایسا وقت بھی آجاوے کہ لوگ اُن کے سیکرٹری بنائے جانے پر اصرار کریں تو شاید بہت ہی مجبوری اور کالج کی ہمدردی کے خیال سے وہ منظور کر لیں ورنہ اُن کو سیکرٹری شپ کے منظور کرنے میں عذر ہوگا۔ اور یہ محض میرا خیال ہی نہیں ہے بلکہ پچھلے واقعات سے اس کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ مجھے رنج ہوتا ہے جب لوگ ایسی بدگمانی اُن کی نسبت مشہور کرتے ہیں۔"

اس مضمون میں جناب ممدوح نے جو کچھ میری نسبت ارشاد فرمایا ہے میں اس کا بدل ممنون ہوں اور اگر جناب ممدوح کو میرے کچھ الفاظ ناگوار گذرے ہیں تو مجھ کو اس کا

بدل افسوس ہے اور میں جناب ممدوح سے اس کی معذرت کرتا ہوں۔ لیکن جب کوئی اس کا فیصلہ کرنے بیٹھے کہ میری کسی تحریر پر کہاں تک اعتراض ہو سکتا ہے تو میں اُس وقت ضرور یہ درخواست کروں گا کہ اس تحریر کو سامنے رکھنا چاہئے۔ میرے تمام اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب ممدوح کے عہد سیکرٹری میں کالج کا اندرونی انتظام کبھی اعتراضات سے خالی اور قابل اطمینان نہیں رہا اور ماتحتوں پر ان کی واجبی نگرانی قایم نہیں رہی اور اخراجات کی نگرانی بھی اچھی حالت میں نہیں رہی۔ اور یہ سب کچھ کیوں ہوا۔ یہ کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ جناب ممدوح کے پاس وقت نہ تھا یا وہ اس کی قابلیت نہ رکھتے تھے۔ نہیں۔ بلکہ زیادہ تر یا تمام تر اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ جناب ممدوح نے قومی مقاصد پہ ذاتی پالیسیوں کو مقدم کر دیا ہے اور بدقسمتی سے یہ نہ ہوتا تو نواب محسن الملک بہادر اس قابلیت اور دل و دماغ کے شخص ہیں کہ ایسے ایسے پانچ کالجوں کو کامیابی سے چلا سکتے تھے جب کہ بحالت موجودہ ایک کالج کو بھی کامیابی سے چلانے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

مجھ سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ نواب محسن الملک بہادر نے کالج کے اندرونی انتظام کی ذمہ داری سے سبکدوشی چاہی جس سے مراد یہ ہے کہ آنریری سیکرٹری کے عہدہ کو انہوں نے چھوڑ دیا اور کانفرنس و سرسید میموریل فنڈ کو صرف اپنے ہاتھوں میں رکھنا کافی سمجھا تو آیا میں آنریری سیکرٹری کے عہدہ کو قبول کروں گا۔ اس کی نسبت کسی قدر توضیح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

چند سال قبل جب معزز ٹرسٹی حضرات نے میرے آنریری سیکرٹری ہونے پر اتفاق فرمایا تھا میرا بیان یہ تھا کہ انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے مجھ کو مشکلات پیش آویں گی۔ نیز میری مالی حالت اور دوسرے ذاتی مشکلات بھی اس امر میں کہ میں اپنے وطن کو چھوڑ دوں اور علی گڈھ آکر رہوں جس کے بدوں سیکرٹری کے

عہدہ کا کام انجام نہیں دیا جاسکتا ہے اور سن وسال کے لحاظ سے بھی اتنی بڑی ذمہ داری
کے کام کا برداشت کرنا آسان نہیں ہے باایں ہمہ اگر ٹرسٹی صاحبان نے میرے ہی ضعیف
کندھوں پر اس بوجھ کو رکھنا پسند کیا تو میں اپنی ہر ایک مشکل اور ضرورت کو نظر انداز
کر دینے اور کالج کی خدمت بجا لانے کے لئے آمادہ ہوں گا۔ لیکن دوسرے کسی امیدوار
کے مقابلہ میں اپنے واسطے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرنے سے اور مقابلہ
کے اکھاڑے میں کودنے سے میں معافی چاہوں گا (یہ میرا اس وقت کا جواب تھا) اور
اس وقت کی بہ نسبت آج میری ہر ایک مشکل بڑھ گئی ہے۔ خانگی ضروریات اور مالی مشکلات
اس وقت کی بہ نسبت اب بہت زیادہ اس بات کی مانع ہیں کہ میں گھر چھوڑ کر علیگڑھ
آکر رہوں، سن بھی اُس وقت کی نسبت چند سال زیادہ ہو گیا ہے۔ تندرستی
بھی اُس وقت کی نسبت اِس وقت اچھی نہیں ہے اور انگریزی نہ جاننے کا عذر
اب بھی بدستور قائم ہے اور اس عرصہ میں میرے بعض اور مشاغل بھی بڑھ گئے ہیں،
اور اب بھی میں آنریری سیکرٹری کے عہدہ کے لئے خواہشمند نہیں ہوں نہ کسی دوسرے
امیدوار کے مقابلہ میں اپنے واسطے ووٹ جمع کرنے کی کوشش کرنا گوارا کروں گا
لیکن باایں ہمہ اگر معزز ٹرسٹی حضرات مجھ ہی سے یہ خدمت لینا پسند کریں اور میری
کسی مشکل کا بھی خیال نہ فرمادیں تو یہ بھی مجھ سے نہ ہوسکے گا کہ میں کالج کو لاوارثی کی
حالت میں چھوڑ دوں اور جو کچھ مجھ سے ممکن ہوگا میں کالج کی بہتری کے لئے کرنے پر
آمادہ ہوں گا۔ خصوصاً جب کہ کانفرنس اور سرسید میموریل فنڈ کے کام کو نواب محسن الملک
بہادر انجام دینے پر آمادہ ہوں گے۔ اور میں اوپر بھی کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں
کہ آنریری سکرٹری کے کام کو لوگوں نے جیسا مشکل سمجھ رکھا ہے اور جیسا مشکل بنا لیا
ہے کہ کسی کے نمٹانے سے نہیں نمٹتا اور کام ہے کہ قابو ہی میں نہیں آتا وہ کام ہرگز ایسا
نہیں ہے بہ شرطیکہ آنریری سیکرٹری اپنے فرائض کی انجام دہی میں تمام ذاتیات کو بالائے

طاق رکھ کر صرف اس ایک نقطہ کو اپنی کارروائی کے دائرہ کا مرکز بنا دے کہ قوم کے حق میں کون سی کارروائی مفید ہے۔ پھر چاہے اس کی ذات بالکل ملیامیٹ ہی کیوں نہ ہو جاوے۔ حالانکہ اس کی نوبت آوے گی نہیں میرے نزدیک جو کوئی بھی سکرٹری ہو اس کے واسطے سب سے زیادہ سیدھا اور آسان راستہ یعنی اس کی صراط مستقیم یہ ہے جو میں ذیل میں بیان کرتا ہوں۔

اول :- جب ایک دفعہ کسی ٹرسٹی نے آنریری سکرٹری کے عہدہ کو قبول کر لیا جو بلاشبہ اس کے واسطے ایک شاباشی کا کام ہے تو پھر اب اس کے بعد مناسب نہیں کہ وہ قوم پر اس کا احسان جتایا کرے بلکہ پھر اس کا طرز کارروائی بالکل ایسا ہونا چاہیئے کہ کہ گویا وہ ٹرسٹیوں کا تنخواہ دار ملازم ہے۔

دوم :- اس کی مقدم پالیسیاں یہ ہونی چاہیئں۔

الف۔ گورنمنٹ کے ساتھ کالج کے تعلقات وفادارانہ حالت میں قایم رکھے۔

ب۔ ٹرسٹیز کمیٹی کی عظمت اور اپنے عہدہ کے وقار کو محفوظ رکھ کر اسٹاف کے ساتھ پوری طرح دوستانہ اخلاق سے پیش آوے۔

ج۔ طلباء کے ساتھ پدرانہ برتاؤ سے پیش آوے۔ مادرانہ برتاؤ کا تو اب زمانہ ہی نہیں رہا۔ پدرانہ برتاؤ ہی ان غریبوں کے ساتھ برتا جاوے تو بسا غنیمت ہے۔ ایک وقت تھا جب لوگ سرسید صاحب کو لڑکوں کا باپ سمجھتے تھے اور مولوی محمد سمیع اللہ خاں بہادر کو لڑکوں کی ماں۔

د۔ اپنی ذاتیات کو بالکل بھول جاوے اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر کالج کی ہر ایک کارروائی میں قومی مقصد کو ہر ایک چیز پر مقدم سمجھے اور اپنے آپ کو خدا کا اور قوم کا جوابدہ سمجھے۔

ہ۔ کفایت شعاری کو اپنا شعار گردانے اور طلبا کو بھی کفایت شعاری کی ترغیب

دے - کالج کا ایک پیسہ بھی جو قوم کا پیسہ ہے بے ضرورت صرف نہ ہونے دے -

سوم - جس وقت تک یہ اطمینان ہو کہ ٹرسٹیز کا اور کم از کم ٹرسٹیوں کی مجارٹی کا پورا بھروسہ ہے اور وہ اپنے عہدہ کے فرائض کو انجام بھی دے سکتا ہے اس وقت تک عہدہ پر قایم رہے اور جب ان باتوں میں سے کسی میں ضعف آتا ہوا دیکھے تو بہنسی خوشی عہدہ کو چھوڑ دے -

چہارم - اپنے زمانہ سکرٹری میں جہاں تک ممکن ہو ٹرسٹیوں کو اپنے کام میں شامل اور شریک رکھنا چاہیے خصوصاً جو ٹرسٹی علی گڑھ میں یا اس کے حوالی میں رہتے ہیں ان کو ضرور ترغیب دینی چاہیے کہ وہ سکرٹری کو ہر طرح مدد دیں اور (ہر) ایک اہم کام میں ان سے صفائی قلب کے ساتھ مشورہ کرنا چاہیے اور بالتخصیص جن بزرگان او رہمدردان قوم نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ وہ کالج ہی کے گرد مستقل طور پر سکونت اختیار کریں گے جس کی بنیاد پڑ اب اُن کا بہت زیادہ لحاظ رکھنا چاہیے - یہی لوگ آج قومی مہاجرین اور کالج کے آنریری سکرٹری اور مسلمان رؤساء علی گڑھ و بلند شہر کو ان کی خاطر بہ داشت میں انصار کی تقلید کرنی چاہیے - کالج کو لونی اسلامیہ یونیورسٹی سے کالج اور قوم کے حق میں کم مفید ثابت نہ ہو گی -

پنجم :- ہر ایک آنریری سکرٹری کو ٹرسٹیوں میں سے کچھ لوگ ایسے تیار کرنے چاہیں جو آئندہ آنریری طور پر سکرٹری اور جائنٹ سکرٹری کی خدمات کو بلا وقت انجام دے سکیں اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ جو پر جوش اور قومی ہمدرد ٹرسٹی کالج کے کاروبار میں دلچسپی لینے والے ہوں ان کو کام کرنے کا موقع زیادہ دیا جائے اور اُن کے شوق کو اور بڑھایا جاوے تاکہ رفتہ رفتہ ہر ایک قسم کا کام اُن کے ہاتھ سے بہ زیر نگرانی و اطلاع آنریری سکرٹری انجام پانے لگے - سکرٹری کا آفس آئندہ امیدواران عہدہ سکرٹری و جائنٹ سکرٹری کا مدرسہ ہونا چاہیئے -

ششم۔ پارٹی فیلنگ سے کالج کو بچایا جاوے جس میں فی صدی نوے حصہ آنریری سکرٹری کی طرز کارروائی کو دخل ہوگا۔

ہفتم۔ نہ صرف ٹرسٹیوں کو بلکہ قوم کو کالج کے حالات سے بہت زیادہ مطلع رکھنا چاہئے۔ سکریٹریٹ (سیکرٹ؟) کارروائیوں کی تعداد کالج کارروائیوں میں بہت ہی کم ہونی چاہئے اور نکتہ چینیوں اور اختلافات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرنا چاہئے۔

ہشتم۔ آخرالامر اس بات کی ہمیشہ کوشش میں رہنا چاہئے کہ کالج ایک دن اسلامیہ یونیورسٹی ہوکر رہے۔

خاکسار

مشتاق حسین - امروہہ -

۱۵ر اگست ۱۹۰۷ء

نواب وقار الملک بہادر مرحوم کے انتقال سے متاثر ہو کر ۵۹ اشعار کا جو مرثیہ نواب عزیز جنگ بہادر نے تحریر فرمایا ہے اس کا کچھ حصہ کتاب "وقار حیات" کے صفحات ۷۱۴ - ۷۱۵ پر شائع ہو چکا ہے۔ اس جگہ عنوان مرثیہ کے علاوہ چند ایسے اشعار پیش ہیں جن سے نواب وقار الملک کے کردار اور ان کی تعلیمی دلچسپی پر روشنی پڑتی ہے۔

مرثیہ تاریخی بسوگواری رحلت نواب وقار الدولہ وقار الملک
نواب مشتاق حسین خاں بہادر انتصار جنگ مرحوم و مغفور
طبعزاد خاں بہادر شمس العلما نواب عزیز جنگ بہادر ولاؔ تخلص

وقار الملک آخر چل بسے افسوس دنیا سے
ودیعت تھے صفات نیک بختی جن کی فطرت میں

مراد آباد میں جن کا وطن تھا خاص امروہہ
ممیز تھا سراپا خاندان ان کا شرافت میں

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں
یہ مصرع داغؔ کا موزوں ہے ایدل انکی تربت میں

زکوٰۃ و حج صلوٰۃ وصوم اشراق وتہجد سے
بڑے محتاط تھے پابندی حکم شریعت میں

امارت میں فقیرانہ بسر تھی زندگی ان کی
نظر آتی تھی ان کی سادگی طرز معیشت میں

صداقت نقش ہے انکی قلوب اہل ایماں پر
قسم کھاتے ہیں ان کے نام کی عرض دیانت میں

کیا کرتے تھے وہ ارباب حاجت کی خبر گیری
لیا کرتے تھے حصہ بیکسوں کے رنج و راحت میں

عدیل ان کا نہیں مجموعہ اوصاف میں کوئی
تحمل انکساری بردباری میں متانت میں

کریم النفس تھے لیکن تنفر تھا نمایش سے
چھپے رستم تھے وہ داد و دہش جود و سخاوت میں

زباں سے اُف نہ کی جب مر گیا ان کا جواں بیٹا
کہا (مجھکو نہیں کچھ دخل خالق کی مشیت میں)

نہ ہوتا تھا مخاطب کی وجاہت کا اثر ان پر
بہت مضبوط تھے اسلام کے جوش حمیت میں

نظر آتا نہیں عالم میں ایسا عالم جامع
فنون خاص میں علم و ہنر فہم و فراست میں

برے وقتوں میں ہمدرد خلایق ذات تھی ان کی
کیا کرتے تھے دشمن کی مدد وقت مصیبت میں

قریش و عاجز و مجبور و محتاج مدد پایا
سفر ہم نے کیا جب پار سالی ان کی علالت میں
جو آیا ذکر اُن سے انتظام ملک و ملت کا
تو فرمانے لگے دیکر دعائیں عین رقت میں
خدا کے فضل سے قایم ہوئی ہی میرے مسکن پر
بنائے مذہبی تعلیم انگریزی حکومت میں
دعا کرتا ہوں امروہہ میں کالج ہو رہے قایم
ضرورت ہے اسی کی احتیاج ملک و ملت میں

ندا آئی ولا وقت سحر رضوان جنت سے
وقار الملک نے پائی جگہ لا ریب جنت میں

۱۳ ۳۵ ھ

غیر مطبوعہ مرثیہ جات

اب حکیم اشفاق حسین صاحب زکی مارہروی کے قطعہ تاریخ انتقال کے چند شعر ملاحظہ ہوں اور واضح ہو کہ نواب وقار الملک کا تاریخی نام چراغ احمد تھا۔

نواب وقار الملک ذی جاہ۔ ہیں جلوہ افروز بزم مرقد
احکام نبی کے متبع تھے۔ ارباب ثقات کے تھے سرحد
سیرت صورت سے صاف ظاہر۔ صورت سیرت کی تھی موید
مصراع وفات ہے زکی سے۔ ہائے ہوا گل چراغ احمد

۱۳ ۳۵ ھ

حکیم اسرار الحق صاحب مرحوم کا کچھ ذکر اوپر آچکا ہے۔ ان کا پورا خاندان طب یونانی سے وابستہ رہا ہے اور بہت سے مشہور اطبا اس خاندان میں گزرے ہیں۔ اور میرے دیرینہ درد قولنج کا جو کامیاب علاج حکیم صاحب موصوف نے کیا ہے۔ وہ یورپ تک میں ممکن نہ ہو سکا اور اس کا حال تو پورے امروہہ کو معلوم ہے۔ نواب وقار الملک پر جو مرثیہ انہوں نے

لکھا تھا اب اس کے کچھ اشعار پیش ہیں:۔ ؎

الوداع اے قوم کے روحِ رواں   الفراق اے زبدۂ ایمانیاں
الوداع اے حامئ بے یاوراں   الفراق اے قوم کے آرام جاں

قوم بے کس کے مسیحا الوداع
قوم کے دل کی تمنّا الوداع

تو نے وہ کچھ کر دکھایا قوم کو   اپنا شیدائی بنایا قوم کو
خوابِ غفلت سے جگایا قوم کو   رحم حق تھا تیرا سایا قوم کو

تیری عظمت اور جرأت کے نثار
تیرے استقلال و ہمّت کے نثار

صدق استقلال و ایمان و کرم   جمع تھے تجھ میں سب اوصاف اتم
قوم کی بہبود سے تیرا قدم   ہٹ نہ سکتا تھا جو عالم ہو بہم

تھا وہ استقلال سچّی بات پر
سچ ہی کہنا سر بھی جاتا ہو اگر

دور میں تیرے ہوا کالج کچھ اور   رحمت حق تھا اوسے بس تیرا دور
دین دارانہ ہوئے کالج کے طور   تیری حالت پر اگر کرتے ہیں غور

کیسی بدلی تھی وہاں کی ارض و بوم
رہتا تھا مسجد میں لڑکوں کا ہجوم

جس ترقی کی تمنّا سب کو تھی   وہ زمانہ میں ترے پوری ہوئی
قوم کی قسمت جو کرتی یاوری   بن چکی تھی کب کی یونی ورسٹی

آرزو سیّد کی محسن کی دعا
تیرے ہاتھوں سے خدا نے کی روا

یاد آویں گے ترے اخلاق عام   وہ معانی فہمی و حسن کلام ،
قوم کا ہے ساتھ تیرے اختتام   آخری ہے قوم کا تجھ کو سلام ،

کی تھی سر سید نے جس کی ابتدا
خاتمہ ہے تجھ پہ آج اس قوم کا

درد سے بیتاب ہے سینہ میں دل   ہیں قویٰ سارے بدن میں مضمحل
ہائے ایسا مہرباں ہو منتقل   صبر سے بیٹھے رہیں ہم پا بہ گل

فخر ملک و قوم ہو جو باوقار
قوم پر لازم ہے اس کی یادگار

خوب ہی آیا مجھے اس وقت یاد   محنتوں کی تیری ہو سکتی ہے داد
ہیں جو تیرے دوست اور اہل وداد   اُن کو لازم ہے کریں سب مل کے صاد

تو نے خود کر دی ہے قایم یادگار
مل کے ہم سب اس کو کر دیں پایدار

مسلم اسکول ایک امروہہ میں تھا   جس کو دی تھی تو نے صحت میں جلا
زندگی میں اپنی خود قایم کیا   نام پر اپنے معنون کر دیا

اب ہے وقار الملک کا زریں خطاب
نام پر اوس کے بڑھا با آب و تاب

پڑھ کے ہاں نصر من اللہ و فتح قریب   اُٹھ کھڑے ہوں سب تونگر اور غریب
کس قدر یہ امر ہے صاحب عجیب   قوم کی تعلیم کا ہو جو طبیب

اوس کا مولد اور مدفن ہو جہاں
مدرسہ کوئی نہ قایم ہو وہاں

ختم کر اس داستانِ غم کو شوق   مدتوں دل میں رہے گا اس کا ذوق

شاعری میں گو نہیں ہے تجھ کو ذوق ہے مگر گردن میں تیرے اس کا طوق

حق وقار الملک کو بخشے جناں

اور کرے مشتاق احمد کو جواں

انہی حکیم اسرار الحق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایسے دستخط کرنے کا عادی تھا جو کسی سے پڑھے نہ جا سکیں، اتفاق سے ایک دن نواب صاحب کو ایک دستی خط روانہ کیا اور اُن کی بڑی دری ایک ضرورت سے منگوائی مگر دستخط وہی جناتی کئے۔ جب نواب صاحب کی سمجھ میں نہ آسکا کہ لکھنے والا کون ہے تو انہوں نے ملازم سے دریافت کیا اور دری دیدی لیکن ساتھ ہی مجھے لکھا کہ اپنے بزرگوں کا نام روشن کرنا ہمارا فرض ہے اور آپ کے استادوں نے بھی آپ کو یہی سبق دیا ہوگا مگر میں دیکھتا ہوں کہ بزرگوں کا نام روشن کرنا

. . . .

. . . . تو درکنار آپ تو اپنے ہی نام کو مٹا رہے ہیں اور اسے اس طرح لکھ رہے ہیں جو کسی کی سمجھ میں نہ آسکے۔ اگر آپ کا آدمی موجود نہ ہوتا تو میرے لئے یہ معلوم کرنا ناممکن تھا کہ خط کس نے لکھا ہے۔ حکیم صاحب فرماتے تھے کہ یہ تحریر دیکھ کر میرے اوپر تو گھڑوں پانی پڑ گیا اور میں نے اپنے دل میں عمر بھر کے لئے صاف صاف دستخط کرنے کا عہد کر لیا جس پر قایم ہوں۔

(اس جگہ مولوی انوار احمد صاحب مرحوم سفیر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی نوشتہ وہ عبارت ملاحظہ فرمائیے جو موصوف نے برائے لوح مزار تحریر کی تھی۔) مولف۔

مرقد مبارک

فخر الملت والقوم نواب وقار الدولہ وقار الملک مولوی حاجی مشتاق حسین صاحب

انتصار جنگ بہادر، خطاب یافتہ

دولت آصفیہ حیدرآباد دکن و گورنمنٹ برطانیہ و زیٹر و آنریری سکرٹری ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم

علی گڑھ

سنہ ولادت (سنہ ۱۸۴۱ء) سنہ وفات ۲۷ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء بوقت

ابتدائے شب

اس مزار میں وہ مقدس ہستی سپرد خاک کی گئی ہے جس کے اعمال اور صفات قرون اولے کے مسلمانوں کی یادگار تھیں جس کی تمام زندگی صداقت، محنت، حب الوطنی اور حب قومی میں بسر ہوئی۔ جو غریبوں کی حامی اور مددگار اور اپنی سادہ زندگی اور اعلیٰ سیرت کے لحاظ سے تعلیم اسلام کی عملاً نمونہ تھی۔ جس کی شخصیت اور اصابت رائے وقار قومی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ جس نے بے شمار فرائض منصبی کی مصروفیتوں کے باوجود کامل (۶۰) برس تک مختلف حیثیتوں میں قوم کی اخلاقی مذہبی، تعلیمی اور پولیٹکل ترقی کی کوشش میں مردانہ وار مقابلہ کر کے پوری طرح پر حصہ لیا تھا جس کا ارادہ بلند۔ نیت ہمیشہ نیک اور ذاتی اغراض سے بالاتر تھی۔ دشمن اس کی تعظیم کرتے تھے اور دوست اس پر فدا تھے۔

اے مقدس اور پیاری ہستی! تو قوم کی رہنما۔ اسلام کی معاون اور ملک کی سچی دوست اور مشیر تھی۔ اگر ایک طرف تو خادم تھی تو دوسری طرف مخدوم کا خطاب تیرے ہی واسطے زیب تھا۔

بدنصیب قوم، بدبخت قوم، بے یار و مددگار قوم تیرے ماتم میں اندوہ گیں ہے

تو قوم میں اب موجود نہیں ہے لیکن تیرا نام اور تیرا کام زندہ ہے اور موجود ہے۔

اے بزرگ ہستی! اب تو میٹھی نیند میں آرام کر۔ خدائے رحیم اور رسول کریمؐ کی رحمت اور شفقت تیرے قریب پہونچ گئی ہے۔ تجھ کو اس عالم فانی میں بھی اس کی رحمت نے چنا تھا۔ اب جبکہ تو عالم جاودانی میں ہے اور مالک حقیقی کے پاس پہونچ گئی ہے تیرا کام اور تیرا فرض پورا ہو چکا ہے رحمت خداوندی تیری مشتاق ہے۔ جا! تجھ کو رخصت ہے۔ جا! تجھ کو الوداع ہے۔ جا! بے کس قوم کے پاس سے جا! دائمی راحت کا صلہ اور بڑائی کا درجہ اپنے مالک اور آقا کی سرکار سے حاصل کر اور ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ۔

"برائے لوح مزار"

نوشتہ خاکسار انوار احمد حسب فرمائش عزیزی مشتاق احمد سلمہٗ۔

انوار احمد

مولوی فرید احمد صاحب نظامی ساکن امروہہ نواب وقار الملک بہادر کے بڑے مداح اور اُن کے مخصوص احباب میں سے تھے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔ بیرسٹر ایٹ لا مرحوم نے نواب صاحب کی جو تاریخ انتقال نکالی تھی وہ کسی اخبار میں دیکھ کر نظامی صاحب ممدوح نے اپنی بیاض میں درج کر لی تھی اور ان مرحوم کے نامور پوتے ڈاکٹر خلیق احمد صاحب نظامی پروفیسر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اس کتاب میں شریک کرنے کیلئے راقم الحروف کو عنایت فرمائی اور اب جذبات تشکر کے ساتھ بطور تبرک کے اس اظہار واقعہ کے بعد وہ چیز یہاں درج کی جاتی ہے کہ اس سے پہلے مؤلف کو اس کی مطلق کوئی اطلاع نہ تھی۔

نواب وقار الملک وملّت　　افشاند سوے جناں رکابش
بر لوحِ مزار او نوشتم　　انجام بخیر باخطا بش

وقار الملک انجام بخیر
۱۳۳۵ ھ

مخفی نہ رہے کہ علی گڑھ میگزین کے "علی گڑھ نمبر" بابت ۵۴-۱۹۵۳ء کے صفحہ ۱۳۴ پر "تاریخ وفات نواب وقار الملک مرحوم ـ نتیجہ فکر علامہ اقبال" کے زیر عنوان یہ قطعہ تاریخ مرسلہ جناب خلیق احمد صاحب نظامی شائع ہو چکا ہے۔

(اس خط کے سلسلہ میں ہمارا خط نمبر ۸۰ صفحہ (۱۸۹) پر ملاحظہ طلب ہے ـ مولف)

شملہ ڈیپوٹیشن

خط موسومہ نواب محسن الملک بہادر ـ　　امروہہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۶ء

بدفتر آنریری سکرٹری ٹرسٹیان

خط نمبر ۲۰۰　　جناب مخدومی و مکرمی سلامت　　تسلیم ـ

۲۲ اکتوبر کے گرامی صحیفہ کا شکریہ عرض ہے اور کل ہی دفتر سے ایک تحریر وصول ہوئی ہے کہ ۲۷ اکتوبر کی بجٹ میٹنگ میں مجھکو شریک ہونا چاہئے ـ میرا خود خیال تھا کہ ۲۶ کو علی گڈہ آؤں گا۔ اور ۳۰ اکتوبر تک رہوں گا لیکن رمضان شروع ہونے اور روزہ کی ضروریات اور اس اثر کے دیکھنے کے بعد جو روزہ کی وجہ سے طبیعت پر پڑتا ہے اور بعض دوسرے ذاتی موانع کی وجہ سے بہ مجبوری یہ ارادہ ترک کرنا پڑتا ہے اور غیر حاضری کی معافی کا خواستگار رہوں۔

آج کے والانامہ میں دو انگریزی کے مطبوعہ کاغذات بھی ملفوف ہیں جنکی نسبت یہ بھی ابھی معلوم نہیں کہ وہ کس امر سے متعلق ہیں۔ متعاقب جب کوئی انگریزی داں مل جاوے گا تو اُن کو سُنکر اگر کوئی امر جواب طلب معلوم ہوگا تو جواب عرض کروں گا۔ والسلام۔

خاکسار۔ مشتاق حسین

مکرر:- وہ انگریزی کے کاغذات میں نے سُن لئے۔ کونسل کی ممبری کے واسطے جو طریقہ انتخاب کا آپ نے اس میں تبلایا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو کچھ آپ نے اڈریس میں بیان کیا تھا اُس سے قدم پیچھے ہٹا لیا ہے اور اس کو ایسی حد تک ترمیم کر دیا ہے جو اڈرس کے مقاصد کو نقصان پہونچانے والی ہے۔ ہم نے اس بات پر بحث کرنے کے بعد کہ ہمارا کیا حصہ ہونا چاہئے کوئی چیز گورنمنٹ سے اپنے لئے ایسی نہیں مانگی جس میں دوسرے ابنائے وطن سے دریغ کیا جاتا ہو۔ آپ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو علیحدہ جگہیں بھی دو اور عام الیکشن میں بھی اُن کو حقدار رہنے دو۔ یہ وہی شکل ہے کہ چپڑی اور دو دو۔ کون گورنمنٹ اس کو قبول کرے گی اور ہم کو خود بھی تو اپنی جگہ غور کرنا چاہئے کہ ہمارا کیا حق ہے اور ہم اپنے لئے وہ بات چاہیں جس سے دوسری قومیں محروم ہوں۔

آپ نے اپنے واسطے یہ حق محفوظ کیا ہے کہ آئندہ اس رائے میں ترمیم ہو سکے گی لہذا میں بہت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ خدا کے لئے دوبارہ غور فرمائیے۔ اور ایک دوسری شکل یہ ہے کہ آپ کی چٹھی کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ نے آپ کی اس رائے کو آپ کی کمیٹی کی رائے قرار دیا ہے حالانکہ آپ نے مآل اندیشی کے ساتھ اس کو بطور اپنی رائے کے پیش کیا تھا۔ میں واقف نہیں کہ اس غلط فہمی یا اختلاف کی بنیاد کیا ہوئی ہوگی۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ جب اڈریس اب راز میں نہیں ہے تو اس کارروائی کو آپ راز میں کیوں رکھتے ہیں۔ اس تحریر پر مطلع ہونے کے بعد ہر ایک ممبر کمیٹی کو یہ حق ہونا چاہئے کہ وہ اس کی بنیاد پر اپنی رائے جو کچھ وہ رکھتا ہو گورنمنٹ میں پیش کرے۔ چونکہ درحقیقت یہ رائے اس کمیٹی کی رائے نہیں ہے جس کو ڈیپوٹیشن کا قایم مقام سمجھا جاوے۔ یہ مسئلہ عام قوم کے حقوق کا مسئلہ ہے اور سب کو پاس کے قایم تعاون

کو یہ حق ہے کہ وہ بھی آئندہ اوسکی حفاظت میں کوشش کریں اور اگر آپ اپنی اسی رائے پر قائم ہیں تو مہربانی سے مجھکو اجازت دیجئے کہ میں اپنی رائے آزادی کے ساتھ پیش کروں جس کو میں بصیغہ راز پیش نہ کروں گا ۔ والسلام ۔ خاکسار مشتاق حسین ۔

گورنمنٹ اگر مسلمانوں کے لئے کچھ جگہیں رزرو کردے تو اتفاقاً اس کو ہندوؤں کے واسطے بھی ایسا کرنا پڑے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام الیکشن والی جگہیں بھی سب اُن کی اور ان کے علاوہ مخصوص جگہیں بھی سب ان کی یعنی کہ مجارٹی ان کی اور یہ سب کچھ ہماری اپنی تسلیم کے ذریعہ سے حکام نے جو کچھ بھی آپ سے اعتراضات فرمادئے ہوں میں اُن پر مطلع نہیں ہوں اور مجاز ہیں کہ جو چاہیں تجویز کریں لیا ہم کو اپنے ہاتھ اپنے ہاتھ سے کیوں قلم کر دینے چاہیں ۔ مشتاق حسین

ہمارے خط نمبر (۱۰۸) کے نیچے جو نوٹ شملہ ڈیپوٹیشن کی بابت صفحہ (۱۷۹) پر دیا گیا ہے وہ ملاحظہ ہو یعنی

خطوط موسومہ مولوی فرید احمد صاحب

خط نمبر ۲۰۱ - امروہہ :- ۸ راپریل ۱۹۰۱ء

جناب مخدومی مولوی فرید احمد صاحب بی، اے سلمہٗ ۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ

عنایت نامہ کا اور اشتہارات مخزن کا شکریہ قبول فرمائیے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ بسر و چشم تعمیل کی جاوے گی اشتہار دوسروں کو بھی دکھلایا جاوے گا اور اپنا منی آرڈر بھی میں عنقریب ہی بھیجدوں گا ۔ زیادہ کرم باد ۔ والسلام ۔ خاکسار ۔ مشتاق حسین

خط نمبر ۲۰۲ ۔ امروہہ ۱۵ ر فروری ۱۹۰۲ء

جناب مخدومی مولوی فرید احمد صاحب سلامت ۔ السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ ۔

۱۹۵

ایک چھوٹا سا مدرسہ انگریزی جو از نام تاج المدارس بطور برنچ ہائی اسکول کے ہمارے محلہ میں واقعہ ہے اوس کے سالانہ جلسہ امتحان میں مہربانی سے کچھ مدد فرما کر مشکور کیجئے اور اگر مہربانی سے اس کو آپ منظور کریں تو تشریف بھی لائیے تاکہ بالمشافہ اس میں مشورہ ہو جاوے ۔ ۱۸ ر فروری سے امتحان شروع کر دینے کا خیال ہے ۔ صرف چار تحتانی جماعتیں اس اسکول میں ہیں ۔

عزیز القدر مولوی محمد صبغت اللہ ہر سال امتحان وغیرہ سے لے لیا کرتے تھے لیکن اس وقت اون کی طبیعت کے اچھے نہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ وقت دینے سے قاصر ہیں۔ والسلام

خط نمبر ۲۰۳ - امروہہ ۱۴ر اپریل ۱۹۰۲ء

جناب مخدومی مولوی فرید احمد صاحب سلامت - السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ -

یونی ورسٹی کمیشن میں مَیں بھی گواہی ادا کرنا چاہتا ہوں اور لکھنا شروع بھی کر دیا ہے ترجمہ بھی ہوتا جاتا ہے -

کیا مہربانی سے آپ اس کام میں کچھ مدد فرما سکیں گے - اگر کچھ فرصت ہے تو مہربانی سے آج چار بجے تکلیف فرمائیے اور مشکور کیجئے - خاکسار - مشتاق حسین -

(سلسلہ خط فرید احمد صاحب نمبر ۱۹۹

علی برادران کی علی گڑھ پر اسی یورش کے بارے میں بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کی ایک بیحد دلچسپ تحریر بھی اسی جگہ پیش کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب "ضیائے حیات" مرتبہ مولوی محمد امین زبیری صاحب مرحوم کے صفحات ۷۶، اور ۷۷ کی حسب ذیل سطور اب ملاحظہ ہوں۔

مولوی عبدالحق کے ایک خط کا اقتباس۔ — اس باب کے آخر میں ہم ایک خط مورخہ ۸ رنومبر ۱۹۲۰ء کا اقتباس پیش کرتے ہیں جو مولوی عبدالحق معتمد انجمن ترقی اردو ہند نے اسی ہنگامہ کے دوران میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو لکھا تھا۔

" جب میں یہاں سے علی گڑھ جا رہا تھا تو میرا دل جوش مسرت سے بھرا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ بانیان یونیورسٹی نے نیشنل یونیورسٹی کے متعلق کامل اسکیم تیار کر رکھی ہوگی۔ ان کے پاس کافی سرمایہ ہوگا اور کام کرنے کے لئے آدمی بھی ہوں گے۔ لیکن وہاں جاکر یہ معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک چیز بھی نہیں تو مجھے افسوس اور رنج ہوا، اور مایوسی بھی۔ اتنا بڑا کام اور استغنا اور بےخبری کا یہ عالم۔ ایک دوسری بات جس سے میرے دل کو بے انتہا تکلیف ہوئی وہ یہ کہ میں نے محمد علی اور شوکت علی کو ایک انتہا درجہ کا "ملّا" پایا۔ اس لفظ میں تعصّب۔ توہّم۔ سختی۔ عناد، ناروا داری سب کچھ آگیا۔ میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی۔ میں محمد علی کے خلوص۔ صداقت۔ جرأت۔ بےنفسی۔ ایثار اور اعلیٰ قابلیت کا اتنا ہی قائل ہوں جس قدر آپ۔ لیکن ان کا ہر بات میں خدا کو لانا اور ہر حکم خدا اور اس کے رسول سے منسوب کرنا اور ہر بات میں سختی اور غلو کے ساتھ متعصّب برتنا ہر معقول پسند آدمی کو ناگوار گذرتا ہے۔ ان کا بار بار یہ کہنا کہ میں خدا کے حکم سے یہاں ہوں اور خدا اور اسکے رسول کا یہ حکم ہے دل پر زیادہ اثر نہیں کرتا .... میں موجودہ طرز تعلیم کا سخت مخالف ہوں میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ محمد علی کی طرح علی گڑھ کالج کو "کفّار اور منافقین کا کالج" کہوں۔ ان لوگوں کو جو ہم سے اختلاف

رکھتے ہیں۔ کافر، مردود وملعون کہنا کسی کو بھی اور خصوصاً کسی سردار قوم "لیڈر" کو ہرگز جائز نہیں اگر یہ جائز رکھا جائے تو کفر و ایمان میں کچھ یوں ہی سا فرق رہ جاتا ہے"۔

پھر وہ محمد علی کو پرنسپلی کے لئے ناموزوں بیان کرکے ایک مجلس انتظامی کی تشکیل کا مشورہ دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ خیال کہ دو تین مہینے میں علی گڑھ پر قبضہ ہو جائے گا اور تمام عمارت اور سامان ہمارے ہاتھ آجائے گا اس لئے کسی مستقل انتظام کی ضرورت نہیں ایک مجنونانہ خیال ہے۔ یہ خیالات دل سے نکال دینے چاہئیں۔ جہاں تک میں نے محمد علی کے خیالات سنے ان کا منشاء علی گڑھ کو مٹانا اور برباد کرنا ہے۔ اپنی یونیورسٹی کو بنانا نہیں۔ یہی وہ غلطی کرتے ہیں، اس طریقہ سے نہ علی گڑھ کالج مٹ سکتا ہے اور نہ آپ کے ہاتھ آسکتا ہے۔ بلکہ ڈر ہے کہ کہیں آپ کی یونیورسٹی خود نہ مٹ جائے۔ محض چند مولویوں کو بلا کر وعظ سنوا دینے سے یونیورسٹی نہیں بن سکتی۔ اگر جلد تعلیم کا مناسب انتظام نہ ہوا تو جو لڑکے وہاں سے اٹھ کر یہاں آئے ہیں خود بخود بیزار ہو کر بھاگ جائیں گے اور پھر آپ کچھ نہ کر سکیں گے"۔

(ضیائے حیات مطبوعہ دین محمدی پریس۔ کراچی)

نواب سرور الملک سرور جنگ بہادر نے اپنی کتاب کارنامہ سروری میں اپنی علٰحدگی کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ان کا اپنا بیان ہے جس کی کوئی تائید یا تصدیق کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہو سکی ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر اس وقت کے ریزیڈنٹ سر چلیی پلاؤڈن کا وہ خط دلچسپی سے پڑھا جائیگا جو انھوں نے وائسرائے ہند لارڈ لینس ڈاون لکھا ہے اور جس میں نواب سرور جنگ بہادر کی علٰحدگی پر اپنے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ چونکہ اس خط کا مضمون ان صفحات کی کتابت ختم ہونے کے بعد دستیاب ہوا ہے اس لئے کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ اس کو بھی یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

اس سلسلہ میں اس کتاب کا باب نمبر ۴ موسومہ کارنامہ سروری ملاحظہ طلب ہے۔

Sarwar Jang packs up :— In a letter written in February 1897 (Vide File No. 270) the Resident described the history of the rise and fall of Sarwar Jang as follows :

"The appointment of one or more Vakils to carry on business between the Nizam of the day and his Minister is not a new thing in Hyderabad. In 1897 there were two such intermediaries, and a quarrel between the late Nizam Afzaluddaula and Sir Salar Jang about the appointment of one of them caused the latter to resign. Then in 1886 at the suggestion of Lord Dufferin, the present Nizam was induced to appoint an Englishman, Colonel Marshall, to the post of confidential adviser and secretary. This officer was withdrawn, and his appointment abolished in 1888. During Sir Asman Jah's tenure of office there was no intermediary, and the belief that in consequence the power of the Minister became too great and tended to overshadow the Nizam was one of the reasons which led His Highness to revive the office of Peshi Secretary upon a new footing. Everyone knows the dangers to which the appointment of an intermediary between the Nizam and his Minister gives rise. They were foreseen when Sarwar Jang was appointed Peshi Secretary. The Nizam was warned, and it was expressly provided that the Peshi Secretary should not interfere in the administration, but should confine himself to his own specific duties. For a time Sarwar Jang co-operated with the Minister and fulfilled the duties of his office in a fairly satisfactory manner. Gradually, however, he attempted to concentrate power in his own hands, and when his encroachments were resisted retaliated by creating difficulties with the Nizam. The relations between the Minister and the Peshi Secretary grew daily worse and recently the rupture was completed by the refusal of the Minister to hold any intercourse with him. And the confidence which the Nizam placed in Sarwar Jang made it easy for him to play upon the traditional jeolousy with which the Chief of a Native State is

apt to regard his Minister and so to bring the administration to a standstill. I discussed the situation personally with the Nizam at the interviews on the 8th and 31st January, at which I pointed out the serious difficulties with which owing to Sarwar Jang's conduct His Highness' Government was confronted, and I advised His Highness to consider whether it would not be advisable to remove Sarwar Jung from office and try the experiment of working direct with the Minister for one year. I mentioned also that one beneficent effect of taking this step would be to save the cost of the Peshi Secretary's salary and establishment which amount to about Rs. 50,000 per annum. At my second interview the Nizam informed me that he had decided to act upon this advice and I enclose a copy of a letter which I have since received from the Minister communicating the orders which His Highness has been pleased to pass in the matter".

These orders recited that His Highness had decided to abolish the office of Peshi Secretary and to dispense with the services of Sarwar Jang who was ordered to leave Hyderabad at once and not to return.

Pages 109 - 110

Confidential

Hyderabad Political Note-Book

By

H. R. Lynch-Blosse, I.C.S.,

Second Assistant Resident.

1919.

سرور جنگ کی روانگی

ماہ فروری سنہ ۱۸۹۷ء کے تحریر کردہ ایک خط میں (ملاحظہ ہو مسل نشان ۲۷۰) ریزیڈنٹ نے سرور جنگ کے عروج و زوال کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"نظام وقت اور ان کے وزیر اعظم کے درمیان اجراسئے کار کی غرض سے ایک یا زاید وکیلوں کا تقرر حیدرآباد کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ سنہ ۱۸۶۷ء میں اس قسم کے درمیانی معاملات کے واسطے دو شخص تھے اور مرحوم افضل الدولہ اور سر سالار جنگ کے درمیان ان دو میں سے ایک آدمی کے تقرر پر جو نزاع ہوا اُس نے آخر الذکر کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۸۹۶ء میں لارڈ ڈفرن کے مشورہ پر نظام کو اپنے مشیر راز اور معتمد کی حیثیت سے کرنل مارشل ایک انگریز کے تقرر پر آمادہ ہونا پڑا۔ اس افسر کو بعد میں واپس طلب کر لیا گیا اور اس کا تقرر سنہ ۱۸۸۹ء میں ختم کر دینا پڑا تھا۔ سر آسمان جاہ کے دور وزارت میں ایسا کوئی درمیانی شخص مقرر نہیں ہوا تھا اور یہ تاثر کہ اس صورت حال کے نتیجہ میں وزیر اعظم کے اختیارات اتنے لامحدود ہو چلے ہیں کہ خود نظام کو ان اختیارات نے اپنے سایہ میں لے لیا ہے ان وجوہ میں سے ایک وجہ تھی جن کی بنا پر ہز ہائی نس کو معتمدی پیشی کی جدید بنیاد پر تجدید کرنی پڑ گئی۔ ہر شخص اُن خطرات سے واقف ہے جو نظام اور اُن کے وزیر اعظم کا درمیانی آدمی اپنے ساتھ لے کر آتا ہے جب سرور جنگ کو معتمد پیشی مقرر کیا گیا ہے اُس وقت ان خدشات کا پہلے سے اندازہ تھا چنانچہ نظام کو اس سے آگاہ کر دیا گیا اور یہ شرط واضح طور پر عاید کر دی گئی تھی کہ معتمد پیشی نظم و نسق حکومت میں مداخلت سے باز رہیں گے اور اپنی سرگرمیوں کو صرف اپنے مخصوص فرائض کی بجا آوری تک محدود رکھیں گے۔

سرور جنگ نے وزیر اعظم کے ساتھ کچھ عرصہ تک تعاون عمل کیا اور اپنے عہدہ کی ذمہ داریاں خاصے اطمینان بخش طریقہ سے پوری کیں مگر انھوں نے رفتہ رفتہ قوت و اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں مرکوز کرنے کی کوشش شروع کر دی اور جب ان کو اس مداخلت سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی تو انھوں نے نظام کے

ساتھ تعلقات میں کشیدگی پیدا کرکے ترکی بہ ترکی جواب دینا چاہا۔ اس طرح معتمد پیشی اور وزیر اعظم کے باہمی تعلقات روز افزوں بدتر ہوتے گئے اور حال حال میں تو نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ وزیر اعظم اُن کے ساتھ ہر قسم کا تعلق رکھنے سے صاف انکار کردیا اور جو اعتماد نظام کو سرور جنگ پر تھا اس کے بھروسے پر سرور جنگ کے لئے اُس حصہ پر قبضہ کرلینا آسان ہوگیا جس سے ایک رہبر ریاست اپنے وزیر اعظم کی طرف سے خاطر جمع رہتا ہے اور نتیجتاً کاروبار ریاست ٹھپ ہوکر رہ گیا ہے۔ ۸ اور ۱۰ جنوری کو میں نے نظام کے ساتھ اس صورتِ حال پر بالمشافہ بات چیت کی اور اس موقع پر میں نے نظام کو اُن اہم شکایات کی طرف متوجہ کیا جن سے سرور جنگ کی اس روش کی بدولت حکومت نظام اُس وقت دوچار تھی۔ اور میں نے ہز ہائی نس کو مشورہ دیا کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ سرور جنگ کو اُن کے عہدہ سے سبکدوش کردیا جائے اور وزیر اعظم کے ساتھ بلا کسی دوسرے توسط کے راست ربط قائم رکھنے کا تجربہ سال بھر تک کے معاملات کا جائزہ نظام خود لیں۔ پھر میں نے یہ بات بھی واضح کردی کہ اس اقدام کا ایک مفید نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ معتمد پیشی کی تنخواہ اور اُن کے دفتر کا مرفہ جو پچاس ہزار روپیہ سال کے لگ بھگ ہے بچا رہے گا۔ میری اس دوسری باریابی کے موقع پر نظام نے مجھے مطلع کیا کہ میں نے آپ کے مشورہ پر چلنے کا تصفیہ کرلیا ہے۔ اس کے بعد وزیر اعظم کے یہاں سے جو تحریر میرے پاس آئی ہے اُس کی نقل ملفوف کرتا ہوں جس کے ساتھ وہ احکام میرے پاس روانہ کئے گئے ہیں جو نظام نے اس بارے میں صادر فرمائے ہیں۔"

ان احکام میں یہ صراحت تھی کہ ہز ہائی نس نے معتمد پیشی کا عہدہ شکست کرکے سرور جنگ کی خدمات ختم فرمادی ہیں اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حیدرآباد سے فوراً روانہ ہوجائیں اور پھر یہاں واپس نہ ہوں۔

صفحات ۱۰۹ تا ۱۱۰ منقول از کتاب حیدرآباد پولیٹیکل نوٹ بک مصنفہ لیج بلوس آئی سی ایس سیکنڈ اسسٹنٹ ریزیڈنٹ ۱۹۱۹

مخفی نہ رہے کہ ہماری اس کتاب کے صفحہ ۴۹۳ کے بعد جو مواد شریک ہے چونکہ وہ کتابت ختم ہونے کے بعد دستیاب ہوا ہے اس لئے افسوس ہے کہ جن مقامات پر اس کو درج ہونا تھا وہاں نہ ہوسکا اور اس کے لئے معافی چاہی جاتی ہے۔ مؤلف